

مکمل اعراب
نظر ثانی و تصحیح
مزید اضافہ عنوانات

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اشرف الہدایہ

شرح اردو
ہدایۃ

اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظیم اللہ
رفیق دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

تالیف: مولانا جمیل احمد سکروڈھوی
مدرس دارالعلوم دیوبند



کتاب الایمان

32631861: فون:ستان فون

مکمل اعراب، نظر ثانی و تصحیح، مزید اضافہ عنوانات

مولانا آفتاب عالم صاحب فاضل و تخصص جامعہ دارالعلوم کراچی

مولانا ضیاء الرحمن صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مولانا محمد یاسین صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

Maktaba Tul Ishaat.com

مُزَبِّ، نَظَر ثانی و اضافہ، عنوانات والا نسخہ

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (القرآن)
اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اشرف الہدایہ

شرح اردو

ہدایۃ

جلد ششم

باب عتق احد العبدین
تا
باب قطع الطريق

تالیف: مولانا سید امیر علی رحمہ اللہ علیہ
اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظمت اللہ
رفیق دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

مکمل اعراب، نظر ثانی و تصحیح، مزید اضافہ عنوانات

مولانا ضیاء الرحمن صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا محمد یامین صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

اڈو کابزار دیکھیں جتنا روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

Maktaba Tul Ishaat.com

مزید اضافہ عنوانات و تصحیح، نظر ثانی شدہ جدید ایڈیشن
 اضافہ عنوانات، تسہیل و کمپوزنگ کے جملہ حقوق بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : غلیل اشرف عثمانی
 طباعت : ستمبر ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
 ضخامت : 271 صفحات
 کمپوزنگ : منظور احمد

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے.....

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
 بیت القرآن اردو بازار کراچی
 بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
 مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد
 ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
 بیت العلوم 20 تاج روڈ لاہور
 مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
 مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
 کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
 مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
 مکتبہ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
 119-121, Halli Well Road
 Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
 At Continenta (London) Ltd.
 Cooks Road, London E15 2PW

فہرست عنوانات

۱۷

باب عتق احد العبدین

ایک آدمی کے تین غلام ہیں دو مولیٰ پر داخل ہوئے مولیٰ نے کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے ایک نکل گیا اور دوسرا آگیا مولیٰ

۱۷

نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے اور پھر مر گیا اس کا حکم

۱۸

آقا اگر مرض الموت میں مذکورہ قول کرے تو کیا حکم ہے

اور اگر ایسا قول عورتوں کی طلاق کے بارے میں ہو اور عورتیں غیر مدخولات ہوں اور شوہر بیان کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو

۱۹

کس کا مہر ساقط ہوگا

مولیٰ نے دو غلاموں کو کہا تم میں سے ایک آزاد ہے ایک کو بیچ دیا یا فوت ہو گیا یا کہا کہ میری موت کے بعد تم آزاد ہو کون سا آزاد ہو

۲۰

گا

مولیٰ نے باندی کو کہا اگر تو پہلی بار بچہ جنے تو تو آزاد ہے باندی نے ایک لڑکا اور لڑکی کو جنم دیا اور یہ معلوم نہیں پہلے لڑکا ہے یا لڑکی

۲۱

تو ماں آزاد ہوگی یا نہیں

۲۲

دو آدمیوں نے ایک شخص پر گواہی دی کہ اس نے اپنے ایک غلام کو آزاد کیا، گواہی کا حکم

۲۳

گواہی قبول کرنے کا اصول

۲۴

باب الحلف بالعتق

ایک شخص نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوا میرے تمام غلام آزاد اس وقت کسی غلام کا مالک نہیں پھر غلام خریدے اور گھر میں

۲۴

داخل ہوا غلام آزاد ہو جائیں گے

۲۵

اگر اپنی بیمن میں یومئذ کا لفظ استعمال کیا ہو تو غلام آزاد نہ ہوگا

۲۵

آقا نے کہا کل مملوك لی ذکر فھو حر اس کے پاس حاملہ جاری تھی جس نے مذکر بچہ جنا وہ آزاد ہوگا یا نہیں

۲۶

کل مملوك املكه فھو حر بعد غد کہنے کا حکم

آقا نے کہا کل مملوك املكه یا کہا کل مملوك لی حر بعد موتی اس قول کے وقت وہ ایک غلام کا مالک تھا بعد میں ایک خرید لیا کون سا

۲۶

غلام آزاد ہوگا

۲۸

باب العتق علی جعل

جس نے اپنے غلام کو مال پر آزاد کیا اور غلام نے اسے قبول کر لیا آزاد ہو جائے گا

۲۹

اگر غلام کے عتق کو مال کی ادائیگی پر معلق کیا تو بھی صحیح ہے

۳۱

اگر غلام نے مال حاضر کر دیا تو قاضی آقا کو آزاد کرنے پر مجبور کرے گا

۳۱

اپنے غلام کو کہا میری موت کے بعد ہزار درہم پر تم آزاد ہو، کہنے کا حکم

۳۱

غلام کو چار سال خدمت کرنے پر آزاد کر دیا اور غلام نے قبول کر لیا تو آزاد ہو جائے گا

اگر کسی نے دوسرے کو کہا کہ تم اپنی باندی کو ایسے ہزار درہم میں جو مجھ پر ہیں آزاد کرو اس شرط پر کہ اس کا نکاح میرے ساتھ کرو

۳۳

گے اس نے ایسا کر دیا باندی نکاح کرنے سے انکار کر دے، تو کیا حکم ہے؟

فہرست ۴ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
ایک شخص نے دوسرے سے کہا تم اپنی باندی کو میری طرف سے ہزار درہم پر آزاد کر دو اس شرط پر کہ تم اس کا نکاح میرے ساتھ
کرو گے، کا حکم

۳۴

۳۵

باب التدبیر

۳۵

مدبر کی تعریف

۳۶

مدبر کی بیع ہیہ اور اس کو ملک سے نکالنا ممنوع ہے

۳۷

مولیٰ مدبر غلام یا باندی سے کس قسم کے منافع حاصل کر سکتا ہے

۳۷

مولیٰ فوت ہو جائے تو مدبر ثلث مال سے آزاد ہوگا

۳۸

تدبیر کو موت کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

۳۹

باب الاستیلاء

۳۹

باندی ام ولد کب بنتی ہے اور اس کے متعلق احکام

۴۰

مولیٰ کو اپنی ام ولد پر کن کن باتوں کا اختیار ہے

۴۰

ام ولد کے بچہ کا نسب کب ثابت ہوگا

۴۱

مولیٰ ام ولد کے بچہ کی نفی کر دے تو کیا حکم ہوگا

۴۲

ایک آدمی نے عورت سے نکاح کیا بچہ ماں کے تابع ہے

۴۲

مولیٰ فوت ہو جائے تو ام ولد مولیٰ کے کل مال سے آزاد ہوگی

نصرانی کی ام ولد اسلام قبول کر لے تو اس ام ولد پر لازم ہے کہ سعی کرے انہی میں اور یہ بمنزلہ مکاتبہ کے ہوگی سعایہ ادا کرنے
کے بعد آزاد ہوگی

۴۳

۴۴

غیر کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ ہوا پھر اس کا مالک بن گیا باندی ام ولد ہوگی

بیٹے کی باندی سے وطی کی اس نے بچہ جنا وطی نے نسب کا دعویٰ کر دیا نسب ثابت ہو جائے گا اور یہ باندی ام ولد ہو جائے گی
اور بیٹے کیلئے باپ قیمت کا ضامن ہوگا

۴۵

۴۶

مشرکہ باندی نے بچہ جنا ایک نے نسب کا دعویٰ کیا اس کا نسب ثابت ہو جائے گا

۴۷

اگر دونوں نے نسب کا اکٹھے دعویٰ کیا دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا

۴۹

دونوں سے ثبوت نسب کی دلیل

۴۹

مولیٰ نے اپنے مکاتبہ کی باندی سے وطی کی، اس نے بچہ جنا، بچہ کے نسب کے دعویٰ کرنے کا حکم

۵۱

کتاب الایمان

۵۱

قسم کی اقسام ثلاثہ

۵۲

یمین منعقدہ کی تعریف

۵۳

یمین لغوی تعریف

۵۴

قصدا قسم کھانے والا، بکرہ اور ناسی سب برابر ہیں

۵۵

باب ما یکون یمینا و ما لا یکون یمینا

۵	اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
۵۵	اللہ کے اسماء ذاتی و صفاتی سے قسم کا حکم
۵۶	غیر اللہ کی قسم کھانے سے حالف نہیں ہوگا
۵۸	حروف قسم
۵۸	الفاظ قسم
۵۹	فارسی کے کن الفاظ سے قسم منعقد ہوگی
۶۰	علیٰ نذر یا علیٰ نذر اللہ کہنے کا حکم
۶۰	اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی یا نصرانی یا کافر ہوں یہ قسم ہے
۶۱	مسائل
۶۱	اگر کہا میں نے ایسا کیا تو مجھ پر اللہ کا غضب یا اللہ کی پھنکار ہو اس سے قسم کھانے والا شمار نہیں کیا جائے گا
۶۲	فصل فی الکفارة
۶۲	کفارة یمین
۶۲	کفارة کی اشیاء ثلاثہ پر قادر نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے
۶۳	حٹ پر کفارة کو مقدم کرنا
۶۳	معصیت پر حلف کا حکم
۶۳	کافر نے حالت کفر میں قسم کھائی یا اسلام لانے کے بعد حائث ہو گیا تو اس پر کفارة نہیں
۶۵	جس چیز کا میں مالک ہوں وہ مجھ پر حرام ہے کہنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوگی
۶۵	کسی نے کل حل علی حرام کہا یہ کھانے اور پینے پر محمول ہوگا یا جس کی نیت کی وہ مراد ہوگی
۶۶	نذر مطلق، مانی اس کا پورا کرنا لازم ہے یہی حکم نذر معین کا ہے
۶۷	قسم کے متصل انشاء اللہ کہا حائث نہیں ہوگا
۶۸	باب الیمین فی الدخول والسکنی
۶۸	قسم کھائی بیت میں داخل نہیں ہوں گا تو کعبہ مسجد یا بیعہ یا کلیئہ میں داخل ہونے سے حائث نہیں ہوگا
۶۹	قسم کھائی گھر میں داخل نہیں ہوں گا ویرانہ میں داخل ہوا حائث نہیں ہوگا
۶۹	قسم کھائی لا یدخل هذه الدار پھر وہ گھر ویران ہو گیا اور دوبارہ بنایا گیا پھر داخل ہوا حائث ہو جائے گا
۷۰	قسم کھائی کہ اس دار میں داخل نہیں ہوگا اس کی چھت پر پڑا رہا حائث ہو جائے گا
۷۱	قسم اٹھائی کہ اس دار میں داخل نہیں ہوگا اور وہ اس میں تھا بیٹھنے سے حائث نہیں ہوگا
۷۲	قسم کھائی یہ کپڑا نہیں پہنے گا حالانکہ اس نے پہنا ہوا تھا فی الحال اتار دیا حائث نہیں ہوگا
۷۳	قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہوں گا خود نکل گیا اور ساز و سامان اس کے اہل و عیال اسی میں ہیں اور لوٹنے کا ارادہ بھی نہیں ہے
۷۴	حائث ہو جائے گا
۷۴	قسم کھائی اس شہر میں نہیں رہوں گا تو بچے اور سامان منتقل کرنے پر موقوف نہیں
۷۵	مسائل

- باب الیمین فی الخروج والاتیان والركوب وغير ذلك
 ۷۶ قسم کھائی کہ مسجد سے نہیں نکلے گا پھر ایک آدمی کو حکم دیا اس نے اٹھا کر باہر کر دیا حانث ہو جائے گا
 ۷۶ قسم کھائی کہ اپنے گھر سے جنازے کے علاوہ کیلئے نہیں نکلے گا پھر جنازہ کیلئے نکلا پھر دوسرا کام بھی کر لیا حانث نہیں ہوگا
 ۷۷ قسم کھائی کہ بصرہ ضرور بضرور آؤں گا پھر نہ آیا یہاں تک کہ فوت ہو گیا تو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حانث ہو جائے گا
 ۷۷ قسم کھائی کہ میری بیوی میری اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلے گی اسے ایک دفعہ اجازت دے دی وہ باہر نکلی پھر دوبارہ اجازت کے بغیر باہر نکلی حانث ہو جائے گا
 ۷۸ ایک آدمی نے کسی کو کہا اجلس فتعد عندی اس نے کہا اگر میں ناشتہ کروں تو میرا غلام آزاد پھر اپنے گھر کی طرف گیا اور ناشتہ کیا حانث نہیں ہوگا

- باب الیمین فی الاكل والشرب
 ۸۱ قسم کھائی کہ اس کھجور سے نہیں کھاؤں گا اس سے کھجور کا پھل مراد ہے
 ۸۱ قسم کھائی کہ اس بچے سے یا جوان سے کلام نہیں کرے گا پھر بوڑھا ہونے کے بعد کلام کیا حانث ہو جائے گا
 ۸۱ قسم کھائی کہ بسر نہیں کھائے گا پھر رطب کھالیں حانث نہیں ہوگا
 ۸۲ قسم کھائی کہ رطب نہیں خریدوں گا پھر بسر کا خوشہ خرید لیا جس میں رطب بھی تھیں حانث نہیں ہوگا
 ۸۳ قسم کھائی گوشت نہیں کھاؤں گا پھر مچھلی کا گوشت کھا لیا حانث نہیں ہوگا
 ۸۳ مسائل

- قسم کھائی چربی نہ کھائے گا نہ خریدے گا کوئی چربی مراد ہوگی
 ۸۴ قسم کھائی کہ اس گندم کو نہیں کھاؤں گا چبائے بغیر کھانے سے حانث نہیں ہوگا
 ۸۵ قسم کھائی اس آٹے سے نہیں کھائے گا پھر اس کی روٹی کھالی حانث ہو جائے گا
 ۸۶ قسم کھائی بھنا ہوا نہیں کھائے گا گوشت مراد ہوگا
 ۸۶ قسم کھائی کہ سر نہیں کھائے گا سر کا اطلاق سر پر ہوگا
 ۸۷ قسم کھائی کہ فاکھ نہیں کھائے گا پھر انگور، انار، ترخما، کلڑی، کھیرا کھایا تو حانث نہیں ہوگا
 ۸۸ قسم کھائی کہ ادام سے نہیں کھاؤں گا، ادام کا مصداق
 ۸۹ ناشتہ نہ کرنے کی قسم اٹھائی غذا کا اطلاق کون سے کھانے پر ہوتا ہے
 ۹۰ اگر کہا ان لبست او اكلت او شربت فعبدی حو پھر کہا میری یہ مراد ہے قضاء تصدیق نہیں کی جائے گی
 ۹۱ قسم کھائی کہ دجلہ سے نہیں پئے گا پھر برتن سے پی لیا حانث نہیں ہوگا
 ۹۱ قسم کھائی ان لم اشرب الماء الذی فی هذا الكوز اليوم فامراته طالق اور کوزے میں پانی نہیں تھا حانث نہیں ہوگا
 ۹۲ اگر قسم کھائی لیصعدن السماء یا لیقلبن هذا الحجر ذہبا قسم منعقد ہو جائے گی اور حانث ہوگا

- باب الیمین فی الکلام
 ۹۴ قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا پھر کلام کی کہ وہ سن رہا تھا مگر وہ سویا ہوا تھا حانث ہو جائے گا
 ۹۴ اور اگر قسم کھائی فلاں کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کروں گا اس نے اجازت دے دی اور اسے معلوم نہیں اس نے کلام کیا حانث

- ہو جائے گا ۹۵
- قسم اٹھائی لا یکلمہ شہرہ قسم اٹھانے کے وقت سے مہینہ شمار ہوگا ۹۵
- اگر قسم کھائی کلام نہیں کرے گا پھر نماز میں قرآن پڑھا حانث نہیں ہوگا ۹۶
- قسم کھائی فلاں شخص سے گفتگو کروں تو میری بیوی کو طلاق تو بیوی کو کب طلاق ہوگی ۹۶
- اگر کہاں کلمت فلاں الا ان یقدم فلاں یا حتی یقوم فلاں یا الا ان یأذن فلاں یا حتی یأذن فلاں فامر انہ ۹۷
- طالق..... فلاں کے قدم اور اذن سے پہلے کلام کی حانث ہو جائے گا ۹۷
- قسم کھائی کہ لا یکلم عبد فلاں اور کسی معین غلام کی نیت نہیں کی یا فلاں کی بیوی یا فلاں کے دوست کے ساتھ کلام نہیں کروں گا..... مذکورہ الفاظ کے ساتھ قسم اٹھانے کا حکم ۹۷
- کسی معین غلام پر قسم کھائی یا کسی معین بیوی کیساتھ یا کسی معین دوست کیساتھ کلام نہیں کروں گا، غلام میں حانث نہیں ہوگا عورت ۹۸
- اور دوست میں حانث ہو جائے گا ۹۸
- قسم کھائی لا یکلم صاحب هذا الطیلسان اس نے چادر کو فروخت کر دیا پھر کلام کی حانث ہو جائے گا ۹۹
- قسم کھائی لا یکلم حینا اوزمانا کتنا زمانہ مراد ہوگا؟ ۱۰۰
- قسم اٹھائی لا یکلم الدھر اس سے کتنے دن مراد ہوں گے؟ ۱۰۰
- قسم کھائی چند دنوں تک بات نہیں کروں گا کتنے دن مراد ہوں گے؟ ۱۰۲
- غلام کو کہا ان خدقی ایاما کثیرۃ فانت حر، ایام کثیرہ کا مصداق کتنے دن ہوں گے؟ ۱۰۳
- باب الیمین فی العتق والطلاق ۱۰۳
- بیوی سے کہا جب تو بچہ جنے تجھے طلاق اس نے مرا ہوا بچہ جتنا طلاق ہو جائے گی ۱۰۳
- کسی نے کہا اپنی باندی سے کہ تو جب بچہ جنے تو وہ آزاد ہے، اس نے بچہ جتنا آزاد ہو جائے گا ۱۰۴
- پہلا وہ غلام جسے میں خریدوں وہ آزاد ہے، غلام خریدا آزاد ہو جائے گا ۱۰۴
- آخری غلام جسے میں خریدوں وہ آزاد ہے، یہ کہہ کر مولیٰ مر گیا، اب کیا ہوگا؟ ۱۰۵
- وہ آخری عورت جس سے میں نکاح کروں اسے تین طلاق ہیں، اس کا حکم ۱۰۵
- آقا نے کہا کہ ہر وہ غلام جو مجھے فلاں بیوی کے ہاں ولادت کی خوشخبری دے وہ آزاد ہے، تین غلاموں نے اسے علیحدہ علیحدہ ۱۰۶
- خوشخبری دی، پہلے والا آزاد ہو جائیگا ۱۰۶
- اگر کسی نے کہا ان اشتویث فلاں فھو حر، پھر کفارہ قسم کی طرف سے خریدا، یہ کفارہ درست نہیں ہے ۱۰۶
- اپنی ام ولد کو کفارہ کی نیت سے خریدا تو یہ کفارہ درست نہیں ۱۰۸
- کسی نے کہا اگر جاریہ سے ہمبستری کروں تو وہ آزاد ہے، پھر ہمبستری کی، وہ آزاد ہو جائے گی ۱۰۸
- کسی نے کہا کل مملوک لی حر تو اس میں مکاتب بغیر نیت کے شامل نہ ہوگا ۱۰۹
- اپنی بیویوں کو کہا کہ اس کو طلاق ہے یا اس کو اور اس کو طلاق ہے، آخری والی کو طلاق واقع ہو جائے گی ۱۱۰
- باب الیمین فی البیع والشراء والتزوج وغیر ذالک ۱۱۱
- حلف اٹھائی کہ بیع نہیں کرے گا یا خریدے گا نہیں یا کرایہ پر نہیں دے گا، پھر کسی کو وکیل بنایا اس نے یہ سب کیا تو حانث نہیں ہوگا ۱۱۱

- ۱۱۱ قسم کھائی کہ لا یتزوج او لا یطلق او لا یعق، پھر کسی کو وکیل بنایا اس نے یہ امور کئے، حانث ہو جائے گا
- ۱۱۲ اگر قسم کھائی اپنے غلام کو نہیں ماروں گا اور بکری کو ذبح نہیں کروں گا، کسی دوسرے کو ان کاموں کا حکم دیا، اس نے کر لئے تو حانث ہو جائے گا
- ۱۱۳ اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ اپنے بچے کو نہیں مارے گا پھر دوسرے آدمی کو مارنے کا حکم دیا، اس نے مارا تو حانث نہیں ہوگا
- ۱۱۳ کسی نے دوسرے کو کہا اگر یہ کپڑا میں تجھے بیچوں تو میری بیوی پر طلاق واقع ہو، مخلوف علیہ نے کپڑے کو خلط کر دیا، پھر حالف نے بیچا اور وہ جانتا نہیں تھا، حانث نہیں ہوگا
- ۱۱۴ ایک شخص نے کہا یہ غلام آزاد ہے اگر میں اسے بیچوں، پھر خیار شرط کیساتھ بیچا تو غلام آزاد ہو جائیگا
- ۱۱۴ کسی نے کہا اگر میں اپنا غلام یا باندی نہ بیچوں تو میری بیوی پر طلاق، غلام آزاد کر دیا یا مکاتب بنادیا تو اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے گی
- ۱۱۵ باب الیمین فی الحج والصلوة والصوم
- ۱۱۵ جو شخص کعبہ یا کسی اور جگہ میں ہے اور کہا بیت اللہ شریف کی طرف پیدل چل کر جانا مجھ پر لازم ہے، اسپر پیدل حج یا عمرہ واجب ہے
- ۱۱۶ کسی نے کہا مجھ پر بیت اللہ شریف کی طرف نکلنا یا جانا لازم ہے، اس پر کچھ بھی لازم نہیں
- ۱۱۷ کسی نے کہا اگر میں اسی سال حج نہ کروں میرا غلام آزاد ہے، پھر اس نے کہا میں نے حج کیا اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس سال اس شخص نے قربانی کو فہ میں کی، اس کا غلام آزاد ہو جائے گا
- ۱۱۷ روزہ نہ رکھنے کی قسم کھائی پھر روزے کی نیت کر لی اور ایک گھڑی روزہ رکھا پھر اس دن توڑ دیا حانث ہو جائے گا
- ۱۱۸ نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی پھر کھڑا ہو گیا قرات اور رکوع کیا حانث نہیں ہوگا
- ۱۱۹ باب الیمین فی لبس الثیاب والعلی وغیر ذالک
- ۱۱۹ بیوی سے کہا تیرے کاتے ہوئے سوت کا کپڑا پہنوں تو ہدی ہے پھر روئی خریدی اور عورت نے کاتا پھر اس نے بنا اور پہنا تو وہ ہدی ہوگا
- ۱۲۰ کسی نے قسم کھائی کہ زیور نہیں پہنے گا پھر چاندی کی انگٹھوشی پہن لی حانث ہوگا
- ۱۲۰ قسم کھائی کہ فرش پر نہیں سوتے گا پھر بچھونا بچھا کر سو گیا تو حانث ہو جائے گا
- ۱۲۱ باب الیمین فی القتل والضرب وغیرہ
- ۱۲۱ قسم کھائی کہ اگر میں نے تم کو مارا تو میرا غلام آزاد تو یہ قسم زندگی تک محدود ہوگی
- ۱۲۲ قسم کھائی کہ اگر میں تم کو غسل دوں تو میرا غلام آزاد ہے موت کے بعد غسل دیا تو حانث ہو جائے گا
- ۱۲۳ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اپنی بیوی کو نہیں ماروں گا، لیکن اس کے سر کے بال کھینچے یا اس کا گلا دبا یا وغیرہ، حانث ہو گیا نہیں
- ۱۲۳ قسم اٹھائی اگر میں فلاں کو قتل نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق اور فلاں مر چکا تھا اور حالف کو معلوم تھا تو حالف حانث ہو جائے گا
- ۱۲۴ باب الیمین فی تقاضی الدرہم
- ۱۲۴ قسم کھائی کہ میں فلاں کا عنقریب دین ادا کروں گا تو کتنے دن مراد ہوگا
- ۱۲۴ قسم اٹھائی کہ فلاں کا دین ضرور بھر دوں آج ادا کروں گا اور دین ادا کر دیا فلاں نے بعض درہم کو کھوٹا پایا تو قسم اٹھانے والا حانث نہیں ہوگا
- ۱۲۶ قسم کھائی کہ تھوڑا تھوڑا وصول نہیں کرے گا پھر تھوڑا تھوڑا وصول کیا حانث ہو گیا نہیں
- ۱۲۶ اگر میرے پاس سوائے سورپے کے ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے کے الفاظ سے قسم کا حکم

۱۲۶

مسائل متفرقہ

۱۲۶

قسم کھائی کہ فلاں کام نہیں کرے گا ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے

۱۲۷

کہا کہ میں ضرور بالضروریہ کام کروں گا ایک دفعہ کر لیا قسم ہو جائے گی

۱۲۷

اگر کسی حاکم وقت نے کسی شخص کو قسم دی کہ اس ملک میں جو کوئی شریعت آجائے تو ہمیں خبر دینا، یہ قسم کب تک برقرار رہے گی؟

۱۲۷

اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنا غلام فلاں شخص کو دیدوں گا، پھر اس نے اسے بہہ کر دیا، مگر اس (غلام) نے اسے قبول نہیں کیا، کیا قسم پوری ہوئی یا نہیں؟

۱۲۸

وہ شخص جس نے ریحان نہ سونگھنے کی قسم کھائی پھر ورد (گلاب) یا یا سمن سونگھی، حاشیہ نہیں ہوگا

۱۲۸

بنفشہ نہ خریدنے کی قسم کھائی اور نیت کچھ نہ تھی تو مراد اس کا روغن ہوگا

۱۳۳

کتاب الحدود

۱۳۳

حد کا لغوی، شرعی معنی اور اجراء حد کی حکمت

۱۳۳

ثبوت زنا اقرار اور پتہ سے

۱۳۳

گواہی کا طریقہ کار

۱۳۳

تفتیش زنا

۱۳۵

زنا کے بارے میں گواہی کی کیفیت

۱۳۵

اقرار کا طریقہ کار

۱۳۷

اتمام اقرار کے بعد تفتیش زنا

۱۳۸

اقرار سے رجوع کا حکم

۱۳۸

امام کیلئے رجوع کی تلقین کا حکم

۱۳۹

حد کی کیفیت اور اس کے قائم کرنے کا بیان

۱۳۹

رجم کا طریقہ کار

۱۴۰

گواہ پتہ مارنے سے انکار کر دیں تو حد ساقط ہو جائے گی

۱۴۱

غیر محسن زانی کی حد سو (۱۰۰) کوڑے ہے

۱۴۲

کوڑے مارنے کا طریقہ کار

۱۴۲

سر، چہرے اور شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں

۱۴۳

حدود میں کوڑے مارنے کی کیفیت

۱۴۳

زانی غلام کی حد

۱۴۴

عورت کو رجم کرنے کیلئے گڑھا کھودنے کا حکم

۱۴۵

آقا غلام پر حد جاری کر سکتا ہے یا نہیں؟

۱۴۶

احسان کب متحقق ہوگا؟

۱۴۸

محسن کیلئے رجم اور کوڑوں کو جمع نہیں کیا جائے گا

۱۴۹

باکرہ مرد و عورت کی سزا میں کوڑوں اور جلا وطنی کو جمع نہیں کیا جائے گا

۱۵۰

محسن زانی (مریض) کو رجم کرنے کا حکم

۱۵۰

حاملہ پر کب حد جاری کی جائے گی؟

۱۵۱

باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ

۱۵۱

زنا کی وطی موجب حد ہے

۱۵۳

مطلقہ ثلاث کی عدت میں وطی کرنے سے حد کا حکم

۱۵۴

طلاق کئی کی عدت میں وطی کرنے سے حد کا حکم

۱۵۴

بیٹے یا پوتے کی باندی سے وطی موجب حد نہیں

۱۵۵

بھائی اور چچا کی باندی سے وطی موجب حد ہے

۱۵۵

وطی بالنبہ موجب حد نہیں

۱۵۶

اپنے بستر پر کسی عورت کو پایا اور اس سے وطی کر لی تو حد جاری ہوگی

۱۵۶

محرّم سے نکاح کرنے کے بعد وطی کر لی تو حد جاری ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء

۱۵۷

اجنبیہ سے دادون الفرج وطی اور لواطت موجب تعزیر ہے، اقوال فقہاء

۱۵۹

چوپائے سے وطی موجب حد نہیں

۱۵۹

دار الحرب اور دار البغی میں کئے ہوئے زنا کی حدود الاسلام میں جاری نہیں کی جائے گی

۱۶۰

حربی امان لے کر دار الاسلام داخل ہوا اور ذمیہ سے زنا کیا یا ذمی نے حربیہ سے زنا کیا تو کس کو حد لگائی جائے گی، اقوال فقہاء

۱۶۲

بچہ یا دیوانہ نے اپنے اوپر اختیار اور موقع دینے والی عورت سے زنا کیا تو حد جاری ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء

۱۶۳

سلطان کی طرف سے زنا پر مجبور کرنے سے زنا کر لیا تو حد نہیں

۱۶۴

مرد عورت سے زنا کا چار بار اقرار کرے اور عورت نکاح کا دعویٰ کرے یا اس کے برعکس ہو تو حد جاری نہیں ہوگی

۱۶۴

باندی سے زنا کیا اور پھر قتل بھی کر دیا تو حد اور باندی کی قیمت لازم ہوگی

۱۶۵

امام وقت موجب حد حرکت کا ارتکاب کرے تو حد جاری نہیں ہوگی

۱۶۷

باب الشهادة علی الزناء والرجوع عنہا

۱۶۷

پرانی حد کی گواہی کب اور کس حق میں قبول ہے اور کب مردود ہے

۱۶۸

وہ حدود جو محض اللہ تعالیٰ کا حق ہیں پرانے ہونے سے ساقط ہو جاتی ہیں، اقوال فقہاء

کسی نے ایسی عورت سے زنا کی گواہی دی جو کہ غائب یا فلاں غائب کے مال کی چوری پر گواہی دے تو زنا کی حد لگائی جائے گی

۱۷۲

اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا وجہ فرق

۱۷۳

ایسی عورت کے بارے میں زنا کی گواہی دی کہ اسے ہم نہیں جانتے ہیں حد جاری ہوگی یا نہیں

۱۷۳

دو مردوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں مرد نے زبردستی زنا کیا ہے اور دو مردوں نے حالت خوشی سے زنا کے ہونے کی گواہی دی تو حد کا حکم

۱۷۴

دو گواہوں نے ایک عورت کے ساتھ کوفہ میں زنا کی گواہی دی دوسرے دو نے بصرہ میں زنا کی گواہی دی تو حد ساقط ہو جائے گی

۱۷۴

ایک ہی کمرہ کے دو گوشوں میں گواہی کے اختلاف کا حکم

- ۱۷۵ چار مردوں نے کوفہ اور چار مردوں نے دیرھند میں زنا کی گواہی دی حد جاری ہوگی یا نہیں
- ۱۷۵ چار مردوں نے ایک عورت کے بارے میں زنا کی گواہی دی حالانکہ عورت باکرہ ہے، زانی، مزنیہ اور گواہوں میں سے کسی پر حد جاری نہیں ہوگی
- ایسے چار مردوں نے زنا کی گواہی دی جو اندھے ہیں یا محدود فی القذف ہیں یا ان میں سے ایک بھی غلام ہو سب کو حد لگائی جائے گی
- ۱۷۶ فاسقوں نے زنا کی گواہی دی تو حد نہیں لگائی جائے گی
- ۱۷۶ تعداد شہود چار سے کم ہو تو بقیہ کو حد لگائی جائے گی
- ۱۷۷ چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور زانی کو حد لگائی گئی پھر گواہوں میں سے کوئی غلام یا محدود فی القذف تھا تو حد لگائی جائے گی
- ۱۷۷ کوڑے مارنے سے جو زانی اور زانیہ کو زخم ہو اس کا نقصان نہ گواہوں پر ہے نہ بیت المال پر
- ۱۷۸ چار آدمیوں کی گواہی پر چار آدمیوں نے زنا کی گواہی دی تو مجرم کو حد نہیں لگائی جائے گی
- ۱۷۹ اصل چار گواہوں نے معین مقام پر اپنے دیکھنے کی گواہی دی پھر بھی حد نہیں لگائی جائے گی
- ۱۷۹ چار آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی اور ان کی گواہی سے رجم کیا گیا جو بھی اپنی گواہی سے رجوع کرے گا اسے حد لگائی جائے گی
- ۱۸۰ مشہود علیہ کو ابھی حد جاری نہیں کی گئی کہ گواہوں میں سے ایک نے رجوع کر لیا سب کو حد لگائی جائے گی
- ۱۸۱ اگر پانچ گواہوں میں سے ایک یا دو گواہوں نے رجوع کر لیا تو حکم
- ۱۸۲ چار آدمیوں نے کسی مرد پر زنا کی گواہی دی گواہوں کو تزکیہ بھی ہو گیا پھر رجم بھی کر دیا گیا اس کے بعد معلوم ہوا کہ گواہ غلام یا مجوسی تھے تو دیت کس پر لازم ہے، اقوال فقہاء
- ۱۸۲ چار آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی قاضی نے رجم کا حکم دے دیا کسی نے مجرم کی گردن اڑا دی پھر معلوم ہوا گواہ غلام تھے تو قاتل پر دیت ہے
- ۱۸۳ مجرم کو رجم کیا گیا اور گواہ غلام تھے تو دیت بیت المال پر ہے
- ۱۸۳ گواہوں نے ایک مرد کے خلاف زنا کی گواہی دی اور کہا کہ ہم نے قصد آدنوں کی شرم گاہ کو بھی دیکھا ہے تب بھی ان کی گواہی مقبول ہوگی
- ۱۸۳ چار آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی وہ احسان کا انکار کرتا ہے حالانکہ اس کی بیوی ہے اور اسے بچہ ہے اس کو رجم کیا جائے گا
- ۱۸۵ اگر مجرم کا عورت سے بچہ نہ ہو لیکن ایک مرد اور دو عورتوں نے محسن ہونے کی گواہی دی رجم کیا جائے گا
- ۱۸۵ باب حد الشرب
- ۱۸۶ حد شرب کب جاری کی جائے گی
- ۱۸۶ منہ سے بو ختم ہونے کے بعد اقرار کیا تب بھی حد نہیں لگائی جائے گی
- ۱۸۷ گواہوں نے منہ سے بو آنے کی حالت میں پکڑا یا نشہ کی حالت میں پکڑا پھر امام کے شہر کی طرف لے کر بڑھے دوری کی وجہ سے بوز ائل ہو گئی تو حد لگائی جائے گی

۱۹۰

جس کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو یا شراب کی قیء کی ہو لیکن پیتے ہوئے نہیں دیکھا حد جاری نہیں ہوگی

۱۹۰

مدہوشی کی حالت میں حد نہیں لگائی جائے گی

۱۹۱

غلام کی حد شرب کی مقدار

۱۹۱

حد شرب میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں

۱۹۱

نشہ میں مست شخص کو حد لگانے کا حکم

۱۹۳

نشہ کا اقرار کرنے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی

۱۹۳

باب حد القذف

۱۹۳

حد قذف کا حکم

۱۹۴

حد جاری کرنے کی کیفیت

۱۹۴

غلام کی حد قذف

۱۹۵

دوسرے کے نسب کا انکار کرنے کی حد

۱۹۵

کسی سے کہا تم اپنے باپ کے بیٹے نہیں حد جاری ہوگی یا نہیں

۱۹۵

کسی سے کہا تم اپنے دادا کے بیٹے نہیں حد جاری نہیں ہوگی

۱۹۶

کسی نے دوسرے سے کہا اے زانیہ کے بیٹے حالانکہ اس کی ماں مرچکی ہے حد جاری ہوگی یا نہیں

۱۹۶

محسن پر زنا کی تہمت لگائی گئی تو اس کے بیٹے کو حد کے مطالبے کا حق ہے یا نہیں

غلام کی آزاد ماں پر آقا نے زنا کی تہمت لگائی یا اپنے بیٹے کی آزاد مسلمان ماں پر تہمت لگائی تو غلام اور بیٹے کو حد کے مطالبہ کا حق

۱۹۷

ہے یا نہیں

۱۹۸

جس پر تہمت لگائی گئی وہ مقذوف مرگیا حد باطل ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء

۱۹۹

قذف کے اقرار سے رجوع کا حکم

۱۹۹

عربی کو نہی کہنے سے حد جاری ہوگی یا نہیں

۱۹۹

کسی کو ابن ماء السماء کہنے سے حد کا حکم

۲۰۰

کسی کو ماموں، چچا یا سوتیلے باپ کی طرف منسوب کرنے سے حد کا حکم

۲۰۰

کسی کو زنا مت فی الجمل یا زنا مت علی الجمل یا زانی کہا حد جاری ہوگی یا نہیں

۲۰۱

ایک نے دوسرے کو کہا یا زانی دوسرے نے جواب میں کہا لابل انت کس پر کو حد جاری کی جائے گی

۲۰۱

شوہر نے بیوی سے کہا یا زانیہ بیوی نے جواب میں کہا لابل انت کس پر حد جاری ہوگی

۲۰۲

بیوی نے شوہر کے جواب میں کہا میں نے تیرے ساتھ زنا کیا حد اور لعان ہے یا نہیں

۲۰۳

بچے کا اقرار کیا پھر نفی کی اس پر لعان ہے یا نہیں

۲۰۴

شوہر نے کہا لیس بابی ولا بابک حد اور لعان ہے یا نہیں

کسی نے ایسی عورت پر الزام لگایا جس کے ساتھ بچے ہیں جن کا باپ معلوم نہیں یا جس عورت نے اپنے شوہر سے اپنے بچے

کے متعلق لعان کیا، حد کا حکم

- ۲۰۴ غیر ملک میں وطنی کرنے والے کے قاذف کو حد لگائی جائے گی یا نہیں
- ۲۰۶ ایسی عورت پر تہمت لگائی جو نصرانیت یا حالت کفر میں زنا کر چکی ہے اس کے قاذف کو حد نہیں جاری کی جائے گی
- ۲۰۷ ایسے آدمی پر تہمت لگائی جس نے ایسی باندی سے جو اس کی رضاعی بہن ہے، وطنی کی حد نہیں جاری ہوگی
- ۲۰۷ ایسے مکاتب پر تہمت لگائی جو بدل کتابت چھوڑ کر مر گیا حد کا حکم
- ۲۰۷ ایسے مجوسی کو زانی کہہ کر پکارا جس نے اسلام سے پہلے اپنی ماں سے نکاح کر کے وطنی کر لی حد کا حکم
- ۲۰۸ حربی ویزالے کے کردار الاسلام آیا کسی مسلمان کو زنا کا رکھ کر الزام لگایا حد جاری ہوگی یا نہیں
- ۲۰۸ مسلمان پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد لگائی گئی اس کی گواہی ناقابل قبول ہے
- ۲۰۹ کافر محدودنی القذف کی گواہی ذمی کافر کے حق میں ناقابل قبول ہے
- ۲۰۹ کافر قاذف کو ایک درامارا گیا پھر مسلمان ہو گیا اور بقیہ درے مارے گئے اس کی گواہی قابل قبول ہوگی
- ۲۱۰ ایک حد کی جرم سے کافی ہوگی یا نہیں

فصل فی التعزیر

- ۲۱۰ غلام، باندی، ام ولد یا کافر کو زنا کی تہمت لگائی اسے تعزیر لگائی جائے گی
- ۲۱۰ مسلمان کو یا فاسق، یا کافر یا غبیث یا سارق کہنے کا حکم
- ۲۱۱ یا حمار یا خنزیر کہنے کا حکم
- ۲۱۱ تعزیر کی مقدار
- ۲۱۲ تعزیر کے ساتھ جس کا حکم
- ۲۱۳ سزا میں سختی کی ترتیب
- ۲۱۳ حد زنا میں کس قدر سختی ہو
- ۲۱۴ جس کو امام نے حد یا تعزیر لگائی اور وہ مر گیا اس کا خون ہدر ہے

کتاب السرقة

- ۲۱۵ سرقة کا لغوی و شرعی معنی
- ۲۱۵ قطع ید کیلئے سرقة کی مقدار
- ۲۱۸ غلام اور آزاد، قطع ید میں مساوی ہیں
- ۲۱۸ چوری کا کتنی بار اقرار کرنے سے قطع ید واجب ہوتا ہے
- ۲۱۹ قطع ید کیلئے تعداد شہود
- ۲۱۹ چوری میں ایک جماعت شریک ہو کس کس کا ہاتھ کاٹا جائے

باب ما یقطع فیہ وما لا یقطع

- ۲۲۰ کس چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور کس میں نہیں
- ۲۲۱ دودھ، گوشت، پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں
- ۲۲۲ درختوں پر لگے ہوئے پھل اور لگی ہوئی کھیتی کی چوری میں قطع ید ہے یا نہیں

- ۲۲۳ طنبور کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۲۳ مسجد احرام کے دروازے کو چوری کرنے میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں
- ۲۲۴ سونے کی صلیب، شطرنج اور نردکی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۲۴ آزاد بچہ کو پڑانے والا اگر چہ بچہ کے بدن پر سونا ہو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۲۵ بڑے اور چھوٹے غلام کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں
- ۲۲۵ تمام دفتری رجسٹروں کو چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۲۵ کتے اور چیتے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۲۶ آلات لہو کی چوری کا حکم
- ۲۲۶ ساج، قتا، ابنوس اور صندل کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا
- ۲۲۶ سبز نگیں، یاقوت، زبرجد کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا
- ۲۲۷ لکڑی کے بنائے ہوئے برتن اور دروازوں کی چوری کا حکم
- ۲۲۷ خائن مرد و عورت کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۲۸ کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اتوال فقہاء
- ۲۲۸ بیت المال کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۲۹ جس نے قرض لینا تھا قرض کے برابر دراہم چوری کر لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۲۹ اگر قرض خواہ نے قرض دار کا سامان چرایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا
- ۲۳۰ جس نے چوری کی اس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ مال مالک کو مل گیا دوبارہ چوری کی تو ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں
- ۲۳۰ اگر مال اپنی حالت سے تبدیل ہو گیا چوری کی ہاتھ کاٹا گیا دوبارہ ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں
- ۲۳۱ فصل فی الحروز الاخذ منه
- ۲۳۱ والدین، اولاد، قریبی رشتہ دار کا مال چوری کرنے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا
- ۲۳۱ ذی رحم کے کمرہ سے کسی کا مال چوری کرنے پر قطع ید نہیں ہے
- ۲۳۲ رضاعی ماں کی چوری کرنے کا حکم
- ۲۳۲ میاں بیوی کا ایک دوسرے کی چیز، غلام کا آقا کی چیز، آقا کی بیوی کی چیز یا مالک کے شوہر کی چیز چوری کرنے پر قطع ید کا حکم
- ۲۳۳ آقائے مکاتب کا مال چرایا مال غنیمت کو کسی نے چرایا تو ہاتھ نہ کاٹیں گے
- ۲۳۳ حفاظت کی اقسام
- ۲۳۴ مکان میں محفوظ چیز کی حفاظت کے بارے میں حافظ کا اعتبار ہے یا نہیں
- ۲۳۵ مال محرز یا غیر محرز جس کے مالک اس کی حفاظت کر رہا ہو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا
- ۲۳۵ حمام سے چوری کا حکم
- ۲۳۶ مسجد سے ایسی چیز چوری کی جس کا مالک موجود ہو قطع ید ہوگا
- ۲۳۶ مہمان کے چوری کرنے سے قطع ید ہے یا نہیں

- ۲۳۶ چوری کی گھر سے باہر نہیں نکالا تھا تو قطع ید نہیں ہوگا
 ۲۳۷ چور بڑے احاطہ میں کئی کمرے تھے ان میں سے ایک سے چوری کر کے صحن کی طرف نکال کر لے آیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا
 ۲۳۷ چور نے گھر کو سوراخ کیا اور داخل ہو گیا اور مال اٹھا کر باہر کھڑے شخص کو دے دیا قطع ید کس پر ہے
 ۲۳۸ چوری کا سامان گدھے پر لا کر اسے ہانکا تو قطع ید ہوگا یا نہیں
 ۲۳۸ ایک گروہ گھر میں گھسا چوری ایک نے کی تو سب کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں
 ۲۳۹ چور نے نقب لگائی اور کوئی چیز ہاتھ سے اٹھالی قطع ید نہیں ہوگا
 ۲۴۰ اچکے نے پیسوں کی تھلی جو آستین سے باہر ہو یا اندر کاٹ لی قطع ید ہوگا یا نہیں
 ۲۴۱ کسی اونٹوں کی قطار سے ایک اونٹ ای اس کا بوجھ اتار لیا قطع ید ہوگا یا نہیں
 ۲۴۱ اگر چور بندھے ہوئے گٹھے کو پھاڑ کر اس سے مال لے لیا تو قطع ید ہوگا

فصل فی کیفیتہ القطع و الباتہ

- ۲۴۲ چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا
 ۲۴۳ متعدد بار چوری کرنے والے چور کا حکم
 ۲۴۵ چور بایاں ہاتھ مثل ہو یا کٹا ہوا ہو یا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو اس کے قطع ید کا حکم
 ۲۴۶ حاکم نے حد کو دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دی اس نے قصد یا خطا بایاں کاٹا حداد پر کچھ لازم ہے یا نہیں، اقوال فقہاء
 ۲۴۷ چور کا ہاتھ مسروق منہ کے مطالبہ کے بعد کاٹا جائے گا
 ۲۴۸ مستودع ما غائب اور صاحب و دیعت چور کا ہاتھ کٹا سکتے ہیں یا نہیں
 ۲۵۰ چور نے کسی کا مال چرایا جس سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر یہ مال دوسرے شخص نے چر لیا تو پہلا چور یا اصل مالک دوسرے چور کا ہاتھ کٹا سکتے ہیں یا نہیں
 ۲۵۱ چور نے چوری کی اور قاضی کی عدالت میں پیش ہونے سے پہلے مال واپس کر دیا قطع ید ہوگا یا نہیں، اقوال فقہاء
 ۲۵۲ قاضی نے چور کے قطع ید کا فیصلہ سنا دیا پھر مالک نے وہ مال چور کو ہبہ کر دیا قطع ید ہوگا یا نہیں
 ۲۵۲ قاضی کے فیصلے کے بعد قطع ید سے پہلے نصاب سرقہ کم ہو جائے تو قطع ید ہوگا یا نہیں، اقوال فقہاء
 ۲۵۳ سارق نے عین مسروقہ کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ اس کی ملکیت ہے قطع ید ساقط ہو جائے گی
 ۲۵۳ دو حد مردوں نے چوری کی ایک نے مسروقہ چیز پر ملک کا دعویٰ کیا دونوں سے قطع ید ساقط ہو جائے گی
 ۲۵۴ دو چوروں نے چوری کی اور ایک غائب وہ گیا اور گولہوں نے دونوں پر چوری کی گواہی دی تو موجود پر قطع ید ہوگا یا نہیں
 ۲۵۴ عبد مجبور نے دس درہم چوری کا اقرار کیا تو قطع ید ہوگا
 ۲۵۵ غلام مجبور نے مازون نے ایسے مال کی چوری کا اقرار کیا جو اختیاری یا غیر اختیاری طور پر ضائع ہو چکا ہو قطع ید ہوگا
 ۲۵۷ چور کے قطع ید کے بعد مال مسروقہ سارق کے پاس موجود ہو تو مسروق منہ کو لوٹا یا جائے گا اور اگر ہلاک ہو گیا تو سارق پر ضمان نہیں ہوگا
 ۲۵۸ سارق کا ہاتھ کئی چوریوں میں سے ایک کی وجہ سے کاٹا گیا تو وہ تمام چوریوں کی طرف سے کافی ہو جائے گا اور سارق پر تاوان لازم ہوگا یا نہیں، اقوال فقہاء

۲۵۹

باب ما یحدث السارق فی السرقة

۲۵۹

چور نے کپڑا چوری کیا اور گھر ہی میں اسکے دو ٹکڑے کر کے باہر لے آیا اس کی قیمت دس درہم ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں

۲۶۰

کسی نے بکری چرا کر اسے ذبح کر دیا اس کے بعد اسے باہر لایا تو اس کا حکم

۲۶۰

چور نے سونا یا چاندی چوری کیا اس کے درہم ای دنیا نیر بنائے قطع ید ہوگا اور درہم و دنیا نیر کا رد بھی لازم ہوگا

۲۶۱

کپڑا چوری کیا اور اسے سرخ رنگ کر لیا قطع ید ہوگا اور کپڑا واپس نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی کپڑے کا ضمان ہوگا

۲۶۲

کپڑے کو سیاہ رنگ کر دیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کپڑا واپس لیا جائے گا

۲۶۲

باب قطع الطريق

۲۶۳

ڈاکو کی سزا کا حکم، ڈاکہ کی تعریف

۲۶۳

ڈاکہ ڈالنے والی جماعت نے مسلمان یا ذمی کا حال لوٹا لیا اس جماعت کو امام وقت کی سزا دے گا

۲۶۳

ڈاکہ کب متحقق ہوگا یعنی ڈاکہ کی شرائط

۲۶۵

ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا اور مال بھی چھینا امام کی سزا دے گا

۲۶۶

ڈاکوؤں کو زندہ سولی پر لٹکا یا جائے گا اور نا کے پیٹ نیزے سے چاک کرے گا یہاں تک کہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دے

۲۶۶

سولی پر کتنے دن لٹکا یا جائے

۲۶۶

ڈاکو کو قتل کر دیا گیا تو سرقہ صغر کی کا تاوان اس پر نہیں لاد جائے گا

۲۶۷

اگر قتل کا فعل کسی ایک نے انجام دیا تو سب پر حد جاری کی جائے گی

۲۶۷

لاٹھی، پتھر اور تلوار سے قتل برابر ہے

۲۶۷

ڈاکو نے قتل بھی نہیں کیا اور مال بھی نہیں لوٹا فقط زخمی کیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا

۲۶۷

ڈاکو نے مال لوٹا اور زخمی کیا تو ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹا جائے اور جو زخم لگے وہ ساقط ہو جائیں گے

۲۶۸

ڈاکو توبہ کرنے کے بعد پکڑا گیا اور اس نے عہد اُقتل کیا تھا تو اولیاء مقتول چاہے قصاص لیں چاہے معاف کر دیں

۲۶۸

ڈاکوؤں کی جماعت میں کوئی نابالغ، مجنون، مقطوع لہی، ہکا، قریبی رشتہ دار ہو تو باقی ڈاکوؤں سے حد ساقط ہو جائے گی

۲۶۹

حد ساقط ہو گئی تو قصاص لینے کا حکم اولیاء مقتول کو ہوگا

۲۷۰

اگر بعض قافلہ والوں بعض دوسرے قافلہ والوں پر ڈاکہ ڈالا تو ڈاکہ کی حد جاری نہیں ہوگی

۲۷۰

ڈاکوؤں نے شہر میں یا شہر کے قریب دن یا رات کو ڈاکہ ڈالا تو ڈاکہ کی حد جاری نہیں ہوگی

۲۷۰

کسی نے دوسرے کا گلابا کر مار ڈالا تو دیت قاتل کی عاقبت پر ہوگی

۲۷۱

اگر شہر میں کسی کو گلابا کر موت کی گھاٹ اتار چکا ہے تو قتل کیا جائے گا



بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب عتق احد العبدین

ترجمہ..... باب دو غلاموں میں کسی ایک کے آزاد ہونے کا بیان

ایک آدمی کے تین غلام ہیں دو مولیٰ پر داخل ہوئے مولیٰ نے کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے
ایک نکل گیا اور دوسرا آگیا مولیٰ نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے اور پھر مر گیا اس کا حکم

وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةُ أَعْبِدَ دَخَلَ عَلَيْهِ اثْنَانِ فَقَالَ أَحَدُكُمَا حُرُّكُمَا مَاتَ وَلَمْ يَبَيِّنْ عَتَقَ مِنَ الذِّي أُعِيدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِهِ وَنِصْفُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنَ الْآخَرِينَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ أَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ كَذَلِكَ إِلَّا فِي الْعَبْدِ الْآخِرِ فَإِنَّهُ يُعْتَقُ رُبْعُهُ أَمَّا الْخَارِجُ فَلَا لِلْإِجَابِ الْأَوَّلِ دَائِرَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّابِتِ وَهُوَ الَّذِي أُعِيدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ فَأَوْجَبَ عَتَقَ رَقَبَةً بَيْنَهُمَا لِاسْتِوَانِهَا فَيُصِيبُ كُلًّا مِنْهُمَا النِّصْفُ غَيْرَ أَنَّ الثَّابِتَ اسْتِفَادَ بِالْإِجَابِ الثَّانِي رُبْعًا آخِرًا لِأَنَّ الثَّانِي دَائِرَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الدَّخِلِ فَيَتَنَصَّفُ بَيْنَهُمَا غَيْرَ أَنَّ الثَّابِتَ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْحُرِّيَّةِ بِالْإِجَابِ الْأَوَّلِ فَشَاعَ النِّصْفُ الْمُسْتَحَقُّ بِالثَّانِي فِي نِصْفِهِ فَمَا أَصَابَ الْمُسْتَحَقُّ بِالْأَوَّلِ لَغَا وَمَا أَصَابَ الْفَارِغَ بَقِيَ فَيَكُونُ لَهُ الرُّبْعُ فَتَمَّتْ لَهُ ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ وَلِأَنَّهُ لَوْ أُرِيدَ هُوَ بِالثَّانِي يَعْتَقُ نِصْفَهُ وَلَوْ أُرِيدَ بِهِ الدَّخِلُ لَا يَعْتَقُ هَذَا النِّصْفَ فَيَتَنَصَّفُ فَيَعْتَقُ مِنْهُ الرُّبْعُ بِالثَّانِي وَالنِّصْفُ بِالْأَوَّلِ وَأَمَّا الدَّخِلُ فَمُحَمَّدٌ يَقُولُ لَمَّا دَارَ الْإِجَابُ الثَّانِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّابِتِ وَقَدْ أَصَابَ الثَّابِتُ مِنْهُ الرُّبْعَ فَكَذَلِكَ يُصِيبُ الدَّخِلُ وَهُمَا يَقُولَانِ إِنَّهُ دَائِرَ بَيْنَهُمَا وَقَضِيَّتُهُ التَّنْصِيفُ وَإِنَّمَا نَزَلَ إِلَى الرُّبْعِ فِي حَقِّ الثَّابِتِ لِاسْتِحْقَاقِهِ النِّصْفَ بِالْإِجَابِ الْأَوَّلِ كَمَا ذَكَرْنَا وَلَا اسْتِحْقَاقَ لِلدَّخِلِ مِنْ قَبْلِ فَيُثَبِّتُ فِيهِ النِّصْفُ

ترجمہ..... اگر کسی شخص کے (الف، ب، ج) تین غلام ہوں۔ اتفاق سے ایک مرتبہ دو غلام (الف، ب) اس کے سامنے آئے تو اس نے یہ کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے۔ اس کے بعد ان دونوں میں سے ایک (الف) وہیں رہا اور ایک (ب) وہاں سے نکل گیا۔ اس کے بعد وہ تیسرا (ج) بھی آگیا اس وقت پھر مولیٰ نے کہا تم میں سے ایک آزاد ہے۔ اس کے بعد اس کی کچھ وضاحت کے بغیر ہی مر گیا۔ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو غلام برابر موجود رہا (الف) یعنی مولیٰ کے قول کا وہ دوبار مخاطب ہوا اس کے ۳/۴ تین چوتھائی حصے آزاد ہوں گے اور باقی دونوں (ب اور ج) میں سے ہر ایک کا آدھا آدھا آزاد ہوگا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے سوائے آخر میں آنے والے (ج) کے کہ اس کا صرف چوتھائی حصہ آزاد ہوگا۔ واضح ہو کہ پہلا قول حاضر رہنے والے (الف) اور نکل جانے والے (ب) کے درمیان خطاب تھا۔ اس لئے اس کلام سے ایک غلام آزاد ہوا جو ان دونوں میں مشترک ہے۔ کیونکہ یہ دونوں برابر کے مستحق ہیں۔ لہذا ہر ایک کو آدھی آدھی آزادی ملی یعنی نکلنے والے (ب) میں سے آدھا اور حاضر رہنے والے (الف) میں سے آدھا آزاد ہوا اور وہ جو موجود رہ گیا تھا (الف) وہ تیسرے آنے والے (ج) کے ساتھ ایک غلام کا مستحق ہو کر آدھا پانچواں حصہ لے لیا۔ لیکن اسے صرف چوتھائی حصہ اس لئے ملا کہ موجود میں سے پہلے قول کی وجہ سے

آدھا آزاد ہو گیا ہے۔ اس لئے دوسرا آدھا اس کے دونوں ٹکڑوں پر پھیلا۔ اس میں سے ہر آدھے کے مقابلہ میں چوتھائی حصہ ہوا۔ اس طرح ایک چہارم جو پہلے آدھے کے مقابلہ میں آیا وہ لغو ہو گیا اور ایک چہارم جو دوسری آدھے کے مقابلہ میں آیا وہ باقی رہا۔ اس لئے دوسرے قول سے اس کو صرف چہارم کا حق ملا۔ الحاصل قول اول سے آدھا اور دوسرے قول سے چہارم مل کر اس کا تین چوتھا (۳/۴) حصہ آزاد ہوا اور اس دلیل سے کہ اگر دوسرے کلام سے مراد یہی غلام ہو تو اس کا باقی آدھا آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر اس سے آنے والا تیسرا غلام (ج) مراد ہو تو اس کا باقی آدھا بھی آزاد نہ ہوگا۔ اس لئے نصف نصف رکھا گیا یعنی باقی آدھے میں سے نصف آزاد مانا گیا پس دوسرے کلام سے چوتھائی اور پہلے کلام سے آدھا مل کر یوں (۳/۴) تین چوتھائی) آزاد ہوا اور اب تیسرے غلام کے متعلق امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب دوسرے کلام سے ایک غلام آزاد ہونا اس کے اور موجود (الف) کے درمیان آیا حالانکہ اس میں سے بھی اسے چہارم ملا ہے تو تیسرے آنے والے کو بھی اتنا ہی ملے گا۔ پس تیسرے میں چہارم آزاد ہوگا اور امام ابو حنیفہ و ابو یوسف رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ وہ غلام بے شک ان دونوں میں آ کر ہر ایک کو آدھا آدھا ملا۔ لیکن موجود کے واسطے آدھے سے کم کر کے صرف چہارم اس لئے رہ گیا کہ وہ پہلے کلام سے آدھا آزاد ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور تیسرے آنے والے کے لئے حق پہلے نہ تھا۔ اس لئے اس میں نصف کی آزادی ثابت ہو گئی۔

تشریح..... وَمَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثَةٌ أُعْبِدَ دَخَلَ عَلَيْهِ اِثْنَانِ فَقَالَ اَحَدُكُمَا خَرُفْتُمْ خَرَجَ وَاحِدٌ وَدَخَلَ اٰخَرُ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔
ثُمَّ بَاتَ وَلَمْ يَبَيِّنْ الخ -

فائدہ..... لیکن اگر وہ زندہ رہ جاتا تو اسے اپنے مجمل قول کو بیان کرنے کے لئے حکم دیا جاتا۔ اگر وہ پہلے کلام کے بارے میں کہتا کہ اس سے میری مراد وہی غلام ہے جو باہر چلا گیا ہے۔ تو وہ پورا آزاد ہو جاتا۔ لیکن اگر وہ پہلے کلام کے بارے میں یوں کہتا کہ جو غلام کھڑا رہ گیا تھا وہی میری مراد تھی تو وہی آزاد ہو جاتا۔ تیسرے غلام کے آنے کے بعد اگر وہ یہی جملہ کہتا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے تو یہ سمجھا جاتا کہ اس شخص نے اس جملہ سے الف کے آزاد ہوجانے کی خبر دی ہے۔ کیونکہ جو شخص موجود ہے (الف) وہ یقیناً پہلے جملہ سے ہی آزاد ہو چکا ہے اور اگر مالک پہلے دوسرے کلام کو بیان کرتا کہ میری مراد تیسرا غلام (ج) تھا تو وہی آزاد ہو جاتا لیکن پھر اس سے پہلے کلام کے بارے میں پوچھا جاتا اور اس میں وہ جسے متعین کرتا خواہ وہ (الف) ہو یا (ب) وہی آزاد ہوتا اور اگر دوسرے کلام سے حاضر کو مراد لیتا تو جانے والا آزاد اور تیسرا غلام ہی رہتا۔ اب جبکہ مولیٰ مرچکا ہے۔ تو اس کی تفصیل اسی جگہ متن میں مذکور ہے۔

أَمَّا الْخَارِجُ فَلِأَنَّ الْإِنْجَابَ الْأَوَّلَ دَائِرَ بَيْنَةٍ وَبَيْنَ الثَّابِتِ وَهُوَ الَّذِي أُعْبِدَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ الخ

ف..... اس مسئلہ کی مثال یہ ہے کہ زید کے تین غلام ہیں: (۱) اسلم (۲) بابر (۳) جمال ان میں سے اسلم (الف) اور بابر (ب) اس کے پاس آئے تو اس نے کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے پھر الف کھڑا رہ گیا اور ب چلا گیا پس اس کہنے سے ان دونوں کا نصف نصف آزاد ہو گیا۔ پھر جمال آیا تو مالک زید نے پھر کہا کہ تم میں سے ایک آزاد ہے تو اس جملہ سے الف اور ج دونوں کے حصہ میں آدھی آدھی آزادی آئی۔ لیکن الف کا آدھا حصہ پہلے سے آزاد ہونے کی وجہ سے وہ صرف چوتھائی حصہ کی مزید آزادی کا مستحق ہوا اس طرح اس کے تین چوتھائی حصے آزاد ہوئے اور باقی ہر ایک آدھا آدھا آزاد ہوا۔

آقا اگر مرض الموت میں مذکورہ قول کرے تو کیا حکم ہے

قَالَ فَإِنْ كَانَ الْقَوْلُ مِنْهُ فِي الْمَرَضِ قَسَمَ الثَّلَاثَ عَلَى هَذَا وَشَرَحَ ذَلِكَ أَنْ يُجْمَعَ بَيْنَ سَهَامِ الْعَتَقِ وَهِيَ سَبْعَةٌ عَلَى قَوْلِهِمَا لِأَنَّا نَجْعَلُ كُلَّ رَقَبَةٍ عَلَى أَرْبَعَةٍ لِحَاجَتِنَا إِلَى ثَلَاثَةِ الْأَرْبَاعِ فَنَقُولُ يَعْتِقُ مِنَ الثَّابِتِ ثَلَاثَةً أَسْهُمَ وَمِنَ الْآخَرَيْنِ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا سَهْمَانِ فَيَبْلُغُ سَهَامُ الْعَتَقِ سَبْعَةً وَالْعَتَقُ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ وَصِيَّةٌ وَمَحَلُّ نَفَاذِهَا

الثُلُثُ فَلَا بُدَّ أَنْ يُجْعَلَ سِهَامُ الْوَرَثَةِ ضِعْفُ ذَلِكَ فَيُجْعَلَ كُلُّ رَقَبَةٍ عَلَى سَبْعَةٍ وَجَمِيعُ الْمَالِ أَحَدُ عَشْرُونَ فَيَعْتِقُ مِنَ الثَّابِتِ ثَلَاثَةً وَيَسْعَى فِي أَرْبَعَةٍ وَيَعْتِقُ مِنَ الْبَاقِيْنَ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا سَهْمَانِ وَيَسْعَى فِي خَمْسَةٍ فَإِذَا تَامَتِ وَجُمِعَتِ اسْتَقَامَ الثُّلُثُ وَالثَّلَاثَانِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يُجْعَلُ كُلُّ رَقَبَةٍ عَلَى سِتَّةٍ لِأَنَّهُ يَعْتِقُ مِنَ الدَّاخِلِ عِنْدَهُ سَهْمٌ فَنَقَصَتْ سِهَامُ الْعَتَقِ بِسَهْمٍ وَصَارَ جَمِيعُ الْمَالِ ثَمَانِيَةَ عَشْرٍ وَبَاقِي التَّخْرِيجِ مَأْمُورٌ

ترجمہ..... پھر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ مولیٰ نے اپنے تین غلاموں سے جو بات کہی ہے اگر وہ اپنے مرض الموت کی حالت میں کہی یعنی بلا خراسی مرض میں مر گیا ہو تو مولیٰ کا صرف تہائی ترکہ اسی حساب سے تقسیم ہوگا۔ اس قول کی شرح اس طرح سے ہے کہ ان غلاموں کی آزادی کے کل حصوں کو جمع کیا جائے گا جو کہ شیخین کے قول کے مطابق کل سات ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں دینے کے لئے تین چوتھائی حصے بنانے کی ضرورت ہے اس لئے ہم نے ہر رقبہ کے چار حصے کئے۔ اس کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ ان سات حصوں میں سے حاضر غلام (الف) کے تین حصے آزاد ہوں گے اور باہر جانے والے (ب) اور تیسرے آنے والے (ج) میں سے ہر ایک کے دو حصے آزاد ہوں گے۔ اس طرح آزادی کے کل حصے سات ہوئے۔ اب یہ بھی جانتا چاہئے کہ مرض الموت میں آزاد کرنا، وصیت کرنے کے معنی میں ہوتا ہے۔ گویا مولیٰ نے ان غلاموں کے لئے اتنی آزادی کی وصیت کی اور وصیت زیادہ سے زیادہ ایک تہائی ترکہ سے نافذ ہوتی ہے۔ اس بناء پر اس کے دو گئے زائد حصے اور بھی ورثہ کے لئے ماننے پڑیں گے اور چونکہ ترکہ میں مولیٰ نے صرف یہی تین غلام چھوڑے ہیں اس لئے ہر غلام کے سات حصے ہوں گے اور پورے مال کے اکیس حصے ہوں گے۔ پس حاضر غلام (الف) میں سے تین حصے آزاد ہو جائیں گے اور وہ اپنے سات حصوں میں سے چار کے واسطے کمائی کر کے ادا کر دے اور باقی دونوں میں سے ہر ایک سے دو حصے آزاد ہوں گے اور ہر ایک اپنے پانچ حصے کے واسطے وارثوں کے لئے کمائے گا۔ اب ان حصوں میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جائے گی ایک تہائی وصیت تک مولیٰ کو بیان کا حق ہے تب تک دونوں میں سے ہر ایک غلام ایک اعتبار سے غلام مگر دوسرے اعتبار سے آزاد ہے۔ پس جب موجود رہنے والا مثل مکاتب کے ہو تو دوسرا کلام ہر اعتبار سے صحیح ہوا۔ کیونکہ یہ کلام ایک غلام اور ایک مکاتب کے درمیان ہے۔ لیکن اس میں سے موجود رہنے والے کو صرف چوتھا حصہ اور تیسرے آنے والے کو آدھا ملے گا۔

تشریح..... مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اور اگر ایسا قول عورتوں کی طلاق کے بارے میں ہو اور عورتیں غیر مدخولات ہوں اور شوہر

بیان کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو کس کا مہر ساقط ہوگا

وَلَوْ كَانَ هَذَا فِي الطَّلَاقِ وَهْنٌ غَيْرُ مَدْخُولَاتٍ وَمَاتَ الزَّوْجُ قَبْلَ الْبَيَانِ سَقَطَ مِنْ مَهْرِ الْخَارِجَةِ رُبْعُهُ وَمِنْ مَهْرِ الثَّابِتَةِ ثَلَاثَةٌ اٰثْمَانِهِ وَمِنْ مَهْرِ الدَّاخِلَةِ ثُمْنُهُ قِيلَ هَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ خَاصَّةً وَعِنْدَهُمَا يَسْقُطُ رُبْعُهُ وَقِيلَ هُوَ قَوْلُهُمَا اَيْضًا وَقَدْ ذَكَرْنَا الْفَرْقَ وَتَمَامُ تَفَرُّعَاتِهَا فِي الزِّيَادَاتِ

ترجمہ..... اور اگر یہ صورت طلاق کے بارے میں ہو اور وہ عورتیں اس (قائل) کی غیر مدخولہ ہوں اور شوہر اپنے بیان سے پہلے فوت ہو گیا تو باہر نکلنے والی عورت کے مہر سے چوتھا حصہ ختم ہو جائے گا اور موجود رہنے والی عورت کا مہر آٹھ حصوں میں سے تین حصے ہوگا اور داخل ہونے والی بیوی کا آٹھواں حصہ ختم ہوگا اور کہا گیا یہ قول خاص طور پر امام محمد کا ہے اور کہا گیا ان دونوں (شیخین) کے ہاں تیسری عورت کا چوتھا حصہ ختم ہوگا اور کہا گیا یہی قول امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کا ہے اور اس مسئلہ کو تمام تفریعات کے ساتھ زیادات میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

مولیٰ نے دو غلاموں کو کہا تم میں سے ایک آزاد ہے ایک کو بیچ دیا یا فوت ہو گیا یا کہا کہ میری موت کے بعد تم آزاد ہو کوں سا آزاد ہو گا

وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِيهِ أَحَدُكُمَا حَرِّفَاعَ أَحَدُهُمَا أَوْ مَاتَ أَوْ قَالَ لَهُ أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي عَتَقَ الْآخَرَ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ مَحَلًّا لِلْعَتَقِ أَصْلًا بِالمَوْتِ وَلِلْعَتَقِ مِنْ جِهَتِهِ بِالبَيْعِ وَلِلْعَتَقِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ بِالتَّدْبِيرِ فَتَعَيَّنَ الْآخَرُ وَلِأَنَّهُ بِالبَيْعِ قَصْدُ الْوُصُولِ إِلَى الثَّمَنِ وَبِالتَّدْبِيرِ إِبْقَاءُ الْإِنْتِقَاعِ إِلَى مَوْتِهِ وَالْمَقْصُودُ أَنْ يُبَايِنَ الْعَتَقُ الْمُتْلَزِمَ فَتَعَيَّنَ لَهُ الْآخَرُ دَلَالَةً وَكَذَا إِذَا اسْتَوْلَدَ أَحَدُهُمَا لِلْمَعْنِيِّينَ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْبَيْعِ الصَّحِيحِ وَالْفَاسِدِ مَعَ الْقَبْضِ وَبِدُونِهِ وَالْمُطْلَقِ وَبِشَرْطِ الْخِيَارِ لِأَحَدِ الْمُتَعَاقِدِينَ لِإِطْلَاقِ جَوَابِ الْكِتَابِ وَالْمَعْنَى مَا قُلْنَا وَالْعَرَضُ عَلَى الْبَيْعِ مُلْحَقٌ بِهِ فِي الْمَحْفُوظِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَالْهَبَةِ وَالتَّسْلِيمِ وَالصَّدَقَةِ وَالتَّسْلِيمِ بِمَنْزِلَةِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ لِامْرَأَتِيهِ أَحَدُكُمَا طَالِقٌ ثُمَّ مَاتَتْ أَحَدُهُمَا لِمَا قُلْنَا وَكَذَلِكَ لَوْ طَوَّيَ أَحَدُهُمَا لِمَانِيْنٍ وَلَوْ قَالَ لِأَمْتِيهِ أَحَدُكُمَا حُرٌّ ثُمَّ جَامَعَ أَحَدُهُمَا لَمْ يَعْتِقِ الْآخَرَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يَعْتِقُ لِأَنَّ الْوَطْئَ لَا يَحِلُّ إِلَّا فِي الْمِلْكِ حُرَّةً فَكَانَ بِالْوَطْئِ مُسْتَقْبِحًا الْمِلْكَ فِي الْمَوْطُوءَةِ فَتَعَيَّنَتْ الْآخَرَى لِزَوَالِهِ بِالْعَتَقِ كَمَا فِي الطَّلَاقِ وَلَهُ أَنَّ الْمِلْكَ قَائِمٌ فِي الْمَوْطُوءَةِ لِأَنَّ الْإِبْقَاعَ فِي الْمُنْكَرَةِ وَهِيَ مُعَيَّنَةٌ فَكَانَ وَطْئُهَا حَلَالًا فَلَا يُجْعَلُ بَيَانًا وَلِهَذَا حَلَّ وَطْئُهُمَا عَلَى مَذْهَبِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَفْتَنِي بِهِ ثُمَّ يُقَالُ الْعَتَقُ غَيْرُ نَازِلٍ قَبْلَ الْبَيَانِ لِتَعَلُّقِهِ بِهِ أَوْ يُقَالُ نَازِلٌ فِي الْمُنْكَرَةِ فَيُظْهِرُ فِي حَقِّ حُكْمِ تَقْبَلُهُ وَالْوَطْئُ يُضَادِفُ الْمُعَيَّنَةَ بِخِلَافِ الطَّلَاقِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْأَصْلِيَّ مِنَ النِّكَاحِ الْوَلَدَ وَقَصْدُ الْوَلَدِ بِالْوَطْئِ يَدُلُّ عَلَى اسْتِبْقَاءِ الْمِلْكِ فِي الْمَوْطُوءَةِ صِيَانَةً لِلْوَلَدِ أَمَّا الْأَمَةُ فَالْمَقْصُودُ مِنْ وَطْئِهَا قَضَاءُ الشَّهْوَةِ دُونَ الْوَلَدِ فَلَا يَدُلُّ عَلَى الْإِسْتِبْقَاءِ

ترجمہ اگر ایک شخص نے اپنے دو غلاموں کو مخاطب کر کے کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے۔ پھر ان میں سے ایک کو بیچ دیا یا ایک مر گیا یا اس سے یہ کہا کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو تو وہ دوسرا آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ غلام کے مرجانے کے بعد وہ مردہ آزاد ہونے کے لئے اب محل باقی نہیں رہا ہے یا ایک کو بیچ دینے کی وجہ سے وہ آزادی کا محل باقی نہیں رہا یا مردہ ہو جانے کی وجہ سے وہ کسی طرح آزادی کا محل باقی نہیں رہا۔ لہذا دوسرا غلام آزادی پانے کے لئے متعین ہو گیا اور اس دلیل سے کہ مولیٰ نے جسے بیچا ہے اسے بیچ کر اپنے دام وصول کر لینے کا ارادہ کیا ہے یا اگر مردہ بنا دیا تو اس سے اس مولیٰ نے یہ چاہا ہے کہ اپنی بقیہ زندگی (اپنی موت) تک اس سے نفع حاصل کرتا رہے اور یہ دونوں خواہشیں اس آزادی کے مخالف ہیں جو اس نے اپنے اوپر لازم کی تھیں یعنی کسی غرض کے بغیر ہی کہا تھا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے۔ تو اس سے یہ دلیل ظاہر ہو گئی کہ مولیٰ کی طرف سے آزادی کی پیشکش اسی معین موجود غلام کے لئے ہے۔ اسی طرح اگر اس مسئلہ میں دو باندیاں ہوں اور مولیٰ نے ایک کو اپنی استعمال میں رکھ کر ام ولد بنایا تو اب جو دوسری باقی رہی وہی اس آزادی کے لئے متعین ہو جائے گی۔ ان ہی دونوں دلیلوں کی وجہ سے جو اوپر بیان کی گئی ہیں۔ پھر اسی مسئلہ میں بیچ صحیح اور بیع فاسد ہونے کی صورت میں حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یعنی بیع فاسد کے ساتھ قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور خواہ بیع مطلق ہو یا باع اور مشتری میں سے کسی کے لئے کچھ شرط خیار باقی ہو۔ (یعنی جا کر، پسند ناپسند کے اقرار پر کسی چیز کو خریدنا) کیونکہ کتاب میں جو مسئلہ لکھا ہے وہ

مطلق ہے اور تمام صورتوں کو شامل ہے۔ ان سے مراد وہی دو صورتیں ہیں جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی وہی دو جہیں جو اوپر ذکر کی گئی ہیں۔ پھر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت موجود ہے کہ اگر دونوں میں سے ایک کو غلاموں کی منڈی یا بازار میں بیچنے کی غرض سے لے گئے تو یہ بھی بیچنے کے حکم میں ہے۔ یعنی دوسرا غلام آزادی کے لئے متعین ہو گیا اور ہبہ کر کے حوالہ کر دینا یا صدقہ میں دے کر حوالہ کر دینا بھی بیچنے کے ہی حکم میں ہے۔ کیونکہ مالک ایسا بھی کرتا ہے۔ (یعنی جس غلام کو دوسرے کی ملکیت میں دے دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ اسے آزاد نہیں کیا ہے۔ اسلئے لاحالہ ان دونوں میں سے اس کے علاوہ وہ دوسرا غلام ہی آزاد ہوگا)۔

اور اسی طرح اگر کسی نے اپنی دو بیویوں کو کہا کہ تم میں سے ایک کو طلاق ہے اور اس کے بعد ان دونوں میں ایک مر گئی۔ تو طلاق کے لئے دوسری (زندہ) متعین ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ مردہ اب محل طلاق باقی نہیں رہی۔ اسی دلیل کی بناء پر جو ہم نے پہلے بیان کر دی ہے۔ اسی طرح اس صورت میں بھی کہ اگر دو میں سے کسی ایک کے ساتھ اس نے ہمبستری کر لی ہو۔ تو بھی یہی دوسری طلاق کے لئے متعین ہو جائے گی۔ جس کی وجہ ہم آئندہ بیان کریں گے اور اگر کسی نے اپنی دو باندیوں سے کہا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے۔ پھر ان میں سے ایک سے ہمبستری کر لی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسری آزاد نہ ہوگی اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہا نے کہا ہے کہ دوسری آزاد ہو جائیگی۔ کیونکہ وطی تو صرف اپنی مملوکہ عورت سے ہی حلال ہوتی ہے۔ جب ان دونوں میں سے ایک آزاد ہے تو وہ اب اس کے لئے حرام ہو چکی ہے اور جس سے اس نے وطی کر لی ہے اس میں اس نے اپنی مملکت باقی رکھی ہے اور وہی اس کے لئے حلال رہی ہے اور دوسری آزادی کے لئے متعین ہو گئی ہے۔ کیونکہ آزاد ہو جانے کی وجہ سے اس کی ملکیت ختم ہو گئی ہے۔ جیسے طلاق میں ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس باندی سے وطی کی اس میں ملکیت باقی ہے۔ کیونکہ آزادی کا واقع کرنا ایک کمرہ یعنی غیر معین میں ہے اور جس سے وطی کی وہ معین ہے۔ اس لئے اس کی وطی حلال تھی پس ایسا کرنا اس کے ہم قول کا بیان نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے مطابق دونوں سے وطی حلال ہے۔ لیکن اس قول پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا (اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر مولیٰ کے کلام سے آزادی واقع نہیں ہوئی تو وہ کلام ہی مہمل ہو گیا اور اگر آزادی ہو گئی تو دونوں سے وطی کس طرح حلال ہوئی۔ تو مصنفؒ نے اس کے جواب میں کہا) پھر یوں کہا جائے کہ جب تک اس کی وضاحت نہ کر دے آزادی واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ آزادی کا واقع ہونا بیان پر ہی وقوف ہے۔ یا یوں جواب دیا جائے کہ غیر معین میں آزادی واقع ہوئی ہے۔ اس لئے ایسا حکم اس میں ظاہر ہوگا جس کو کمرہ قبول کرتا ہو۔ حالانکہ یہاں ایک معینہ باندی سے وطی ہوئی ہے۔ یعنی جس سے وطی کرے وہی معینہ ہو جائیگی۔ مگر طلاق میں یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ نکاح سے مقصود اصلی، اولاد کا پیدا ہونا ہے اور وطی سے اولاد کا ارادہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے جس باندی سے وطی کی ہے اسے اپنی ملکیت میں باقی رکھا ہے۔ تاکہ بچہ کی حفاظت ہوتی رہے اور اس بات کے بغیر اگر باندی سے وطی کرے تو اس سے صرف اپنی خواہش نفسانی پوری کرنی ہوگی اور اس سے بچہ پیدا ہونا مقصود نہیں ہوگا۔ اس لئے ایسی وطی اس بات کی دلیل بالکل نہیں ہوگی کہ اس نے ملکیت باقی رکھی ہے۔

تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

مولیٰ نے باندی کو کہا اگر تو پہلی بار بچہ جنے تو تو آزاد ہے باندی نے ایک لڑکا اور لڑکی کو جنم

دیا اور یہ معلوم نہیں پہلے لڑکا ہے یا لڑکی تو ماں آزاد ہوگی یا نہیں

وَمَنْ قَالَ لِامْتِهَ اِنْ كَانَ اَوَّلُ وَلَدٍ تَلِدُنِي غُلَامًا فَانْتِ حُرَّةٌ فَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِيَةً وَلَا يَذَرُنِي اَيُّهُمَا وَلَدًا اَوَّلَ عَتَقَ نِصْفُ الْاَمِّ وَنِصْفُ الْجَارِيَةِ وَالْغُلَامُ عَبْدٌ لِّاَنَّ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَعْتِقُ فِي حَالٍ وَهُوَ مَا اِذَا وَلَدَتْ الْغُلَامُ اَوَّلَ مَرَّةٍ الْاَمُّ بِالشَّرْطِ وَالْجَارِيَةُ لِكُونِهَا تَبَعًا لَهَا اِذَا الْاَمُّ حُرَّةٌ حِينَ وَلَدَتْهَا وَتُرْفُ فِي حَالٍ وَهُوَ مَا اِذَا وَلَدَتْ الْجَارِيَةَ اَوَّلًا

لِعَدَمِ الشَّرْطِ فَيَعْتَقُ نِصْفُ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا وَيَسْعَى فِي النِّصْفِ أَمَّا الْعَلَامُ يَرُقُّ فِي الْحَالَيْنِ فَلِهَذَا يَكُونُ عَبْدًا وَإِنْ ادَّعَتْ الْأُمُّ أَنَّ الْعَلَامَ هُوَ الْمَوْلُودُ أَوَّلًا وَانْكَرَ الْمَوْلَى وَالْجَارِيَةُ صَغِيرَةٌ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ الْيَمِينِ لِانْكَارِهِ شَرْطُ الْعِتْقِ فَإِنْ حَلَفَ لَمْ يَعْتَقْ وَاحِدٌ مِنْهُمْ وَإِنْ نَكَلَ عَتَقَتِ الْأُمُّ وَالْجَارِيَةُ لِأَنَّ دَعْوَى الْأُمِّ حُرِّيَّةَ الصَّغِيرَةِ مُعْتَبَرَةٌ لِكُونِهَا نَفْعًا مَخْضًا فَاعْتَبِرَ النُّكُولُ فِي حَقِّ حُرِّيَّتِهِمَا فَعَتَقَتَا وَلَوْ كَانَتِ الْجَارِيَةُ كَبِيرَةً وَلَمْ تَدَّعِ شَيْئًا وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا عَتَقَتِ الْأُمُّ بِنُكُولِ الْمَوْلَى خَاصَّةً دُونَ الْجَارِيَةِ لِأَنَّ دَعْوَى الْأُمِّ غَيْرُ مُعْتَبَرَةٍ فِي حَقِّ الْجَارِيَةِ الْكَبِيرَةِ وَصَحَّةُ النُّكُولِ عَلَى الدَّعْوَى فَلَمْ يَظْهَرْ فِي حَقِّ الْجَارِيَةِ وَلَوْ كَانَتِ الْجَارِيَةُ الْكَبِيرَةُ هِيَ الْمُدَّعِيَةُ لِسَبْقِ وَلَاذَةِ الْعَلَامِ وَالْأُمِّ سَاكِنَةً يَثْبُتُ عِتْقُ الْجَارِيَةِ بِنُكُولِ الْمَوْلَى دُونَ الْأُمِّ لِمَاقِلْنَا وَالتَّحْلِيلُ عَلَى الْعِلْمِ فِيمَا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ اسْتِحْلَافٌ عَلَى فِعْلِ الْغَيْرِ وَبِهَذَا الْقَدْرِ يُعْرَفُ مَا ذَكَرْنَا مِنْ الْوُجُوهِ فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى

ترجمہ..... اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے یہ کہا کہ تم کو جو پہلی ولادت ہوگی اگر وہ لڑکا ہو تو تم آزاد ہو۔ اس کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی کی ولادت ہوئی اور یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ ان میں سے کس کی ولادت پہلے ہوئی ہے۔ تو ماں اور اس کی لڑکی دونوں آدھی آدھی آزاد ہوں گی مگر لڑکا اپنی جگہ پورا غلام ہی رہے گا۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کی یہ حالت ہے کہ ایک حالت میں آزاد ہو جاتی ہے جبکہ واقعہ پہلے لڑکا ہی پیدا ہوا ہو اور اس کے تابع ہو کر لڑکی بھی آزاد ہو جائیگی کیونکہ یہاں یہ بات لازم آتی ہے کہ یہ لڑکی جس وقت پیدا ہوئی اس کی ماں آزاد ہو چکی تھی۔ یعنی جبکہ اسے لڑکا پیدا ہوا تھا اور جب ماں آزاد ہوئی تو اس کی بیٹی بھی آزاد ہوئی اور دوسری حالت میں وہ ماں اور اس کی بیٹی دونوں ہی باندی رہیں گی جبکہ اسے پہلے لڑکی پیدا ہوئی ہو۔ کیونکہ اس صورت میں آزادی کی شرط نہیں پائی گئی ہے۔ اسی لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ آدھی باندی (ماں) اور آدھی لڑکی (بیٹی) آزاد ہے۔ اس لئے دونوں اپنی اپنی قیمت کا آدھا حصہ کما کر کے اپنے مولیٰ کو دے کر آزاد ہو جائیں۔ لیکن وہ لڑکا دونوں حالتوں میں غلام ہی رہے گا۔ کیونکہ یہ لڑکا اپنی ماں کے آزاد ہونے سے پہلے ہی پیدا ہو چکا ہے۔ اس لئے وہ غلام ہی رہے گا اور اگر باندی نے یہ دعویٰ کیا کہ پہلے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ لیکن اس کے مولیٰ نے اس کا انکار کیا اور وہ لڑکی ابھی چھوٹی ہے تو قسم کے ساتھ مولیٰ کی بات مقبول ہوگی۔ کیونکہ اس مولیٰ نے باندی کی آزادی کی شرط کے پائے جانے سے انکار کیا ہے۔ البتہ اس کے ساتھ اس سے قسم بھی لی جائے گی۔ اگر اس نے قسم کھالی تو ان تینوں میں سے کوئی بھی آزاد نہ ہوگا اور اگر مولیٰ نے قسم کھانے سے انکار کیا تو ماں اور اس کی لڑکی آزاد ہوگی۔ کیونکہ لڑکی کے متعلق اس کی ماں اس دعویٰ کا کہ یہ لڑکی آزاد پیدا ہوئی ہے اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ صرف نفع کی بات ہے۔ اس لئے مولیٰ کا قسم سے انکار کرنا ماں اور لڑکی دونوں کے حق میں معتبر ہوگا۔ اس لئے دونوں آزاد ہو جائیں گی اور اگر یہ لڑکی بالغ ہو اور اس نے اپنی آزادی کا خود دعویٰ نہ کیا ہو اور باقی مسئلہ اسی حال پر ہو یعنی باندی نے پہلے لڑکے کے پیدا ہونے کا دعویٰ کیا ہو مگر مولیٰ نے نہیں مانا اور قسم سے بھی انکار کیا تو مولیٰ کے قسم کے انکار سے فقط ماں آزاد ہوگی مگر لڑکی آزاد نہ ہوگی۔ کیونکہ بالغ لڑکی کے بارے میں ماں کا دعویٰ کرنا کہ یہ آزاد ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ قسم کے انکار سے اسی صورت میں اقرار مانا جاتا ہے۔ جب کہ اس نے خود ہی کسی بات کا دعویٰ کیا ہو اور موجودہ مسئلہ میں چونکہ بالغ لڑکی کی طرف سے کوئی دعویٰ نہیں ہے تو اس کے بارے میں قسم سے انکار کا بھی اثر نہ ہوگا۔ البتہ اگر بالغ لڑکی خود ہی دعویٰ کرے کہ پہلے لڑکا پیدا ہوا تھا اور اس کی ماں اس وقت خاموش رہی تو مولیٰ کے قسم کے انکار سے یہ لڑکی آزاد ہو جائے گی مگر ماں آزاد نہ ہوگی۔ کیونکہ ماں کا دعویٰ لڑکی کے حق میں معتبر نہ ہوگا اور جن صورتوں میں مولیٰ سے قسم لینے کی ضرورت ہو ان میں اس سے اس کے علم کی بنا پر قسم لی جائے گی کہ واقعہ میں نہیں جانتا ہوں کہ پہلے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں پر غیر کے فعل و عمل پر اس سے قسم لی جائے گی

اور ہماری بتائی ہوئی اس تفصیل سے وہ صورتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں جو ہم نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کی ہیں۔

تشریح..... وَمَنْ قَالَ لَا مَيِّهَ اِنْ كَانَ اَوَّلُ وَلَدٍ يَلِدُ غُلَامًا فَانْتِ حُرَّةٌ فَوَلَدَتْ غُلَامًا وَجَارِيَةً وَلَا يَذْرُؤُنِي اِيْهُمَا..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔ (کتاب کفایۃ المستفی اس زمانے میں بالکل نایاب ہے اور جامع صغیر کی شرحوں میں ان صورتوں کی تفصیل میں چھ صورتیں مذکور ہیں۔ ان میں سے چار صورتیں تو خود کتاب میں مصنف نے خود بیان فرمادی ہیں اور پانچویں صورت یہ ہے کہ باندی اور مولیٰ اور لڑکی سبھوں نے متفق ہو کر یہ کہا کہ پہلے لڑکی پیدا ہوئی ہے اور چھٹی صورت یہ ہے کہ سبھوں نے بالاتفاق یہ کہا کہ پہلے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ تو اس کا حکم یہ ہوگا کہ ماں آزاد ہوگی اور اس کے ساتھ ہی یہی لڑکی بھی آزاد ہو جائے گی مگر لڑکا غلام ہی رہے گا)۔

دو آدمیوں نے ایک شخص پر گواہی دی کہ اس نے اپنے ایک غلام کو آزاد کیا، گواہی کا حکم

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ أَعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فَالشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي وَصِيَّتِهِ اسْتِحْسَانًا ذَكَرَهُ فِي الْعِتَاقِ وَإِنْ شَهِدَا أَنَّهُ طَلَّقَ إِحْدَى نِسَائِهِ جَازَتْ الشَّهَادَةُ وَيُجْبَرُ الزَّوْجُ عَلَى أَنْ يُطَلِّقَ إِحْدَهُنَّ وَهَذَا بِإِلَّا جَمَاعٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ الشَّهَادَةُ فِي الْعِتَاقِ مِثْلُ ذَلِكَ

ترجمہ..... اور جب دو آدمیوں نے ایک شخص کے بارے میں یہ گواہی دی کہ اس نے اپنے دو غلاموں میں سے ایک کو آزاد کیا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ گواہی باطل ہوگی البتہ اسی صورت میں صحیح ہوگی جبکہ وصیت کی صورت میں ہو۔ یعنی گواہوں نے کہا کہ اس نے اپنے مرتے وقت اسے آزاد کیا ہے تو اتنا ناجائز ہوگا۔ اس مسئلہ کو امام محمدؒ نے کتاب العتاق میں ذکر کیا ہے۔ یعنی یہ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں سے آدھا آدھا حصہ آزاد ہوگا اور اگر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی ہے تو گواہی جائز ہوگی اور اس مرد کو جبر کے ساتھ یہ کہا جائیگا کہ اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دو۔ اس مسئلہ میں صاحبینؒ کا بھی اتفاق ہے اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ آزادی کے بارے میں گواہی بھی اسی طلاق کے مثل ہے۔ یعنی مولیٰ کو حکم دیا جائے گا کہ دونوں غلاموں میں سے ایک کو آزاد کر دے۔

تشریح..... قَالَ وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ أَتَقَى أَحَدَ عِبْدَيْهِ فَالْشَّهَادَةُ بَاطِلَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

گواہی قبول کرنے کا اصول

وَأَصْلُ هَذَا أَنَّ الشَّهَادَةَ عَلَى عَتَقِ الْعَبْدِ لَا تُقْبَلُ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى الْعَبْدِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا تُقْبَلُ
وَالشَّهَادَةُ عَلَى عَتَقِ الْأَمَةِ وَطَلَاقِ الْمَنْكُوحَةِ مَقْبُولَةٌ مِنْ غَيْرِ دَعْوَى بِالِاتِّفَاقِ وَالْمَسْأَلَةُ مَعْرُوفَةٌ وَإِذَا كَانَ
دَعْوَى الْعَبْدِ شَرْطًا عِنْدَهُ لَا يَتَحَقَّقُ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ لِأَنَّ الدَّعْوَى مِنَ الْمَجْهُولِ لَا يَتَحَقَّقُ فَلَا تُقْبَلُ الشَّهَادَةُ
وَعِنْدَهُمَا لَيْسَ بِشَرْطٍ فَتُقْبَلُ الشَّهَادَةُ وَإِنْ انْعَدَمَ الدَّعْوَى أَمَا فِي الطَّلَاقِ فَعَدَمَ الدَّعْوَى لَا يُوجِبُ خِلَافِي
الشَّهَادَةِ لِأَنَّهُ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ فِيهَا وَلَوْ شَهِدَ أَنَّهُ اعْتَقَ إِحْدَى أَمْتَيْهِ لَا تُقْبَلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الدَّعْوَى
شَرْطًا فِيهِ لِأَنَّهُ إِنَّمَا لَا يَشْتَرِطُ الدَّعْوَى لِمَا أَنَّهُ يَتَضَمَّنُ تَحْرِيمَ الْفَرْجِ فَشَبَاهَةُ الطَّلَاقِ وَالْعَتَقِ الْمُبْهَمُ لَا يُوجِبُ
تَحْرِيمَ الْفَرْجِ عِنْدَهُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا فَصَارَ كَالشَّهَادَةِ عَلَى عَتَقِ أَحَدِ الْعَبْدَيْنِ وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا شَهِدَ فِي صِحَّتِهِ عَلَى
أَنَّهُ اعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ أَمَا إِذَا شَهِدَ أَنَّهُ اعْتَقَ أَحَدَ عَبْدَيْهِ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ أَوْ شَهِدَ عَلَى تَذْيِيرِهِ فِي صِحَّتِهِ أَوْ فِي
مَرَضِهِ وَإِذَا شَهِدَ فِي مَرَضٍ مَوْتِهِ أَوْ بَعْدَ الْوَفَاةِ تُقْبَلُ إِسْتِحْسَانًا لِأَنَّ التَّذْيِيرَ حَيْثُمَا وَقَعَ وَقَعَ وَصِيَّةً وَكَذَا

الْعِتْقُ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ وَصِيَّةٌ وَالْخَصْمُ فِي الْوَصِيَّةِ إِنَّمَا هُوَ الْمُوصِي وَهُوَ مَعْلُومٌ وَعَنْهُ خَلْفٌ وَهُوَ الْوَصِيُّ
أَوِ الْوَارِثُ وَلَائِكَ الْعِتْقُ فِي مَرَضِ الْمَوْتِ يَشْتَعُ بِالْمَوْتِ فِيهِمَا فَصَارَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا خَصْمًا مُتَعَيَّنًا
وَلَوْ شَهِدَا بَعْدَ مَوْتِهِ أَنَّهُ قَالَ فِي صَحَّتِهِ أَحَدُكُمَا حُرٌّ قَدْ قِيلَ لَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَصِيَّةٍ وَقِيلَ تُقْبَلُ لِلشُّيُوعِ

ترجمہ..... آزادی کے مسئلہ میں اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خود غلام کے دعویٰ کے بغیر اس کے آزاد ہونے کی گواہی دینا مقبول نہیں ہے۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک مقبول ہے اور یہ مسئلہ مشہور ہے۔ پھر جب امام اعظمؒ کے نزدیک غلام کا دعویٰ کرنا شرط ہے تو جامع صغیر کے مسئلہ میں جو اوپر بیان کیا گیا ہے اور اس وقت دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا ہے اس لئے گواہی بھی مقبول نہیں ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک چونکہ دعویٰ کرنا شرط نہیں ہے اس لئے گواہی مقبول ہوگی۔ اگرچہ دعویٰ نہ کیا گیا ہو۔ البتہ طلاق کی صورت میں دعویٰ نہ ہونے سے گواہی میں کچھ خلل نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ طلاق کی گواہی میں دعویٰ شرط نہیں ہے اور اگر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس مرد نے اپنی دو باندیوں کو کہا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ گواہی بھی مقبول نہیں ہوگی۔ اگرچہ ایسی گواہی میں دعویٰ شرط نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دعویٰ کا شرط نہ ہونا صرف اسی بناء پر ہے کہ آزاد کرنے سے ہی اس کی شرم گاہ کا مولیٰ پر حرام ہو جانا لازم آ جاتا ہے۔ لہذا یہ طلاق کے مشابہہ ہو گیا۔ مگر امام اعظمؒ کے نزدیک مبہم آزاد کرنے سے اس شرم گاہ کا حرام ہو جانا لازم نہیں آتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس لئے دونوں میں سے ایک باندی آزاد کرنے کی گواہی ایسی ہوگی جیسے دو غلاموں میں سے کسی ایک کے آزاد کرنے کی گواہی دی ہو کہ مولیٰ نے اپنی صحت کے حالات میں دونوں غلاموں میں سے ایک کو آزاد کیا ہے۔ اور اگر گواہوں نے اس طرح گواہی دی ہو کہ اس نے دونوں میں سے ایک کو اپنے مرض الموت میں آزاد کیا ہے۔ یا یہ گواہی دی کہ اپنی صحت میں یا اپنے مرض کی حالت میں سے ایک کو اپنا مدبر کیا ہے اور اس گواہی کا ادا کرنا مولیٰ کے مرض الموت میں یا وفات کے بعد ہوا تو استحساناً یہ گواہی مقبول ہوگی۔ کیونکہ مدبر بنانا کسی بھی حال (بیماری یا تندرستی) میں ہو وہ دھمکتا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح مرض الموت میں آزاد کرنا بھی وصیت کے حکم میں ہے اور جس شخص پر وصیت کرنے کا دعویٰ ہوا اسے موصی یا وصیت کرنے والا کہا جاتا ہے اور وہ شخص معلوم ہے اور اس کا خلیفہ موجود ہے۔ یعنی اس کا وصی یا وارث تو اس پر گواہی قبول ہوگی اور اس دلیل سے کہ مرض الموت میں جو آزادی واقع ہو وہ مولیٰ کی موت سے دونوں غلاموں میں پھیل جاتی ہے۔ اس طرح دونوں میں سے ہر غلام مدعا علیہ متعین ہو گیا تو بھی گواہی مقبول ہوئی۔ اور اگر گواہوں نے مولیٰ کے مرنے کے بعد یہ گواہی دی کہ اس نے اپنی تندرستی کی حالت میں کہا تھا کہ تم دونوں میں سے ایک آزاد ہے تو اس صورت میں دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ یہ وصیت نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مقبول ہوگی۔ کیونکہ آزادی ان دونوں میں پھیل گئی ہے۔

فائدہ..... یعنی ان دونوں کے درمیان ایک غلام کا آزاد ہونا پھیلا۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ایک دوسرے کا مدعی علیہ ہے۔ گویا ہر ایک کا دعویٰ اور گواہی صحیح ہوگی۔

باب الحلف بالعتق

ترجمہ..... باب آزادی کی قسم کھانے کے بیان میں

ایک شخص نے کہا اگر میں گھر میں داخل ہوا میرے تمام غلام آزاد اس وقت کسی غلام کا مالک نہیں پھر غلام خریدے اور گھر میں داخل ہوا غلام آزاد ہو جائیں گے

وَمَنْ قَالَ إِذَا دَخَلْتُ الدَّارَ فَكُلُّ مَمْلُوكٍ لِي يَوْمَئِذٍ فَهُوَ حُرٌّ وَلَيْسَ لَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَى مَمْلُوكًا ثُمَّ دَخَلَ عِتْقَ

لَا قَوْلَهُ يَوْمَئِذٍ تَقْدِيرُهُ يَوْمَ إِذْ دَخَلْتُ إِلَّا أَنَّهُ اسْقَطَ الْفِعْلَ وَعَوَّضَهُ بِالتَّوْنِ فَكَانَ الْمُعْتَبَرُ قِيَامَ الْمَلِكِ وَقَتِ الدُّخُولِ وَكَذَا لَوْ كَانَ فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلْفِ عَبْدٍ بَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ حَتَّى دَخَلَ عَتَقَ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ..... اگر کسی نے یہ کہا کہ جب میں اس گھر میں داخل ہوں تو اس دن میرا ہر ایک غلام آزاد ہے۔ حالانکہ اس کہنے کے دن اس کے پاس کوئی بھی غلام نہ تھا۔ مگر اس کے بعد ایک غلام خریدا پھر اس گھر میں وہ داخل ہوا۔ تو یہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کا یہ کہنا یومئذ (اس دن میرا ہر ایک غلام) اس کی اصل تھی یوم اذ دخلت (جس کے معنی ہوئے کہ جس دن میں گھر میں داخل ہوں) لیکن اس نے فعل (دخلت) کو حذف کر دیا ہے اور اس فعل کی جگہ صرف اشارہ یعنی توین کر رہے دیا ہے۔ اس طرح داخل ہونے کے وقت ملکیت کا ہونا ہی معتبر ہوا۔ اسی طرح اگر قسم کے وقت اس کی ملکیت میں غلام موجود ہو اور وہ اس کے گھر میں داخل ہونے کے وقت تک اس کی ملکیت میں رہا وہ آزاد ہو جائے گا اسی وجہ سے جو ہم نے پہلے بتادی ہے کہ گھر میں داخل ہونے کے وقت غلام ملکیت میں موجود ہے۔

تشریح..... ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

اگر اپنی یمین میں یومئذ کا لفظ استعمال کیا ہو تو غلام آزاد نہ ہوگا

وَلَوْ لَمْ يَكُنْ قَالَ فِي يَمِينِهِ يَوْمَئِذٍ لَمْ يَعْنِ لَإَنَّ قَوْلَهُ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي لِلْحَالِ وَالْجَزَاءُ حُرِّيَّةُ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَالِ إِلَّا أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ الشَّرْطُ عَلَى الْجَزَاءِ تَأَخَّرَ إِلَى وَجُودِ الشَّرْطِ فَيَعْنِ إِذَا بَقِيَ عَلَى مِلْكِهِ إِلَى وَقْتِ الدُّخُولِ وَلَا يَتَنَا وَلَ مَنْ اشْتَرَاهُ بَعْدَ الْيَمِينِ

ترجمہ..... اور اگر اس نے قسم کے موقع پر لفظ ”اس روز“ نہ کہا ہو تو بعد میں خریدا ہو غلام آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ ”میرا وہ غلام“ ایسے ہی غلام کے واسطے کہنا صحیح ہے جو اسی وقت اس کی ملکیت میں موجود ہو اور اس قسم (شرط) کی جزاء یہ تھی کہ جو فی الحال غلام ہے وہ آزاد ہو جائے۔ لیکن چونکہ جزاء پر شرط داخل ہے اس لئے تاخیر کے پائے جانے تک اس جزاء میں تاخیر ہوئی۔ لہذا گھر میں داخل ہونے تک جو غلام فی الحال موجود ہے اگر اس کی ملکیت میں باقی نہ رہا تو وہ آزاد ہو جائے گا اور جو غلام اس شرط و قسم کے بعد خریدا گیا ہو وہ آزادی میں شامل نہیں ہوگا۔

تشریح..... وَلَوْ لَمْ يَكُنْ قَالَ فِي يَمِينِهِ يَوْمَئِذٍ لَمْ يَعْنِ لَإَنَّ قَوْلَهُ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

آقائے کہا کل مملوک لی ذکر فہو حر اس کے پاس حاملہ

جاریہ تھی جس نے مذکر بچہ جنا وہ آزاد ہوگا یا نہیں

وَمَنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي ذَكَرَ فَهُوَ حُرٌّ وَلَهُ جَارِيَةٌ حَامِلٌ قَوْلَتْ ذَكَرًا لَمْ يَعْنِ وَهَذَا إِذَا وَلَدَتْ لِسِتَّةِ أَشْهُرٍ فَصَاعِدًا ظَاهِرٌ لِأَنَّ اللَّفْظَ لِلْحَالِ وَفِي قِيَامِ الْحَمْلِ وَقَتِ الْيَمِينِ إِحْتِمَالُ لَوْجُودِ أَقَلِّ مُدَّةِ الْحَمْلِ بَعْدَهُ وَكَذَا إِذَا وَلَدَتْ لِأَقَلِّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ لِأَنَّ اللَّفْظَ يَتَنَاوَلُ الْمَمْلُوكَ الْمُطْلَقَ وَالْحَبْلَ مَمْلُوكٌ تَبَعًا لِلْأَمِّ لَا مَقْصُودًا وَلَا أَنَّهُ عَضْوٌ مِنْ وَجْهِهِ وَاسْمُ الْمَمْلُوكِ يَتَنَا وَلَ الْإِنْفُسَ دُونَ الْأَعْضَاءِ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ بَيْعُهُ مُنْقَرِدًا قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ وَفَائِدَةُ التَّقْيِيدِ بِوَصْفِ الذُّكُورَةِ أَنَّهُ لَوْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي تَدْخُلُ الْحَامِلُ فَيَدْخُلُ الْحَمْلُ تَبَعًا لَهَا

ترجمہ..... اور اگر کسی نے کہا کہ اگر میں اس گھر میں داخل ہوں تو میری ملکیت کا وہ تمام فرد غلام آزاد ہے جو مذکر کی جنس سے ہو اور اس وقت اس کی

ایک باندی حمل سے تھی اسے لڑکا (مذکر) پیدا ہوا تو وہ آزاد نہ ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ کہنے سے چھ یا ان سے زائد مہینوں پر پیدا ہوا ہو تو ظاہر ہے کہ وہ آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ جو لفظ اس نے کہا ہے وہ ایسے شخص کے بارے میں ہے جو اس وقت بھی موجود ہو۔ مگر کہنے کے وقت اس حمل کے موجود ہونے میں شک ہے۔ کیونکہ اس کہنے کے بعد حمل کی مدت جو کم سے کم چھ مہینے ہیں وہی پائے گئے ہیں۔ اسی طرح اگر چھ مہینوں سے کم پر پیدا ہوا تو کہنے کے وقت حمل کا وجود یقینی تھا لیکن آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ ”ہر مملوک“ کا لفظ جو اس نے کہا ہے وہ مملوک مطلق کو شامل ہے یعنی یہ کہ وہ پورا مملوک اور باندی کے پیٹ کا بچہ اپنی ماں کے تابع ہو کر مملوک ہوتا ہے۔ خود مملوک مطلق نہیں ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ماں کے پیٹ کا بچہ تو ایک اعتبار سے ماں کے ایک عضو جیسا ہے۔ جبکہ مملوک کا لفظ کسی عضو کو نہیں بلکہ مکمل نفس کو شامل ہوتا ہے۔ اسی بناء پر صرف حمل کو بیچنا جائز نہیں ہوتا ہے اور مصنف نے فرمایا ہے کہ لفظ مملوک کے ساتھ زلیعہ ذکر کے وصف کو بیان کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ صرف اپنا مملوک کہتا تو وہ حمل کو شامل ہوتا اور اس میں ضمنا اور جبا حمل بھی داخل ہو جاتا۔

تشریح وَمَنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي ذَكَرَ فَهُوَ حُرٌّ وَلَهُ جَارِيَةٌ حَامِلٌ فَوَلَدَتْ ذَكَرًا لَمْ يَعْتِقْ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کل مملوک املکہ فهو حر بعد غد کہنے کا حکم

وَإِنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ فَهُوَ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ أَوْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي فَهُوَ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ وَلَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَىٰ أَخْرَثُمُ جَاءَ بَعْدَ غَدٍ عَتَقَ الَّذِي فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلْفٍ لِأَنَّ قَوْلَهُ أَمْلِكُهُ لِلْحَالِ حَقِيقَةٌ يُقَالُ أَنَا أَمْلِكُ كَذَا وَكَذَا وَإِيرَادُهُ الْحَالُ وَكَذَا يُسْتَعْمَلُ لَهُ مِنْ غَيْرِ قَرِينَةٍ وَلِلْإِسْتِقْبَالِ بِقَرِينَةٍ سَبِيْنٍ أَوْ سَوْفَ فَيَكُونُ مُطْلَقَةً لِلْحَالِ فَكَانَ الْجَزَاءُ حُرِّيَّةَ الْمَمْلُوكِ فِي الْحَالِ مُضَافًا إِلَى مَا بَعْدَ الْغَدِ فَلَا يَتَنَاسَوْنَ مَا يَشْتَرِيهِ بَعْدَ الْيَمِينِ

ترجمہ اور اگر اس نے یوں کہا کہ ہر وہ مملوک جس کا کہ میں مالک ہوں وہ کل کے بعد آزاد ہے۔ یا اس طرح کہا۔ میرا ہر مملوک کل کے بعد آزاد ہے اور اس وقت اس کا ایک مملوک موجود ہے۔ پھر اس نے دسرا خرید لیا۔ پھر کل کے بعد جو دن آیا اس میں قسم کے دن جو مملوک اس کی ملکیت میں تھا وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ مالک کا یہ کہنا کہ میں جس کا مالک ہوں حقیقت میں اس کی ملکیت اسی غلام پر ثابت ہے جو اس وقت موجود ہے۔ اسی لئے بولا جاتا ہے کہ میں اس گھوڑے کا مالک ہوں یا اس گھر کا مالک ہوں اور اس سے مراد وہی ہے جو اس وقت موجود ہو۔ جب تک کہ اس کے خلاف ہونے پر کوئی قرینہ نہ ہو۔ اب جبکہ قرینہ کے بغیر موجود کے لئے ثابت ہوا تو یہی جزاء ہوئی کہ فی الحال جو غلام موجود ہے۔ وہ کل کے بعد آزاد ہو جائے اس پر جس غلام کو اس قسم کے بعد خریدا ہے وہ اس میں شامل نہیں ہوگا۔

تشریح وَإِنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ فَهُوَ حُرٌّ بَعْدَ غَدٍ أَوْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي فَهُوَ حُرٌّ بَعْدَ الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

آقا نے کہا کل مملوک املکہ یا کہا کل مملوک لی حر بعد موتی اس قول کے

وقت وہ ایک غلام کا مالک تھا بعد میں ایک خرید لیا کونسا غلام آزاد ہوگا

وَلَوْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ أَوْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي وَلَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَىٰ مَمْلُوكًا آخَرَ فَالَّذِي كَانَ عِنْدَهُ وَقَتِ الْيَمِينِ مُدَبَّرٌ وَالْآخَرُ لَيْسَ بِمُدَبَّرٍ وَإِنْ مَاتَ عَتَقَ مِنَ الثَّلَاثِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ فِي النَّوَادِرِ يَعْتِقُ مَا كَانَ فِي مِلْكِهِ يَوْمَ حَلْفٍ وَلَا يَعْتِقُ مَا اسْتَفَادَ بَعْدَ يَمِينِهِ وَعَلَىٰ هَذَا إِذَا قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي إِذَا مِتُّ فَهُوَ حُرٌّ لَأَنَّ اللَّفْظَ حَقِيقَةً لِلْحَالِ عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ فَلَا يَعْتِقُ بِهِ مَا سَمِيَ مِلْكُهُ وَلِهَذَا صَارَ هُوَ مُدَبَّرًا دُونَ الْآخَرِ وَلَهُمَا أَنْ هَذَا

إِنْجَابُ عِتْقٍ وَإِصْءٍ حَتَّى أُعْتَبِرَ مِنَ الثُّلُثِ وَفِي الْوَصَايَا تُعْتَبَرُ الْحَالَةُ الْمُنْتَظَرَةُ وَالْحَالَةُ الرَّاهِنَةُ الْآيِرَى أَنَّهُ يَدْخُلُ فِي الْوَصِيَّةِ بِالْمَالِ مَا يَسْتَفِيدُهُ بَعْدَ الْوَصِيَّةِ وَفِي الْوَصِيَّةِ لِأَوْلَادٍ فَلَانٍ مَنْ يُؤَلِّدُهُ بَعْدَهَا وَالْإِنْجَابُ إِنَّمَا يَصْحُحُ مُضَافًا إِلَى الْمَلِكِ أَوْ إِلَى سَبَبِهِ فَمِنْ حَيْثُ أَنَّهُ إِنْجَابُ الْعِتْقِ يَتَنَوَّلُ الْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ إِعْتِبَارَ الْحَالَةِ الرَّاهِنَةِ فَيَصِيرُ مُدَبَّرًا حَتَّى لَا يَجُوزَ بَيْعُهُ وَمِنْ حَيْثُ أَنَّهُ إِصْءٌ يَتَنَوَّلُ الَّذِي يَشْتَرِيهِ إِعْتِبَارَ الْحَالَةِ الْمُنْتَظَرَةِ وَهِيَ حَالَةُ الْمَوْتِ وَقَبْلَ الْمَوْتِ حَالَةُ التَّمْلِكِ اسْتِقْبَالَ مَحْضٍ فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ اللَّفْظِ وَعِنْدَ الْمَوْتِ يَصِيرُ كَأَنَّهُ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي أَوْ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ فَهُوَ خُرُوجُ خِلَافٍ قَوْلِهِ بَعْدَ غَدٍ عَلَى مَا تَقَدَّمَ لِأَنَّهُ تَصَرُّقٌ وَاحِدٌ وَهُوَ إِنْجَابُ الْعِتْقِ وَلَيْسَ فِيهِ إِصْءٌ وَالْحَالَةُ مَحْضٌ اسْتِقْبَالَ فَافْتَرَقَا وَلَا يُقَالُ إِنَّكُمْ جَمَعْتُمْ بَيْنَ الْحَالِ وَالْإِسْتِقْبَالِ لِأَنَّا نَقُولُ نَعَمْ لَكِنْ بِسَبَبَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ إِنْجَابُ عِتْقٍ وَوَصِيَّةٌ وَإِنَّمَا لَا يَجُوزُ ذَلِكَ بِسَبَبٍ وَاحِدٍ

ترجمہ..... اگر کسی نے کہا کہ ہر وہ غلام جس کا میں مالک ہوں یا یوں کہا کہ میرے سارے غلام میری موت کے بعد آزاد ہیں اور اس کہنے کے وقت اس کا صرف ایک ہی غلام تھا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے غلام بھی خرید لیا۔ تو وہ غلام جو اس کی قسم کھانے کے وقت اس کے پاس موجود تھا وہی مدبر ہو گا۔ یعنی بعد کا خرید ہوا مدبر نہیں ہوگا اور مولیٰ کے انتقال کے بعد اس کے وارث سے تہائی حصہ سے دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ لیکن ابویوسفؒ نے نوادر میں فرمایا ہے کہ اس قسم کھانے کے وقت جو غلام بھی اس کی ملکیت میں ہو گا وہ آزاد ہو جائے گا اور وہ غلام جسے مولیٰ نے اس قسم کے بعد خریدا ہے وہ آزاد نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے یوں کہا جتنے بھی میرے غلام ہیں وہ جب میں مر جاؤں تو وہ آزاد ہیں تو یہی حکم ہوگا۔ امام ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ظاہری لفظ حقیقت میں موجود اور فی الحال پائے جانے والے کے لئے ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لئے وہ غلام کہ قسم کھانے کے بعد جس کا وہ مالک ہوا ہو آزاد نہ ہوگا۔ اسی لئے وہی قسم کے وقت مدبر ہو گیا اور دوسرا مدبر نہیں ہوا اور طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کلام سے آزادی کو واجب کرنا اور وصیت کرنا لازم آتا ہے۔ یہاں تک کہ مردہ کے تہائی مال سے اس کا اعتبار کیا جاتا ہے اور وصیتوں میں آئندہ موت تک کی حالت اور موجودہ حالت کا بھی اعتبار ہوتا ہے۔ کیا نہیں دیکھتا ہے کہ اپنے تہائی مال کی وصیت کرنے کی صورت میں اس مال کا بھی حساب کیا جاتا ہے جو وصیت کرنے کے بعد موت آنے تک میں حاصل ہوتا ہے اور فلاں شخص (مثلاً زید) کی اولاد کے لئے وصیت کرنے کی صورت میں اس کی موجودہ اولاد کے علاوہ اس وصیت کے بعد پیدا ہونے والی اولاد بھی اس وصیت میں داخل ہوتی ہے اور وصیت کا قول اسی وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ آزاد کرنا ملک یا سبب ملک کی طرف سے منسوب کیا جائے۔ تو اس اعتبار سے کہ اس میں آزادی کی بات ہے اس مملوک غلام کو شامل ہوگا۔ جو موجودہ حالت کے اعتبار سے ہو۔ اس لئے فی الحال جو غلام بھی اس کی ملکیت میں ہوگا۔ وہ مدبر ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اس کو بیچنا بھی جائز نہ ہوگا اور اس اعتبار سے کہ وہ وصیت ہے وہ ایسے غلام کو بھی شامل ہوگا جسے اس کے بعد خریدے گا تا کہ آئندہ کو بھی شامل ہو۔ یعنی اس کی آخری زندگی تک جو غلام بھی کسی طرح اس کی ملکیت میں آئے گا وہ اس حکم میں شامل ہو جائے گا اور اس کی موت سے پہلے کی حالت محض استقبالی ہے یعنی آئندہ ایسا ہونا ممکن ہے کہ اس کی ملکیت میں کچھ اور بھی غلام آئیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ آئیں۔ تو یہ بات لفظ کے تحت میں داخل نہیں ہو سکتی ہے اور مولیٰ کے مرنے کے وقت یہ سمجھا جائے گا کہ گویا اس نے یوں کہا ہے کہ میرے تمام غلام یا وہ سارے غلام جن کا میں مالک ہوں وہ آزاد ہیں بخلاف اس قول کے کہ ہر وہ غلام جس کا میں مالک ہوں وہ کل کے بعد آزاد ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک ہی بات اور ایک ہی تصرف ہے یعنی آزاد کرنے کی بات ہے۔ اس میں وصیت کرنے کا کوئی بیان نہیں ہے اسی طرح ملکیت حاصل کرنے کی حالت بھی فقط آئندہ زمانے پر متعلق ہے۔ اس طرح دونوں قولوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔ یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس بیان سے زمانہ حال اور استقبالی دونوں کا اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ تو یہ اعتراض درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگرچہ دونوں کا اجتماع ہوتا ہے مگر ایک سبب سے نہیں ہے

باب العتق علی جعل ۲۸ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
بلکہ دوسبوں سے جمع کیا ہے۔ یعنی ایک کلام کو آزادی کا کلام اور دوسرے کو وصیت سے شامل کیا ہے اور دونوں زمانوں کو جمع کرنا اس صورت میں
جائز نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ ایک ہی سبب سے دونوں کو جمع کیا گیا ہو۔

تشریح..... وَلَوْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ أَمْلِكُهُ أَوْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي خُرْبَعْدَ مَوْتِي وَلَهُ مَمْلُوكٌ فَاشْتَرَيْمَلُوكَ الْآخَرَ فَالَّذِي كَانَ عِنْدَهُ
مُدَبَّرٌ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

باب العتق علی جعل

ترجمہ..... مال کے عوض پر آزاد کرنے کا بیان

نوٹ..... ”جعل“ ہر اس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی آدمی کے کسی کام کرنے کے عوض مقرر کیا جائے مال کسی بھی صورت میں ہو۔

جس نے اپنے غلام کو مال پر آزاد کیا اور غلام نے اسے قبول کر لیا آزاد ہو جائے گا

وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى مَالٍ فَقَبِلَ الْعَبْدُ عَتَقَ وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ تَقُولَ أَنْتَ خُرْبَعْدَ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ أَوْ بِأَلْفٍ دِرْهَمٍ
وَأَنْتَا يَعْتِقُ بِقَبُولِهِ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ إِذَا الْعَبْدُ لَا يَمْلِكُ نَفْسَهُ وَمِنْ قَضِيَّةِ الْمُعَاوَضَةِ ثُبُوتُ الْحُكْمِ
بِقَبُولِ الْعَوَضِ لِلْحَالِ كَمَا فِي الْبَيْعِ فَإِذَا قَبِلَ صَارَ حُرًّا وَمَا شَرِطَ دَيْنٌ عَلَيْهِ حَتَّى تَصَحَّ الْكِفَالَةُ بِهِ بِخِلَافِ
بَدْلِ الْكِتَابَةِ لِأَنَّهُ ثَبَتَ مَعَ الْمُنَافِي وَهُوَ قِيَامُ الرِّقِّ عَلَى مَا عَرَفَ وَاطْلَاقُ لَفْظِ الْمَالِ يَنْتَظِمُ أَنْوَاعُهُ مِنَ التَّقْدِيرِ
الْعَرَضِ وَالْحَيَوَانِ وَإِنْ كَانَ بَغَيْرِ عَيْنِهِ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةُ الْمَالِ بِغَيْرِ الْمَالِ فَشَابَهَ النِّكَاحَ وَالطَّلَاقَ وَالصُّلْحَ عَنْ
دَمِ الْعَمْدِ كَذَا الطَّعَامِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ إِذَا كَانَ مَعْلُومُ الْجِنْسِ وَلَا تَصْرُهُ جِهَالَةُ الْوَصْفِ لِأَنَّهَا يَسِيرَةٌ

ترجمہ..... اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو مال کے عوض آزاد کیا اور غلام نے اسے قبول بھی کر لیا تو وہ اسی وقت آزاد ہو گیا۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ
اگر کوئی اپنے غلام سے یوں کہے کہ تم ہزار روپے کے بدلے آزاد ہو یا ہزار درہم کی ادائیگی کی شرط پر آزاد ہو۔ تو اس کہنے کے بعد غلام اسی صورت میں
آزاد ہوگا جب کہ اس نے یہ شرط قبول بھی کر لی ہو۔ کیونکہ معاوضہ اگر چہ مالی ہے مگر عوض میں مال نہیں ہے۔ کیونکہ غلام اپنی ذات کا مالک نہیں ہوتا
ہے اور معاوضہ کے لئے یہ بات اس کے لوازمات میں سے ہے کہ عوض قبول کر لینے کے ساتھ حکم اسی وقت ثابت ہو جائے۔ جیسے کہ عقد بیع میں ہوتا
ہے۔ اس لئے جیسے ہی غلام نے یہ شرط قبول کی اسی وقت اس کی آزادی کا حکم ثابت ہو گیا اور وہ مال جو مشروط ہے وہ اس غلام پر بطور قرض رہے
گا۔ جیسے کہ بیع میں ہوا کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس مال کی کفالت کرنی صحیح ہے۔ یعنی اگر کوئی تیسرا شخص غلام کی طرف سے اس قیمت کا ذمہ دار اور
کفیل ہو جائے تو جائز ہوگا۔ بخلاف بدل کتابت کے۔ یعنی اگر کسی نے اپنے غلام کو کسی قدر مال پر مکاتب بنایا تو اس مال کی کفالت اور ذمہ داری
قبول کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس مال کے ساتھ ہی اس کے مخالف ایک امر موجود ہے کہ اس مکاتب میں ابھی تک (یعنی اس بدل کتابت کی مکمل
ادائیگی تک) مملوکی کے آثار باقی ہیں۔ جیسا کہ اپنی جگہ (مکاتب کی بحث میں) بیان کیا گیا ہے۔

متن کتاب میں مصنفؒ نے (عبدہ علی مال میں) لفظ مال کو مطلق رکھا اور کوئی قید اس میں نہیں لگائی اس لئے وہ نقد روپے اور اسباب اور حیوان
ہر قسم کے مال کو شامل ہے اگرچہ وہ مال معین نہ ہو کیونکہ یہ مال غیر مال کا عوض ہے۔ جیسے نکاح میں مہر اور مال کے عوض طلاق اور قصداً خون کر دینے کی
صورت میں صلح کرتے ہوئے مال ادا کرنے میں ہوتا ہے۔ اسی طرح غلہ اور ناپنے اور تولنے کے لائق چیزوں کو بھی شامل ہے۔ بشرطیکہ ان کی جنس
معلوم ہو البتہ ان کا وصف مجہول ہو تو اس سے کچھ نقصان نہیں آتا ہے۔ کیونکہ یہ جہالت اور یہ خرابی معمولی سے اور قابل برداشت ہوتی ہے۔

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۲۹ باب العتق علی جعل
تشریح..... وَلَا تَصْرُهُ جِهَالَةً الْوَصْفِ لِأَنَّهَا يَسِيرَةٌ..... الخ کتاب میں لفظ مال کو مطلق رکھنے کی صورت میں اناج اور کیلی وزنی ساری چیزیں
اس میں شامل ہو جاتی ہیں بشرطیکہ ان کی جنس معلوم ہو۔ اس میں وصف کی جہالت سے کوئی نقصان نہیں آتا ہے کیونکہ یہ جہالت خفیفہ ہوتی ہے۔

فائدہ..... یعنی مثلاً چار من غلہ عوض تعین کیا تو یہ مجہول ہوگا کیونکہ غلہ کی جنس نامعلوم ہے اور اگر چار من گیہوں، گندم کہدیا جائے تو جنس معلوم ہو
گئی۔ اس کے بعد اگر کھرے یا سفید یا سرخ گندم نہ کہا جائے تو اس سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں درمیانی درجہ کا لینے سے جہالت دور ہو
جاتی ہے۔ اسی طرح اگر حیوان میں گھوڑا یا خچر یا گائے وغیرہ کی کوئی جنس مقرر کر دی تو بھی جائز ہے اور اوسط درجہ کا جانور قرار دیا جائے گا۔

اگر غلام کے عتق کو مال کی ادائیگی پر معلق کیا تو بھی صحیح ہے

قَالَ وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ بِأَدَاءِ الْمَالِ صَحَّ وَصَارَ مَادُونًا وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ يَقُولَ إِنْ أَدَيْتَ إِلَيَّ أَلْفَ دِرْهَمٍ فَأَنْتَ حُرٌّ
وَمَعْنَى قَوْلِهِ صَحَّ أَنَّهُ يَعْتِقُ عِنْدَ الْأَدَاءِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَصِيرَ مَكَاتِبًا لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فِي تَعْلِيْقِ الْعِتْقِ بِالْأَدَاءِ وَإِنْ كَانَ فِيهِ
مَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ فِي الْإِنْتِهَاءِ عَلَى مَا نَبَّيْنَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنَّمَا صَارَ مَادُونًا لِأَنَّهُ رَغِبَهُ فِي الْاِكْتِسَابِ بِطَلَبِهِ
الْأَدَاءَ مِنْهُ وَمُرَادُهُ التِّجَارَةُ دُونَ التَّكْدِي فَكَانَ إِذْنَالَهُ دَلَالَةً

ترجمہ..... اور قد ردیٰ نے کہا ہے کہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کے آزاد ہونے کو مال ادا کرنے پر مشروط کیا تو بھی صحیح ہے اور یہ غلام ماذون کہلائے
گا۔ یعنی اسے تجارت کی اجازت ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تم مجھے ہزار روپے دے دو تو تم آزاد ہو اور
صاحب کتاب نے جو یہ فرمایا ہے کہ ”صحیح ہے“ اس کے معنی ہیں کہ وہ مال ادا کرنے کے وقت آزاد ہوگا مکاتب بنے بغیر۔ کیونکہ مولیٰ کے کلام کے
صریح معنی یہ ہیں کہ ادا کرنے پر آزادی مشروط کی ہو۔ اگرچہ اس میں انجام کار کا خیال کرتے ہوئے معاوضہ کے معنی اس میں ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ
ہم انشاء اللہ اسے بیان کریں گے اور اس غلام کو اس بناء پر ماذون کیا گیا ہے کہ مولیٰ نے اسے مال کمانے کی ترغیب دی ہے۔ اس طرح سے کہ اس
سے اپنا مال ادا کرنے کی خواہش کی ہے اور اس ترغیب سے اس کی مراد اس سے تجارت کرانی ہے۔ بھیک منگوانی مراد نہیں ہے۔ اس سے اس بات کی
دلیل ہوتی ہے کہ اسے تجارت کی اجازت دے دی ہے۔

تشریح..... قَالَ وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ بِأَدَاءِ الْمَالِ صَحَّ وَصَارَ مَادُونًا..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

اگر غلام نے مال حاضر کر دیا تو قاضی آقا کو آزاد کرنے پر مجبور کرے گا

وَإِنْ أَحْضَرَ الْمَالَ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى قَبْضِهِ وَعَقَّ الْعَبْدُ وَمَعْنَى الْإِجْبَارِ فِيهِ وَفِي سَائِرِ الْحُقُوقِ أَنَّهُ يُنْزَلُ
قَابِضًا بِالتَّخْلِيَةِ وَقَالَ زُفَرٌ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْقَبُولِ وَهُوَ الْقِيَاسُ لِأَنَّهُ تَصَرُّفٌ يَمِينٍ إِذْهُوَ تَعْلِيْقُ الْعِتْقِ بِالشَّرْطِ لَفْظًا
وَلِهَذَا لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى قَبُولِ الْعَبْدِ وَلَا يَحْتَمِلُ الْفَسْخَ وَلَا جَبْرَ عَلَى مُبَاشَرَةِ شُرُوطِ الْإِيمَانِ لِأَنَّهُ لَا اسْتِحْقَاقَ
قَبْلِ وُجُودِ الشَّرْطِ بِخِلَافِ الْكِتَابَةِ لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ وَابْتَدَلُ فِيهَا وَاجِبٌ وَلَنَا أَنَّهُ تَعْلِيْقٌ نَظَرًا إِلَى اللَّفْظِ وَ
مُعَاوَضَةٌ نَظَرًا إِلَى الْمَقْصُودِ لِأَنَّهُ مَاعَلَقَ عِتْقَهُ بِالْأَدَاءِ إِلَّا لِيُحْتَمَلَ عَلَى دَفْعِ الْمَالِ فَيُنَالُ الْعَبْدُ شَرَفَ الْحُرِّيَّةِ
وَالْمَوْلَى الْمَالَ بِمُقَابَلَتِهِ بِمَنْزِلَةِ الْكِتَابَةِ وَلِهَذَا كَانَ عَوْضًا فِي الطَّلَاقِ فِي مِثْلِ هَذَا اللَّفْظِ حَتَّى كَانَ بَانِيًا
فَجَعَلْنَاهُ تَعْلِيْقًا فِي الْإِبْتِدَاءِ عَمَلًا بِاللَّفْظِ وَدَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ الْمَوْلَى حَتَّى لَا يَمْتَنِعَ عَلَيْهِ بَيْعُهُ وَلَا يَكُونُ الْعَبْدُ
أَحَقُّ بِمَكَاسِبِهِ وَلَا يَنْسَبُ إِلَى الْمَوْلَى الْمَمْلُوكُ قُلْ الْأَدَاءُ وَجَعَلْنَاهُ مُعَاوَضَةً فِي الْإِنْتِهَاءِ عِنْدَ الْأَدَاءِ دَفْعًا

لِلْعُرُورِ عَنِ الْعَبْدِ حَتَّى يُجْبَرَ الْمَوْلَى عَلَى الْقَبُولِ فَعَلَى هَذَا يَدُورُ الْفَقْهُ وَيُخْرَجُ الْمَسَائِلُ نَظِيرُهُ الْهَبَةُ بِشَرَطِ الْعَوَضِ وَلَوْ أَدَّى الْبَعْضُ يُجْبَرُ عَلَى الْقَبُولِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَتَعَقَّبُ مَا لَمْ يُوَدَّ الْكُلُّ لَعَدَمِ الشَّرْطِ كَمَا إِذَا حَطَّ الْبَعْضُ وَأَدَّى الْبَاقِيَ ثُمَّ لَوْ أَدَّى الْفُلَا اِكْتَسَبَهَا قَبْلَ التَّعْلِيْقِ رَجَعَ الْمَوْلَى عَلَيْهِ وَعَتَقَ لَا سِتِحَقَّاقِهَا وَلَوْ كَانَ اِكْتَسَبَهَا بَعْدَهُ لَمْ يَرْجِعِ الْمَوْلَى عَلَيْهِ لِأَنَّهُ مَا ذُوْنٌ مِنْ جِهَتِهِ بِالْأَدَاءِ مِنْهُ ثُمَّ الْإِدَاءُ فِي قَوْلِهِ إِنْ أَدَيْتَ يَقْتَصِرُ عَلَى الْمَجْلِسِ لِأَنَّهُ تَخْيِيرٌ وَفِي قَوْلِهِ إِذَا أَدَيْتَ لَا يَقْتَصِرُ لِأَنَّ إِذَا اسْتَعْمَلَ لِلْوَقْتِ بِمَنْزِلَةِ مَتَى

ترجمہ..... پھر اگر غلام نے مال لا کر دیدیا تو حاکم اس کے مولیٰ کو اس مال کے لینے پر مجبور کرے گا (اگر وہ مال لینا نہ چاہتا ہو) اس کے ساتھ ہی غلام آزاد ہو جائے گا۔ اس مقام میں اور دوسرے مواقع میں بھی جبر کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ حاکم مولیٰ کو اس مال پر قابض ہو جانے کا حکم دیدے گا۔ کیونکہ اب کوئی روک ٹوک باقی نہیں ہے اور امام زفرؒ نے کہا ہے کہ حاکم اسے مال قبول کر لینے پر مجبور نہیں کرے گا اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کیونکہ مولیٰ نے جو کچھ کہا وہ قسم کا تصرف ہے۔ کیونکہ اس سے آزادی کی شرط کلام کے ساتھ مشروط کرنا ہوا۔ اس لئے غلام کے قبول کرنے پر موقوف نہیں ہے اور یہ قابل فتح بھی نہیں ہوتا ہے اور قسم کی شرطوں کو عمل میں لانے کے لئے جبر نہیں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ شرط پائے جانے سے پہلے کسی قسم کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا ہے۔ بخلاف کتابت کے کیونکہ وہ ایک معاوضہ کا معاملہ ہے اور اس میں معاوضہ کا مال واجب ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ کلام لفظ کے اعتبار سے تو بے شک تعلیق یعنی شرطیہ کلام ہے۔ لیکن مقصود کے لحاظ سے یہ معاوضہ کا معاملہ ہے۔ کیونکہ مولیٰ نے غلام کے آزاد ہونے کو جو مال کی ادائیگی پر مشروط کیا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ غلام کو مال دینے پر آمادہ کرے۔ اس لئے غلام کو آزاد ہونے کی بڑائی اور فضیلت حاصل ہو اور مولیٰ کو اس کے مقابلے میں مال حاصل ہو۔ جیسا کہ کتابت کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر طلاق کے مسئلہ میں اس طرح کہے کہ میں نے تم کو ہزار درہم کے عوض طلاق دی تو یہ مال طلاق کے عوض ہوتا ہے۔ اسی بنا پر اس سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ اسی لئے ہم نے مولیٰ کے کلام کو ایک اعتبار سے تخلیق اور دوسرے اعتبار سے معاوضہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہم نے ابتدا میں اس قول کو تعلیق کہا۔ تاکہ ظاہر لفظ پر عمل ہو جائے اور مولیٰ سے بھی ضرر دور ہو جائے۔ اسی بناء پر اس غلام کو بیچنا اس مولیٰ کے لئے ممنوع نہیں ہوا اور غلام بھی اپنی کمائی میں مکمل طور پر خود مختار نہیں ہوا ہے اور اس کی ادائیگی سے پہلے اس غلام سے جتنی اولاد ہو چکی ہے اس میں آزادی کا کوئی اثر نہیں ہوا ہے اور جب اس غلام نے اپنا مال ادا کرنا چاہا تو انجام کے اعتبار سے اس قول کو معاوضہ کہا۔ تاکہ غلام دھوکے سے بچ جائے یہاں تک کہ اس کو اس مال کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اسی قاعدہ پر فقہ کی بنیاد ہے اور اس سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی نظیر عوض کی شرط پر ہبہ کرنا ہے۔ یعنی اگر وہ شخص جسے کچھ ہبہ کیا گیا (موجب لہ) عوض دینے کے لئے مال لایا تو ہبہ کرنے والے کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ اس مال کو قبول کر لے اور اگر وہ غلام پورا مال نہ لائے بلکہ ٹھوڑا مال لائے تو بھی مولیٰ کو اس پر قبضہ کرنے کے لئے مجبور کیا جائے گا۔ تاکہ جب تک غلام اپنا پورا مال ادا نہیں کرتا ہے اس وقت تک غلام آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت تک شرط نہیں پائی گئی ہے۔ جیسے کہ اگر مولیٰ نے مجموعہ میں سے کچھ کم کر دیا اور غلام نے باقی مال ادا کر دیا تو بھی وہ غلام فورا آزاد نہیں ہو جائے گا۔ کیونکہ پورا مال ادا کرنا مشروط ہے۔ اسی طرح اگر غلام نے وہ رقم لا کر فی الحال ادا کر دی جو اس نے اس معاملہ تعلیق سے پہلے کسی طرح سے جمع کر دی تھی تو وہ غلام آزاد تو ہو جائے گا۔ لیکن مولیٰ اتنی رقم مزید بعد میں اس سے واپس لے گا۔ کیونکہ وہ مولیٰ ان کے روپے کا پہلے سے مستحق تھا اور شرط پائے جانے سے غلام آزاد ہو گیا۔ لیکن اگر اس نے اس معاملہ تعلیق کے بعد وہ روپے کمائے ہوں تو اب اس کا مولیٰ اس سے کچھ واپس نہیں لے گا۔ کیونکہ غلام کو اس کے مولیٰ کی طرف سے تجارت کی اجازت ہو گئی ہے۔ جبکہ اس نے غلام کی طرف سے مال ادا ہونے کی شرط لگائی۔ پھر اگر مولیٰ نے غلام سے یہ کہا ہو کہ اگر تم مجھ کو ہزار روپے دے دو تو تم آزاد ہو۔ تو اس کلام کا اثر اس مجلس تک رہے گا۔ کیونکہ یہ جملہ اختیار دینے کے معنی میں ہوتا ہے۔ یعنی اسی مجلس میں غلام کے اختیار پر رہے گا اور اگر مولیٰ نے اس طرح کہا کہ جب تم مجھ کو ہزار روپے ادا کر دو

تب تم آزاد ہو۔ تو اس کا اثر صرف اسی مجلس تک نہیں رہے گا۔ کیونکہ لفظ ”اذا“ کا استعمال (کسی وقت) کے مانند صرف وقت کے معنی میں ہوتا ہے۔ یعنی جب کبھی ادا کر دے آزاد ہو جائے گا۔

تشریح وَإِنْ أَحْضَرَ الْمَالُ أَجْبَرَهُ الْحَاكِمُ عَلَى قَبْضِهِ وَعَقَّ الْعَبْدُ وَمَعْنَى الْإِجْبَارِ فِيهِ الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

اپنے غلام کو کہا میری موت کے بعد ہزار درہم پر تم آزاد ہو، کہنے کا حکم

وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ فَالْقَوْلُ بَعْدَ الْمَوْتِ لِإِصْطِفَاءِ الْإِجْبَابِ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ أَنْتَ حُرٌّ غَدًا أَعْلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ أَنْتَ مُدَبَّرٌ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ حَيْثُ يَكُونُ الْقَبُولُ إِلَيْهِ فِي الْحَالِ لِأَنَّ إِجْبَابَ التَّذْيِيرِ فِي الْحَالِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْمَالُ لِقِيَامِ الرِّقِّ قَالُوا لَا يَتَعَقُّ عَلَيْهِ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ وَإِنْ قَبِلَ بَعْدَ الْمَوْتِ مَا لَمْ يَعْتَقَهُ الْوَارِثُ لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْإِعْتِقَاقِ وَهَذَا أَصَحُّ

ترجمہ اور جس نے اپنے غلام سے کہا کہ تم میری موت کے بعد ہزار روپے کی ادائیگی پر آزاد ہو تو اس غلام کا اسے قبول کرنا مولیٰ کے مرجانے کے بعد معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس کے مولیٰ نے اس کلام کو اپنی موت کے بعد پر منسوب کیا ہے۔ تو گویا اس نے یوں کہا کہ تم کل کے دن ہزار روپے پر آزاد ہو۔ یعنی اس نے اپنے کلام میں جو وقت مقرر کیا ہے گویا اسی وقت پر اس نے موجودہ کلام کیا ہے۔ لہذا اسی وقت اس کا قبول بھی معتبر ہو گا۔ بخلاف اس صورت کے کہ اگر یوں کہا کہ تم ہزار درہم کے عوض مدبر ہو۔ کہ اس کلام میں قبول کرنا فی الحال غلام کی طرف معتبر ہے۔ کیونکہ اس نے مدبر کرنے کے لئے فی الحال کلام کیا ہے۔ لیکن اس کا مال ابھی واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ غلام ابھی تک ایک خالص (بے اختیار) غلام ہے۔ پھر مشائخ نے فرمایا ہے کہ کتاب (جامع صغیر) کے مسئلہ میں غلام آزاد نہ ہوگا۔ اگرچہ غلام اپنے مولیٰ کی موت کے بعد قبول بھی کرے۔ جب تک کہ اس کا وارث (یا وصی یا قاضی) اسے آزاد نہ کر دے کیونکہ اس وقت مردہ مولیٰ کو اپنے غلام آزاد کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور یہی حکم صحیح بھی ہے۔

تشریح وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ أَنْتَ حُرٌّ بَعْدَ مَوْتِي عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ فَالْقَوْلُ بَعْدَ الْمَوْتِ لِإِصْطِفَاءِ الْإِجْبَابِ إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

غلام کو چار سال خدمت کرنے پر آزاد کر دیا اور غلام نے قبول کر لیا تو آزاد ہو جائے گا

قَالَ وَمَنْ أَعْتَقَ عَبْدَهُ عَلَى خِدْمَتِهِ أَرْبَعَ سِنِينَ فَقَبِلَ الْعَبْدُ عَتَقَ ثُمَّ مَاتَ مِنْ سَاعَتِهِ فَعَلَيْهِ قِيمَةُ نَفْسِهِ فِي مَالِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ قِيمَةُ خِدْمَتِهِ أَرْبَعَ سِنِينَ أَمَّا الْعَتَقُ فَلِأَنَّهُ جُعِلَ الْخِدْمَةُ فِي مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ عَوَضًا فَيَتَعَلَّقُ الْعَتَقُ بِالْقَبُولِ وَقَدْ وَجَدُوا لَزْمَتَهُ خِدْمَةُ أَرْبَعَ سِنِينَ لِأَنَّهُ يَصْلُحُ عَوَضًا فَصَارَ كَمَا إِذَا أَعْتَقَهُ عَلَى أَلْفٍ دِرْهَمٍ ثُمَّ مَاتَ الْعَبْدُ فَالْخِلَافِيَّةُ فِيهِ بِنَاءٌ عَلَى خِلَافِيَّةِ أُخْرَى وَهِيَ أَنَّ مَنْ بَاعَ نَفْسَ الْعَبْدِ مِنْهُ بِجَارِيَةٍ بَعَيْنِهَا ثُمَّ اسْتَحَقَّتِ الْجَارِيَةُ أَوْ هَلَكَتْ يَرْجِعُ الْمَوْلَى عَلَى الْعَبْدِ بِقِيمَةِ نَفْسِهِ عِنْدَ هُمَاوٍ بِقِيمَةِ الْجَارِيَةِ عِنْدَهُ وَهِيَ مَعْرُوفَةٌ وَوَجْهُ الْبِنَاءِ أَنَّهُ كَمَا يَتَعَدَّرُ تَسْلِيمُ الْجَارِيَةِ بِالْهَلَاكِ وَالْإِسْتِحْقَاقُ يَتَعَدَّرُ الْوُضُوءُ إِلَى الْخِدْمَةِ بِمَوْتِ الْعَبْدِ وَكَذَا بِمَوْتِ الْوَلِيِّ فَصَارَ نَظِيرُهَا

ترجمہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ اگر کسی نے اپنے غلام کو پورے چار سال تک اپنی خدمت بجالانے پر آزاد کیا۔ جسے غلام نے

قبول کر لیا تو وہ آزاد ہو گیا۔ لیکن اس خدمت کی ادائیگی سے پہلے ہی وہ غلام مر گیا تو امام ابو حنیفہؒ والیوسفؒ کے نزدیک غلام کے مال میں (اگر موجود ہو) تو غلام کی ذات کی قیمت واجب ہوگی اور امام محمدؒ نے کہا ہے کہ غلام کی چار سالہ خدمت کی قیمت لازم ہوگی اور مصنفؒ نے کہا ہے کہ آزاد ہونا اس وجہ سے ہوا کہ یہ ایک معین مدت تک خدمت کرنا آزادی کا عوض قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے غلام کے قبول کرنے پر آزادی متعلق ہو جائے گی اور غلام کا اس شرط کو قبول کر لینا پایا گیا ہے اور غلام پر چار برس اس کی خدمت واجب ہوگی۔ کیونکہ اس کی خدمت بجا آوری میں اس کے عوض بننے کی صلاحیت موجود ہے یعنی خدمت گزاری اس کا عوض ہو سکتی ہے۔ تو ایسا ہو گیا کہ گویا مولیٰ نے غلام کو ہزار روپے پر آزاد کیا۔ پھر وہ غلام اس شرط کو قبول کر لینے کے بعد مال کی ادائیگی سے پہلے انتقال کر گیا۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اس مسئلہ میں موجودہ اختلاف دراصل ایک دوسرے مسئلہ میں اختلاف پر مبنی ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام سے اپنی ایک معینہ باندی کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں نے تم کو تمہاری ذات فروخت کی جس کا عوض یہ باندی ہے اور غلام نے اس کہنے اور ایجاب کرنے کو قبول کر لیا جس سے وہ غلام آزاد ہو گیا۔ پھر کسی شخص نے اس باندی پر اپنی ملوکہ ہونے کا دعویٰ کیا اور اسے ثابت کر کے اپنے قبضہ میں لے لیا یا سپرد کرنے سے وہ باندی مر گئی۔ اس صورت میں شیخینؒ کے نزدیک یہ مولیٰ اپنے اس سابق غلام سے اس کی ذات کی قیمت (جو پہلے ہو سکتی تھی) مانگ لے گا اور امام محمدؒ کے نزدیک خود اس کی اپنی قیمت نہیں بلکہ اس معینہ باندی کی قیمت لے گا۔ یہ مسئلہ فقہاء میں معروف ہے۔ اس پر آزادی کے ہمارے مسئلہ کی بنیاد ہے۔ اس وجہ سے کہ اس باندی کے مرجانے یا کسی کی مستحق ثابت ہو جانے سے اب پہلے مولیٰ کے پاس آنا ممکن نہیں رہا۔ اس طرح غلام کے مرنے سے غلام کی خدمت ملنا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح یہ مسئلہ کی نظیر ہو گیا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ آقا نے اپنے غلام کو چار سال کی خدمت کے بدلے آزاد کیا اور غلام نے اسے قبول کر لیا۔ جبکہ غلام ادائے خدمت سے پہلے اور قبول کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔ کیا ایسی صورت میں غلام آزاد ہوا۔ یا اس کے نفس کی قیمت واجب الادا ہوگی یا خدمت کی قیمت ادا کرنا لازمی ہوگی۔ چونکہ آقا نے غلام کو خود اسی کے ہاتھوں خدمت کے عوض فروخت کیا تھا۔ اسلئے عتق کا عوض خدمت ہوئی۔ اگر غلام متعینہ یا معلوم مدت تک زندہ رہا اور معینہ مدت تک خدمت گزاری کی تو وجود شرط کی وجہ سے ایجاب عتق ثابت ہو جائے گا۔ اگر غلام قبول کرنے کے بعد اور ادائے خدمت سے پہلے چل بسا تو شیخینؒ (امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ) کے نزدیک غلام کے مال میں سے اس کے نفس کی قیمت ادا کی جائے گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایک معلوم مدت کی قیمت واجب الادا ہوگی۔ شیخینؒ اور امام محمدؒ کے بیان کردہ مسئلہ کی حقیقت اسی طرح مسئلہ خدمت میں بھی اداے عوض ناممکن ہے۔ اس اصول کے پیش نظر امام محمدؒ کی دلیل یہ ہوگی کہ متعینہ چیز کی قیمت کا وجوب اسلئے ہوگا کہ کسی چیز کا تعین اس چیز کا عوض ہے۔ جو کہ مال نہیں۔ یعنی یہ عتق کا عوض ہے۔ جبکہ شریعت میں عتق کی قیمت نہیں ہے۔ لہذا چیز کا تعین دراصل اس کا عین ہے جس کی قیمت کا وجوب لازم ہوگا۔

شیخینؒ (امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ) کی دلیل یہ ہوگی کہ متعینہ چیز غلام کی ذات کا عوض ہے عتق کا نہیں۔ کیونکہ غلام مال مقوم ہے۔ اسلئے اگر غلام قبول کرنے کے بعد اور ادائے خدمت سے پہلے فوت ہو گیا۔ تو غلام کے مال میں سے اس کے نفس (ذات) کی قیمت ادا کی جائے گی۔ عتق تو غلام کے قبول کرتے ہی ثابت ہو گیا۔ یعنی غلام نے اس کو قبول کیا تو وہ آزاد ہو گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آقا نے ہزار درہم پر غلام کو آزاد کیا اور قبول کے بعد اور ادائے مال سے پہلے جاں بحق ہو گیا۔

اس مثال سے یہ واضح ہوا کہ یہ صورت معاوضہ کے حکم میں ہے کہ وجود قبول سے نزول عتق متحقق ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ شیخینؒ اور امام محمدؒ کے مابین اختلاف کی بنیاد دوسرے اختلاف پر قائم ہے۔ وہ یہ ہے کہ آقا نے اپنے غلام کو خود اسی کے ہاتھ ایک متعینہ لونڈی کے بدلے میں فروخت کر دیا۔ غلام اسے قبول کر کے آزاد ہو گیا۔ پھر اس لونڈی پر کسی دوسرے شخص نے اپنا حق ثابت کر کے آقا سے واپس کر لی یا وہ لونڈی آقا کے حوالے کرنے سے پہلے چل بسی۔ تو شیخینؒ کے نزدیک آقا اپنے اس غلام سے اس کے نفس (ذات) کی قیمت وصول کرے گا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک

لوٹڈی متذکرہ کی قیمت وصول کی جائے گی۔ کیونکہ خدمت ایسی چیز کا عوض ہے جو کہ ”مال“ نہیں۔ یعنی یہ عتق کا عوض ہے۔ عتق کی قیمت نہیں ہوتی۔ چنانچہ خدمت کی سپردی ناممکن ہے تو اس کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔ جبکہ شیخین فرماتے ہیں کہ خدمت کا عوض مال ہے۔ کیونکہ یہ غلام کی ذات کا عوض ہے۔ اور غلام کا شمار مال میں ہوتا ہے۔ مگر جب ”عوض“ خدمت کا ادا کرنا ناممکن نہیں۔ تو غلام جو کہ اپنے عوض کا بدلہ ہے۔ اس کا ادا کرنا ضروری ہوا لیکن غلام کو واپس کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ عتق فسخ کو قبول نہیں کرتا۔ اسلئے اس کی قیمت ادا کرنا لازمی ہو گیا۔

لوٹڈی ہو یا غلام دونوں خدمت گار ہوتے ہیں۔ لوٹڈی سپرد ہونے سے قبل ہلاکت یا وجود استحقاق کی وجہ سے اور غلام آقا کا قول قبول کرنے کی وجہ سے اثبات عتق کی بنا پر مولیٰ (آقا) کے قیام رقبہ (غلامی) سے دور ہو گئے۔ یا آقا اپنی موت کے ان دونوں (لوٹڈی اور غلام) سے خدمت وصول نہیں کر سکتا۔ اسلئے غلام کے نفس (ذات) کی قیمت ہی وصول کی جائے گی نہ کہ خدمت کی۔

اگر کسی نے دوسرے کو کہا کہ تم اپنی باندی کو ایسے ہزار درہم میں جو تجھ پر ہیں آزاد کرو اس شرط پر کہ اس کا نکاح میرے ساتھ کرو گے اس نے ایسا کر دیا باندی نکاح کرنے سے انکار کر دے، تو کیا حکم ہے؟

وَمَنْ قَالَ لِأَخْرَاعَتِقْ أَمَتَكَ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى أَنْ تَزَوَّجَ بِهَا فَعَلَّ فَبَاتَ أَنْ تَزَوَّجَ بِهَا فَالْعَتَقُ جَائِزٌ وَلَا شَيْءٌ عَلَى الْأَمْرِ لِأَنَّ مَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ أَعْتِقْ عَبْدَكَ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى فَعَلَّ لَا يُلْزَمُهُ شَيْءٌ وَيَقَعُ الْعَتَقُ عَنِ الْمَأْمُورِ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لِغَيْرِهِ طَلِّقْ أَمْرًا أَلْفَ دِرْهَمٍ عَلَى فَعَلَّ حَيْثُ يَجِبُ إِلَّا لَفَّ عَلَى الْأَمْرِ لِأَنَّ اشْتِرَاطَ الْبَدْلِ عَلَى الْأَجْنَبِيِّ فِي الطَّلَاقِ جَائِزٌ وَفِي الْعِتَاقِ لَا يَجُوزُ وَقَدْ قَرَّرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ تم ہزار درہم کے عوض اپنی باندی کو آزاد کرو جو مجھ پر لازم ہوں گے مگر اس شرط پر کہ تم اس کا نکاح مجھ سے کرو۔ چنانچہ اس شخص نے ایسا کر دیا۔ مگر اس عورت نے اس سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا۔ تو یہ آزاد ہو جانا جائز ہوا۔ لیکن اس حکم دینے والے پر کچھ بھی مال لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم اپنے غلام کو ایسے ہزار درہم کے عوض آزاد کرو جو مجھ پر لازم ہوں گے اور اس نے اسے آزاد کر دیا تو اس کہنے والے پر لازم نہیں ہوتا ہے اور آزاد کرنا اسی شخص کی طرف سے ہوتا ہے جس کا وہ غلام تھا۔ بخلاف اس صورت کے کہ اگر دوسرے سے کسی نے یہ کہا کہ تم اپنی بیوی کو ہزار درہم کے عوض طلاق دے دو جو کہ مجھ پر لازم ہوں گے اور اس نے ایسا ہی کیا تو کہنے والے پر وہ ہزار درہم لازم آجائیں گے۔ کیونکہ طلاق کے مسئلہ میں کسی اجنبی پر مال عوض کی شرط لگانا جائز ہے۔ لیکن آزادی کے مسئلہ میں اجنبی کے ذمہ مال کی شرط کرنا جائز نہیں ہے اور اس مسئلہ کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

فائدہ..... یعنی خلع کے باب میں یہ مسئلہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اگر باپ نے اپنے مال سے اپنی چھوٹی لڑکی کا خلع لیا تو باپ پر ہی لازم ہوگا کیونکہ جب اجنبی شخص پر مال لازم ہو جاتا ہے تو باپ پر بدرجہ اولیٰ لازم ہوگا۔

تشریح..... ایک شخص نے دوسرے سے کہا اَعْتِقْ أَمَتَكَ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى أَنْ تَزَوَّجَ بِهَا پس مالک نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا آزادی واقع ہو جائے گی اور اجنبی شخص پر کچھ لازم نہ ہوگا جیسے اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا اَعْتِقْ عَبْدَكَ عَلَى أَلْفِ دِرْهَمٍ عَلَى مالک نے غلام کو آزاد کر دیا تو اجنبی شخص پر کچھ لازم نہ ہوگا اور وجہ یہ ہے کہ اپنی ملکیت کو دوسرے کے مال کے بدلے میں مشروط کرنا درست نہیں ہے۔ لہذا باندی آزاد ہو جائے گی۔ بخلاف اس صورت کے کہ اگر کسی نے دوسرے آدمی سے کہا طَلِّقْ أَمْرًا أَلْفَ دِرْهَمٍ عَلَى اس شخص نے طلاق

باب العتق علی جعل ۳۴ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
 دیدی تو آمر پر ہزار درہم لازم ہوں گے اسلئے کہ طلاق عوض خلع پر قیاس کرتے ہوئے اجنبی پر مال عوض لینے کی شرط جائز ہے اور اعتاق میں یہ شرط جائز نہیں لہذا دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔

ایک شخص نے دوسرے سے کہا تم اپنی باندی کو میری طرف سے ہزار درہم پر آزاد کر دو اس

شرط پر کہ تم اس کا نکاح میرے ساتھ کرو گے، کا حکم

وَلَوْ قَالَ اَعْتَقْتُ اَمَتَكَ عَنِّي عَلَى اَلْفٍ دِرْهَمٍ وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا فَسَمِعَ اَلْاَلْفَ عَلَى قِيَمَتِهَا وَمَهْرٌ مِثْلُهَا فَمَا اَصَابَ الْقِيَمَةَ اَدَّاهُ الْاَمِيرُ وَمَا اَصَابَ الْمَهْرَ بَطَلَ عَنْهُ لِأَنَّهُ لَمَّا قَالَ عَنِّي تَصْمَنَ الشِّرَاءَ اِقْتِضَاءً عَلَى مَا عُرِفَ وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ فَقَدْ قَابَلَ اَلْاَلْفَ بِالرَّقَبَةِ شِرَاءً وَبِالْبُضْعِ نِكَاحًا فَانْقَسَمَ عَلَيْهِمَا وَوَجِبَتْ حِصَّةُ مَا سَلِمَ لَهُ وَهُوَ الرَّقَبَةُ وَبَطَلَ عَنْهُ مَا لَمْ يُسَلِّمْ وَهُوَ الْبُضْعُ فَلَوَزَّوَجَتْ نَفْسُهَا مِنْهُ لَمْ يَذْكُرْهُ وَجَوَابُهُ أَنَّ مَا اَصَابَ فِيْمَتِهَا سَقَطَ فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ وَهِيَ لِلْمَوْلَى فِي الْوَجْهِ الثَّانِي وَمَا اَصَابَ مَهْرٌ مِثْلُهَا كَانَ مَهْرًا لَهَا فِي الْوَجْهِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا کہ تم اپنی باندی کو میری طرف سے ہزار درہم پر آزاد کر دو اور باقی مسئلہ اپنے حال پر پہلے مسئلہ کی طرح ہے یعنی اس شرط پر کہ اس کا نکاح میرے ساتھ کر دو اور اس نے ایسا ہی کر دیا مگر باندی نے آزادی کے بعد اس سے نکاح کرنے سے انکار کیا تو اس باندی کی قیمت اور اس کے مہر مثل پر وہ ہزار درہم تقسیم کئے جائیں گے۔ پھر جتنے درہم اس کی قیمت کے مقابلہ میں آئیں ان کو حکم دینے والا ادا کرے گا اور جتنے درہم اس کے مہر کے مقابلہ میں آئیں گے وہ اس کے ذمہ ثابت نہ ہوں گے۔ کیونکہ جب اس نے یہ جملہ کہا کہ میری طرف سے آزاد کر دو تو بطریق اقتضاء اس میں خریدنا بھی شامل ہوگا جیسا کہ اصول میں معلوم ہو چکا ہے۔ (یعنی گویا یہ کہا کہ میں نے تمہاری باندی تم سے خرید لی تم میرے ہاتھ اسے بیچ دو۔ پھر میری طرف سے وکیل ہو کر اسے آزاد کر دو، لیکن اس نے اس کی قیمت اور نکاح کے مقابلہ میں وہ ہزار درہم قرار دیئے ہیں) اور جب اس میں خریدنا بھی پایا گیا تو کہنے والے نے ہزار درہم کو غلام کی گردن خریدنے اور شرم گاہ سے نکاح کے مقابلہ میں ٹھہرایا۔ اس طرح وہ ہزار درہم ان دونوں چیزوں میں تقسیم ہوئے تو جو چیز ان دونوں میں سے اس کے حوالہ ہوئی یعنی اس کی ذات یا گردن تو اس کے حصہ کے اعتبار سے درہم بھی اسی پر واجب ہوئے یعنی وہ باندی اس کی ملکیت میں آ کر آزاد ہوئی اور دوسری چیز اس کی شرم گاہ بذریعہ نکاح اس کے سپرد نہیں ہوئی اس لئے اس کا حصہ اس کے ذمہ واجب نہیں ہوا۔ اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ان دونوں مسئلوں میں باندی نے اس کے ساتھ اپنا نکاح کرنا منظور کر لیا تو امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔ پھر بھی اس کا حکم یہ ہوگا کہ ان ہزار میں سے باندی کی قیمت کے مقابلہ میں جو آئے وہ پہلے مسئلہ میں ساقط ہوگا اور دوسرے مسئلہ کی صورت میں وہ مقدار مولیٰ کو مل جائیگی اور ہزار کا باقی حصہ جو باندی کے مہر مثل کے مقابلہ میں آئے وہ دونوں صورتوں میں اس باندی کا مہر ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے حسن سے کہا کہ تو اپنی لونڈی کو ہزار درہم کے بدلے میں آزاد کر دے۔ بشرطیکہ اس کا نکاح میرے ساتھ کر دے۔ اور زید نے حسن کے کہنے پر یہ عمل کر دیا تو وہ ہزار درہم لونڈی کی قیمت اور مہر میں تقسیم کر دیا جائے گا اور زید کو لازماً لونڈی کی قیمت کا حصہ آقا کے حوالے کرنا پڑے گا کیونکہ لفظ ”غنی“ خریداری کا مقتضی ہے۔ چنانچہ لفظ ”غنی“ یہ تقاضا کرتا ہے کہ زید نے بکر سے یوں کہا کہ تم اپنی لونڈی ایک ہزار درہم کے عوض میں فروخت کر دو۔ پھر میری طرف سے وکیل بن کر اسے آزاد کر دو۔ چونکہ کسی کی لونڈی کے حق کا وقوع دوسرے کی طرف سے ناممکن ہے اسلئے زید کے کلام کو اقتضائے ثراء کی بناء پر پہلے بیع و ثراء کے ضمن میں معتبر سمجھا

جائے گا پھر اس پر ایجابِ حق لاگو کیا جائے گا۔ چنانچہ زید کے تقاضائے کلام کے پیش نظر یہ بھی واضح ہوا کہ اس نے دونوں باتیں کہی ہیں۔

(۱) حق (۲) نکاح

اسلئے ہزار درہم کو بطور خرید لوٹڈی کے حق کے عوض میں اور بطور نکاح منافع بضع کے بدل میں لازمی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ لوٹڈی کا نکاح سے انکار کرنے کی صورت میں منافع بضع کے حاصل نہ ہونے کی بنا پر مہر مثل کی رقم ساقط ہو جائے گی اور بطور خرید اعتاق کی رقم واجب الادا ہوگی۔ جسے آقا کے حوالے کیا جائے گا۔ یہ ایسا ہے جیسے غلام اور مدبر کو بیع میں جمع کیا جاتا ہے اور اس حیثیت سے وہ بیع صحیح ہے۔ اس میں بھی قیمت تقسیم ہوتی ہے۔ مدبر کی قیمت ادا نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہوتی ہے اور عبد کی قیمت ادا ہونے کی صورت میں رقم ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں حق میں رقم واجب ہے اور نکاح سے انکار کی صورت میں مہر کی رقم ادا کرنا لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ حق میں بیع صحیح ہے اور نکاح میں صحیح نہیں۔ لہذا حق کو بیع کا مقتضی قرار دے گا لوٹڈی کی قیمت ادا کی جائے گی۔ اور نکاح میں مہر مثل کی رقم ادا کی جائے گی۔

فرض کریں اگر مقررہ قیمت ایک ہزار ہے تو ایسی صورت میں اس رقم کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ دو حصے (دو تہائی) عوض حق میں آقا کو ادا کیے جائیں اور ایک حصہ (ایک تہائی) مہر مثل میں لوٹڈی کو دیا جائے گا کیونکہ مسئلہ کی مذکورہ صورت کو اجتماعِ عبد و مدبر کی بیع پر قیاس کیا گیا ہے۔ چونکہ عبد پر کلی طور پر قیامِ رق (غلامی) پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے اعتاق کے مواقع نہیں ہیں بخلاف مدبر کے اس کے حق (آزادی) کے مواقع موجود ہیں۔ اسلئے مدبر کی یہ نسبت غلام کی قیمت کا حصہ دو گنا ادا کرنا پڑے گا۔ یہی حال مذکورہ مسئلہ کی صورت میں ہے کہ اثباتِ حق کی وجہ سے لوٹڈی کی قیمت کا حصہ آقا کو دو گنا ادا کرنا پڑے گا اور بوجہ انکار نکاح (منافع بضع حاصل نہ ہونے پر) لوٹڈی کے حصے میں مہر مثل کے طور پر ایک گنا (ایک تہائی) رقم آئے گی۔

باب التدبیر

ترجمہ..... باب مدبر کرنے کے بیان میں

مدبر کی تعریف

إِذَا قَالَ الْمَوْلَى لِمَمْلُوكِهِ إِذَا مِثْتُ فَأَنْتَ حُرٌّ أَوْ أَنْتَ حُرٌّ عَنْ دُبْرٍ مَنِيٍّ أَوْ أَنْتَ مُدَبِّرٌ أَوْ قَدْ دَبَّرْتُكَ فَقَدْ صَارَ مُدَبِّرًا إِنْ هَذِهِ الْأَلْفَاظُ صَرِيحٌ فِي التَّدْبِيرِ فَإِنَّهُ اثْبَاتُ الْعِتْقِ عَنْ دُبْرٍ

ترجمہ..... اگر مدبر نے اپنے مملوک سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم آزاد ہو۔ یا یہ کہا کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔ یا یہ کہا کہ تم مدبر ہو یا یہ کہ میں نے تم کو مدبر بنایا تو وہ مدبر ہو جائے گا۔ خواہ وہ مملوک غلام ہو یا باندی ہو کیونکہ یہ الفاظ مدبر بنانے میں صریح ہیں۔ کیونکہ مدبر بنانے کی صورت یہی ہے۔ کہ اپنے مرنے کے بعد آزادی ثابت کرے۔

فائدہ..... یعنی فی الحال اس کی زندگی میں تو غلام اس مولیٰ کے ملک ہی میں ہے اور اس نے اسے آزادی دی مگر اس آزادی کا وقت اپنی موت کے بعد متعین کیا تو وہ مدبر ہو جائے گا اور چونکہ یہ مذکورہ الفاظ صریح ہیں اس لئے ان کے کہنے کے ساتھ مدبر بنانے کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تشریح..... إِذَا قَالَ الْمَوْلَى لِمَمْلُوكِهِ إِذَا مِثْتُ فَأَنْتَ حُرٌّ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

مدبر کی بیع ہبہ اور اس کو ملک سے نکالنا ممنوع ہے

ثُمَّ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ وَلَا هَبُّهُ وَلَا اخْرَاجُهُ عَنْ مِلْكِهِ إِلَّا إِلَى الْحُرِّيَّةِ كَمَا فِي الْكِتَابَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجُوزُ لِأَنَّهُ تَعْلِيقُ

الْعَتَقِ بِالشَّرْطِ فَلَا يَمْتَنِعُ بِهِ الْبَيْعُ وَالْهَبَةُ كَمَا فِي سَائِرِ التَّعْلِيقَاتِ وَكَمَا فِي الْمُدْبَرِ الْمُقَيَّدِ وَلَا تَنْدَبِيرُ وَصِيَّةٌ وَهِيَ غَيْرُ مَانِعَةٍ مِنْ ذَلِكَ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُدْبَرُ لَا يَبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ وَهُوَ حُرٌّ مِنَ الثُّلُثِ وَلِأَنَّهُ سَبَبُ الْحُرِّيَّةِ لِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ تَنْبُتُ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَا سَبَبَ غَيْرُهُ ثُمَّ جَعَلَهُ سَبَبًا فِي الْحَالِ أَوَّلِي لَوْجُودِهِ فِي الْحَالِ وَعَدَمِهِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَا تَنْبُتُ الْمَوْتِ حَالِ بَطْلَانِ أَهْلِيَّةِ التَّصَرُّفِ فَلَا يُمْكِنُ تَأْخِيرُ السَّبَبِ إِلَى زَمَانِ بَطْلَانِ الْأَهْلِيَّةِ بِخِلَافِ سَائِرِ التَّعْلِيقَاتِ لِأَنَّ الْمَانِعَ مِنَ السَّبَبِ قَائِمٌ قَبْلَ الشَّرْطِ لِأَنَّهُ يَمِينُ وَالْيَمِينُ مَانِعٌ وَالْمَنْعُ هُوَ الْمَقْصُودُ وَأَنَّهُ يُضَادُّ وَقُوعَ الطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ وَأَمَّا تَأْخِيرُ السَّبَبِ إِلَى زَمَانِ الشَّرْطِ لِقِيَامِ الْأَهْلِيَّةِ عِنْدَهُ فَافْتَرَقَا وَلِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ وَالْوَصِيَّةُ خِلَافَةٌ فِي الْحَالِ كَالْوَرَاثَةِ وَإِبْطَالُ السَّبَبِ لَا يَجُوزُ فِي الْبَيْعِ وَمَا يُضَاهِيهِ ذَلِكَ

ترجمہ..... پھر جب وہ مدبر ہو گیا تو اسے بیچنا یا اس کا ہبہ کرنا اور کسی طرح اسے اپنی ملکیت سے نکالنا سوائے اسے آزاد کرنے کے جائز نہیں ہے۔ یعنی اگر فی الفور مدبر کو مکمل آزاد کر دے تو جائز ہوگا جیسے کتابت کی صورت میں مکاتب کو کسی طرح اپنی ملکیت سے نکالنا جائز نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اگر چاہے تو اسے مکمل آزاد کر سکتا ہے۔ (جمہور علماء کا یہی قول ہے) اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ مدبر کو بیچنا اور ہبہ کرنا وغیرہ جائز ہے۔ کیونکہ مدبر بنانے کے معنی ہیں آزادی کو شرط کے ساتھ معلق کرنا پس جس طرح دوسری معلق کرنے والی چیزوں میں ہوتا ہے اسی طرح اس تعلیق میں بھی ہبہ اور بیع کرنا منع نہیں ہوگا اور جس طرح مدبر مقید میں یہ باتیں بالاتفاق جائز ہیں مدبر مطلق میں بھی جائز ہوں گی اور اس دلیل سے بھی کہ مدبر بنانا ایک وصیت ہے اور وصیت میں ایسے کام ممنوع نہیں ہوتے ہیں اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ مدبر کو نہ فروخت کیا جائے اور نہ ہبہ کیا جائے اور نہ میراث میں اسے پیش کیا جائے۔ بلکہ وہ تہائی ترکہ سے آزاد ہوتا ہے۔ (دارقطنی نے سند ضعیف کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ مدبر بنانا آزادی کا سبب ہوتا ہے۔ اب جبکہ موت کے بعد آزادی ثابت ہوتی ہے تو اس کا کوئی سبب بھی چاہئے حالانکہ مدبر بنانے کے سوا دوسرا کوئی سبب نہیں ہوتا ہے۔ پھر اس سبب کو فوری سبب مان لینا اولیٰ ہے۔ کیونکہ مدبر بنانا فی الحال پایا گیا ہے اور موت کے بعد نہیں پایا گیا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ موت کے بعد آدمی سے کچھ بھی تصرف کرنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے اس لئے صلاحیت اور لیاقت کے ختم ہونے تک سبب پیدا ہونے کی تاخیر کرنا ممکن نہیں ہے۔ یعنی فی الفور آزادی کا سبب ہو گیا۔ بخلاف دوسری تعلیقات کے کیونکہ ان میں سبب ہونے سے مانع موجود ہے۔ یعنی جب تک شرط نہ پائی جائے تب تک اس کی جزاء واقع نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تعلیق تو قسم ہوتی ہے اور قسم روکنے والی چیز ہوتی ہے اور روکنا ہی مقصود ہوتا ہے اور روکنے کے باوجود طلاق یا عتاق کا واقع ہونا ممکن نہیں ہے اور یہاں شرط کے پائے جانے تک سمیت کو موخر کرنا ممکن ہوتا ہے۔ کیونکہ شرط پائے جانے کے وقت طلاق یا عتاق کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔ اس طرح مدبر بنانے اور دوسری تعلیقات میں فرق ہو گیا اور اس دلیل سے بھی کہ مدبر بنانا ایک وصیت ہے اور وصیت میں وراثت کے مثل خلیفہ ہونا ثابت ہوتا ہے اور سبب کو باطل کرنا جائز نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ بیع و ہبہ وغیرہ میں باطل کرنا لازم ہے۔

تشریح..... مدبر کے حکم کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال اور ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہوا کہ جمہور فقہاء کے نزدیک مدبر اس لائق نہیں رہتا ہے کہ ایک شخص کی ملکیت سے نکل کر دوسرے کی ملکیت میں جائے۔ کیونکہ اس میں آزادی کا سبب فی الحال موجود ہے۔ کیونکہ اگر کسی نے اپنے مملوک کو مدبر بنایا اور وہ اس مالک کی موت کے بعد آزاد ہوا تو بالاتفاق اس کے آزاد ہونے کا اس کے سوائے اور دوسرا کوئی سبب نہیں ہوتا ہے کہ اس

کے مولیٰ نے اپنی زندگی ہی میں اسے مدبر بنایا تھا۔ مگر یہ سب اس کی موت کے بعد ہی ظاہر ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے مر جانے کے بعد تو اس میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی بلکہ زندگی میں جس وقت بنایا اسی وقت اس میں آزادی کا سبب پیدا ہو گیا۔ پھر اگر اس کو بیچنا اور ہبہ کرنا وغیرہ جائز ہو تو اس کی آزادی کے سبب کو مٹانا لازم ہوگا۔ خالانکہ یہ جائز نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ مدبر کو بیچنا وغیرہ جائز نہیں ہے۔

لیکن امام شافعیؒ نے ان قیاسات کے مقابلہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کی کہ انصار میں سے ایک شخص نے اپنا غلام مدبر بنایا تھا حالانکہ اس کے پاس دوسرا کوئی مال نہ تھا۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ وہاں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ کون شخص مجھ سے یہ غلام خریدنا چاہتا ہے۔ بالآخر عقیق بن عبد اللہ نے اسے سو درہم سے خرید لیا اور آپ نے وہ رقم پوری اس کے مالک انصاری کو دے دی اور فرمایا کہ تم اس رقم سے اپنا قرض ادا کر دو۔ اس کی روایت بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی اور دارقطنی نے کی ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور امام احمد و اسحاق کا یہی مذہب بھی ہے۔ مگر اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ نے اسے مدبر بنانا جائز نہیں رکھا یعنی ابھی مدبر بنانے کا ارادہ ہی کیا تھا اور آپ نے اسے فروخت کر دیا۔ لیکن اس تاویل میں کچھ اشکال ہے۔ البتہ جمہور علمائے سلف کا وہی قول ہے جو کتاب میں مذکور ہے اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

مولیٰ مدبر غلام یا باندی سے کس قسم کا منافع حاصل کر سکتا ہے

قَالَ وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَسْتَخْدِمَهُ وَيُؤَاجِرَهُ وَإِنْ كَانَتْ أَمَةٌ وَطَيْهَا وَلَهُ أَنْ يُزَوِّجَهَا لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهِ ثَابِتٌ لَهُ وَبِهِ يُسْتَفَادُ لَآيَةُ هَذِهِ التَّصَرُّفَاتِ

ترجمہ..... اور مولیٰ کو یہ اختیار ہے کہ اپنے مدبر غلام سے خدمت لے اور اسے کرایہ پر دے اور اگر وہ باندی ہو تو اس سے دہلی کرے اور چاہے تو کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دے۔ یہ اس لئے کہ مدبر میں ابھی تک ملکیت قائم رہتی ہے اور ملک کے باقی رہنے کی وجہ سے ہی ان تصرفات کا اختیار رہتا ہے۔
تشریح..... قَالَ وَلِلْمَوْلَى أَنْ يَسْتَخْدِمَهُ وَيُؤَاجِرَهُ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

مولیٰ فوت ہو جائے تو مدبر ثلث مال سے آزاد ہوگا

فَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ الْمُدَبِّرُ مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ لِمَا رَوَيْنَا وَلِأَنَّ التَّذْيِيرَ وَصِيَّةٌ لِأَنَّهُ تَبَرُّعٌ مُضَافٌ إِلَى وَقْفِ الْمَوْتِ وَالْحُكْمُ غَيْرُ ثَابِتٍ فِي الْحَالِ فَيَنْفُذُ مِنَ الثَّلَاثِ حَتَّى لَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ يَسْعَى فِي ثُلَاثِهِ وَإِنْ كَانَ عَلَى الْمَوْلَى دَيْنٌ يَسْعَى فِي كُلِّ قِيمَتِهِ لِتَقْدُّمِ الدَّيْنِ عَلَى الْوَصِيَّةِ وَلَا يُمْكِنُ نَقْضُ الْعَتَقِ فَيَجِبُ رَدُّ قِيمَتِهِ وَوَلَدَ الْمُدَبِّرَةَ مُدَبِّرًا وَعَلَى ذَلِكَ نَقْلُ إِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ

ترجمہ..... پھر جب یہ مولیٰ مر جائے تو اس کے تہائی مال میں سے وہ مدبر آزاد ہو جائے گا اور بیان کی گئی حدیث کی وجہ سے اور اس دلیل سے بھی کہ مدبر کرنا ایک وصیت ہے۔ کیونکہ یہ ایک تبرع اور احسان ہوتا ہے جس کی اضاخت موت کے وقت کی طرف ہوتی ہے۔ اس میں ابھی تک آزادی کا حکم ثابت نہیں ہوا۔ اس بناء پر یہ وصیت اور تدبیر موقوف ایک تہائی سے نافذ ہوتی ہے۔ اسی لئے اگر اس غلام کے علاوہ اس مولیٰ کے پاس دوسرا مال نہ ہو تو وہ مدبر اپنی دو تہائی قیمت و وارثوں کو ادا کرنے کے لئے کمائی کرے گا اور اگر مولیٰ پر پہلے سے قرض باقی ہو تو پھر مدبر اپنی پوری قیمت کی ادائیگی کے لئے محنت کرے گا۔ یعنی فی الحال وہ کچھ بھی آزاد نہ ہوگا اور مکمل غلام رہے گا۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی وصیت سے مقدم ہوا کرتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی آزادی کو ختم کرنا بھی ممکن نہیں ہوگا۔ اس لئے یہ لازم اور واجب ہوا کہ اس سے اس کی

قیمت کی مزدوری کرائی جائے اور مدبرہ باندی کی اولاد بھی مدبر ہوگی۔ اس مسئلہ پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع منقول ہے۔

تشریح..... وَ عَلَى ذَٰلِكَ نُقِلَ اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ مدبرہ کی اولاد کے بھی مدبر ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع منقول ہے۔

فائدہ..... اس کے اجماع ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور امام زہری اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ سے اور امام محمدؒ نے امام ابراہیم نخعیؒ سے اسی حکم کی روایت کی ہے اور صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے اس کے خلاف روایت نہیں ہے۔ اس لئے یہ دلیل ہے اس بات پر کہ سب نے اسی پر اتفاق کیا ہے۔ اگرچہ صریح روایت مجھے نہیں ملی ہے۔ یہ تفصیل مدبر مطلق کے بارے میں تھی اور اگر کسی نے قید کے ساتھ مدبر بنایا ہو تو اسے مدبر مقید کہا جاتا ہے۔ اس کا بیان سامنے آتا ہے۔

مدبر کو موت کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

وَ اِنْ عَلِقَ التَّدْبِيرَ بِمَوْتِهِ عَلَى صِفَةٍ مِّثْلُ اَنْ يَقُولَ اِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِيْ هٰذَا اَوْ سَفَرِيْ هٰذَا اَوْ مِنْ مَرَضٍ كَذٰلِكَ لَيْسَ بِمُدَبِّرٍ وَيَجُوزُ بَيْعُهُ لِاَنَّ السَّبَبَ لَمْ يَنْعَقِدْ فِي الْحَالِ لِتَرُدُّ فِيْ تِلْكَ الصِّفَةِ بِخِلَافِ الْمُدَبِّرِ الْمُطْلَقِ لِاَنَّهُ تَعَلَّقَ عِنْفُهُ بِمُطْلَقِ الْمَوْتِ وَهُوَ كَائِنٌ لَا مَحَالَةَ فَاِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَلَى الصِّفَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا عَتَقَ كَمَا يَعْتَقُ الْمُدَبِّرُ مَعْنَاهُ مِنَ الثَّلَاثِ لِاَنَّهُ ثَبَتَ حُكْمُ التَّدْبِيرِ فِيْ اٰخِرِ جُزْءٍ مِنْ اَجْزَاءِ حَيَاتِهِ لِتَحَقُّقِ تِلْكَ الصِّفَةِ فِيْهِ فَلِهٰذَا يُعْتَبَرُ مِنَ الثَّلَاثِ وَمِنْ الْمُقَيَّدِ اَنْ يَقُولَ اِنْ مِتُّ اِلَى سَنَةٍ اَوْ عَشْرَ سَنِيْنَ لِمَا ذَكَرْنَا بِخِلَافِ مَا اِذَا قَالَ اِلَى مِائَةِ سَنَةٍ وَمِثْلُهُ لَا يَعْيشُ اِلَيْهِ فِي الْغَالِبِ لِاَنَّهُ كَالْكَائِنِ لَا مَحَالَةَ

ترجمہ..... اور اگر مولیٰ نے مدبر بنانے کو اپنی خاص کیفیت یا صفت کی موت پر متعین کیا ہو مثلاً اس نے یوں کہا ہو کہ اگر میں اپنے اس مرض سے مروں یا اپنے اس سفر میں مروں یا فلاں بیماری سے مروں تو تم آزاد ہو تو وہ شخص مدبر نہیں ہوگا اور اسے بیچنا جائز ہوگا۔ کیونکہ فی الحال اس کا سبب نہیں پایا گیا ہے۔ کیونکہ ابھی تک اس صفت کے ہونے میں تردد باقی ہے۔ بخلاف مدبر کے کیونکہ اس غلام کی آزادی اس مولیٰ کے مطلق مرنے پر موقوف ہے اور مرنا تو یقینی ہے۔ یعنی اس موت کا سبب فی الحال طے پا چکا ہے۔ پھر اگر مولیٰ اسی کیفیت یا صفت کے ساتھ مرا جو اس نے پہلے بیان کی تھی تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ جیسے مدبر آزاد ہو جاتا ہے۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ صرف مولیٰ کے تہائی مال سے آزاد ہوگا۔ کیونکہ مولیٰ کی زندگی کے آخری حصہ میں اس کے مدبر ہو جانے کا حکم ثابت ہوا کیونکہ اس صفت کا وجوب اسی صفت میں ہوا ہے۔ اسی لئے تہائی مال سے اس کا اعتبار ہوگا اور مقید مدبر ہونے کی صورتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اگر میں ایک سال یا دس سال پر مر گیا تو تم آزاد ہو۔ کیونکہ اس مدت میں مرنا کوئی یقینی بات نہیں بلکہ مشکوک ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ اگر مولیٰ نے یہ کہا کہ اگر میں سو سال پر مرنا تو تم آزاد ہو۔ حالانکہ ایسا شخص عموماً اتنی مدت تک زندہ نہیں رہتا ہے۔ لہذا یہ مدبر مقید ہو کر بھی مطلق ہوگا۔ کیونکہ بہر صورت موت آنے والی اور برحق ہے۔

فائدہ..... یہ روایت حسن سے منقحی میں مذکور ہے اور امام مالک کا قول مشہور بھی یہی ہے۔ علامہ عینی نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

تشریح..... وَ اِنْ عَلِقَ التَّدْبِيرَ بِمَوْتِهِ عَلَى صِفَةٍ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

باب الاستیلاذ

ترجمہ..... باب ام ولد ہونے کے بیان میں

باندی ام ولد کس بنتی ہے اور اس کے متعلق احکام

إِذَا وَلَدَتْ الْأَمَةُ مِنْ مَوْلَاهَا فَقَدْ صَارَتْ أُمًّا وَلَدٌ لَهُ لَا يَجُوزُ بَيْنُهَا وَلَا تَمْلِكُهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَعْتَقَهَا وَلَدُهَا اخْبَرَ عَنْ اِعْتَاقِهَا فَيُثْبِتُ بَعْضُ مَوَاجِبِهِ وَهُوَ حُرْمَةُ الْبَيْعِ وَلَاَنَّ الْجُزْئِيَّةَ قَدْ حَصَلَتْ بَيْنَ الْوَاطِئِ وَالْمَوْطُوءَةِ بِوَاسِطَةِ الْوَلَدِ فَإِنَّ الْمَائِنِينَ قَدْ اخْتَلَطَ بَحَيْثُ لَا يُمَكِّنُ الْمَيِّزُ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا عُرِفَ فِي حُرْمَةِ الْمَصَاهِرَةِ إِلَّا أَنَّ بَعْدَ الْإِنْفِصَالِ تَبْقَى الْجُزْئِيَّةُ حُكْمًا لَا حَقِيقَةً فَضَعُفَ السَّبَبُ فَأَوْجَبَ حُكْمًا مُوجَّلاً إِلَى مَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَبَقَاءَ الْجُزْئِيَّةِ حُكْمًا بِإِعْتِبَارِ النَّسَبِ وَهُوَ مِنْ جَانِبِ الرِّجَالِ فَكَذَلِكَ الْحُرِّيَّةُ تُثْبِتُ فِي حَقِّهِمْ لَا فِي حَقِّهِنَّ حَتَّى إِذَا مَلَكَتِ الْحُرَّةُ زَوْجَهَا وَقَدْ وَلَدَتْ مِنْهُ لَا يَعْتَقُ بِمَوْتِهَا وَتُبُوْتُ عَتَقٌ مُوَجَّلٌ يُثْبِتُ حَقَّ الْحُرِّيَّةِ فِي الْحَالِ فَيَمْتَنِعُ جَوَازُ الْبَيْعِ وَآخِرَاجُهَا لَا إِلَى الْحُرِّيَّةِ فِي الْحَالِ وَيُوجِبُ عِتْقُهَا بَعْدَ مَوْتِهِ وَكَذَا إِذَا كَانَ بَعْضُهَا مَمْلُوكًا لَهُ لِأَنَّ الْإِسْتِيلَادَ لَا يَتَجَزَّى فَإِنَّهُ فَرَعَ النَّسَبَ فَيُعْتَبَرُ بِأَصْلِهِ

ترجمہ..... اگر باندی کو اس کے اپنے مولیٰ سے بچہ پیدا ہوا تو وہ اس کی ام ولد ہوگئی۔ تو اب نہ اس کی بیع جائز ہوگی اور نہ ہی اسے کسی دوسرے کی ملکیت میں دینا جائز ہوگا۔ اس دلیل سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس عورت کو اس کے بچہ نے آزاد کرادیا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے اس کے آزاد ہونے کی خبر دی ہے۔ اس کے آزاد ہو جانے سے اس کے احکام بھی ثابت ہو جاتے ہیں مثلاً اسے بیچنا حرام ہوتا ہے اور اس دلیل سے کہ وہی کرنے والے مرد اور جس عورت سے وہی کی گئی ہے ان دونوں میں بچہ کے واسطے سے ایک دوسرے کا جزو ہونا ثابت ہو گیا۔ یعنی اس باندی ام ولد اور اس کے مولیٰ میں جزییت ثابت ہوگئی ہے کیونکہ دونوں کا نطفہ اس طرح مل گیا ہے کہ ان میں امتیاز کرنا ممکن نہیں رہا۔ جیسا کہ حرمت مصاہرت (دامادی رشتہ کے بیان سے گذر گیا ہے۔ البتہ بچہ پیدا ہو جانے کے بعد یہ جزییت صرف حکم کے اعتبار سے باقی رہتی ہے۔ مگر حقیقت میں نہیں رہتی۔ یعنی جب تک کہ بچہ پیٹ میں موجود ہو پھر اس کی ماں میں حقیقتاً جزییت باقی رہتی ہے اور جب بچہ پیٹ سے نکل آیا تو اب جزییت صرف حکماً باقی رہیگی۔ اس طرح آزادی کا سبب کمزور ہو گیا۔

بس اس سے ایک خاص وقت کے لئے حکم ثابت ہوا۔ یعنی اس کے مولیٰ کے مر جانے کے بعد آزادی ہوگی اور حکم کے اعتبار سے جزییت باقی رہنا نسب کے لحاظ سے ہوتا ہے اور نسب کا اعتبار مردوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لئے آزادی کا حق مردوں کے حق میں ثابت ہوگا۔ عورتوں کے حق میں ثابت نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ آزادی کی ہوئی عورت اگر کسی صورت سے اپنے شوہر کی مالک ہوگئی۔ حالانکہ اسی شوہر سے اسی عورت کی اولاد بھی ہو چکی ہو پھر بھی اس عورت کے مرنے سے اس کا یہ شوہر آزاد نہ ہوگا اور اب ایک خاص وقت پر اس کی آزادی کا ثابت ہونا یعنی مولیٰ کے مرنے پر ام ولد کا آزاد ہونا اس کی آزادی کے حق کوئی الحال ثابت کرتا ہے لیکن اسے بیچنا اور اپنی ملکیت سے نکالنا تمام صورتوں میں ممنوع ہوگا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اسے فوراً ہی آزاد کر دے۔ لیکن اس کے مر جانے کے بعد باندی کی آزادی لازم ہوگی۔ اور معلوم ہونا چاہئے کہ اگر باندی کا کوئی حصہ اس کی ملکیت میں ہو اور اس نے اس باندی کو ام ولد بنالیا تو بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ ام ولد بنانا ایسی چیز نہیں ہے جس کے ٹکڑے ہو سکیں کیونکہ اصل نسب ہے اور ام ولد ہونا اس کی فرع ہے۔ (یعنی اس بچہ کی وجہ سے اس کی ماں کو عزت ملی اور وہ مستحق آزادی ہوگی اور اس کے برعکس نہیں ہے اور نسب کے

نکلے نہیں ہو سکتے تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے استیلاء کے بھی نکلے نہیں ہو سکتے ہیں۔

تشریح..... استیلاء کے لغوی معنی ہیں بچہ حاصل کرنا۔ استیلاء سے مراد ہے اپنی باندی سے وطی کر کے اس سے بچہ حاصل کرنا۔ اگر واقعاً ایسے بچہ کا نسب اس کے باپ (یعنی اس کی ماں کے مولیٰ) سے ثابت ہو اور وہ اس کا اقرار کر لے تو ایسا استیلاء ثابت ہوگا ورنہ نہیں۔ بس ثبوت نسب پر ہی استیلاء موقوف ہے۔ اب اگر باندی سے استیلاء کیا اور بچہ پیدا ہو تو وہ اس کی ام ولد (اس کے بیٹے کی ماں) ہو جائیگی۔

إِذَا وَلَدَتِ الْأُمُّ مِنْ مَوْلَاهَا فَقَدْ صَارَتْ أُمًّا وَلَدٌ لَهُ لَا يَجُوزُ بَيْعُهَا وَلَا تَمْلِكُهَا الخ جب باندی کو اس کے مولیٰ سے بچہ پیدا ہو جائے تو یہ باندی اپنے مولیٰ کی ام ولد ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے اب اسے بیچنا یا بغیر عوض مفت میں کسی کو دینا جائز نہیں ہوتا ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کے بچے نے اسے آزاد کر دیا ہے۔ (بقیہ مطلب ترجمہ سے واضح ہے)۔

فائدہ..... مذکورہ حدیث ابن ماجہ و دارقطنی اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم کی والدہ یعنی ماریہ قبطیہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے اس کے لڑکے نے آزاد کر دیا ہے۔ مصنف نے اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن اس کی اسناد ضعیف ہے اور امام محمد نے کتاب الاثار میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بلند آواز سے فرماتے تھے کہ ام ولد عورتوں کو بیچنا حرام ہے۔ جب باندی کو اس کے مولیٰ سے بچہ ہو تو وہ آزاد ہو گئی۔ اس کے بعد وہ رقیقہ (خالص باندی) نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ اسناد صحیح ہے اور جب آپ ﷺ نے منبر پر تمام صحابہؓ کے سامنے ایسے بیان فرمایا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ثابت ہو گیا ہے۔ اس معنی کو ابن ماجہ و امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ابو داؤد نے سلامہ بنت معقل سے نقل کیا ہے اور امام مالک نے مؤطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جو باندی اپنے مالک سے بچہ جنے وہ فروخت نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ ہی بیکہ جاسکتی ہے۔ بلکہ وہ جب تک زندہ رہیگا اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ پھر وہ جب مر جائیگا تو یہ آزاد ہو جائے گی۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ شیخ خطابی نے کہہ ہے کہ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہم گروہ انبیاء ہیں کسی کے وارث نہیں ہوتے اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے۔ جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ اللہ تعالیٰ کے واسطے صدقہ ہے حالانکہ آپ ﷺ نے ماریہ قبطیہؓ کو چھوڑا تھا اور وہ آپ ﷺ کی ام ولد تھیں۔ پس اگر ام ولد کی بیع جائز ہوتی تو ماریہؓ کی قیمت صدقہ کی جاتی۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہوا۔

مولیٰ کو اپنی ام ولد پر کن کن باتوں کا اختیار ہے

قَالَ وَلَهُ وَطْيُهَا وَاسْتِخْدَامُهَا وَاجَارَتُهَا وَتَزْوِجُهَا لِأَنَّ الْمَلَكَ فِيهَا قَائِمٌ فَاشْبَهَتْ الْمُدَبَّرَةَ

ترجمہ..... اور مولیٰ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنی ام ولد سے وطی کرے اور اس سے خدمت لے اور اس سے مزدوری کرائے اور کسی دوسرے سے اس کا نکاح کر دے۔ کیونکہ ان کاموں سے اس کی ملکیت بھی باقی رہتی ہے۔ لہذا یہ مدبرہ کے مشابہ ہو گئی۔

تشریح..... قَالَ وَلَهُ وَطْيُهَا وَاسْتِخْدَامُهَا وَاجَارَتُهَا وَتَزْوِجُهَا..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

ام ولد کے بچہ کا نسب کب ثابت ہوگا

وَلَا يَثْبُتُ نَسَبٌ وَلَدِهَا إِلَّا أَنْ يَعْتَرَفَ بِهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَدَّعِ لِأَنَّهُ لَمَّا ثَبَتَ النَّسَبُ بِالْعَقْدِ فَلَاَنْ يَثْبُتَ بِالْوَطْيِ وَإِنَّهُ أَكْثَرُ أَفْضَاءَ أَوْلَى وَلَنَا أَنَّ وَطْيَ الْأُمِّ يَقْصَدُ بِهِ قِضَاءُ الشَّهْوَةِ دُونَ الْوَلَدِ لَوْجُودِ الْمَانِعِ عَنْهُ فَلَا بُدَّ مِنَ الدَّعْوَةِ بِمَنْزِلَةِ مِلْكِ السِّمَنِ مِنْ غَيْرِ وَطْيٍ بِخِلَافِ الْعَقْدِ لِأَنَّ الْوَلَدَ يَتَعَيَّنُ

مَقْصُودٌ اِمْنَهُ فَلَا حَاجَةَ اِلَى الدَّعْوَةِ فَاِنْ جَاءَتْ بَعْدَ ذَالِكَ بَوَلَّدَتْ نَسْبَهُ بِغَيْرِ اِقْرَارٍ مَعْنَاهُ بَعْدَ اِغْتِرَابِ مِنْهُ
بِالْوَلَدِ الْاَوَّلِ لِاَنَّهُ يَدْعُو الْوَلَدَ الْاَوَّلَ تَعَيَّنَ الْوَلَدُ مَقْصُودًا مِنْهَا فَصَارَتْ فِرَاشًا كَالْمَقْصُودَةِ بَعْدَ النِّكَاحِ

ترجمہ..... اور اس ام ولد کے بچہ کا نسب اس مولیٰ سے اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ یہ خود بھی اس نسب کے ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اگرچہ وہ اس کا دعویٰ نہ کرے۔ کیونکہ جب صرف نکاح کر لینے سے ہی اس عورت کے بچہ کا نسب ثابت ہو جاتا ہے تو وطی کے بعد بدرجہ اولیٰ ثابت ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس سے وطی کرنے کا زیادہ اختیار اور سہولت ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ باندی کی وطی سے مقصود اپنی خواہش پوری کرنی ہوتی ہے۔ اولاد مقصود نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں کچھ رکاوٹیں بھی ہوتی ہیں یعنی اگر اس سے اولاد ہوگئی تو بازار میں اس کی قیمت یا تو بالکل ختم ورنہ کم تو ضرور ہو جائیگی۔ اس لئے اس سے نسب کا دعویٰ کرنا ضروری ہے جیسے اس باندی سے جو صرف ملکیت میں ہو اور اس سے وطی نہ کی گئی ہو۔ بخلاف عقد نکاح کے کہ اس سے اصل مقصود حصول اولاد ہے اس لئے منکوحہ کی اولاد کے لئے نسب کا دعویٰ کرنا ضروری نہیں ہوتا ہے۔ پھر جب کسی باندی کے ایک بچہ کے نسب کا بھی اقرار کر لیا تو وہ ام الولد ہو چکی۔ اس کے بعد بچہ ہونے پر اس کے اقرار کے بغیر بھی بچہ کا اس سے نسب ثابت ہوتا رہے گا۔ یعنی مولیٰ نے جب پہلے بچہ کے نسب کا اس طرح اقرار کر لیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو اس کے بعد جب بھی دوسرا بچہ ہو گا وہ اسی مولیٰ کے نسب سے ہوگا کیونکہ پہلے بچہ کا دعویٰ کرنے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ باندی کو بستر پر لانے سے یہی مقصود تھا۔ اس لئے یہ باندی بھی دوسری منکوحہ کی طرح اس کی شریک بستر ہوگئی۔

تشریح..... وَلَا يَنْبُتُ نَسْبٌ وَلَدَهَا إِلَّا أَنْ يَعْتَرَفَ بِهِ انخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

مولیٰ ام ولد کے بچہ کی نفی کر دے تو کیا حکم ہوگا

إِلَّا أَنَّهُ إِذَا نَفَاهُ يَنْتَفِي بِقَوْلِهِ لِأَنَّ فِرَاشَهَا ضَعِيفٌ حَتَّى يَمْلِكْ نَقْلَهُ بِالتَّزْوِيجِ بِخِلَافِ الْمَنْكُوحَةِ حَيْثُ لَا يَنْتَفِي الْوَلَدُ بِنَفْيِهِ إِلَّا بِالْبَيِّنَاتِ لِنَاكِدِ الْفِرَاشِ حَتَّى لَا يَمْلِكْ إِبْطَالُهُ بِالتَّزْوِيجِ وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ حُكْمٌ فَأَمَّا اللَّيْبَانَةُ فَإِنْ كَانَ وَطِئَهَا وَحَصَّنَهَا وَلَمْ يَغْزِلْ عَنْهَا يَلْزَمُهُ أَنْ يَعْتَرِفَ بِهِ وَيَدَّعِي لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْوَلَدَ مِنْهُ وَإِنْ غَزَلَ عَنْهَا أَوْلَمْ يُحَصِّنْهَا جَارَ لَهُ أَنْ يَنْفِيَهُ لِأَنَّ هَذَا الظَّاهِرَ يُقَابِلُهُ ظَاهِرٌ آخَرٌ هَكَذَا رَوَى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَفِيهِ رَوَايَتَانِ أُخْرَيَانِ عَنْ أَبِي يُونُسَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ ذَكَرْنَا هُمَا فِي كِفَايَةِ الْمُنتَهَى

ترجمہ..... البتہ منکوحہ کے بچہ اور ام ولد کے بچہ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اگر مولیٰ نے ام ولد کے دوسرے بچہ کی نفی کر دی تو صرف زبانی انکار سے ہی نفی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ام ولد کا فراش ہونا کمزور ہے۔ یہاں تک کہ مولیٰ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اپنے پاس سے علیحدہ کر کے کسی اجنبی مرد سے اس کا نکاح کر دے۔ بخلاف منکوحہ کے کہ اس کے بچہ کے نسب کی اس کے شوہر سے نفی نہیں ہوتی ہے۔ البتہ اگر نفی کرنا ہو تو اس کے لئے لعان کرنا ہوگا۔ کیونکہ بیوی ہونے اور بستر کے اعتبار سے اس کا حق مضبوط ہے۔ یہاں تک کہ شوہر کو یہ اختیار نہیں ہوتا ہے کہ اپنی بیوی کا دوسرے مرد سے نکاح کر کے خود سے اس کو دور کر دے۔ پھر یہاں تک ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ظاہری حکم ہے۔ کیونکہ دیانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اپنی باندی سے وطی کر لی اور باندی کو محفوظ رکھا۔ اور انزال کے بغیر اس سے جدا نہیں ہوتا رہا تو مولیٰ پر یہ واجب ہوتا ہے کہ اس کے بچہ اور اس کے نسب کا اعتراف کرے۔ کیونکہ ظاہر بات یہی ہے کہ بچہ اسی کا ہے۔ البتہ اگر بغیر انزال اس سے جدا ہوتا رہا یا اس کو محفوظ نہیں رکھا تو بھی اس بچہ کے نسب سے انکار کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس ظاہر کے مقابلہ میں دوسرا ظاہر بھی موجود ہے امام ابو حنیفہ سے ایسی ہی روایت پائی گئی ہے۔ اور اس مسئلہ میں امام

ابو یوسف و محمدؐ سے دوسری دو روایتیں منقول ہیں۔ جن کو ہم نے کفایۃ المنتہی میں ذکر کر دیا ہے۔

تشریح..... إِنْ أَنَّهُ إِذَا نَفَاهُ يَنْفِي بِقَوْلِهِ لِأَنَّ فِرَاسَهَا ضَعِيفٌ حَتَّى يَمْلِكَ الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

ایک آدمی نے عورت سے نکاح کیا بچہ ماں کے تابع ہے

وَأَنَّ زَوْجَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِي حُكْمِ أُمِّهِ لِأَنَّ حَقَّ الْحُرِّيَّةِ يَسْرِي إِلَى الْوَلَدِ كَالْتَذْيِيرِ لَا يَرَى أَنَّ
وَلَدَ الْحُرَّةِ حُرٌّ وَلَوْلَا الْفَنَاءُ رَقِيقٌ وَالنَّسَبُ يَثْبُتُ مِنَ الزَّوْجِ لِأَنَّ الْفِرَاشَ لَهُ وَإِنْ كَانَ النِّكَاحُ فَاسِدًا
إِذَا الْفَاسِدُ مُلْحَقٌ بِالصَّحِيحِ فِي حَقِّ الْأَحْكَامِ وَلَوْ أَدْعَاهُ الْمَوْلَى لَا يَثْبُتُ نَسَبُهُ مِنْهُ لِأَنَّهُ ثَابِتُ النَّسَبِ مِنْ
غَيْرِهِ وَيَعْتَقُ الْوَلَدُ وَيَصِيرُ أُمُّهُ أُمَّ وَلَدِهِ لِإِقْرَارِهِ

ترجمہ..... اگر مولیٰ نے اپنی ام ولد کا نکاح کسی شخص سے کر دیا اور اس سے بچہ پیدا ہو گیا تو وہ بچہ اپنی ماں کے حکم میں ہوگا (یعنی مولیٰ کے مر جانے پر یہ بچہ اور اس کی ماں دونوں مولیٰ کے کل مال سے آزاد ہو جائیں گے) کیونکہ آزادی کا حق بچہ میں بھی پھیل جاتا ہے۔ جیسے کہ مدبر بنانے کا حکم ہے (کہ اس کا بچہ بھی مدبر ہی ہوتا ہے) کیا یہ نہیں دیکھتے ہو کہ آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ بھی آزاد ہوتا ہے۔ اور خالص باندی کا لڑکا بھی خالص غلام ہوتا ہے۔ البتہ نسب کا اعتبار شوہر سے ہوتا ہے۔ کیونکہ فراش اسی کا ہوتا ہے۔ اگرچہ فاسد طریقہ سے نکاح ہوا ہو۔ کیونکہ احکام کے بارے میں فاسد نکاح بھی صحیح نکاح کے حکم میں مانا جاتا ہے۔ اور جو بچہ کہ ام ولد کے شوہر سے پیدا ہوا اگر مولیٰ نے اسی بچہ پر بھی اپنے نسب کا دعویٰ کیا تو مولیٰ سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کے شوہر سے اس کا نسب ثابت ہے۔ البتہ مولیٰ کے دعویٰ کرنے کی وجہ سے ہر بچہ آزاد ہو گیا۔ اور اس کی ماں اپنے مولیٰ کی ام ولد ہو گئی۔ کیونکہ مولیٰ نے خود اس کا اقرار کیا ہے۔

تشریح..... وَإِنْ زَوْجَهَا فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَهُوَ فِي حُكْمِ أُمِّهِ الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

مولیٰ فوت ہو جائے تو ام ولدہ مولیٰ کے کل مال سے آزاد ہوگی

وَإِذَا مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ لِحَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَ بِعَتَقِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ وَأَنَّ لَا يُعْعَنَ فِي دِينٍ وَلَا يُجْعَلَنَّ مِنَ الثُّلُثِ وَلِأَنَّ الْحَاجَةَ إِلَى الْوَلَدِ أَصْلِيَّةٌ فَتَقَدَّمُ عَلَى حَقِّ الْوَرِثَةِ وَالذَّيْنِ كَمَا لَتَكْفِينِ بِخِلَافِ التَّذْيِيرِ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ بِمَا هُوَ مِنْ زَوَائِدِ الْحَوَائِجِ وَلَا سِعَايَةً عَلَيْهَا فِي دِينِ الْمَوْلَى لِلْغُرْمَاءِ لِمَارَ وَبِنَا وَلَا نَهَا لَيْسَتْ بِمَالٍ مُتَقَوِّمٍ حَتَّى لَا تُضْمَنَ بِالْغَضَبِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَلَا يَتَعَلَّقُ بِهَا حَقُّ الْغُرْمَاءِ كَالْقَصَاصِ بِخِلَافِ الْمُذْبَرِّ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ

ترجمہ..... اور جب مولیٰ مر جائے گا تو اس کی ام ولد اس کے کل مال میں سے آزاد ہو جائے گی۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام ام ولد باندیوں کے آزاد کر دینے کا حکم دیا۔ اور یہ بھی حکم دیا کہ وہ کسی بھی قرض کے سلسلہ میں بیچ نہ جائیں۔ اور تہائی مال سے وہ آزاد نہ کی جائیں۔ (جس کی روایت دارقطنی نے کی ہے) اور اس دلیل سے بھی کہ لڑکے کے ہونے کی ضرورت اصلی ضرورت میں سے ہے۔ اس لئے یہ ام ولد وارثوں کے حق اور قرض پر مقدم کی جائے گی۔ جیسے کہ مردہ کے کفن دینے کو دوسری تمام باتوں پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ بخلاف مدبر بنانے کے کیونکہ یہ وصیت ہے۔ یعنی ایسی چیز کی وصیت ہے جو حاجت اصلیہ سے زائد اور ام ولد پر اس کے مولیٰ کے قرض

خواہوں کے قرض ادا کرنے کے لئے آمدنی حاصل کرنا اور کمانا واجب نہ ہوگا۔ اسی مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ ام ولد قیمتی مال نہیں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اسے غصب کر کے رکھ لے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا تاوان لازم نہ ہوگا۔ اس لئے ام ولد کے ساتھ قرض خواہوں کا حق متعلق نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ کسی پر کسی مقتول کا قصاص واجب ہو تو مقتول کے قرض خواہ اس کو اپنے قصاص میں گرفتار نہیں کر سکتے۔ بخلاف مدبر کے کہ وہ قیمتی مال ہوتا ہے۔

تشریح وَإِذَا مَاتَ الْمُؤَلَّى عَقَّتْ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ لِحَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

نصرانی کی ام ولد اسلام قبول کر لے تو اس ام ولد پر لازم ہے کہ سعی کرے انہی میں اور بہ

بمنزلہ مکاتبہ کے ہوگی سعیہ ادا کرنے کے بعد آزاد ہوگی

وَإِذَا أَسْلَمَتْ أُمُّ وَلَدِ النَّصْرَانِيِّ فَعَلَيْهَا أَنْ تَسْعَى فِي قِيَمَتِهَا وَهِيَ بِمَنْزِلَةِ الْمُكَاتَبَةِ لَا تَعْتِقُ حَتَّى تُوَدَّى السَّعَايَةَ وَقَالَ زُفَرٌ تَعْتِقُ فِي الْحَالِ وَالسَّعَايَةُ دَيْنٌ عَلَيْهَا وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا غَرَضَ عَلَى الْمُؤَلَّى الْإِسْلَامَ فَأَبَى فَإِنْ أَسْلَمَ تَبْقَى عَلَى حَالِهَا لَهُ أَنْ إِزَالَةَ الدَّلِّ عَنْهَا بَعْدَ مَا أَسْلَمَتْ وَاجِبٌ وَذَلِكَ بِالنَّبِيْعِ أَوْ الْإِعْتَاقِ وَقَدْ تَعَدَّى النَّبِيْعُ فَتَعَيَّنَ الْإِعْتَاقُ وَلَنَا أَنَّ النَّظَرَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ فِي جَعْلِهَا مُكَاتَبَةً لِأَنَّهُ يَنْدَفِعُ الدَّلُّ عَنْهَا لِصَيْرِ وَرَبِّهَا حُرَّةً يَدَاوِ الضَّرْرَ عَنِ الدِّمِيِّ لِإِنْبِعَاثِهَا عَلَى الْكَسْبِ نَيْلًا لِشَرَفِ الْحُرِّيَّةِ فَيَصِلُ الدِّمِيُّ إِلَى بَدَلٍ مِلْكِهِ أَمَّا لَوْ أُعْقِيتْ وَهِيَ مُفْلِسَةٌ تَتَوَاتَى فِي الْكَسْبِ وَمَا لِيَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ يَعْتَقِدُهَا الدِّمِيُّ مُتَقَوِّمَةً فَيَتْرَكَ وَمَا يَعْتَقِدُهَا وَلَا نَهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ مُتَقَوِّمَةً فَهِيَ مُحْتَرَمَةٌ وَهَذَا يَكْفِي لَوْ جُوبِ الضَّمَانُ كَمَا فِي الْقِصَاصِ الْمُشْتَرَكِ إِذَا غَفَا أَحَدُ الْأَوْلِيَاءِ يَجِبُ الْمَالُ لِلْبَائِقِينَ وَلَوْ مَاتَ مَوْلَاهَا عَقَّتْ بِالسَّعَايَةِ لِأَنَّهَا أُمُّ وَلَدٍ وَلَوْ عَجَزَتْ فِي حَيَاتِهِ لَا تَرُدُّ قِنَةَ لِأَنَّهَا لَوُرِدَتْ قِنَةُ أُعِيدَتْ مُكَاتَبَةً لِقِيَامِ الْمُؤَجَّبِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نصرانی کی ام ولد اسلام لے آئے تو وہ ام ولد اپنی قیمت کی ادائیگی کے لئے کمائے گی یعنی اس کی خالص باندی رہنے کی صورت میں جو قیمت ہوئی اس کی قیمت سے وہ اب صرف ایک تہائی ادا کر دے۔ اور وہ مکاتبہ کے حکم میں ہوگی۔ کہ یہ جب تک کما کر اپنی قیمت (ایک تہائی) نہیں ادا کرے گی آزاد نہیں ہوگی اور امام زفرؒ نے کہا ہے کہ وہ فوراً آزاد ہو جائے گی۔ اگرچہ کمانا اس پر ایک قرض کی حیثیت سے باقی رہے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ اس باندی کے مولیٰ یعنی نصرانی کے سامنے اسلام پیش کیا جا چکا ہو۔ اور اس نے انکار کیا ہو اور اگر وہ بھی مسلمان ہو گیا تو یہ بدستور اس کی باندی رہ جائے گی۔ زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب وہ مسلمان ہو گئی تو اس سے ذلت دور کرنا واجب ہے۔ جس کی دو ہی صورتیں ہیں نمبر (۱)..... وہ بیچ دی جائے۔ نمبر (۲)..... وہ آزاد کر دی جائے۔ چونکہ ولد کا بیچنا ممکن نہیں ہے اس لئے یہی ایک صورت رہے گی کہ وہ آزاد کر دی جائے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اسے مکاتبہ مان لینے میں اس کے اور نصرانی دونوں کے حق میں بہتری ہے۔ اس طرح سے کہ ولد سے ذلت دور ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ کما کر اپنی قیمت ادا کر کے فارغ اور آزاد ہو جائے گی اور نصرانی کا نقصان اس طرح دور ہوگا کہ یہ عورت اپنی آزادی حاصل کرنے کے لئے محنت کرنے اور کمانے پر از خود آمادہ ہوگی۔ اس طرح نصرانی کو اس کے ملک کا بدلہ مل جائے گا۔ اور اگر وہ فی الفور آزاد مان لی جائے حالانکہ وہ مفلس ہے تو وہ محنت کرنے اور کمانے سے غفلت اور سستی برتے گی۔ حالانکہ یہ نصرانی اپنی اس ام ولد کو ایک قیمتی مال تصور کرتا ہے۔ لہذا اس نصرانی کو اس کے اپنے اعتقاد پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر یہ بات بھی مان لی جائے کہ وہ قیمتی مال نہیں ہے۔ پھر بھی وہ لائق احترام تو

ضرور ہے۔ اور اس کا یہ محترم ہونا ہی تاوان واجب ہونے کے لئے کافی ہے۔ جیسے کہ قصاص مشترک میں اگر مقتول کے کئی اولیاء میں سے ایک نے بھی اپنا حق معاف کر دیا تو باقی لوگوں کے لئے دیت کا مال واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس عرصہ میں اس کا نصرانی مولیٰ مر گیا تو وہ بغیر محنت اور کمائی کرنے کے آزاد ہو جائے گی کیونکہ حقیقت میں وہ ام ولد ہے اور اگر وہ نصرانی زندہ رہا مگر یہ خود کمانے سے مجبور ہو گئی تو بھی وہ اس کی خالص باندی نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ اگر اسے خالص باندی فرض کر لیا جائے تو اس کے علاوہ دوسرا کوئی کام اس کے لئے باقی نہیں رہے گا کہ اسے مکاتبہ مان لیا جائے۔ کیونکہ جس سبب سے وہ مکاتبہ بنائی گئی تھی یعنی اس کا مسلمان ہونا اور اس کے مولیٰ کا کافر ہونا تو وہ سبب اب بھی باقی ہے۔

تشریح..... کَمَافِی الْقِصَاصِ الْمُشْتَرِکِ ہم نے مانا کہ ام ولد نصرانی کے لئے بھی قیمتی مال نہیں ہے پھر بھی وہ ذلیل نہیں بلکہ قابل احترام تو ضرور ہی ہے۔ اور یہ احترام ہی تاوان واجب ہونے کے لئے کافی ہے۔ جیسے کہ قصاص مشترک میں کہ اگر مقتول کے اولیاء میں سے ایک شخص نے بھی اپنا حق معاف کر دیا تو باقیوں کے لئے دیت کا مال واجب ہو جاتا ہے۔

فائدہ..... اگر مقتول کے قصاص لینے والے کئی آدمی ہوں اور ان میں سے ایک نے قاتل سے خون معاف کیا تو باقی لوگوں میں کسی کے لئے بھی خون کا بدلہ قصاص کا حق باقی نہیں رہا۔ لیکن مقتول چونکہ قابل احترام جان تھی اس لئے اس کا خون ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ بلکہ ان باقی لوگوں کے لئے دیت کا مال واجب ہوگا۔ اسی طرح نصرانی کی ام ولد بھی ایک قابل احترام جان ہے۔ جب وہ نصرانی کے پاس سے چھڑائی گئی تو نصرانی مولیٰ کے لئے مال واجب ہوگا۔

ولومات مولاھا الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

غیر کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ ہوا پھر اس کا مالک بن گیا باندی ام ولد ہوگی

وَمِنْ اسْتَوْلَا مَآةً غَيْرِهِ بِنِكَاحٍ ثُمَّ مَلَكَهَا صَارَتْ أُمًّا وَلَدَ لَهُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تَصِيرُ أُمٌّ وَلَدَ لَهُ وَلَوْ اسْتَوْلَا مَآةً بِمِلْكٍ يَمِينٍ ثُمَّ اسْتَحِقَّتْ ثُمَّ مَلَكَهَا تَصِيرُ أُمٌّ وَلَدَ لَهُ عِنْدَنَا وَلَهُ فِيهِ قَوْلَانِ وَهُوَ وَلَدُ الْمَغْرُورِ لَهُ أَنَّهَا عَلَّقَتْ بِرَقِيقٍ فَلَا تَكُونُ أُمٌّ وَلَدَ لَهُ كَمَا إِذَا عَلَّقَتْ مِنَ الزَّانِءِ ثُمَّ مَلَكَهَا الزَّانِي وَهَذَا لِأَنَّ أُمُومِيَّةَ الْوَلَدِ بِأَغْيَارِ عُلُوقِ الْوَلَدِ خَرًّا لِأَنَّهُ جُزْءُ الْأُمِّ فِي تِلْكَ الْحَالَةِ وَالْجُزْءُ لَا يَخَالِفُ الْكُلَّ وَلَنَا أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْجُزْئِيَّةُ عَلَى مَا ذَكَرْنَا مِنْ قَبْلُ وَالْجُزْئِيَّةُ إِنَّمَا تَثْبُتُ بَيْنَهُمَا بِنِسْبَةِ الْوَلَدِ الْوَاحِدِ إِلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهَا كَمَا وَقَدْ ثَبَتَ النَّسَبُ فَيُثْبِتُ الْجُزْئِيَّةُ بِهَذِهِ الْوَاسِطَةِ بِخِلَافِ الزَّانِءِ لِأَنَّهُ لَا نَسَبَ فِيهِ لِلْوَلَدِ إِلَى الزَّانِي وَإِنَّمَا يَعْتَقُ عَلَى الزَّانِي إِذَا مَلَكَهُ لِأَنَّهُ جُزْءُ حَقِيقَةٍ بَغَيْرِ وَاسِطَةٍ نَظِيرُهُ مَنْ اشْتَرَى أَخَاهُ مِنَ الزَّانِءِ لَا يَعْتَقُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ يَنْسَبُ إِلَيْهِ بِوَاسِطَةِ نَسَبِهِ إِلَى الْوَالِدِ وَهِيَ غَيْرُ ثَابِتَةٍ

ترجمہ..... اگر کسی شخص نے دوسرے کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے بچہ بھی ہو گیا۔ اس کے بعد (اس نے اس بیوی (باندی) کو اس کے مالک سے خرید لیا) کسی بھی طرح اس کا مالک ہو گیا۔ تو یہ باندی اب اس کی ام ولد ہو گئی مگر امام شافعی نے کہا ہے کہ یہ اس کی ام ولد نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے باندی خریدی پھر اس سے بعد بچہ پیدا ہو گیا۔ پھر ایک شخص نے کسی طرح یہ ثابت کر دیا کہ یہ باندی میری ملوکہ ہے۔ پھر یہ خریدار کسی طرح اس کا مالک ہو گیا تو ہمارے نزدیک اس صورت میں بھی یہ باندی اس شخص کی ام ولد ہی کہلائے گی۔ اور امام شافعی کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ (ایک قول میں ام ولد ہوگی اور دوسرے قول میں نہیں ہوگی) اور اسی بچہ کو مغرور (دھوکہ کھائے ہوئے) کا بچہ کہا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس مرد کو دوسرے کی باندی سے بحیثیت شوہر جو بچہ پیدا ہوا تھا وہ خالص غلام تھا اس لئے اب بھی جبکہ وہ اس کی ملکیت میں آگئی ہے اس بچہ کی وجہ سے ام ولد نہ ہوگی۔ جیسے کہ کسی نے دوسرے کی باندی سے زنا کیا اور اس سے حمل رہ گیا پھر یہی زانی مالک ہو گیا تو وہ ام ولد نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ام ولد ہونا تو اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ میں کسی آزاد مرد کا بچہ پایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بچہ اس حمل کی حالت میں اپنی ماں کا جزو بدن ہے۔ اور جزو کا حکم بھی کل کے جیسا ہی ہوتا ہے اس کے مخالف نہیں ہوتا ہے۔ لہذا بچہ کے آزاد ہونے کی وجہ سے اس کی ماں بھی آزادی کی مستحق ہو جائے گی۔ اور چونکہ ہمارے موجودہ مسئلہ میں غلام کا حمل باندی کے پیٹ میں رہا ہے اس لئے نہ وہ بچہ آزاد ہو گا اور نہ اس کی وجہ سے اس کی ماں آزاد ہوگی۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ کی آزادی کا سبب جزئیت ہے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وطی کرنے والے اور موطوہ عورت میں جزئیت کا اثر ہو جاتا ہے یعنی ایک دوسرے کے جزو ہوجاتے ہیں۔ اور دونوں میں جزئیت اسی صورت سے ہوتی ہے کہ بچہ کی اپنے باپ اور ماں دونوں سے برابر کی نسبت ہو۔ اور اس مسئلہ میں نسبت ثابت ہے یعنی جبکہ غیر کی منکوحہ باندی سے بچہ ہوا تو بچہ کا نسب باپ سے بھی ثابت ہوا۔ اس تعلق سے جزئیت بھی ثابت ہوگی۔ بخلاف زنا کے ذریعہ اولاد ہونے کے کیونکہ زنا کی صورت میں بچہ کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا ہے اور اگر کبھی وہ اس زانی کی ملکیت میں آ جاتا ہے تو صرف اس وجہ سے آزاد ہوتا ہے کہ کسی واسطہ کے بغیر حقیقت میں وہ اس کا جزاء ہوتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی نے اپنے ایسے بھائی کو جو زنا سے ہوا ہے یعنی اس کے باپ نے غیر کی باندی سے زنا کیا تھا۔ جس سے یہ بچہ ہوا۔ بعد میں اس شخص نے جو اس بچہ کو جو اس کے باپ سے ہوا تھا خرید لیا تھا۔ تو اگرچہ وہ اس کے باپ کا بیٹا اور اس کا بھائی ہوا۔ پھر بھی وہ بچہ اس پر آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ اس بچہ کے ساتھ اس کی نسبت اگرچہ باپ کی نسبت سے ہے مگر وہ ثابت نہیں ہے۔ (اس کے برخلاف اگر باپ سے نکاح کے ذریعہ وہ بچہ ہوتا تو وہ باپ شریک بھائی ہوتا اور اس طرح اس بھائی کی ملکیت میں آنے سے آزاد ہو جاتا)۔

فائدہ..... یعنی وہ اس کا بھائی اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اس کے باپ کا بیٹا ہو حالانکہ باپ نے زنا کیا تھا۔ اس لئے وہ باپ کا بیٹا ثابت نہ ہو سکا۔ اور یہ شخص اس کا بھائی بھی نہ ہوا۔

تشریح..... لفظ مغرور کے معنی ہیں دھوکہ کھایا ہوا۔ یعنی کسی شخص نے کسی عورت سے اس کے مالک ہونے یا اس سے نکاح کرنے کی وجہ سے قصد ا وطی کی اور اس سے اولاد بھی ہوئی۔ پھر کسی شخص نے اس عورت پر اپنے حق کا دعویٰ ثابت کیا تو اس کا بچہ اپنی قیمت ادا کر کے آزاد ہوگا۔ اور اس کا باپ دھوکہ کھایا ہوا قرار پائے گا۔

بیٹے کی باندی سے وطی کی اس نے بچہ جنا واطی نے نسب کا دعویٰ کر دیا نسب ثابت ہو جائے گا اور یہ باندی ام ولد جب جائے گی اور بیٹے کیلئے باپ قیمت کا ضامن ہوگا

وَ اِذَا وَطِئَ جَارِيَةً اِنْهِيَ فَبَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادْعَاهُ بَنَتْ نَسَبُهُ مِنْهُ وَصَارَتْ اُمَّ وَلَدٍ لَهُ وَعَلَيْهِ قِيمَتُهَا وَلَيْسَ عَلَيْهِ غَفَرُهَا وَلَا قِيمَةُ وَلَدِهَا وَقَدْ كَرْنَا الْمَسْأَلَةَ بِدَلَالِهَا فِي كِتَابِ النِّكَاحِ مِنْ هَذَا الْكِتَابِ وَ اِنَّمَا لَا يَضْمَنُ قِيمَةَ الْوَلَدِ لِأَنَّهُ اِنْعَلَقَ حُرَّ الْأَصْلِ لِاسْتِنَادِ الْمَلِكِ إِلَى مَا قَبْلَ الْاِسْتِيْلَادِ وَ اِنْ وَطِئَ اَبُ الْاَبِ مَعَ بَقَاءِ الْاَبِ لَمْ يَنْبُتِ النِّسْبُ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لِلْجَدِّ حَالِ بَقَاءِ الْاَبِ وَلَوْ كَانَ الْاَبُ مَيِّتًا يَنْبُتُ مِنَ الْجَدِّ كَمَا يَنْبُتُ نَسَبُهُ مِنَ الْاَبِ بِظُهُورِ وَلَايَتِهِ عِنْدَ فَقْدِ الْاَبِ وَ كُفْرُ الْاَبِ وَ رَفُّهُ بِمَنْزِلَةِ مَوْتِهِ لِأَنَّهُ قَاطِعٌ لِلْوِلَايَةِ

ترجمہ..... اگر کسی شخص مثلاً زید نے اپنے بیٹے کی باندی سے ہمبستی کر لی اور اس سے بچہ پیدا ہوا اور زید نے اس بچہ کا دعویٰ بھی کر لیا تو اس سے

بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی۔ اور اس زید پر لازم آئے گا کہ اس باندی کی قیمت اپنے بیٹے کو ادا کر دے۔ مگر اس زید پر باندی کا عقروں بچہ کی قیمت کچھ بھی واجب نہ ہوگی۔ (عقروں سے مراد وہ مال ہے جو مہر کے طور پر ایسی وطی میں لازم ہو جس میں حد زنا واجب نہیں ہے) ہم نے اس مسئلہ کو اس کے دلائل کے ساتھ کتاب الزکاح کے آخر میں غلام کے نکاح کے بیان میں ذکر کر دیا ہے۔ یہ زید اس بچہ کی قیمت کا اس لئے ضامن نہیں ہوگا کہ اس کا حمل اصل آزادی کی حالت میں تھا۔ کیونکہ باپ کی ملکیت اس باندی پر اس سے ہمبستری کرنے سے پہلے ہی مان لی گئی تھی۔ اور اگر باپ کی موجودگی میں دادا (باپ کا باپ) ہمبستر ہوا جس سے بچہ بھی پیدا ہو گیا۔ تب بھی اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ باپ کے رہتے ہوئے دادا کو حق ولایت نہیں ملتا ہے۔ ہاں اگر باپ مر گیا ہو تو اس کے باپ یعنی دادا سے نسب ثابت ہو جائے گا جیسا کہ باپ کی وطی سے اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں دادا کو ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اگر باپ کافر ہو یا غلام ہو تو وہ مردہ کے حکم میں ہوگا۔ اس لئے اس کی موجودگی سے بھی حکم میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔

تشریح..... وَإِذَا وَطِئَ جَارِيَةً ابْنُهُ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

مشترکہ باندی نے بچہ جنائیک نے نسب کا دعویٰ کیا اس کا نسب ثابت ہو جائے گا

وَإِذَا كَانَتِ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ أَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ لِأَنَّهُ لِمَا ثَبَتَ النَّسَبُ فِي نَصْفِهِ لِمُصَادَفَتِهِ مِلْكَهُ ثَبَتَ فِي الْبَاقِي ضُرُورَةٌ أَنَّهُ لَا يَتَجَزَّى لِمَا أَنَّ سَبَبَهُ لَا يَتَجَزَّى وَهُوَ الْعُلُوقُ إِذَا وَلَدَ الْوَاحِدُ لَا يَنْعَلِقُ مِنْ مَائِنٍ وَصَارَتْ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ لِأَنَّ الْإِسْتِيلَادَ لَا يَتَجَزَّى عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ يَصِيرُ نَصِيبُهُ أُمُّ وَلَدٍ لَهُ ثُمَّ يَتِمَّلُكَ نَصِيبَ صَاحِبِهِ إِذَا هُوَ قَابِلٌ لِلْمِلْكِ وَيَضْمَنُ نَصْفَ عَقْرِهَا لِأَنَّهُ وَطِئَ جَارِيَةً مُشْتَرَكَةً إِذَا الْمَلِكُ يَثْبُتُ حُكْمًا لِلْإِسْتِيلَادِ فَيَتَعَقَّبُهُ الْمَلِكُ فِي نَصِيبِ صَاحِبِهِ بِخِلَافِ الْآبِ إِذَا اسْتَوْلَدَ جَارِيَةً ابْنُهُ لِأَنَّ الْمَلِكَ هُنَالِكَ يَثْبُتُ شَرْطًا لِلْإِسْتِيلَادِ فَيَتَقَدَّمُهُ قِصَارَ وَأَطْنَامِ الْمَلِكِ نَفْسِهِ وَلَا يَغْرُمُ قِيمَةَ وَلَدِهَا لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ مُسْتَبْدًا إِلَى وَقْتِ الْعُلُوقِ فَلَمْ يَنْعَلِقْ شَيْءٌ مِنْهُ عَلَى مِلْكِ الشَّرِيكِ

ترجمہ..... اگر ایک باندی دو آدمیوں میں مشترکہ ہو۔ اور اسے بچہ پیدا ہونے پر ان دونوں میں سے ایک نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا تو بچہ کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا۔ خواہ یہ دعویٰ حالت صحت میں ہو یا حالت مرض میں ہو کوئی فرق نہیں ہے۔ کیونکہ جب آدھے بچے میں یقینی طور پر اس کے نسب کا دعویٰ کرنا اس بناء پر ثابت ہے کہ وہ اس باندی کے آدھے حصہ کا مالک ہے تو باقی حصہ میں بھی اس کا نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ نسب کے حصے نہیں ہوتے ہیں اس لئے کہ اس کا سبب بھی ٹکڑے نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کا سبب نطفہ ٹھہرنا ہے اور یہ بھی اس لئے کہ ایک بچہ دو نطفہ سے نہیں ہوتا ہے۔ پھر وہ باندی اس دعویٰ کرنے والے کی ام ولد ہو جائے گی۔

فائدہ..... ۱۔ یعنی جس شریک نے نسب کا دعویٰ کیا ہے بالاتفاق وہ باندی اس کی ام ولد ہو جائے گی مگر اس کی کیفیت میں کچھ اور اختلاف ہے۔

چنانچہ صاحبین کے نزدیک وہ ایک ہی مرتبہ میں مکمل ام ولد ہو جائیگی۔ کیونکہ ان صاحبین کے نزدیک ام ولد بنانے کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں۔

فائدہ..... ۲۔ یعنی جہاں ام ولد ہونا ممکن ہو گا وہاں وہ مکمل ام ولد ہوگی ورنہ بالکل نہیں ہوگی۔ لیکن امام اعظم کے نزدیک ٹکڑے ہو کر کل میں ثابت ہوگا۔ چنانچہ مصنف نے فرمایا اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلے اس مدعی کا اپنا حصہ ام ولد ہو جائے گا۔ پھر وہ اپنے شریک کے حصہ کا مالک ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ دوسرا حصہ بھی قابل ملک ہے۔ یعنی اس باندی سے وطی کے دن اس شریک کے حصے کی جو قیمت ہو سکتی تھی مدعی وہی اب اسے دے کر اس

حصہ کا بھی مالک ہو جائے گا۔ اور اس باندی کے آدھے عقر کا بھی ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے مشترک باندی سے وٹی کی ہے۔ کیونکہ اس کے ام ولد ہو جانے کی وجہ سے اس کی ملکیت باندی کے پورے بدن پر ثابت ہوگئی لہذا وٹی کے ساتھ ہی شریک کے حصہ میں بھی اس کی ملکیت ثابت ہوگئی۔

فائدہ..... ۳۔ اور اپنی مملوکہ سے وٹی کرنے سے عقر لازم نہیں آتا ہے۔ لیکن شریک کی باندی کو ام ولد بنانے کی نیت سے وٹی کرنے سے بعد وٹی ملکیت ثابت کی گئی ہے۔ اسی لئے آدھا عقر لازم آتا ہے۔ اور اس باندی کے بچے کے قیمت کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے نسب کا ثبوت اس کا نطفہ قرار پانے کے وقت سے ہی ہوا ہے۔ اس لئے کسی وقت بھی شریک کی ملکیت میں وہ قرار نہیں پایا ہے۔

فائدہ..... کیونکہ وٹی کے بعد ہی نطفہ قرار پایا اور اس وٹی کے ہوتے ہی یہ شریک کے حصہ کا مالک ہوا اسی لئے اس کی ملکیت میں رہتے ہوئے نطفہ قرار پایا ہے۔ البتہ شریک کی ملکیت باقی رہتے ہوئے اس نے وٹی شروع کی تھی۔ اسی لئے اس پر عقر کا آدھا لازم آیا تھا۔

تشریح..... وَإِذَا كَانَتِ الْجَارِيَةُ بَيْنَ شَرِيكَيْنِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ أَحَدُهُمَا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ..... الخ مزید مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر دونوں نے نسب کا اکٹھے دعویٰ کیا دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا

وَإِنْ ادَّعَاهُ مَعَائِبَتٌ نَسَبُهُ مِنْهُمَا مَعْنَاهُ إِذَا حَمَلَتْ عَلَىٰ مِلْكَيْهِمَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُرْجَعُ إِلَىٰ قَوْلِ الْقَاضِي لِأَنَّ اثْبَاتَ النَّسَبِ مِنْ شَخْصَيْنِ مَعَ عَلَمِنَا أَنَّ الْوَلَدَ لَا يَنْخَلِقُ مِنْ مَائِنِ مُتَعَلِّقٍ فَعَمَلُنَا بِالشُّبْهِ وَقَدْ سَرَّ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقَوْلِ الْقَاضِي فِي أُسَامَةَ وَلَنَا كِتَابُ عُمَرَ إِلَىٰ شُرَيْحٍ فِي هَذِهِ الْحَادِثَةِ لِبَسَافَلِسٍ عَلَيْهِمَا وَلَوْ بَيَّنَّا لَبَيَّنَّا لَهُمَا وَهُوَ ابْنُهُمَا يَرْتَابُهُ وَهُوَ لِلْبَاقِي مِنْهُمَا وَكَانَ ذَلِكَ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلَ ذَلِكَ

ترجمہ..... اور اگر دونوں شریکوں نے ایک ساتھ ہی اس (بچے) کے نسب کا دعویٰ کیا۔ تو ان دونوں سے (بچے کا) نسب ثابت ہو جائے گا۔ یہ اس وقت ہے جب وہ (لوٹری) ان دونوں کی ملکیت پر حاملہ ہوئی ہو۔ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قیافہ شناس کے قول پر رجوع کیا جائے گا۔ کیونکہ دو آدمیوں سے اثبات نسب محال ہے جبکہ ہمیں معلوم ہے کہ بچے کی پیدائش دونوں نفوس سے نہیں ہوتی۔ اسلئے ہم نے شبہ (مشابہت) پر عمل کیا۔ اور بلاشبہ حضرت اسامہؓ کے معاملے میں قیافہ شناس کے قول پر رسول علیہ السلام خوش و خرم ہوئے تھے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک مرتبہ حضور ﷺ خوش و خرم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا اے عائشہ! تجھے معلوم ہے کہ مجز مذہبی (قیافہ شناس کا نام ہے) نے کیا کہا ہے۔ وہ ابھی میرے پاس آیا تھا اور وہاں اسامہ بن زید اور زید (باپ، بیٹا) چادر اوڑھ کر سو رہے تھے۔ ان دونوں کا سر ڈھکا ہوا تھا اور پاؤں کھلے ہوئے تھے۔ سو اس (قیافہ شناس) نے کہا کہ یہ پاؤں بعض سے بعض پیدا ہوئے ہیں۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اسامہؓ کا رنگ سیاہ اور زیدؓ کا رنگ گورا تھا۔ اور ہماری دلیل قاضی شریح کے نام اسی نوعیت کے معاملے میں حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ دونوں شریکوں نے معاملہ کو محفوظ رکھا ہے۔ سو تو بھی ایسے ہی ابہام رکھ۔ اگر وہ دونوں ظاہر کرتے تو حکم جاری کر دیا جاتا۔ پس یہ بچہ ان (دونوں) کا بیٹا ہے۔ جو کہ دونوں کا وارث ہوگا اور یہ دونوں بھی اس (بچے) کے وارث ہیں۔ اور وراثت ان دونوں میں سے باقی (بچے) کیلئے ہوگی۔ اور یہ مسئلہ جمیع صحابہؓ کے سامنے پیش ہوا۔ اور حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

تشریح..... وقال الشافعي..... الخ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جب ایک بچہ کے بارے میں اس کی ماں کے دونوں مالک دعویٰ دار ہوں اور کسی ایک کو ترجیح دینے کی کوئی صورت نہ ہو تو آخر میں ان لوگوں کے کہنے سے ایک کو ترجیح دی جائے گی جو کہ بچوں کو علامات اور قیافوں سے یہ کہہ سکیں کہ یہ بچہ فلاں کا ہے کہ یہ اسی کے مشابہہ ہے۔ اس بناء پر حضرت اسامہ بن زیدؓ کے حق میں ایک قیافہ شناس کے قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے تھے۔

فائدہ..... یعنی حضرت اسامہؓ کے زید کے بیٹا ہونے کے بارے میں لوگ بدگمانی کرتے تھے اس کا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

اس طرح مروی ہے:

قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ذات یوم مسرورا فقال یا عائشة اتدیری ان مجزز المدلجی دخل علی وعندی اسامة بن زید و زید علیہما قطیفة وقد غطیارء و سہما وبدت اقدامہما فقال ہذہ اقدام بعضہا من بعض . قال ابو داود و کان اسامة اسود و کان زید ابیض

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن میرے پاس ہشاش بشاش تشریف لائے اور فرمایا کہ اے عائشہ! کیا تم کو یہ معلوم ہوا کہ مجزز مدلجی نے کیا کہا ہے۔ وہ ابھی میرے پاس آیا تھا اور وہاں اسامہ و زید دونوں کھلی اوڑھے ہوئے سو رہے تھے۔ دونوں کے سر ڈھکے ہوئے اور قدم کھلے ہوئے تھے تو مجزز نے دیکھ کر کہا کہ یہ قدم بعض سے بعض پیدا ہیں۔ اس حدیث کوائمہ ستہ نے صحاح میں روایت کیا ہے۔ اور ابو داود نے کہا ہے کہ زید کا رنگ گورا اور اسامہ کا رنگ کالا تھا۔

اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوش ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ قیافہ شناس کے قول پر رجوع کیا جائے۔ ولنا کتاب عمر الی شریح ہماری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان ہے جو ایسے واقعہ میں قاضی شریح کے نام لکھا تھا کہ ان دونوں شریکوں نے معاملہ خط اور مبہم کر دیا ہے اس لئے تم بھی اسی طرح مبہم رکھو۔ اگر وہ دونوں معاملہ کو ظاہر کرتے تو حکم ظاہر کر دیا جاتا لہذا یہ بچہ دونوں کا بیٹا ہے اس لئے دونوں کا وارث ہوگا اور یہ دونوں بھی اس کے وارث ہوں گے۔ اور (اگر بچہ پہلے مرجائے اور ان دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہو تو) اس کی کل میراث ان دونوں میں سے باقی کے واسطے ہوگی۔ اور یہ معاملہ جماعت صحابہ کے سامنے پیش آیا۔ اور حضرت علیؓ سے بھی اسی قسم کی روایت پائی گئی ہے۔

فائدہ..... بیہیؒ نے مبارک بن فضالہ کی سند سے حسن بصری سے انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ اس کا واقعہ یہ تھا کہ دو مردوں نے ایک باندی سے جب وہ حیض سے پاک ہوگئی تو وطی کی جس سے ایک لڑکا ہوا۔ دونوں نے اس کے بارے میں اپنا ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے لایا گیا۔ تو آپ نے تین قیافہ شناس بلوائے۔ تینوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس بچہ میں ان دونوں کی شباهت ملتی ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود بھی قیافہ شناس تھے تو فرمایا کہ کتیا پر سیاہ۔ زرد اور کھمر اکٹا سوار ہوتا تھا تو بچوں میں ہر رنگ کی مشابہت پیدا ہو جاتی تھی۔ مگر آدمیوں میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا تھا مگر اب میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ پھر حکم دیا کہ یہ ان دونوں کا بیٹا ہے اور ان دونوں کا وارث ہوگا۔ اور یہ دونوں بھی اس کی میراث پائیں گے۔ اور وہ ان دونوں میں سے باقی کا ہوگا۔ اس حکم کے معنی یہ ہوئے کہ جب تک یہ دونوں زندہ ہیں۔ دونوں پر اس کی پرورش لازم ہے۔ اور جب ان میں سے ایک مرجائے تو جو باقی رہے گا وہی اس کا باپ ہوگا۔ مگر جو مر گیا یہ لڑکا اس کا پورا وارث ہوگا۔ اور جب دوسرا مرجائے تو اس کا بھی یہ پورا وارث ہوگا۔ اور اگر یہ لڑکا پہلے مرجائے تو یہ دونوں مل کر ایک باپ کا حصہ اس کے مال سے لیں گے۔ اور اگر ایک مر گیا پھر بیٹا مر گیا اور ایک باپ زندہ رہا تو اس کی میراث صرف اسی باپ کے لئے ہوگی۔

اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہی حکم روایت کیا ہے کہ آپ نے دونوں مردوں کو فرمایا کہ یہ لڑکا تم دونوں کے درمیان ہے۔ تم دونوں کا وارث ہوگا۔ اور تم دونوں اس کے وارث ہو گے۔ اور تم دونوں سے جو باقی رہے گا اس کی میراث پائے گا۔ اور بیہیؒ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب یمن میں تھے تو تین آدمیوں نے ایک عورت سے ایک ہی طہر میں وطی کی۔ بس آپ نے ان سب کے درمیان قرعہ ڈالا۔ جس کے نام فرعون کا اس کے ساتھ اس بچے کو لگا دیا۔ اور وہ تہائی خرچ اس پر لازم کیا۔ اور حضرت زید ابن ارقمؒ نے کہا کہ جب میں مدینہ آیا تو میں نے یہ فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ پس آپ یہ سن کر نفی۔ اس حدیث کی اصل سنن اربعہ میں موجود ہے۔

فائدہ..... ”قیافہ شناس“ علم قیافہ وہ علم ہے جس میں خدو خال اور علامات سے بھلا برا پہچان لیتے ہیں۔

دونوں سے ثبوت نسب کی دلیل

وَلَا تَهْمَا اسْتَوِيَا فِي سَبَبِ الْاِسْتِحْقَاقِ فَيَسْتَوِيَانِ فِيهِ وَالنَّصُّ وَإِنْ كَانَ لَا يَتَجَزَّى وَلَكِنْ يَتَعَلَّقُ بِهِ أَحْكَامُ مُتَجَزِّيةً فَمَا يَقْبَلُ التَّجْزِيةَ يَثْبُتُ فِي حَقِّهِمَا عَلَى التَّجْزِيةِ وَمَا لَا يَقْبَلُهَا يَثْبُتُ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كَمَا كَانَ لَيْسَ مَعَهُ غَيْرُهُ إِلَّا إِذَا كَانَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ أَبًا لِآخَرٍ أَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا مُسْلِمًا وَالْآخَرُ ذِمِّيًّا لَوْ جُودَ الْمَرْجَحُ فِي حَقِّ الْمُسْلِمِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ وَفِي حَقِّ الْأَبِ وَهُوَ مَالُهُ مِنَ الْحَقِّ فِي نَصِيبِ الْإِبْنِ وَسُرُورُ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيمَا رَوَى لِأَنَّ الْكُفَّارَ كَانُوا يَطْعَنُونَ فِي نَسَبِ أَسَامَةِ وَكَانَ قَوْلُ الْقَائِفِ مُقْطَعًا لَطَعْنِهِمْ فَسَرَّ بِهِ وَكَانَتْ الْأَمَةُ أُمًّا وَلَدْلَهُمَا لِصِحَّةِ دَعْوَةِ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِي نَصِيبِهِ فِي الْوَلَدِ فَيَصِيرُ نَصِيبُهُ مِنْهَا أُمًّا وَلَدِ لَوْلَدِهَا وَعَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نِصْفُ الْعَقْرِ قِصَاصًا بِمَالِهِ عَلَى الْآخِرِ وَيَرِثُ الْإِبْنُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِيرَاثَ ابْنِ كَامِلٍ لِأَنَّهُ أَقْرَلُهُ بِمِيرَاثِهِ كُلِّهِ وَهُوَ حُجَّةٌ فِي حَقِّهِ وَيَرِثَانِ مِنْهُ مِيرَاثَ أَبِي وَاحِدٍ لِاسْتَوَائِهِمَا فِي السَّبَبِ كَمَا إِذَا أَقَامَا الْبَيِّنَةَ

ترجمہ..... اور ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ استحقاق کے سبب میں دونوں شریک برابر ہیں۔ یعنی ملکیت پھر دعویٰ میں برابر ہیں اس لئے حق پانے میں بھی دونوں برابر ہی ہوں گے۔ اور نسب اگر چہ ٹکڑے ہونے کے قابل نہیں ہے۔ پھر بھی چونکہ اس سے کچھ ایسے احکام کا تعلق ہوتا ہے کہ ان کے اجزاء ہو سکتے ہیں۔ جیسے میراث وغیرہ تو وہ اجزاء ہو کر دونوں شریکوں کے حق میں ثابت ہوں گے۔ اور جن کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے ہیں جیسے نسب وغیرہ تو وہ دونوں شریکوں کے حق میں پورے پورے ثابت ہوں گے۔ یعنی مثلاً ہر شریک سے اس کا پورا نسب ثابت ہوگا اس طرح کہ گویا اس کے ساتھ دوسرا کوئی شریک نہیں ہے۔ کیونکہ دونوں ہی برابر کے ہیں۔ لیکن اگر دونوں میں سے ایک باپ اور دوسرا بیٹا ہو۔ یا ایک مسلمان اور دوسرا کافر ذمی ہو تو دونوں میں برابر ہی نہ ہوگی۔ کیونکہ مسلمان کے حق میں کچھ ایسی بات اور خصوصیت ہے کہ جس سے مسلمان کو ترجیح ہوگی۔ اور وہ اسلام ہے۔ اور باپ کے حق میں بھی ایسی ہی بات موجود ہے۔ یعنی وہ حق جو باپ کو بیٹے کے مال میں حاصل ہے۔ البتہ مجرماً ذمہ کی روایت میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوش ہونا منقول ہے وہ اس بناء پر تھا کہ حضرت اسامہؓ کے نسب میں کفار طعن کرتے تھے۔ اور مجرماً قیافہ شناس کے قول سے کافروں کا قول رد ہوتا تھا اس لئے آپ خوش ہوئے۔ (ف حاصل کلام یہ ہوا کہ اگر دونوں شریکوں نے ایک ساتھ ہی دعویٰ کیا اور دونوں میں سے کسی میں ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی کو ترجیح دی جاسکے تو یہی فیصلہ ہوگا کہ وہ بچہ دونوں کا بیٹا ہوگا۔ اور اس بچہ کی ماں ان دونوں کی ام ولد ہوگی۔ اور دونوں میں سے ہر ایک پر جو عنصر واجب ہوگا وہ اس کا بدلہ ہو جائے گا جو دوسرے پر واجب ہے اور یہ لڑکا دونوں میں سے ہر ایک سے ایک بیٹے کی پوری میراث پائے گا۔ کیونکہ ہر ایک نے اس کے واسطے پوری میراث کا اقرار کیا ہے۔ اور ہر ایک کا اقرار اس پر حجت ہے۔ اور یہ دونوں اس سے ایک ہی باپ کی میراث پائیں گے۔ کیونکہ سبب میں دونوں برابر ہیں۔ جیسے دو شخصوں میں ہر ایک نے کسی چیز کے لئے اپنے اپنے گواہ پیش کئے تو وہ چیز ان دونوں میں برابر مشترک قرار پائے گی۔

تشریح..... وَلَا تَهْمَا اسْتَوِيَا فِي سَبَبِ الْاِسْتِحْقَاقِ فَيَسْتَوِيَانِ فِيهِ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مولیٰ نے اپنے مکاتب کی باندی سے وطی کی، اس نے بچہ جنما، بچہ کے نسب کے دعویٰ کرنے کا حکم

وَإِذَا وَطِىَ الْمَوْلَى جَارِيَةَ مُكَاتِبَةٍ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَادْعَاهُ فَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُكَاتِبُ ثَبَتَ نَسَبُ الْوَلَدِ مِنْهُ وَعَنْ أَسْفَ أَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ تَصَدِّقُهُ إِعْتِبَارًا بِالْأَبِ يَدْعَى وَلَدَ جَارِيَةِ ابْنِهِ وَوَجْهُ الظَّاهِرُ وَهُوَ الْفَرْقُ أَنَّ الْمَوْلَى

لَا يَمْلِكُ التَّصَرُّفُ فِي إِكْسَابِ مُكَاتِبِهِ حَتَّى لَا يَتَمَلَّكَهٗ وَالْأَبُ يَمْلِكُ تَمَلُّكَهُ فَلَا مُعْتَبَرَ بِتَصَدِيقِ الْإِبْنِ وَعَلَيْهِ
عُقُوبُهَا لِأَنَّهُ لَا يَتَقَدَّمُهُ الْمِلْكُ لِأَنَّ مَالَهُ مِنَ الْحَقِّ كَافٍ لِصِحَّةِ الْإِسْتِيلَادِ لِمَانَدِ كُرْهُ وَقِيَمَةُ وَلَدِهَا لِأَنَّهُ فِي
مَعْنَى الْمَغْرُورِ حَيْثُ اعْتَمَدَ دَلِيلًا وَهُوَ أَنَّهُ كَسَبُ كَسْبِهِ فَلَمْ يَرْضَ بِرَفْعِهِ فَيَكُونُ حُرًّا بِالْقِيَمَةِ ثَابِتُ النَّسَبِ
مِنْهُ وَلَا تَصِيرُ الْجَارِيَةُ أُمَّ وَلَدٍ لَهُ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ لَهُ فِيهَا حَقِيقَةً كَمَا فِي وَلَدِ الْمَغْرُورِ وَإِنْ كَذَبَهُ الْمُكَاتِبُ فِي
النَّسَبِ لَمْ يَثْبُتْ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ تَصَدِيقِهِ فَلَوْ مَلَكَهُ يَوْمًا ثَبَتَ نَسَبُهُ مِنْهُ لِقِيَامِ الْمُوجِبِ وَزَوَالِ حَقِّ
الْمُكَاتِبِ إِذْ هُوَ الْمَانِعُ

ترجمہ..... اگر مولیٰ نے اپنے مکاتب کی باندی سے وطی کر لی اور اس سے بچہ پیدا ہو گیا۔ اور مولیٰ نے اس بچہ پر اپنا دعویٰ بھی کیا۔ تو اگر اس مکاتب نے اپنے مولیٰ کو تصدیق کر دی تو اس بچہ کا نسب اسی مولیٰ سے ثابت ہو جائے گا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس کی تصدیق کا کوئی اعتبار اور اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہوتی ہے۔ جس طرح باپ کا اپنے بیٹے کی لونڈی سے بچے کا دعویٰ کرتے وقت بیٹے کی تصدیق غیر معتبر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مولیٰ کو اپنے مکاتب کے مال میں تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ مکاتب کی کمائی اپنے قبضہ میں نہیں لاسکتا ہے۔ مگر باپ کو یہ اختیار ہے کہ بیٹے کی کمائی بوقت ضرورت اپنے قبضہ میں لائے۔ اور اس کی تصدیق کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ مکاتب کی تصدیق کی ضرورت ہے۔ لیکن مولیٰ پر اس باندی کا عقر واجب ہوگا۔ کیونکہ وطی سے پہلے مکاتب کی ملکیت ساقط نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مولیٰ کا جو کچھ حق ہے وہ صرف ام ولد بنانے کو کافی ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ اور مولیٰ پر اس بچہ کی قیمت بھی واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ مولیٰ بھی دھوکہ کھائے ہوئے کے معنی میں ہے۔ کیونکہ اس نے صرف اس ایک دلیل پر بھروسہ کیا کہ وہ اپنی کمائی یعنی مکاتب کی چیز کو اپنے تصرف میں لایا ہے۔ اس لئے وہ اس بچہ کو غلام ماننے اور باقی رکھنے پر راضی نہیں ہوا۔ لہذا یہ بچہ قیمت دینے کے بعد آزاد اور مولیٰ سے اس کا نسب ثابت ہوگا۔ مگر اس مکاتب کی باندی اس کے مولیٰ کے لئے ام ولد نہیں ہوگی۔ کیونکہ حقیقت میں مولیٰ کی اس باندی پر کوئی ملکیت نہیں ہے۔ جیسے مغرور کے بچہ میں ہوتا ہے۔

اور اگر نسب کے دعویٰ کے سلسلہ میں مکاتب نے مولیٰ کی تکذیب کی تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مکاتب کی تصدیق کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر اگر مولیٰ کبھی اس بچہ کا مالک ہوا تو مولیٰ سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ سبب وجوب موجود ہے اور مکاتب کا حق ختم ہو چکا ہے۔ اور یہی مانع تھا۔

فائدہ..... یعنی مکاتب کی تصدیق نہ کرنے سے نسب ثابت نہیں ہوتا ہے۔ اب جبکہ مکاتب کا حق ہی نہیں رہا تو نسب ثابت ہو گیا۔

تشریح..... وَإِذَا وَطِئَ الْمَوْلَى جَارِيَةَ مُكَاتِبِهِ فَجَاءَتْ بِوَلَدٍ فَأَدْعَاهُ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

کتاب الایمان

ترجمہ..... کتاب قسم کے بیان میں

تشریح..... جاننا چاہئے کہ حلف کے معنی قسم کھانے کے ہیں۔ حالف: قسم کھانے والا۔ مخلوف علیہ: جس بات پر قسم کھائی گئی ہو۔ یمین: جس بات کی پابندی نہ کرنے پر جزم لازم آتی ہو (یہ واحد ہے اس کی جمع ایمان ہے) جیسے واللہ میں یہ چیز نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ اگر وہ چیز کھالی تو اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ اور اگر یوں کہے کہ اگر میں یہ چیز کھاؤں تو میرا غلام آزاد ہے تو فقہاء ایسے کلام کو بھی یمین کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ چیز کھالی تو اس کا غلام آزاد ہوگا۔ حث قسم ٹوٹ جانا۔ حاث قسم توڑنے والا۔

قسم کی اقسام ثلاثہ

قَالَ الْإِيمَانُ ثَلَاثَةٌ أَضْرِبُ الْيَمِينِ الْغَمُوسُ وَيَمِينُ مُعَقَّدَةٌ وَيَمِينُ لَفْوٍ فَالْغَمُوسُ هُوَ الْحَلْفُ عَلَى أَمْرِ مَاضٍ يَعْتمِدُ الْكِذْبَ فِيهِ فَهَذِهِ الْيَمِينُ يَأْتُمُ فِيهَا صَاحِبُهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ حَلَفَ كَاذِبًا أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ لَا كَفَّارَةَ فِيهَا إِلَّا التَّوْبَةُ وَالْإِسْتِغْفَارُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيهَا الْكُفَّارَةُ لِأَنَّهَا شَرَعَتْ لِرَفْعِ ذَنْبِ هَتِكِ حُرْمَةِ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى وَقَدْ تَحَقَّقَ بِالْإِسْتِشْهَادِ بِاللَّهِ كَاذِبًا فَاشْبَهَ الْمَعْقُودَةَ وَلَنَا أَنَّهَا كَبِيرَةٌ مُحْضَةٌ وَالْكَفَّارَةُ عِبَادَةٌ تَتَأَذَى بِالصَّوْمِ وَيُشْتَرَطُ فِيهَا النِّيَّةُ فَلَا تَنَاطُ بِهَا بِخِلَافِ الْمَعْقُودَةِ لِأَنَّهَا مُبَاحَةٌ وَلَوْ كَانَ فِيهَا ذَنْبٌ فَهُوَ مُتَاخِرٌ مُتَعَلِّقٌ بِاخْتِيَارٍ مُبْتَدِئٍ وَمَا فِي الْغَمُوسِ مُلَازِمٌ فَيَمْتَنِعُ الْإِلْحَاقُ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ قسموں کی تین قسمیں ہیں۔ نمبر ۱۔ یمین غموس نمبر ۲۔ یمین منعقدہ نمبر ۳۔ یمین لغو۔ پس غموس وہ قسم ہے جو کسی گزری ہوئی بات پر قصد اکھائی جائے۔ یہ قسم ایسی ہوتی ہے کہ اس کا کھانے والا گنہگار ہوتا ہے یعنی کبیرہ گناہ ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے جھوٹی قسم کھائی اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالے گا۔ اس میں توبہ اور استغفار کرنے کے علاوہ کوئی کفارہ نہیں ہے۔ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اس یمین غموس میں کفارہ لازم آتا ہے۔ کیونکہ کفارہ تو اسی لئے مشروع ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے عزتی اور توہین کے گناہ کو دور کر دے اور یمین غموس میں یہ بات پائی گئی ہے۔ اس طرح سے کہ اس قسم کھانے والے نے جھوٹ طور پر اللہ تعالیٰ کے نام کو گواہی میں پیش کیا ہے۔ اس لئے یہ غموس بھی منعقدہ کے مشابہ ہوگئی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یمین غموس صرف ایک گناہ کبیرہ ہے۔ اور کفارہ تو ایک عبادت ہے جس کی ادائیگی روزہ رکھ کر کی جاتی ہے۔ اور اس میں خاص اسی کام کی نیت ضروری ہوتی ہے۔ اس لئے کبیرہ گناہ سے کفارہ متعلق نہ ہوگا۔ بخلاف قسم منعقدہ کے کہ وہ بنام ہے۔ اور اگر قسم منعقدہ میں گناہ ہو جاتا ہے تو وہ قسم کے بعد ہوتا ہے۔ اور نئے اختیار سے متعلق ہے۔ اس لئے غموس کو منعقدہ کے ساتھ ملا نا غلط ہے۔

تشریح..... قَالَ الْإِيمَانُ ثَلَاثَةٌ أَضْرِبُ الْيَمِينِ الْغَمُوسُ وَيَمِينُ مُعَقَّدَةٌ وَيَمِينُ لَفْوٍ..... الخ قدوریؒ نے کہا ہے کہ قسمیں تین قسموں کی ہوتی ہیں۔ (۱)۔ غموس۔ (۲)۔ منعقدہ۔ (۳)۔ لغو۔ پس غموس وہ قسم ہے جو کسی گزری ہوئی بات پر قصد اچھوٹی کھائی گئی ہو۔ ایسی قسم کھانے والا گنہگار ہوتا ہے۔ یعنی ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کھائے گا اللہ اسے دوزخ میں ڈالے گا۔ صحیح ابن حبان میں پوری حدیث اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی شخص نے کسی بات پر قسم کھائی حالانکہ وہ جھوٹا ہے تاکہ وہ قسم کے ذریعے سے کسی کے مال پر قبضہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔ اور اسے دوزخ میں ڈال دے گا۔ اور صحیحین کی روایت میں ہے

کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا۔

وَلَا كَفَّارَةَ فِيهَا إِلَّا التَّوْبَةُ وَالْإِسْتِغْفَارُ الخ اور قسم غموس کھانے میں توبہ و استغفار کے سوا کفارہ نہیں ہے۔

فائدہ..... یعنی یہ ایسا گناہ نہیں ہے جو کفارہ سے معاف ہو بلکہ یہ کبیرہ گناہ ہے جو توبہ و استغفار کے سوا کسی اور صورت سے معاف نہیں ہوگا۔ اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا۔ اور والدین کی نافرمانی کرنا اور غموس قسم کھانا کبیرہ گناہوں سے ہیں۔ بس جب یہ کبیرہ گناہ ہوا تو اس کے لئے قسم کا کفارہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ توبہ کرے۔ اور یہی قول امام مالک و احمدؒ کا ہے۔ اور اکثر علماء کا بھی یہی قول ہے۔

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِيهَا الْكَفَّارَةُ لِأَنَّهَا شَرُّ عَثْرَةٍ لِرَفْعِ ذَنْبِ هَتَكَ حُرْمَةِ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى الخ اور امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ یمین غموس میں بھی منعقدہ کی طرح کفارہ لازم آتا ہے۔ کیونکہ کفارہ تو اللہ تعالیٰ کے نام کی بے حرمتی کا گناہ دور کرنے کے لئے ہے اور یمین غموس میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ اس طرح سے کہ جھوٹ اور غلط طریقہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کی گواہی دی۔ اس لئے غموس بھی منعقدہ کے مشابہہ ہوگئی۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یمین غموس بھی فقط گناہ کبیرہ ہے اور کفارہ ایک عبادت ہے۔ جو روزہ سے ادا کی جاتی ہے اور اس میں نیت شرط ہوتی ہے۔ اس لئے کبیرہ گناہ سے کفارہ متعلق نہ ہوگا۔ بخلاف قسم منعقدہ کے کہ وہ مباح ہے۔ اور اگر منعقدہ میں گناہ ہو جاتا ہے تو وہ قسم کے بعد ہوتا ہے۔ اور نئے اختیار سے متعلق ہے۔ اور یمین غموس میں ساتھ ہی ملا ہوا ہے۔ اس لئے غموس کو منعقدہ کے ساتھ ملا نا غلط ہے۔

فائدہ..... یعنی یمین منعقدہ تو آئندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم ہوتی ہے۔ اس لئے فی الحال ایسی قسم کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ البتہ آئندہ زمانہ میں جب اس نے قسم کے مطابق کام نہ کیا تو اس نے گناہ کا کام کیا۔ اس لئے گناہ لازم آئے گا۔ اور کفارہ عبادت سے یہ گناہ مٹ جائے گا اس فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے کہ ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور صحیح حدیث میں بھی اس کی تفسیر مذکور ہے۔ بخلاف یمین غموس کے کہ وہ قسم کھاتے وقت ہی جان بوجھ کر غلط قسم کھائی جاتی ہے۔ اس لئے غموس کو منعقدہ کے ساتھ نہیں ملایا جاسکتا ہے۔ بلکہ انتہائی خوف کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں توبہ و استغفار کرے۔ اور مبسوط میں ہے کہ اگر زمانہ حال میں بھی کسی نے کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں جان بوجھ کر قسم کھائی تو یہ بھی غموس ہے۔ (مبسوط السرخسی)

اگر کسی نے اس طرح کہا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو اس کی بیوی کو طلاق یا اس کا غلام آزاد ہے۔ حالانکہ جان بوجھ کر اس نے جھوٹ کہا ہے۔ تو یہ یمین غموس نہیں ہے۔ اور لغو بھی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کے خلاف کچھ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو تو طلاق اور آزادی واقع ہو جائے گی۔ (الایضاح) اور اگر یہ کہا کہ واللہ ایسا ہوا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا ہے۔ لیکن قسم کھانے والے کو کچھ شک نہیں ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ یعنی اس نے اپنے یقین کے مطابق قسم کھائی اور قصد اچھوٹ نہیں بولا تو یہ غموس نہیں ہے۔ م۔ اگر یہ کہا کہ یہ شخص فلاں آدمی نہ ہو تو مجھ پر حج واجب ہے۔ حالانکہ اسے اپنی بات کہنے میں کوئی شک نہیں تھا۔ مگر حقیقت میں وہ شخص نہیں تھا تو اس پر حج واجب ہوگا۔ (الخلاصہ)

یمین منعقدہ کی تعریف

وَالْمُنْعَقِدَةُ مَا يُحْلَفُ عَلَىٰ أَمْرٍ فِي الْمُسْتَقْبَلِ أَنْ يَفْعَلَهُ أَوْ لَا يَفْعَلَهُ وَإِذَا حَنَّتْ فِي ذَلِكَ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ لِقَوْلِهِ تَعَالَى لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا

ترجمہ..... اور منعقدہ وہ قسم ہے جو آئندہ زمانہ میں کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے پر کھائی جائے۔ اور جب اس کے خلاف کرے تو اس پر کفارہ لازم

آئے گا۔ اس فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں جو لغو ہو اس کا مواخذہ نہیں کرتے۔ لیکن جس کے ساتھ تم نے قسموں کو مضبوط کیا ہے اس کا مواخذہ کرتے ہیں۔ اس کے معنی وہی ہیں جو ہم نے پہلے ذکر کر دیئے ہیں۔

فائدہ..... یعنی آئندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے تو اس کی پکڑ اس طرح ہوگی کہ اس پر کفارہ لازم ہوگا۔ تشریح..... یحیٰ بن منقذہ کی مثال یہ ہے کہ کسی نے کہا واللہ میں اس گھر میں نہیں جاؤں گا۔ پھر وہ بیمار اور بے ہوش ہوا اور لوگ اس کو اسی حالت میں اس گھر میں لے گئے تو وہ حادثہ ہو گیا۔ اور اس پر کفارہ لازم ہو گیا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جس بات پر قسم کھائی ہے اگر اسے قصد کیا بھول کر یا اس سے زبردستی وہ کام کر لیا جائے یا بیہوشی یا دیوانگی کی حالت میں وہ کرے ہر صورت میں وہ حادثہ ہو جائے گا اور اس پر کفارہ لازم آئے گا۔

یحیٰ بن لغوی کی تعریف

وَيَمِينُ اللَّغْوِ أَنْ يُحْلَفَ عَلَى أَمْرٍ مَاضٍ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ كَمَا قَالَ وَالْأَمْرُ بِخِلَافِهِ فَهَذِهِ الْيَمِينُ نَرَجُو أَنْ لَا يُوَاحِدُ اللَّهُ بِهَا صَاحِبَهَا وَمِنَ اللَّغْوِ أَنْ يَقُولَ إِنَّهُ لَزَيْدٌ وَهُوَ يَظُنُّهُ زَيْدٌ أَوْ إِنَّهَا هُوَ عَمْرُوٌ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى لَا يُوَاحِدُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُوَاحِدُكُمْ الْآيَةُ إِلَّا أَنَّهُ عَلَّقَهُ بِالرَّجَا لِلِاخْتِلَافِ فِي تَفْسِيرِهِ

ترجمہ..... اور لغو وہ قسم ہے جس میں کسی گزری ہوئی بات پر قسم کھائی جائے۔ اس کے صحیح ہونے کا یقین کرتے ہوئے کہ وہ جیسے کہتا ہے اسی طرح ہے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ تو ایسی قسم میں اس بات کی امید ہوتی ہے کہ قسم کھانے والے سے اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ کرے۔ اور لغو قسم ہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ یوں کہے واللہ یہ شخص زید ہے۔ اور اسے گمان بھی یہی ہے مگر حقیقت میں وہ تو خالد ہے۔ اس مسئلہ میں دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ لَا يُوَاحِدُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ..... الآية اس جگہ مصنف ہدایہ نے مواخذہ نہ ہونے پر اس واسطے معلق رکھا ہے کہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

تشریح..... وَيَمِينُ اللَّغْوِ أَنْ يُحْلَفَ عَلَى أَمْرٍ مَاضٍ وَهُوَ يَظُنُّ أَنَّ كَمَا قَالَ وَالْأَمْرُ بِخِلَافِهِ..... الخ یحیٰ بن لغو ایسی قسم ہے کہ کسی گزری ہوئی بات پر یہ جانتے اور یقین رکھتے ہوئے کھائی جائے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ صحیح ہے۔ حالانکہ حقیقت میں واقعہ اس کے خلاف ہو تو ایسی قسم میں امید یہ ہے کہ قسم کھانے والے سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو اور اس پر مواخذہ نہ کرے۔ لغو قسم کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ کہے واللہ یہ شخص زید ہے۔ اور وہ اسے زید ہی سمجھتا اور یقین بھی کرتا ہے حالانکہ واقعہ میں وہ خالد ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے لَا يُوَاحِدُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ پوری آیت۔ لیکن مصنف نے اس قسم پر گرفت نہ ہونے کے سلسلہ میں فرمایا ہے ”اس بات کی امید ہوتی ہے“ اس لئے کہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

فائدہ..... چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی تفسیر میں منقول ہے کہ لغو قسم کی صورت یہ ہے کہ جیسے آدمی کہتا ہے لا واللہ بلسی واللہ۔ یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے۔ اور ابو داؤد نے مرفوع روایت کی اور بیہقی وابن حبان نے بھی مرفوع روایت کی ہے۔ اور دارقطنی نے کہا ہے کہ اس کے موقوف ہونے کی روایت بھی صحیح ہے۔

اسی طرح امام شافعیؒ و مالکؒ نے بھی روایت کی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی نے دوسرے سے کہا کہ آج تم وہاں نہیں گئے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں واللہ تو یہ قسم لغو ہے اس وقت جبکہ یہ حقیقت میں وہاں نہیں گیا ہو۔ یا جیسے کہا کہ واللہ دیکھئے میں اس زرد کاغذ پر لکھتا ہوں تو یہ بھی لغو ہے۔ کیونکہ ہر شخص یہ دیکھ رہا ہے کہ وہ زرد کاغذ پر لکھتا ہے۔ اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت مجاہد سے روایت کی ہے کہ لغو یہ ہے کہ آدمی ایک

بات پر قسم کھائے یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسی طرح سے حالانکہ حقیقت میں ایسی نہ ہو۔ تو یہ لغو ہے۔ اور سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ لغو یہ ہے کہ آدمی حرام کام پر قسم کھائے کہ میں اس کو نہیں کروں گا۔ اور حسن بصری و ابراہیم نخعی نے کہا ہے کہ لغو یہ ہے کہ آدمی کسی بات پر اس طرح قسم کھائے پھر بھول جائے۔ اور سرفٹی نے اصول میں کہا ہے کہ ہمارے علماء کے نزدیک لغو وہ قسم ہے جو شرعاً اور صفات قسم کے فائدہ سے خالی ہو۔ کیونکہ قسم کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی ایسی خبر دے جس میں جھوٹ کا احتمال ہے۔ پھر قسم سے اس کی سچائی ظاہر کر دے۔ اور اگر ایسا نہیں کیا بلکہ ایسی خبر میں قسم کھائی جس میں غلط ہونے کا احتمال نہ ہو تو وہ فائدہ سے خالی ہے۔

قصداً قسم کھانے والا، مکروہ اور ناسی سب برابر ہیں

قَالَ وَالْقَاصِدُ فِي الْيَمِينِ وَالْمُكْرَهُ وَالنَّاسِي سَوَاءٌ حَتَّى تَجِبَ الْكَفَّارَةُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ثَلَاثُ جِدْهُنَّ جِدًّا وَهَزَلُهُنَّ جِدًّا النَّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْيَمِينُ وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي ذَلِكَ وَسَنَبِّينَ فِي الْإِكْرَاهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ فَعَلَ الْمَحْلُوفُ عَلَيْهِ مُكْرَهًا أَوْ نَاسِيًا فَهُوَ سَوَاءٌ لِأَنَّ الْفِعْلَ الْحَقِيقِيَّ لَا يَنْعَدُّ بِالْإِكْرَاهِ وَهُوَ الشَّرْطُ وَكَذَا إِذَا فَعَلَهُ وَهُوَ مُغْمًى عَلَيْهِ أَوْ مَخْنُونٌ لَتَحْتِ الشَّرْطِ حَقِيقَةً وَلَوْ كَانَتْ الْحِكْمَةُ رَفَعَ الذَّنْبُ فَالْذَّنْبُ يَذَارُ عَلَى دَلِيلِهِ وَهُوَ الْحِنْثُ لَا عَلَى حَقِيقَةِ الذَّنْبِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ قصداً قسم کھانے والا، اور جس پر قسم کھانے کے لئے زبردستی کی گئی اور بھول کر قسم کھانے والا یہ سب حکم میں برابر ہیں۔ یعنی حائث ہونے پر کفارہ لازم آئے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو ارادہ کے ساتھ کہنا بھی عہد ہے اور ہنسی مذاق میں کہہ لینا بھی عہد ہے۔ وہ ہیں نکاح، طلاق اور قسم۔ اور امام شافعیؒ اس مسئلہ (زبردستی کئے ہوئے۔ اور بھول جانے والے پر کفارہ واجب ہونے) میں ہم سے اختلاف کرتے ہیں۔ اس بحث کو انشاء اللہ ہم باب الاکراہ میں بیان کریں گے۔ اور جس قسم کھانے والے کو مجبور کیا گیا اور اس نے مجبوری میں وہ کام کر لیا یا بھول کر کیا وہ حکم میں برابر ہے (ف۔ یعنی اس پر بھی کفارہ واجب ہوگا) کیونکہ مجبور کئے جانے کی وجہ سے حقیقتاً کام کا پایا جانا بند نہیں ہو جاتا ہے۔ جب کہ کفارہ کی شرط یہی تھی۔ اسی طرح اگر نشہ کے بغیر بیہوشی کی حالت میں یاد یو اگی کی حالت میں وہ کام کیا تو ابھی کفارہ لازم آئے گا۔ کیونکہ حقیقتاً شرط پائی گئی ہے۔ اور اگر کفارہ کی حکمت گناہ دور ہونا ہو، تو حکم کا مدار اس کی دلیل ہوگا یعنی حائث ہونے پر۔ حقیقی گناہ پر نہیں۔

تشریح..... قَالَ وَالْقَاصِدُ فِي الْيَمِينِ وَالْمُكْرَهُ وَالنَّاسِي سَوَاءٌ حَتَّى تَجِبَ الْكَفَّارَةُ الخ قصداً اور بھول کر۔ اور جبر کی حالت میں قسم کھالینے کا حکم برابر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا عہد اکہنا بھی عہد ہے اور ہزل کے ساتھ کہنا بھی عہد ہے۔ یعنی نکاح، و طلاق اور قسم۔ ف۔ اس حدیث کو ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے کہا ہے کہ حدیث حسن ہے۔ لیکن اس روایت میں تیسری بات بجائے قسم کے رجعت کرنا ہے۔ اور مسند حارث میں یہ تیسرا لفظ عتاق ہے۔

وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي ذَلِكَ وَسَنَبِّينَ فِي الْإِكْرَاهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى الخ وہ شخص جسے جبراً اور ارادہ کے ساتھ قسم کے خلاف کرنے پر مجبور کیا گیا ہو یا بھول کر خود مخالفت کر لی ہو تو ہمارے نزدیک ان پر بھی اسی طرح کفارہ لازم آئے گا جس طرح قصداً مخالفت کرنے سے لازم آتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام کاموں میں برابر کا درجہ رکھا ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک فرق ہوتا ہے۔ لِأَنَّ الْفِعْلَ الْحَقِيقِيَّ ہماری دلیل یہ بھی ہے کہ اگرچہ مجبور کیا جانے والا شخص خوشی کے ساتھ وہ کام نہیں کرتا ہے۔ پھر بھی وہ کام بالآخر ادا ہوتا ہے اور پایا جاتا ہے۔ جبکہ کفارہ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۵۵ باب مایکون یمینا وما لایکون یمینا واجب ہونے کی شرط اس کام کو کر لینا ہے۔ یا مخالفت کر لینا ہے۔ اسی طرح اگر نشہ کی بیہوشی یا دیوانگی کی حالت میں وہ کام کر لیا تو بھی کفارہ لازم آئے گا کیونکہ حقیقت میں وہ شرط پائی گئی ہے۔ اور کفارہ لازم کرنے کی حکمت اگر گناہ کو دور کرنا ہی ہو تو حکم کا مدار اس کی دلیل پر ہوگا یعنی قسم کے خلاف کرنے پر۔ حقیقتاً گناہ کرنے پر نہیں۔

فائدہ..... یعنی کفارہ اس وقت لازم آئے گا کہ وہ حادث ہو جائے اور قسم کے خلاف کرے۔ اگرچہ حقیقت میں کسی وجہ سے مخالفت کر لینے پر بھی گناہ نہ ہو۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے اچھے کام نہ کرنے کی قسم کھالی۔ اس طرح سے کہ میں اپنے کسی قریب اور عزیز پر احسان نہیں کروں گا ایسی صورت میں حکم یہی ہے کہ وہ بطور سنت اپنی قسم توڑے۔ یعنی اس پر احسان کرے اور اس کا کفارہ بھی ادا کر دے۔ اب اس صورت میں بھی اس پر کفارہ لازم آیا۔ کیونکہ اس نے اپنی قسم کے خلاف کام کر لیا ہے۔ لیکن گناہ لازم نہیں آیا کیونکہ اس نے حکم کے مطابق قسم توڑی ہے۔

خواب میں قسم کھانے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ (الاختیار)

اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھانی مکروہ نہیں ہے۔ پھر بھی اس میں احتیاط برتنی چاہئے۔ طلاق اور عتاق وغیرہ کی قسم کھانا عامہ علماء کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ خاص کر ہمارے زمانہ میں اس سے کلام میں کوئی مضبوطی نہیں آتی ہے۔ (اکافی)

بَابُ مَا يَكُونُ يَمِينًا وَمَا لَا يَكُونُ يَمِينًا

ترجمہ..... ایسے الفاظ جن سے قسمیں صحیح ہوتی ہیں اور جن سے نہیں ہوتی ہیں

اللہ کے اسماء ذاتی و صفاتی سے قسم کا حکم

قَالَ وَالْيَمِينَ بِاللَّهِ أَوْ بِاسْمِ آخَرٍ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى كَالرَّحْمَنِ وَالرَّحِيمِ أَوْ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهِ الَّتِي يُخْلَفُ بِهَا عَزْفًا كَعِزَّةِ اللَّهِ وَجَلَالِهِ وَكِبَرِيَّائِهِ لِأَنَّ الْحَلْفَ بِهَا مُتَعَارِفٌ وَمَعْنَى الْيَمِينِ وَهُوَ الْقُوَّةُ حَاصِلٌ لِأَنَّهُ يَعْتَقَدُ تَعْظِيمَ اللَّهِ وَصِفَاتِهِ فَصَلَحَ ذِكْرُهُ حَامِلًا وَمَانِعًا قَالُوا الْقَوْلُ وَعِلْمُ اللَّهِ فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ يَمِينًا لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ وَلِأَنَّهُ يَذْكُرُ وَيُرَادُّ بِهِ الْمَعْلُومُ يُقَالُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ عِلْمَكَ فِينَا أَيْ مَعْلُومَكَ وَلَوْ قَالَ وَغَضِبَ اللَّهُ وَسَخَطَهُ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا وَكَذًا وَرَحْمَةُ اللَّهِ لِأَنَّ الْحَلْفَ بِهَا غَيْرُ مُتَعَارِفٍ وَلِأَنَّ الرَّحْمَةَ قَدْ يُرَادُّ بِهَا أَثَرُهَا وَهُوَ الْمَطَرُ وَالْجَنَّةُ وَالْغَضَبُ وَالسُّخْطُ يُرَادُّ بِهِمَا الْعُقُوبَةُ

ترجمہ..... قدوریؒ نے فرمایا ہے کہ قسم منعقد ہوتی ہے لفظ اللہ کا نام لینے یا اس کے دوسرے نام مثلاً الرحمن، الرحیم سے یا اللہ تعالیٰ کی ان صفاتوں میں سے کسی ایسی صفت کے کہنے سے جس کے ساتھ عرف میں قسم کھائی جاتی ہے۔ جیسے عزت الہی یا جلال الہی یا کبریاۃ الہی سے کیونکہ ان صفاتوں کے ساتھ قسم کھانا رائج ہے۔ اور قسم کے وہ معنی جو قوت کے ہیں وہ ان میں موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب قسم کھانے والے نے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفاتوں کی تعظیم کا اعتقاد کیا تو خواہ مخواہ نام یا صفت کا ذکر کرنا اسے کام پر آمادہ کرنے والا یا منع کرنے والا ہوگا۔

فائدہ..... یعنی کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی تو خواہ مخواہ اس کے کرنے پر آمادہ ہوگا۔ اور اگر نہ کرنے کی قسم کھائی ہو تو اس سے باز رہنے پر آمادہ ہوگا۔ (قدوریؒ نے) کہا کہ لیکن یوں کہنا کہ علم الہی کی قسم ایسے کہنے سے قسم نہ ہوگی۔ کیونکہ قسم کھانے میں اس کا رواج نہیں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ علم الہی بولا جاتا ہے مگر اس سے معلومات الہی مراد ہوتی ہیں۔ چنانچہ دعا میں یوں کہا جاتا ہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ عِلْمَكَ فِينَا۔ الہی اپنا علم ہم میں بخش دے یعنی

باب مایکون یمینا وما لایکون یمینا ۵۶ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم
اپنا معلوم (ف) یعنی الہی ہمارے گناہ جو آپ کو معلوم ہیں ان کو بخش دے اور اگر یوں کہا غضب الہی کی قسم یا سخط الہی کی قسم تو یہ قسم نہ ہوگی۔ اسی طرح
رحمت الہی کی قسم بھی قسم نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ ان الفاظ سے قسم رائج نہیں ہے۔ اور اس لئے کہ رحمت سے مراد کبھی رحمت کا اثر یعنی بارش یا جنت مراد
ہوتی ہے۔ اور غضب و ناخوشی سے کبھی عذاب مراد ہوتا ہے۔

تشریح..... اسم الہی کے ساتھ قسم ہو جانے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ جیسے واللہ باللہ یا اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی دوسرا
نام قسم میں لیا تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ ہر نام سے قسم ہو جائے گی۔ خواہ لوگوں میں اس نام سے قسم کھانے کا رواج ہو یا نہ ہو۔ اور یہی صحیح ہے۔ رواج کا
اعتبار صفت میں ہے۔ یہاں صفت سے مراد یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی شان سے ہے۔ جیسے عزت و جلال و کبریا و عظمت وغیرہ۔ اور اگر اس سے نام بنا
لیا گیا ہو تو بھی اسماء میں داخل ہے۔ جیسے العزیز، الجلیل، الکبیر وغیرہ۔ پس صفت ہونے کی صورت میں مشائخ و ماوراء النہر کا مختار مذہب یہ ہے کہ اگر
اس صفت سے قسم کھانے کا رواج ہو تو وہ قسم ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ (الاکافی)

اور یہی اصح ہے۔ (البرجندی)

وَلَوْ قَالَ وَغَضَبَ اللَّهُ غضب الہی، ناراضگی الہی، رحمت الہی کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ ان الفاظ سے قسم رائج نہیں
ہے۔ اور اس لئے بھی کہ رحمت سے کبھی رحمت کا اثر یعنی بارش یا جنت مراد ہوتی ہے۔ اور غضب و ناخوشی سے کبھی عذاب مراد ہوتا ہے۔

فائدہ..... واضح ہو کہ اگر کسی ملک میں کسی صفت سے قسم کھانا رائج ہو تو وہاں وہ قسم ہو جائے گی۔ اگرچہ دوسرے ملکوں میں نہ ہو۔ چنانچہ محیط میں ہے
کہ اگر کبریا قسم ہے طالب غالب کی، تو اہل بغداد کے نزدیک رواج ہونے کی وجہ سے یہ قسم ہو جائے گی اور کچھ ایسی صفتیں جن سے قسم جائز ہے یہ بھی
ہیں قسم اپنے رب کی، یارب العرش کی، یارب العالمین کی۔ (البدائع)

قسم حق کی بشرطیکہ حق سے اسم الہی مراد ہو۔ اور قسم سے عظمت الہی یا ملکوت الہی یا قدرت الہی یا جبروت الہی یا قوت الہی یا ارادہ الہی یا مشیت الہی یا
محبت الہی یا کلام اللہ کی کہ ان تمام صورتوں میں قسم ہو جائے گی۔

غیر اللہ کی قسم کھانے سے حالف نہیں ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا كَالنَّبِيِّ وَالْكَعْبَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ
أَوْ لِيَذُرْوَ كَذًا إِذَا حَلَفَ بِالْقُرْآنِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارَفٍ قَالُوا مَعْنَاهُ أَنْ يَقُولَ وَالنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ أَمَّا لَوْ قَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْهُمَا
يَكُونُ يَمِينًا لِأَنَّ التَّبَرُّءَ مِنْهُمَا كُفْرٌ

ترجمہ..... اور جس نے اللہ کے علاوہ کسی دوسری چیز کی قسم کھائی جیسے نبی کی یا کعبہ کی تو وہ قسم کھانے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ تم میں سے جو قسم کھانے والا ہی ہو تو اسے چاہئے کہ یا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قسم کھائے یا چھوڑ دے۔ اسی طرح اگر قرآن کی قسم کھائی تو قسم
نہ ہوگی کیونکہ یہ رواج میں نہیں ہے۔ مصنف نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یوں کہے نبی کی قسم یا قرآن کی قسم۔ لیکن اگر اس نے یوں قسم کھائی
کہ اگر میں ایسا کروں تو میں نبی سے یا قرآن سے بری ہوں۔ تو یہ قسم ہو جائے گی۔ کیونکہ ان دونوں سے بری ہونا کفر ہے۔

ف: نبی کی قسم یا قرآن کی قسم سے قسم نہ ہوگی اور ایسی ہی قسم کعبہ کی۔ قبلہ کی، جبریل کی، اور نماز وغیرہ کی بھی کہنے سے قسم نہ ہوگی۔

تشریح..... وَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا كَالنَّبِيِّ وَالْكَعْبَةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ حَالِفًا الخ اللہ کے سوا کسی
اور چیز کی قسم کھانے سے قسم نہیں ہوتی ہے۔ جیسے نبی کی قسم۔ کعبہ کی قسم۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص تم میں سے قسم کھانے

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۵۷ باب مایکون یمینا وما لایکون یمینا
والا ہواس کو چاہئے کہ یا تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا چھوڑ دے۔

فائدہ..... صحیحین و سنن میں یہ حدیث اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس بات سے منع فرماتا ہے کہ باپ دادوں کی قسم کھاؤ۔ پس جو کوئی تم میں سے قسم کھانے والا ہو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ اور صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ جو قسم کھانے والا ہو وہ اللہ کے سوا اور کسی کی قسم نہ کھائے۔ اور ابو داؤد و نسائی کی روایت میں ہے کہ تم لوگ اپنے باپ دادوں کی اور اپنی ماؤں کی قسمیں نہ کھاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کی بھی قسم نہ کھاؤ۔ مگر ایسی حالت میں کہ تم سچے ہو اور ابو داؤد و حاکم و احمد و نسائی رحمہم اللہ کی حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا۔ اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر قسم یہ ہوتی تھی کہ مقلب القلوب کی قسم ہے۔ اس کی روایت مالک اور سنن اربعہ نے کی ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب آپ زیادہ کوشش سے قسم کھاتے تو فرماتے قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے۔ وَكَذَٰلِكَ إِذَا حَلَفَ بِالْقُرْآنِ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ قَالُ مَغْنَاهُ أَنَّهُ يَقُولُ وَالنَّبِيَّ وَالْقُرْآنَ..... الخ اسی طرح اگر قرآن کی قسم کھائے تو قسم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا رواج نہیں ہے۔

فائدہ..... بدائع میں ہے کہ کلام اللہ کی قسم کھانے سے حلف ہو جائے گی اور میں مترجم کہتا ہوں کہ یہی اظہر ہے۔ اور ہمارے ہاں اسی پر فتویٰ ہوگا اور انبیاء یا ملائکہ یا صوم و صلوة وغیرہ شرائع کی قسم کھانا۔ اسی طرح کعبہ و حرم و زمزم اور اس جیسی دوسری چیزوں کی قسم کھانا تو جائز نہیں ہے۔ (البدائع)
أَمَّا لَوْ قَالُوا أَنَّا بَرَّئُوا مِنْهُمْ بَلَاءُ اللَّهِ الْتَبَّ عَلَىٰ مِنْهُمَا نُكَرُ..... الخ یعنی اگر اس نے اس طرح قسم کھائی کہ اگر میں ایسا کروں تو میں نبی سے یا قرآن سے بری ہوں تو یہ قسم ہو جائے گی۔ کیونکہ ان دونوں سے بری ہونا کفر ہے۔

فائدہ..... اور یہی قول مختار ہے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے قرآن کی قسم کھائی یعنی مثلاً اس طرح کہا کہ قسم قرآن کی ایسا کروں گا تو ہمارے علاقہ میں یہ قسم ہے اور ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی حکم دیتے ہیں اور یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور جمہور مشائخ کا یہی قول ہے۔ (المضمرات)

اور اگر کسی نے کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو شفاعت سے بری ہوں تو صحیح قول کے مطابق قسم نہ ہوگی۔ (الظہیر یہ)

اور اگر اس طرح کہا کہ اگر میں اس طرح کروں تو قرآن یا قبلہ یا نماز یا روزہ رمضان سے بری ہوں۔ تو قول مختار کے مطابق ان سب سے قسم ہوتی ہے۔ اسی طرح توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتابوں سے براءت بھی قسم ہے۔ اسی طرح جس چیز سے بھی براءت کرنا کفر ہو وہ بھی قسم ہے۔ (الخلاصہ)
اور اگر کہا کہ میں مومنوں سے بری ہوں یا ایمان سے بری ہوں تو مشائخ نے کہا ہے کہ یہ بھی قسم ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے میں شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا عاقل و بالغ ہو۔ اس لئے دیوانہ اور بچہ کی قسم صحیح نہیں ہے اگرچہ وہ لڑکا سمجھ دار ہو۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ مسلمان ہو اس لئے کافر کی قسم صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ اگر کافر نے قسم کھائی پھر مسلمان ہو کر اس نے وہ قسم توڑ دی تو ہمارے نزدیک اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اور غلام کی قسم صحیح ہے۔ لیکن اگر حادث ہو جائے تو اس پر فی الحال مالی کفارہ لازم نہ ہوگا۔ بلکہ وہ صرف روزہ سے کفارہ ادا کرے۔ اور اگر کسی نے مجبور کئے جانے پر قسم کھائی تو ہمارے نزدیک اس کی قسم صحیح ہو جائے گی۔ پھر جس چیز پر قسم کھائی ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ قسم کے وقت حقیقت میں اس کا پایا جانا ممکن ہو۔ اسی لئے اگر ایسی چیز ہو کہ حقیقت میں اس کا ہونا محال ہو تو قسم منعقد نہیں ہوگی۔ اور اگر قسم کھانے کے بعد اس کا پایا جانا محال ہو جائے تو قسم باقی نہ رہے گی۔ امام ابو حنیفہ و محمد کا یہی قول ہے۔ اور اگر کسی نے قسم کھانے کے ساتھ ہی ان شاء اللہ تعالیٰ بھی ملا دیا کسی اور لفظ سے استثناء کیا مثلاً یوں کہا کہ واللہ میں یہ کام کروں گا مگر یہ کہ میری کچھ اور رائے ہو یا فلاں کی کچھ اور رائے ہو یا یہ کہا کہ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہو یا اس کے مانند ہو تو یہ قسم واقع نہ ہوگی۔ جیسا کہ البدائع میں ہے۔

حروف قسم

قَالَ وَالْحَلْفُ بِحَرْفِ الْقَسَمِ وَحُرُوفُ الْقَسَمِ أَلَوُاُ كَقَوْلِهِ وَاللَّهُ وَالْبَاءُ كَقَوْلِهِ بِاللَّهِ وَالتَّاءُ كَقَوْلِهِ تَاللَّهِ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مَعْهُودٌ فِي الْإِيمَانِ وَمَذْكُورٌ فِي الْقُرْآنِ وَقَدْ يُضْمَرُ الْحَرْفُ فَيَكُونُ حَالِفًا كَقَوْلِهِ اللَّهُ لَا أَفْعَلُ كَذَا لِأَنَّ حَذْفَ الْحَرْفِ مِنْ عَادَةِ الْعَرَبِ إِبْجَازٌ ثُمَّ قِيلَ يُنْصَبُ لِإِنْتِزَاعِ حَرْفٍ خَافِضٍ وَقِيلَ يُخَفِّضُ فَتَكُونُ الْكُسْرَةُ دَالَّةً عَلَى الْمَحْذُوفَةِ وَكَذَا إِذَا قَالَ لِلَّهِ فِي الْمُخْتَارِ لِأَنَّ الْبَاءَ تَبَدَّلَ بِهَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى آمَنْتُمْ لَهُ أَيْ آمَنْتُمْ بِهِ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ إِذَا قَالَ وَحَقَّ اللَّهُ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَاحْدَى الرَّوَائِثِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَعَنْهُ رَوَايَةٌ أُخْرَى أَنَّهُ يَكُونُ يَمِينًا لِأَنَّ الْحَقَّ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ حَقِيقَتُهُ فَصَارَ كَأَنَّهُ قَالَ وَاللَّهُ الْحَقُّ وَالْحَلْفُ بِهِ مُتَعَارِفٌ وَلَهُمَا أَنَّهُ يُرَادُ بِهِ طَاعَةُ اللَّهِ تَعَالَى إِذَا الطَّاعَاتُ حُقُوقُهُ فَيَكُونُ حَلْفًا بِغَيْرِ اللَّهِ قَالُوا لَوْ قَالَ وَالْحَقُّ يَكُونُ يَمِينًا وَلَوْ قَالَ حَقًّا لَا يَكُونُ يَمِينًا لِأَنَّ الْحَقَّ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى وَالْمُنْكَرُ يُرَادُ بِهِ تَحْقِيقُ الْوَعْدِ

ترجمہ..... اور قدوریؒ نے کہا ہے کہ قسم کا ہونا حرف قسم کے ذریعے بھی ہوتا ہے۔ اور قسم کے حروف میں سے ایک حرف واو بھی ہے جیسو اللہ۔ دوم باء ہے جیسے باللہ تعالیٰ۔ اور سوم تاء ہے جیسے تاللہ۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک قسم کے واسطے مقرر اور رائج بھی ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی یہ سب مذکور ہے۔ اور کبھی حرف قسم کو پوشیدہ بھی رکھا جاتا ہے تو وہاں بھی قسم ہو جاتی ہے۔ جیسے عربی میں کسی نے کہا اللہ لا افعل کذا یعنی واللہ (اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا) کیونکہ عرب کی عادت ہے کہ وہ اختصار کے واسطے اس حرف قسم کو گرا دیتے ہیں۔ پھر بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ جب حرف قسم کو حذف کیا تو اس کے مدخل یعنی لفظ اللہ کے ہاء کو زبردینے والے حرف کے گرا دینے کی وجہ سے فتح دیا جائے۔ اور بعضوں نے کہا کہ حسب سابق زیر باقی رکھا جائے۔ تاکہ حرف قسم کے حذف ہونے پر دلیل ہو جائے۔ اسی طرح کہ کہنے والے نے عربی میں کہا اللہ لا افعل کذا تو بھی قول مختار میں یہ قسم ہے کیونکہ حرف باء کو لام سے کبھی بدل دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ آمَنْتُمْ لَهُ یعنی آمَنْتُمْ بِهِ۔

اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی وحق اللہ تو اس سے قسم نہیں ہوگی۔ امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔ مگر دوسری روایت میں کہا ہے کہ قسم ہوگی۔ کیونکہ حق بھی اللہ کی صفات میں سے ایک ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حق ہونا۔ بس گویا اس نے یوں کہا کہ اللہ الحق اور اس لفظ سے قسم رائج بھی ہے۔ اور طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ حق کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی طاعت مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ طاعات اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں اس لئے اس سے غیر الہی کی قسم ہوئی۔ اور مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ اگر اس نے کہا کہ والحق تو یہ قسم ہو جائے گی۔ اور اگر کہا کہ حقا تو یہ قسم نہ ہوگی کیونکہ الحق الف لام کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ اور بغیر الف لام کے اس سے وعدے کو پختہ اور وعدہ کی تحقیق مقصود ہوتی ہے۔

فائدہ..... اور اگر کہا اللہ اللہ لا افعل کذا تو یہ قسم ہو جائے گی۔ (عتابیہ)

الفاظ قسم

وَلَوْ قَالَ أَقْسِمُ بِاللَّهِ أَوْ أَحْلِفُ أَوْ أَحْلِفُ بِاللَّهِ أَوْ أَشْهَدُ أَوْ أَشْهَدُ بِاللَّهِ فَهُوَ خَالِفٌ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَافُ مُسْتَعْمَلَةٌ فِي الْحَلْفِ وَهَذِهِ الصِّيغَةُ لِلْحَالِ حَقِيقَةٌ وَتُسْتَعْمَلُ لِلْإِسْتِقْبَالِ لِقَرِينَةٍ فَجُعِلَ خَالِفًا فِي الْحَالِ وَالشَّهَادَةِ يَمِينٌ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ثُمَّ قَالَ اتَّخَذُوا إِيمَانَهُمْ حُنَّةً وَالْحَلْفُ بِاللَّهِ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۵۹ باب مایکون یمینا وما لایکون یمینا
هُوَ الْمَعْهُدُ الْمَشْرُوعُ وَبِغَيْرِهِ مَحْظُورٌ فَصُرِفَ إِلَيْهِ وَلِهَذَا قِيلَ لَا يَحْتَاجُ إِلَى النِّيَّةِ وَقِيلَ لَا بُدَّ مِنْهَا لِاحْتِمَالِ
الْعِدَّةِ وَالْيَمِينِ بِغَيْرِ اللَّهِ

ترجمہ..... اور اگر کہا میں قسم کھاتا ہوں یا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں یا خلف کرتا ہوں یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ حلف کرتا ہوں۔ یا میں گواہی دیتا ہوں یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ ایسا کام کروں گا۔ تو ان تمام صورتوں میں وہ قسم کھانے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ سب الفاظ حلف میں مستعمل ہیں۔ اور عربی زبان میں اقسام یا احلف یا اشہد کا صیغہ حقیقت میں زمانہ حال کے لئے ہے اور استقبال کے لئے کسی قرینہ کے ساتھ مجاز استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے ایسی قسم کھانے والا شخص فی الحال قسم کھانے والا کہا گیا ہے۔ اور شہادت کا لفظ بھی قسم ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ۔ یعنی منافقوں نے کہا کہ ہم قسم کھاتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ یعنی اس شہادت کو قسم قرار دیا ہے۔ اس دلیل سے کہ اس کے بعد فرمایا ہے اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یعنی ان منافقوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے۔ (تا کہ ان کے خلاف جہاد نہ کیا جائے)۔ پھر صرف قسم کھاتا ہوں یا حلف کرتا ہوں یا شہادت دیتا ہوں اس لئے حلف ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حلف کرنا معبود و مشروع شرعی ہے (کہ حلف کہتے ہی شرعاً یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی حلف مقصود ہے) اور غیر کے ساتھ ممنوع ہے (قابل قبول نہیں ہے)۔ اس لئے اس حلف سے شرعی قسم مراد لی گئی۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ حلف سے قسم مراد لینے کے لئے نیت کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ اور بعض فقہانے کہا ہے کہ نیت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں وعدہ کا اور سوائے اللہ کے غیر اللہ کی قسم کھانے کا احتمال ہے۔

تشریح..... اگر کسی نے احلف، احلف باللہ اقسم، اقسم باللہ اشہد، اشہد باللہ کے ساتھ قسم کھائی تو قسم منعقد ہو جائے گی اسلئے کہ جو الفاظ یمین کیلئے عرف، شرع اور لغت میں مشروع ہیں، ان سے قسم کھانے سے قسم منعقد ہو جاتی ہے چاہے صیغہ ماضی ہو یا مضارع، اللہ کا نام ذکر کرے یا نہ کرے بہر صورت قسم ہو جائے گی مضارع کے صیغے میں اگرچہ مستقبل کے معنی بھی ہوتے ہیں لیکن وہ معنی مجازی ہیں اور معنی مجازی قرینہ کے وقت مراد لیتے ہیں اور معنی مجازی کی بالینیت معنی حقیقی اصل ہیں اس طرح شہادت سے بھی یمین ہو جائے گی مصنف نے قرآن کی آیت پیش کی کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے قول کو قسم قرار دیا۔

فارسی کے کن الفاظ سے قسم منعقد ہوگی

وَلَوْ قَالَ بِالْفَارِسِيَّةِ سَوْ كُنْتُ يَمِينًا لِأَنَّهُ لِلْحَالِ وَلَوْ قَالَ سَوْ كُنْتُ يَمِينًا لَأَنَّ اللَّهَ لَا يَمِينًا لَعَمْرُ اللَّهِ وَآيَمُ اللَّهِ لَأَنَّ عَمْرَ اللَّهِ بَقَاءُ اللَّهِ وَآيَمُ اللَّهِ مَعْنَاهُ آيَمَنُ اللَّهُ وَهُوَ جَمْعُ يَمِينٍ وَقِيلَ مَعْنَاهُ وَاللَّهِ وَآيَمُ صَلَوةٌ كَالْوَاوِ وَالْحَلْفُ بِالْفُظَيْنِ مُتَعَارَفٌ وَكَذَا قَوْلُهُ وَعَهْدُ اللَّهِ وَمِيثَاقُهُ لِأَنَّ الْعَهْدَ يَمِينٌ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ وَالْمِيثَاقِ عِبَارَةٌ عَنِ الْعَهْدِ

ترجمہ..... اور اگر فارسی میں کہا کہ سَوْ كُنْتُ يَمِينًا بخداے۔ یعنی میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ تو یہ قسم ہوگی۔ کیونکہ ”سَوْ كُنْتُ“ حال کا صیغہ ہے۔ اور اگر کہا کہ سَوْ كُنْتُ يَمِينًا تو بعض نے فرمایا کہ اس سے قسم نہ ہوگی کیونکہ اس کے معنی ہیں کہ قسم کھاؤں تو یہ صیغہ استقبال ہے۔ اور اگر فارسی میں کہا کہ سَوْ كُنْتُ يَمِينًا بَطْلَانِ زَنْمَ یعنی قسم کھاؤں اپنی بیوی کی طلاق کی تو یہ قسم نہ ہوگی کیونکہ اس طرح کہا نہیں جاتا ہے۔ اور مصنف نے کہا اس طرح اگر عربی میں کہا لَعَمْرُ اللَّهِ۔ وَايَمُ اللَّهِ۔ کیونکہ عمر اللہ بمعنی بقاء الہی اور ايم اللہ کے معنی ہیں یمین اللہ۔ اس لئے غیر متعارف ہونے سے قسم نہیں ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ قسم ہوگی۔ کیونکہ ايم اللہ کے معنی واللہ کے ہیں۔ اور ايم مثل واؤ کے صلی کی طرح ہے اور عمر اللہ واللہ کے معنی میں ہے۔ اور ان دونوں لفظوں

باب ما يكون يمينا وما لا يكون يمينا ٦٠ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
سے عام طور سے قسم کھائی جاتی ہے۔

فائدہ عام طریقہ سے قسم کھانے کے دعویٰ میں تامل ہے۔ کیونکہ شبہ تشبیہ کی وجہ سے اس کا استعمال چھوٹا ہوا ہے۔ اور باری تعالیٰ نے جو فرمایا ہے
لَعَمْرُكَ أَنَّهُمْ فِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ تو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن قول مختاریہ ہے کہ لعمر اللہ وایم اللہ وعہد اللہ وميثاق
اللہ۔ سب سے قسم ہو جائے گی۔ چنانچہ صاحب کتاب نے فرمایا ہے۔ کہ اسی طرح عہد اللہ وميثاق اللہ کی قسم بھی حلف ہے کیونکہ عہد قسم کے معنی میں
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ واولوا بعہد اللہ۔ اور ميثاق کے معنی عہد کے ہیں۔

علیٰ نذر یا علیٰ نذر اللہ کہنے کا حکم

وَكَذَا إِذَا قَالَ عَلِيٌّ نَذْرًا أَوْ نَذْرُ اللَّهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا وَلَمْ يُسَمِّ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ يَمِينٍ
ترجمہ اور اسی طرح اگر کہا کہ مجھ پر نذر ہے۔ یا مجھ پر نذر اللہ ہے تو وہ قسم ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے
کوئی نذر کی۔ اور اس کو بیان نہیں کیا تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔

تشریح وَكَذَا إِذَا قَالَ عَلِيٌّ نَذْرًا أَوْ نَذْرُ اللَّهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا وَلَمْ يُسَمِّ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ يَمِينٍ الخ اگر کسی نے یہ
کہا کہ مجھ پر نذر ہے۔ یا مجھ پر نذر اللہ ہے تو یہ قسم ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کوئی نذر مانی اور اسے بیان
نہیں کیا تو اس پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے۔

فائدہ ابوداؤد، ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور ترمذی نے حضرت عقیقہ بن عامر کی حدیث
روایت کی ہے کہ جس نے کوئی نذر مانی اور اس کا نام نہیں لیا یعنی جس چیز کی نذر کی ہے وہ بیان نہیں کی تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہوگا۔ اور جس نے کسی
گناہ کے کام کی نذر مانی تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہے۔ اور جس نے ایسی نذر کی جس کو پورا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ بھی قسم کا
کفارہ ہے۔ اس کی روایت ابوداؤد اور نسائی نے کی ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ حدیث ابن عباس کا قول ہے۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ گناہ کی
نذر میں کفارہ نہیں ہے۔ بخاری کی اس حدیث کی دلیل سے کو جو شخص معصیت کرنے کی نذر مانے وہ معصیت نہ کرے۔ اور حضرت عمران بن حصین
رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی بناء پر کہ معصیت کی نذر پوری نہیں کی جاتی ہے۔ مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں آپ نے معصیت کی نذر پوری کرنے سے منع فرمایا ہے مگر کفارہ کا انکار نہیں کیا ہے۔ لہذا
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کفارہ ثابت ہوا اور دوسری حدیث میں ہے کہ معصیت میں نذر نہیں ہے اور اس کا کفارہ وہی ہوگا جو قسم
کا ہوتا ہے۔ اس حدیث کو امام طحاوی نے صحیح کہا ہے۔

اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی یا نصرانی یا کافر ہوں یہ قسم ہے

وَإِنْ قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَهُوَ يَهُودِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ أَوْ كَافِرٌ يَكُونُ يَمِينًا لِأَنَّهُ لَمَّا جَعَلَ الشَّرْطَ عَلَمًا عَلَى الْكُفْرِ فَقَدْ
اعْتَقَدَهُ وَاجِبَ الْإِمْتِنَاعِ وَقَدْ امْكَنَ الْقَوْلُ بِوُجُوهِه لِغَيْرِهِ بِجَعْلِهِ يَمِينًا كَمَا نَقُولُ فِي تَحْرِيمِ الْحَلَالِ وَلَوْ قَالَ
ذَلِكَ لِشَيْءٍ قَدْ فَعَلَهُ فَهُوَ الْغَمُوسُ وَلَا يُكْفَرُ عِتْبَارًا بِالْمُسْتَقْبَلِ وَقِيلَ يُكْفَرُ لِأَنَّهُ تَنْجِيزٌ مَعْنَى كَمَا إِذَا قَالَ هُوَ
يَهُودِيٌّ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يُكْفَرُ فِيهِمَا إِنْ كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَمِينٌ فَإِنْ كَانَ عَنْدَهُ أَنْ يُكْفَرَ بِالْحَلْفِ يُكْفَرُ فِيهِمَا لِأَنَّهُ
رَضِيَ بِالْكُفْرِ حَيْثُ أَقْدَمَ عَلَى الْفِعْلِ

ترجمہ..... اور اگر قسم کھانے والے نے کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی یا نصرانی یا کافر ہوں خود کو کہا تو یہ قسم ہو جائے گی۔ کیونکہ جب اس نے شرط کو کفر پر علامت قرار دیا تو اس نے یہ اعتقاد کر لیا کہ جس چیز پر قسم کھائی ہے اس سے بچنا ہی واجب ہے۔ اور یہاں یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ ایسا واجب ہونا دوسری چیز کی وجہ سے ہے یعنی جو بات اس نے کہی ہے اس کی وجہ سے ہے۔ اس طرح سے کہ اس کی بات کو قسم قرار دیا جائے۔ یعنی وہ چیز اگر بذات خود حلال ہو لیکن اس قسم کی وجہ سے حرام ہو گئی ہے۔ جیسا کہ تم کہتے ہو کہ حلال چیز کو حرام کر لینا ہی قسم کے معنی ہیں۔ اور اگر ایسی بات ایسے کام کے لئے کہی ہو جسے وہ پہلے کر چکا ہو تو وہ غموس ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک اس قسم میں کفارہ لازم نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اس پر تو یہ لازم ہے۔ اور مستقبل کے کام پر اسے قیاس کر کے کہنے والے کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ یعنی اس نے شرط و جزاء آئندہ زمانہ کے واسطے رکھی ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے معنی آئندہ ہونے کے نہیں بلکہ ابھی موجود رہنے کے ہیں۔ جیسے کہ اگر وہ خود کو یوں کہے کہ وہ یہودی ہے تو کافر ہو جاتا ہے۔ مگر قول صحیح یہی ہے کہ خواہ زمانہ ماضی میں کر چکا ہو یا آئندہ کرے کسی صورت میں کافر نہ ہوگا۔ بشرطیکہ وہ یہ جانتا ہو کہ یہ صرف قسم ہے۔ اور اگر اس بات پر اس کا اعتقاد ہو کہ اس طرح کی قسم سے کافر ہو جاتا ہے تو زمانہ ماضی میں ہو یا مستقبل دونوں صورتوں میں کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ جب اس نے جان بوجھ کر ایسی بات کہی تو وہ اپنے کفر پر راضی ہو گیا۔ اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہوتا ہے۔

تشریح..... وَإِنْ قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ اگر میں ایسے کام کروں تو میں زنا کار یا چور یا شراب خور یا سود خوار ہوں تو بھی قسم نہیں ہوگی۔ کیونکہ ان چیزوں کا حرام ہونا نسخ و تبدل کے قابل ہے اس لئے اسم الہی کی حرمت کے معنی میں نہ ہوگا۔ اور اس لئے بھی کہ ایسی قسم کھانے کا دستور نہیں ہے۔

فائدہ..... تبدیل کے معنی یہ ہیں کہ مثلاً جس عورت سے زنا حرام ہے اگر اس سے نکاح کر لیا جائے تو وہ حلال ہو جائے۔ لہذا یہ حکم کو بدل دینے کے قابل ہوا۔ اور سود اگرچہ دارالاسلام میں حرام ہے۔ مگر حربی اور کافروں سے دارالحرب میں لینا جائز ہے۔ اس طرح اگرچہ سود یا زنا کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی اور نہ ہوگی لیکن وہ ذات میں اس قابل ضرور ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم ہر حال میں ہر جگہ واجب ہے جو نسخ یا تبدل کے قابل نہیں ہے۔

مسائل

۱..... اگر کئی قسمیں کھائیں تو اتنے ہی کفارے لازم ہوں گے۔ خواہ ایک مجلس میں قسمیں کھائی ہوں یا کئی مجلسوں میں ۲..... اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی ہوں میں نصرانی ہوں۔ تو یہ دو قسمیں ہیں ۳..... اسی طرح واللہ واللہ یا اللہ الرحمن بھی دو قسمیں ہیں۔ یہی صحیح ہے ۴..... اور اگر عطف کے ساتھ کہے یعنی واللہ اور الرحمن تو بالاتفاق دو قسمیں ہوں ۵..... اگر کسی نے کہا کہ مجھے اپنی زندگی کی قسم یا تیری زندگی یا تیرے سر کی قسم تو خوف ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس قسم کے پورے کرنے کا اعتقاد کرے یعنی اسکے دل میں یہ بات ہو کہ اس قسم کی وجہ سے اب مجھے اس قسم کا پورا کرنا واجب ہے۔ تو کافر ہو جائے گا۔ ۶..... اگر کسی نے کہا کہ اللہ جانتا ہے کہ میں نے ایسا کیا یا میں اللہ کو شاہد کرتا ہوں کہ ایسا کیا یا نہیں کیا اللہ کو شاہد کر کے گواہی دے حالانکہ وہ جھوٹا ہے تو زہدی نے کہا ہے کہ اکثر فقہاء کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔ اور ششی نے کہا کہ اس صحیح یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا۔

اگر کہا میں نے ایسا کیا تو مجھ پر اللہ کا غضب یا اللہ کی پھٹکار ہو اس سے قسم کھانے

والاشمار نہیں کیا جائے گا

وَلَوْ قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيْ غَضَبِ اللَّهِ أَوْ سَخَطِ اللَّهِ فَلَيْسَ بِخَالِفٍ لِأَنَّهُ دَعَا عَلَى نَفْسِهِ وَلَا يَتَعَلَّقُ ذَلِكَ بِالشَّرْطِ وَلِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ وَكَذَا إِذَا قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَانْأَزَانِ أَوْ سَارِقِ أَوْ شَارِبِ خَمْرٍ أَوْ أَكِلِ رِبَا أَلَا حُرْمَةُ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ تَحْتَمِلُ النَّسْخَ وَالتَّبْدِيلَ فَلَنْ يَكُنْ فِي مَعْنَى حُرْمَةِ الْأَسْمَاءِ وَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُتَعَارِفٍ

ترجمہ..... اسی طرح اس نے یوں کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھ پر اللہ کا غضب یا اللہ کی ناراضگی ہو پس وہ حالف نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنے آپ پر بد دعا کی اور اس کا تعلق شرط سے نہیں ہے اور اسلئے کہ اس کا رواج نہیں اور اسی طرح اگر کسی نے کہا اِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَانْزِلْ اَوْ سَارِقٌ اَوْ شَارِبٌ خَمْرٍ اَوْ اَكِلٌ رِبَا کیونکہ ان اشیاء کی حرمت نسخ و تبدیل کے قابل ہے اسلئے یہ اسم اللہ کی حرمت کے معنی نہیں ہیں اور اسلئے بھی کہ یہ قسم رائج نہیں ہے۔

تشریح..... قسم چونکہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ظاہر کرنے کیلئے ہوتی ہے اس میں حرمت الہی ہوتی ہے اور جن الفاظ میں یہ حرمت الہی پائی جائے اس سے یقین منعقد ہوگی ان الفاظ مذکورہ یعنی غضب اللہ، خط اللہ وغیرہ میں یہ معنی نہیں اسلئے یقین نہ ہوگی۔

فَصْلٌ فِي الْكَفَّارَةِ

ترجمہ..... فصل قسم کے کفارہ کے بیان میں

کفارہ یمین

قَالَ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ عِتْقُ رَقَبَةٍ يُجْزَى فِيهَا مَا يُجْزَى فِي الظَّهَارِ وَإِنْ شَاءَ كَسَا عَشْرَةَ مَسَاكِينَ كُلُّ وَاحِدٍ ثَوْبًا فَمَا زَادَ وَأَذَنَاهُ مَا يَجُوزُ فِيهِ الصَّلَاةُ وَإِنْ شَاءَ أَطْعَمَ عَشْرَةَ مَسَاكِينَ كَمَا لِأَطْعَامٍ فِي كَفَّارَةِ الظَّهَارِ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ آيَةُ وَكَلِمَةٌ أَوْ لِلتَّخْيِيرِ فَكَانَ الْوَجِبُ أَحَدَ الْأَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ قسم کا کفارہ:

- (۱)..... ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اس میں بھی وہی غلام جائز ہو جاتا ہے جو کفارہ ظہار میں جائز ہوتا ہے۔
- (۲)..... اور اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کپڑے دیدے۔ ہر ایک کو ایک کپڑا یا زیادہ دے۔ اور کم از کم اتنا تو ضرور دے جس سے نماز صحیح ہو جائے۔
- (۳)..... اگر چاہے تو دس مسکینوں کو کھانا دے اتنا جو کفارہ ظہار میں دیا جاتا ہے۔ اس کفارہ کے حکم کی اصل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كَسَوْتُمْهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ اس میں حرف ”او“ اختیار دینے کے واسطے ہے یعنی چاہے تو کھانا دو یا کپڑا دو یا غلام آزاد کرو۔ اس طرح تین چیزوں میں سے ایک چیز واجب ہوئی۔

تشریح..... قسم کے منعقد ہونے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن جب قسم کو پورا نہ کیا اور توڑ دیا تو اب اس نے اللہ کے نام کا غلط استعمال کیا تو اب اہانت الہی کے گناہ سے بچنے کیلئے کفارہ لازم ہوتا ہے جو کہ طعام کسہ یا عتق رقبہ کی صورت میں ہوتا ہے ان سے جس کو حائث اختیار کرے۔ اگر حائث کپڑے دے تو کم از کم اتنی مقدار جو جس سے نماز ہو جائے یعنی مرد کیلئے اس کا ستر چھپ جائے اور عورت کے چہرے ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ سارا جسم ڈھانپا جاسکے اور کھانا کھانا ہے تو دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلائے اور اگر غلام آزاد کرنا ہے تو ایسا غلام آزاد کرے کہ اس سے خدمت لی جاسکتی ہو اگر اس غلام سے خدمت لینا ناممکن یا دشوار ہو تو اس غلام کو آزاد کرنا درست نہیں اس طرح مدبر اور مکاتب کو بھی آزاد کرنا درست نہیں کہ ان میں ملکیت ناقص ہے۔

کفارہ کی اشیاء ثلاثہ پر قادر نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے

قَالَ فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى أَحَدِ الْأَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَخِيرُ لِإِطْلَاقِ النَّصِّ وَلَنَا قِرَاءَةٌ

ابْنِ مَسْعُودٍ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَابِعَاتٍ وَهِيَ كَالْخَبَرِ الْمَشْهُورِ ثُمَّ الْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ فِي بَيَانِ أَذْنَى الْكِسْوَةِ مَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ وَعَنْ أَبِي يُونُسَ وَأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ أَذْنَاهُ مَا يَسْتُرُ عَامَّةَ بَدَنِهِ حَتَّى لَا يَجُوزَ السَّرَاوِيلُ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ لَا يَسَهُ يُسَمَّى غُرْبَانًا فِي الْعُرْفِ لَكِنْ مَا لَا يُجْزِيهِ عَنِ الْكِسْوَةِ يُجْزِيهِ عَنِ الطَّعَامِ بِإِعْتِبَارِ الْقِيَمَةِ

ترجمہ..... قدورئی نے فرمایا کہ اگر ان تین چیزوں میں سے کوئی چیز بھی نہ دے سکتا ہو تو متواتر تین روزے رکھے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اسے روزوں کے رکھنے میں اتنا اختیار ہے کہ اگر چاہے تو انہیں متواتر رکھ لے اور اگر چاہے تو متفرق کر کے رکھے۔ کیونکہ نص مطلق ہے اس میں پے درپے کی کوئی قید نہیں ہے۔ اور ہماری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرائت ہے۔ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُتَابِعَاتٍ یعنی اس قراءت میں متابعت (پے درپے ہونے) کی قید ہے۔ اور یہ قراءت حدیث مشہور کے مثل ہے۔ یعنی اس کی بناء پر قرآن پر زیادتی کرنا جائز ہے۔ پھر کتاب میں جو ادنیٰ درجہ کپڑے کا ذکر کیا ہے وہ امام محمدؒ سے مروی ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ کپڑے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ بدن کے اکثر حصہ کو چھپا دے۔ اس لئے صرف پانچامہ دینا جائز نہیں ہوگا۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ صرف پانچامہ پہننے والے کو عرف میں ننگا کہتے ہیں۔ لیکن اتنی رقم کہ اس سے کپڑا خرید کر دینے سے اس کا لباس ادا نہ ہوتا ہو اس سے قسمت کے لحاظ سے کھانا دیدینا جائز ہوگا۔

تشریح..... وعن ابی یوسف..... الخ امام ابو حنیفہ و ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ کپڑا ادا کرنے میں کم از کم اتنا ہونا چاہئے جو بدن کے اکثر حصہ کو چھپالے اسی لئے صرف پانچامہ دینے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ صرف پانچامہ پہننے والے کو عرف میں ننگا کہا جاتا ہے۔ لیکن جس رقم سے صرف اتنا کپڑا خرید جا سکے جو اکثر بدن کو نہ چھپا سکے مگر اس سے کھانا دیدینا ہو جائے تو بلحاظ قیمت کے ادا ہو جائے گا۔

فائدہ..... یعنی مثلاً کسی کے پاس صرف دس روپے ہیں جن سے دس آدمیوں کا کھانا بخوبی ادا ہو سکتا ہو لیکن لباس دینے میں تیس روپے خرچ ہوتے ہوں اور اس نے لباس ہی کی نیت سے دس مسکینوں کو تیس روپے دیدے تو لباس کا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ مگر کھانے کی قیمت ان کو پہنچ کر کھانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ کھانے کی جگہ کھانے کی قیمت دینی بھی جائز ہو۔ جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔

حشٹ پر کفارہ کو مقدم کرنا

وَإِنْ قَدَّمَ الْكَفَّارَةَ عَلَى الْحَنْثِ لَمْ يُجْزِهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُجْزِيهِ بِالْمَالِ لِأَنَّهُ إِذَا هَا بَعْدَ السَّبَبِ وَهُوَ الْيَمِينُ فَاشْتَبَهَ التَّكْفِيرَ بَعْدَ الْجَرْحِ وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ لَسْتَرِ الْجَنَائَةِ وَلَا جِنَايَةَ هَهُنَا وَالْيَمِينُ لَيْسَتْ بِسَبَبٍ لِأَنَّهُ مَانِعٌ غَيْرُ مُفْضٍ بِخِلَافِ الْجَرْحِ لِأَنَّهُ مُفْضٍ ثُمَّ لَا يُسْتَرَدُّ مِنَ الْمُسْكِينِ لَوْ قُوِيَ صَدَقَةٌ

ترجمہ..... اور اگر قسم کھانے والے نے اپنے حانث ہونے سے پہلے ہی کفارہ دیدیا تو جائز نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ مال سے کفارہ دیدینا جائز ہے۔ کیونکہ اس میں کفارہ کا سبب یعنی قسم پائے جانے کے بعد کفارہ ادا کیا ہے۔ اس لئے حکم ایسا ہوا جیسے کسی کو زخمی کرنے کے بعد اس کے مرنے سے پہلے ہی کفارہ کا غلام آزاد کر دیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جرم چھپانے کے لئے کفارہ ہوتا ہے۔ اور یہاں قسم توڑنے سے پہلے کوئی جرم نہیں ہے۔ اور قسم کفارہ کا سبب نہیں ہے۔ کیونکہ قسم توڑنے والی ہوتی ہے پہنچانے والی نہیں ہوتی ہے۔ یعنی قسم اس لئے ہوتی ہے کہ آدمی اسے پورا کرے اور اس لئے نہیں ہوتی ہے کہ اسے توڑ کر کفارہ ادا کرے۔ اس بناء پر قسم کفارہ تک پہنچانے کا سبب نہیں ہے۔ بخلاف زخم کے کہ وہ تو موت تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔ پھر دینے والا اس مال کو واپس نہیں لے سکتا ہے کیونکہ وہ صدقہ ہو گیا۔ (اور صدقہ کا واپس لینا جائز نہیں ہے)۔

تشریح..... وَلَنَا أَنَّ الْكَفَّارَةَ لَسْتَرِ الْجَنَائَةِ وَلَا جِنَايَةَ هَهُنَا وَالْيَمِينُ لَيْسَتْ بِسَبَبٍ لِأَنَّهُ مَانِعٌ غَيْرُ مُفْضٍ الخ اگر قسم توڑنے سے

باب ما یكون یمینا و ما لا یكون یمینا ۶۳ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
 پہلے ہی اس کا کفارہ ادا کر دیا جائے تو احناف کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔ لیکن شوافع کے نزدیک مال سے کفارہ دینا جائز ہوگا۔ کیونکہ کفارہ کا سبب جو قسم ہے وہ تو کفارہ دینے سے پہلے ہی پایا گیا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کسی زخمی کے مر جانے سے پہلے ہی اس کے کفارہ میں غلام آزاد کر دیا جائے تو بالاتفاق جائز ہوتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ کفارہ دینے کا مقصد جرم کو چھپانا ہوتا ہے اور ہمارے اس قسم کے مسئلہ سے پہلے تو کوئی جرم نہیں پایا گیا ہے بلکہ صرف قسم پائی گئی ہے جبکہ قسم کفارہ واجب ہونے کا سبب نہیں ہے۔ کیونکہ قسم کسی چیز کو بدلنے والی ہوتی ہے۔ کفارہ تک پہنچانے والی نہیں ہوتی ہے۔ یعنی قسم اس لئے ہوتی ہے کہ آدمی اسے پوری کرے۔ اور اس لئے نہیں ہوتی ہے کہ اسے خواہ مخواہ ہی توڑ کر کفارہ ادا کرے۔ بخلاف زخم کے کہ اس کا آخر انجام موت ہی ہے۔ یعنی زخمی ہو کر آخر کار مر جاتا ہے۔

فائدہ..... یعنی زخمی کرنے میں مجروح کی موت سے پہلے کفارہ دینے کو اس لئے جائز کہا گیا ہے کہ کاری اور مہلک زخم کا انجام موت ہی ہے۔ بخلاف قسم کے کہ اس کا انجام کفارہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی شخص قسم کھا کر زندگی بھر اپنی قسم پر (جائز و ناجائز) باقی رہ جائے تو اس پر کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی حاث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کر دے تو وہ کفارہ میں شمار نہ ہوگا۔ البتہ صدقہ ہو جائے گا۔

معیشت پر حلف کا حکم

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ عَلَى مَعْصِيَةِ مِثْلُ أَنْ لَا يُصَلِّيَ أَوْ لَا يُكَلِّمَ أَبَاهُ أَوْ لِيَقْتُلَنَّ فَلَا نَا يَنْبَغِي أَنْ يُحْنِثَ نَفْسَهُ وَيَكْفُرَ عَنْ يَمِينِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَاثِ بِالذِّمِّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِيَكْفُرَ عَنْ يَمِينِهِ وَإِنْ فِيمَا قُلْنَا تَفْوِثُ الْبَرِّ إِلَى جَابِرٍ وَهُوَ الْكُفَّارَةُ وَلَا جَابِرَ لِلْمَعْصِيَةِ فِي ضِدِّهِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ جس شخص نے کسی نافرمانی یا گناہ کے کام پر قسم کھائی مثلاً وہ نماز نہیں پڑھے گا یا اپنے باپ سے گفتگو نہیں کرے گا یا فلاں شخص کو ضرور قتل کرے گا تو اسے چاہئے کہ اپنی ایسی قسم توڑ دے اور اس قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جس نے کوئی قسم کھائی اور بعد میں اس کے خلاف کرنے میں ہی بہتری سمجھی تو جسے وہ بہتر سمجھے وہ کر ڈالے پھر اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے (مسلم وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے) اور اس دلیل سے کہ جو صورت ہم نے بیان کی ہے اگر اس میں اپنی قسم پوری نہ کر سکے تو کفارہ سے اس کی کچھ تلافی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے خلاف کرنے سے یعنی اس معصیت پر عمل کر لینے میں نقصان کے سوا کچھ تلافی نہیں ہوتی ہے۔

تشریح..... اگر کسی نے گناہ یا نافرمانی کی قسم کھائی تو اسے چاہئے کہ قسم توڑ دے اور کفارہ دے دلیل حضور ﷺ کی حدیث ہے۔

کافر نے حالت کفر میں قسم کھائی یا اسلام لانے کے بعد حاث ہو گیا تو اس پر کفارہ نہیں

وَإِذَا حَلَفَ الْكَافِرُ ثُمَّ حَنَثَ فِي حَالِ كُفْرِهِ أَوْ بَعْدَ إِسْلَامِهِ فَلَا حَنْثَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْيَمِينِ لِأَنَّهَا تُعَقَّدُ لِتَعْظِيمِ اللَّهِ تَعَالَى وَمَنْعِ الْكُفْرِ لَا يَكُونُ مُعَظَّمًا وَلَا هُوَ أَهْلٌ لِلْكُفَّارَةِ لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ

ترجمہ..... اور اگر کسی کافر نے قسم کھائی پھر وہ حاث ہو گیا خواہ حالت کفر میں ہو یا اسلام لانے کے بعد ہو تو قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ قسم کھانے کے وقت اس کو قسم کھانے کی اہلیت نہیں تھی۔ اس لئے قسم تو اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے لئے کھائی جاتی ہے۔ اور کافر مرتے ہوئے اسے تعظیم کی اہلیت نہیں ہوتی ہے۔ اور نہ ہی وہ کفارہ ادا کرنے کی لیاقت رکھتا ہے۔ کیونکہ کفارہ عبادت ہے۔

جس چیز کا میں مالک ہوں وہ مجھ پر حرام ہے کہنے سے وہ چیز حرام نہیں ہوگی

وَمَنْ حَرَّمَ عَلَى نَفْسِهِ شَيْئًا مِمَّا يَمْلِكُهُ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّمًا وَعَلَيْهِ إِنْ اسْتَبَاحَهُ كَفَّارَةٌ يَمِينٍ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: كَفَّارَةٌ عَلَيْهِ لِأَن تَحْرِيمَ الْحَلَالِ قَلْبُ الْمَشْرُوعِ فَلَا يَنْعَقِدُ بِهِ تَصَرُّفٌ مَشْرُوعٌ وَهُوَ الْيَمِينُ وَلَنَا أَنَّ اللَّفْظَ نَبِئْنِي عَنْ اثْبَاتِ الْحُرْمَةِ وَقَدْ امْكَنَ إِعْمَالُهُ بِثُبُوتِ الْحُرْمَةِ لِغَيْرِهِ بِاثْبَاتٍ مُوجِبِ الْيَمِينِ فَيُصَارُ إِلَيْهِ ثُمَّ نَافِعِلٌ مِمَّا حَرَّمَهُ قَلِيلًا أَوْ كَثِيرًا حَيْثُ وَوَجِبَتِ الْكَفَّارَةُ وَهُوَ الْمَعْنَى مِنَ الْإِسْتِبَاحَةِ الْمَذْكُورَةِ لِأَن تَحْرِيمَ إِذَا ثَبِتَ تَنَاوُلُ كُلِّ جُزْءٍ مِنْهُ

جمہ..... اور اگر کسی نے اپنے اوپر ایسی چیز حرام کر لی جس کا وہ مالک ہے تو وہ چیز اس کی اس وجہ سے اس کی اپنی ذات پر حرام نہیں ہوگی۔ لیکن اگر نے اس چیز کے ساتھ مباح اور جائز جیسا تعلق رکھے تو اس پر کفارہ قسم لازم آئے گا۔

اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ اس پر کفارہ نہیں ہے۔ کیونکہ حلال کو حرام کر لینا شرعی حکم کو الٹ دینا ہوا اس لئے قسم منعقد نہیں ہوگی جو شرعی تصرف ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ سے حرمت ثابت کرنا ناکما ہے۔ اور اس کے موافق عمل کرنا ممکن ہے۔ یعنی جب اس نے کہا کہ یہ چیز مجھ پر حرام ہے تو کسی عی مخالفت کے بعد بھی اس پر اس طرح عمل کرنا ممکن ہے کہ حرمت ثابت کی جائے مگر اس کی حرمت ذاتی نہیں ہوگی بلکہ قسم کے تقاضا کے مطابق۔ اس نے یہ قسم قرار دیا جائے گا۔ پھر اس نے جس چیز کو حرام کیا ہے اگر اسے تھوڑا یا بہت کر لیا تو وہ قسم ٹوٹ گئی اور اب اس پر کفارہ لازم آ گیا۔ اوپر میں جو جملہ بور ہوا ہے کہ اس کے ساتھ مباح کا معاملہ کرے اس کا یہی مطلب ہے۔ کیونکہ جب حرام کرنا ثابت ہوا تو اس چیز کے ہر جز کو شامل ہو گیا۔

شرح..... ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

کسی نے کل حل علی حرام کہا یہ کھانے اور پینے پر محمول ہو گیا جس کی نیت کی وہ مراد ہوگی

لَوْ قَالَ كُلِّ حِلٍّ عَلَى حَرَامٍ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ إِلَّا أَنْ يَتَوَى غَيْرَ ذَلِكَ وَالْقِيَاسُ أَنْ يُحِثَّ كَمَا فَرَّغَ نَهَ بِأَشْرَفِ فَعْلًا مُبَاحًا وَهُوَ التَّنْفُسُ وَنَحْوُهُ وَهَذَا قَوْلُ زُفَرٍ وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْبَرُّ لَا يَتَحَصَّلُ عَ اِعْتِبَارِ الْعُمُومِ وَإِذَا سَقَطَ اِعْتِبَارُهُ يَنْصَرِفُ إِلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ لِلْعُرْفِ فَإِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ فِيمَا يَتَنَاوَلُ عَادَةً لَا يَتَنَاوَلُ الْمَرْأَةُ إِلَّا بِالنِّيَّةِ لِاسْقَاطِ اِعْتِبَارِ الْعُمُومِ وَإِذَا نَوَاهَا كَانَ اِبْتِلَاءً وَلَا تُصَرَّفُ الْيَمِينُ عَنِ لِمَا كُتِلَ وَالْمَشْرُوبُ وَهَذَا كَلُّهُ جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَمَشَايِخُنَا قَالُوا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ عَنْ غَيْرِ نِيَّةٍ لِعَلْبَةِ اِلِاسْتِعْمَالِ وَعَلَيْهِ الْفَتَاوَى وَكَذَا يَنْبَغِي فِي قَوْلِهِ حَلَالٌ بَرُوى حَرَامٌ لِلْعُرْفِ وَاخْتَلَفُوا فِي قَوْلِهِ هَرَجَةٌ بِرَدِّ رَأْسِ الْغَيْرِمْ - بِرُوى حَرَامٌ اَلَّهُ هَلْ تُشْتَرَطُ النِّيَّةُ وَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ يُجْعَلُ طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ نِيَّةٍ لِلْعُرْفِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے۔ تو یہ قسم صرف کھانے اور پینے کی چیزوں سے متعلق ہوگی۔ البتہ اگر کسی اور چیز کی بھی نیت کر لی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس جملہ کے کہنے کے ساتھ ہی وہ حائث ہو جائے کیونکہ اس کے فوراً بعد اور ساتھ ساتھ ایک مباح چیز استعمال کر لی ہے۔ یعنی اس نے سانس لے لی ہے۔ اسی جیسے کچھ اور بھی کام کر لئے ہیں۔ امام زفرؒ کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن اس کتاب میں جو مذکور ہوا وہ استحسانی حکم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسم کھانے کا اصل مقصود اس کو پورا کرنا ہے مگر اتنے زیادہ عموم ہونے اور اس کا اعتبار کرنے کی

وجہ سے اسے پورا کرنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔ اس لئے اس عموم کو کچھ مخصوص کرنا ہوگا اور جب عموم کا اعتبار ختم ہو گیا تو عام رواج کی وجہ سے صرف کھانے اور پینے کی چیزوں پر ہی اسے باقی رکھا جائے گا۔ کیونکہ ایسا کلمہ انہیں چیزوں میں مستعمل ہوتا ہے جو عادت کے طور پر استعمال کی جاتی ہوں۔ اور ایک مرد کے لئے اس کی اپنی بیوی کو استعمال کرنا بالکل حلال ہوتا ہے اس کے باوجود اس پر شامل نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس کی نیت کر لی ہو تب شامل ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے عورت کی نیت کر لی ہو تو یہ کلمہ ایلاء ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے کھانے اور پینے کی چیزوں سے اس کی قسم ختم نہیں ہوگی۔ یہ حکم ظاہر الروایۃ کے مطابق ہے۔ اور ہمارے مشائخ نے کہا ہے کہ اگر اس نے ہر حلال چیز اپنے اوپر حرام ہونے میں اپنی بیوی کی بھی نیت کر لی ہو تو بغیر نیت اسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ اس جملہ کا غالب استعمال اسی معنی میں ہو گیا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ اسی طرح اگر اس نے فارسی میں کہا حلال بروے حرام۔ یعنی حلال چیز اس پر حرام ہے۔ تو اس سے بھی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ عرف میں ایسا ہی ہے۔ اور اگر اس نے کہا ہرچہ بردست راست گیرم بروے حرام۔ یعنی جو کچھ داہنے ہاتھ میں لوں وہ مجھ پر حرام ہے۔ تو مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اس میں نیت کی شرط ہوگی یا نہیں۔ اور اظہر یہی ہے کہ نیت کے بغیر بھی طلاق کا حکم ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی عرف ہے۔

تشریح..... اگر کسی نے کل حل علی حرام کہا تو قیاس کا یہ تقاضا ہے کہ یہ الفاظ ختم ہوتے ہی سانس لینے یا معمولی حرکت کرنے سے ہی حث کا نفاذ ہو جائے کیونکہ یہ چیز کل حل میں داخل ہیں لیکن فقہاء نے استحسان کی راہ نکالی اسلئے کہ یمین کا اصل مقصود یہ ہے کہ اس کی تکمیل کی جائے تو اب عرف عام کی وجہ سے یہ کلمہ ان اشیاء کو شامل ہوگا جو عادتاً استعمال کی جائیں اور اگر اپنی زوجہ کی نیت کی تو ایلاء ہو جائے گا۔ یہ حکم ظاہر الروایۃ ہے لیکن مشائخ مختلف فرماتے ہیں کہ قائل نے اپنی بیوی کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو اس پر طلاق بائن واقع ہوگی۔

نذر مطلق، مانی اس کا پورا کرنا لازم ہے یہی حکم نذر معین کا ہے

وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ نَذَرَ وَسَمَى فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِمَا سَمَى وَإِنْ عُلِقَ النَّذْرُ بِشَرْطٍ فَوُجِدَ الشَّرْطُ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِنَفْسِ النَّذْرِ لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ وَلِأَنَّ الْمُعْلَقَ بِشَرْطٍ كَالْمُنَجَزِ عِنْدَهُ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ رَجَعَ عَنْهُ وَقَالَ إِذَا قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَلِي حَجَّةً أَوْ صَوْمَ سَنَةٍ أَوْ صَدَقَةً مَالٍ أَمْلَكُهُ أَجْزَأُ مِنْ ذَلِكَ كَفَّارَةُ يَمِينٍ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَيَخْرُجُ عَنِ الْعَهْدَةِ بِالْوَفَاءِ بِمَا سَمَى أَيْضًا وَهَذَا إِذَا كَانَ شَرْطًا لَا يُرِيدُ كَوْنَهُ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْيَمِينِ وَهُوَ الْمَنْعُ وَهُوَ بَظَاهِرِهِ نَذْرٌ فَيَتَخَيَّرُ وَيَمِيلُ إِلَى أَى الْجِهَتَيْنِ شَاءَ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ شَرْطًا يُرِيدُ كَوْنَهُ كَقَوْلِهِ إِنْ شَفَى اللَّهُ مَرِيضِي لَأَنْعِدَامِ مَعْنَى الْيَمِينِ فِيهِ وَهُوَ الْمَنْعُ وَهَذَا التَّفْصِيلُ هُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ..... اگر کسی نے نذر مطلق کی یعنی کسی قید و شرط کے بغیر تو اس پر اسے پورا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے نذر کی اور اس نذر کو بیان کر دیا تو جو کچھ بیان کیا اس کو ادا کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر نذر کو کسی شرط کے ساتھ معلق کیا یعنی مثلاً فلاں بیمار اچھا ہو جائے تو مجھ پر حج لازم ہے۔ پھر وہ شرط پائی گئی تو نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ حدیث کے مطلق ہونے میں یہ بھی داخل ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک شرطیہ نذر کرنا غیر شرطیہ نذر کرنے کے مانند ہے۔ اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس قول سے رجوع کر لیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اگر کسی نے اس طرح کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھ پر حج یا ایک سال کے روزے یا ایسے مال کا صدقہ جس کا میں مالک ہوں واجب ہے۔ تو اس میں قسم کا کفارہ دینا کافی ہوگا۔ اور امام محمد کا یہی قول ہے اور اگر وہی بات باجیز پوری کر دی جو بیان کی تھی یعنی حج یا روزہ وغیرہ تو قسم کے ذمہ سے بری ہو جائے گا۔ اور یہ بات اسی وقت ہوگی کہ جب یہ شرط ایسی ہو کہ جس کا ہونا اسے منظور نہ ہو۔ یعنی مثلاً اگر میں شراب پیوں حالانکہ وہ

شراب پینا نہ چاہتا ہو تو یہ قسم ہوگی۔ کیونکہ اس میں قسم کے معنی یعنی باز رہے کے پائے جا رہے ہیں۔ اگرچہ ظاہر لفظ کے اعتبار سے یہ نذر ہے۔ اس لئے اسے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر چاہے تو کفارہ دیدے۔ اور چاہے تو جو کچھ کہا ہے اسی کو پورا کرے۔ کیونکہ ایک اعتبار سے یہ قسم ہے۔ تو دوسرے اعتبار سے یہ نذر ہے۔ اس لئے اسے یہ اختیار ہے کہ جسے چاہے قبول کر لے اور اگر اس کے برخلاف ایسی شرط ہو کہ جس کا پایا جانا اسے پسند ہو مثلاً اگر یوں کہا کہ اگر اللہ میرے پیار کو شفا دے تو مجھ پر حج یا روزہ یا صدقہ لازم ہے۔ اس طرح کہنے سے یہ فقط نذر ہوگی۔ کیونکہ اس میں قسم کے معنی نہیں ہیں یعنی باز رہنا نہیں پایا جا رہا ہے۔ یہی تفصیل صحیح ہے۔

فائدہ یعنی اگر ایسی شرط ہو کہ جس کے ہونے کو وہ پسند کرتا ہو تو وہ فقط نذر ہوگی اور اگر ایسی شرط ہو کہ جس کے ہونے کو وہ پسند نہیں کرتا ہو تو اس میں باز رہنا پایا جاتا ہے۔ اس لئے اس میں ایک اعتبار سے نذر اور دوسرے اعتبار سے قسم ہے۔ لہذا اگر چاہے تو نذر ادا کر دے یا چاہے تو قسم کا کفارہ ادا کر دے۔ (تشریح وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ نَذَرَ وَسَمِعَ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِمَا سَمِعَ الخ اگر کسی نذر مطلق کی یعنی کسی قید و شرط کے بغیر تو اس پر اسے پورا کرنا واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جس شخص نے نذر کی اور بیان کر دی تو جو کچھ بیان کیا اسے پورا کرنا واجب ہے۔

فائدہ یہ حدیث غریب ہے۔ اگرچہ اس بارے میں حدیثیں بہت ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اس کا قرض ادا کرنا (کیا ضروری نہیں ہے) مسائل نے عرض کیا کہ ہاں (ضروری ہے) پھر آپ نے فرمایا کہ دین الہی ادا کرنے کا زیادہ مستحق ہے۔ یعنی قرض کی ادائیگی زیادہ واجب الاداء ہے۔ (رواہ البخاری)

✽ ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں یہ نذر کی تھی کہ ایک رات مسجد الحرام میں اعتکاف کروں گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی نذر پوری کر لو۔ بخاری اور مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

✽ ایک اور حدیث میں ہے کہ معصیت میں نذر کی وفا نہیں ہے۔ (مسلم)

✽ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے آ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے نذر کی تھی کہ آپ کی موجودگی میں دف بجاؤں گی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کر لو۔ ابو داؤد نے اس کی روایت کی ہے۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ دف بجانا ممنوع نہیں ہے۔ اس لئے نکاح وغیرہ میں دف سے اعلان کا حکم ہے۔

✽ اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی نیت کی تو وہ فرماں برداری کرے۔ اور جس نے نافرمانی کی نیت کی تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔ اس کی روایت بخاری نے کی ہے۔

و لا رجوع فی الیمین الخ اگر قسم کھانے کے فوراً بعد کلمہ استثناء انشاء اللہ کہہ دیا تو وہ حائث نہیں ہوگا۔ لیکن اسے ملا کر کہنا ضروری ہے۔ کیونکہ قسم سے فارغ ہو کر کہنا قسم سے رجوع ہے۔ حالانکہ اس سے رجوع جائز نہیں ہے۔

فائدہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کہ قسم کے بعد بھی استثناء جائز ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی گردن مارے (قتل کر ڈالے)۔ اس شخص نے یہ بات سن کر عرض کی کہ یا رسول اللہ فی سبیل اللہ تو آپ نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ۔ پھر وہ شخص جہاد میں شہید کیا گیا۔ رواہ مالک۔ اور جمہور کے نزدیک بعد کو استثناء کرنا جائز نہیں ہے۔

قسم کے متصل انشاء اللہ کہا حائث نہیں ہوگا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَقَالَ إِنَّ شَاءَ اللَّهِ مُتَّصِلًا بِيَمِينِهِ فَلَا حَنْثَ عَلَيْهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ حَلَفَ عَلَى

يَمِينٍ وَقَالَ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ فَقَدْ بَرَفِي يَمِينِي إِلَّا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْإِتِّصَالِ لِأَنَّهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ رُجُوعٌ وَلَا رُجُوعٌ فِي الْيَمِينِ

ترجمہ..... قدری نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی بات پر قسم کھائی۔ اور اس کے ساتھ ہی (فوراً بعد) انشاء اللہ بھی کہہ دیا تو وہ حانث نہ ہو گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی بات پر قسم کھائی اور کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تو وہ اپنی قسم میں سچا ہو گیا۔ اس کی روایت احمد و سنن اربعہ اور ابن حبان نے کی ہے۔ لیکن انشاء اللہ بھی ساتھ ساتھ کہنا ضروری ہے۔ کیونکہ قسم سے فارغ ہونے کے بعد کہنا قسم سے رجوع کرنا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ قسم سے رجوع کرنا ناجائز نہیں ہے۔

تشریح..... حکایت ہے کہ ہارون رشید نے امام ابو حنیفہؒ کو بلا کر کہا کہ آپ میرے دادا یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے انشاء اللہ کے مسئلہ میں کیوں اختلاف کرتے ہیں۔ تب امام اعظمؒ نے فرمایا کہ اے خلیفہ! میرے اختلاف سے ہی تمہاری خلافت باقی ہے۔ خلیفہ نے کہا وہ کیسے۔ آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے آپ سے بیعت کی ہے۔ ان کا جب جی چاہے گا انشاء اللہ کہہ کر آپ کی بیعت سے باہر آ جائیں گے۔ یسن کر خلیفہ نے متحیر ہو کر اس کی تصدیق کی۔

بَابُ الْيَمِينِ فِي الدُّخُولِ وَالسُّكْنَى

ترجمہ..... باب، گھر میں داخل ہونے اور اس میں رہائش اختیار کرنے کے بیان میں

قسم کھائی بیت میں داخل نہیں ہوں گا تو کعبہ مسجد یا بیعہ یا کلیسا میں داخل ہونے سے حانث نہیں ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا فَدَخَلَ الْكَعْبَةَ أَوِ الْمَسْجِدَ أَوِ الْبَيْعَةَ أَوِ الْكَنِيسَةَ لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّ الْبَيْتَ مَا عِدَّ لِلْبَيْتُوتَةِ وَ هَذِهِ الْبُقَاعُ مَا بَيِّنَتْ لَهَا وَ كَذَا إِذَا دَخَلَ دِهْلِيْزًا أَوْ ظُلَّةً بِأَبِ الدَّارِ لِمَا ذَكَرْنَا وَ الظُّلَّةُ مَا تَكُونُ عَلَى السِّجَّةِ وَقِيلَ إِذَا كَانَ الدِّهْلِيْزُ بِحَيْثُ لَوْ أُغْلِقَ الْبَابُ بَقِيَ دَاخِلًا وَهُوَ مُسَقَّفٌ يَحْنِثُ لِأَنَّهُ يَبَاتُ فِيهِ عَادَةً وَإِنْ دَخَلَ صُفَّةً حَنْثٌ لِأَنَّهَا تُبْنَى لِلْبَيْتُوتَةِ فِيهِ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ فَصَارَ كَالشُّتْوَى وَالصُّفِي وَقِيلَ هَذَا إِذَا كَانَتْ الصُّفَّةُ ذَاتَ حَوَائِطٍ أَرْبَعَةٍ وَ هَكَذَا كَانَتْ صِفًّا فَهُمْ وَقِيلَ الْجَوَابُ مَجْرَى عَلَى إِطْلَاقِهِ وَهُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ..... اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ بیت میں داخل نہیں ہوگا اس کے بعد وہ شخص کعبہ یا مسجد یا نصرانیوں کے گرجا یا یہودیوں کے کینہ میں داخل ہوا تو وہ حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ بیت اس گھر کو کہتے ہیں جو رات کو سونے کے لئے بنایا گیا ہو جب کہ یہ جگہیں سونے کی غرض سے نہیں بنائی جاتی ہیں۔

فائدہ..... بیت وہ جگہ ہے جس میں چہار دیواری، چھت اور دروازہ ہو اور وہ رات کو سونے کے لئے بنایا گیا ہو۔ اسی طرح اگر دہلیز میں داخل ہوا یا سائبان برآمدہ میں جو گھر کے دروازے پر ہوتا ہے تو بھی حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی سونے کی جگہ نہیں ہے۔ اور ظلہ (چھجا) جو گلی پر ہوتا ہے۔ اور بعضوں نے فرمایا ہے کہ اگر دہلیز ایسی ہو کہ جب اس کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ اندر رہ جائے اور اس پر چھت بنی ہوئی ہو تو وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسی ڈیوڑھی میں سونے کی عادت جاری ہے۔ اور اگر صفہ (چبوترا) میں داخل ہوا تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اکثر رات کے وقت سونے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ جیسے ایک صفہ گرمی کے دنوں کے لئے ہوتا ہے تو دوسرا سردی کے دنوں کے لئے ہوتا ہے۔ جسے صفہ سرمائی یا صفہ گرمائی کہتے ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ اس صفہ کے لئے چار دیواریں ہوں۔ اہل کوفہ کے صفے ایسے ہی ہوتے تھے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ ہر صورت میں یہی جواب ہوگا۔ اور قول صحیح یہی ہے۔

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۶۹ باب الیمین فی الدخول والسکنی
تشریح..... وَقِيلَ إِذَا كَانَ الدَّهْلِيُّ يَحْنُثُ..... النخ بعضوں نے کہا ہے کہ اگر دہلیزی ایسی ہو کہ جب اس کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ گھر کے
اندر داخل ہو جائے۔ اور اس پر چھت پڑی ہوئی ہو تو وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسی ڈیوڑھی میں سونے کی عادت جاری ہے۔

فائدہ..... قول صحیح یہی ہے کہ دہلیزی میں سونے کی عادت نہیں ہے خواہ دروازہ سے باہر ہو یا اندر ہو۔ البدائع۔ ھ۔ لیکن ہمارے علاقوں میں اکثر دہلیزی
پر بھی سو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے حانث ہونے پر ہی فتویٰ ہونا چاہئے۔ م۔ غلہ وہ ہے جو دروازہ پر بطور سائبان بنایا جاتا ہے۔ ذخیرہ اور مغرب میں
ایسا ہی مذکور ہے۔ اور مصنف نے جو اوپر ذکر کیا ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ گلی کے دو گھروں کی دیواروں پر دھنیاں (لکڑی وغیرہ) رکھ کر پاٹ دیتے
ہیں جسے یہاں چھتا کہا جاتا ہے۔

قسم کھائی گھر میں داخل نہیں ہوں گا ویرانہ میں داخل ہوا حانث نہیں ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ دَارًا فَدَخَلَ دَارًا خَرَبَةً لَمْ يَحْنُثْ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ فَلَدَخَلَهَا بَعْدَ مَا انْهَدَمَتْ
وَصَارَتْ صَخْرًا حَنْثٌ لِأَنَّ الدَّارَ اسْمٌ لِلْعَرَصَةِ عِنْدَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ يُقَالُ دَارٌ عَامِرَةٌ وَدَارٌ غَامِرَةٌ وَقَدْ شَهِدْتُ
أَشْعَارَ الْعَرَبِ بِذَلِكَ فَالْبِنَاءُ وَصَفٌ فِيهَا غَيْرَ أَنَّ الْوَصْفَ فِي الْحَاضِرِ لَغَوٌ وَفِي الْغَائِبِ مُعْتَبَرٌ

ترجمہ..... اور جس شخص نے اس بات کی قسم کھائی کہ دار میں داخل نہ ہوگا پھر وہ کھنڈر (بغیر عمارت) میں داخل ہوا تو وہ حانث نہ ہوگا اور اگر اس نے
کہا کہ میں اس دار میں داخل نہ ہوں گا پھر اس کی عمارت ٹوٹ پھوٹ جانے کے بعد اس کے میدان میں داخل ہوا تو بھی حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ
عرب و عجم ہر جگہ دار اس میدان و محن کا نام ہے جس پر عمارت بنائی جاتی ہے۔ چنانچہ عربی محاورہ میں بولتے ہیں دار عامر (بغیر نقطہ کے عین کے
ساتھ) (یعنی بنی ہوئی عمارت، و دار غامرہ (عین کے نقطہ کے ساتھ) (یعنی ویران، کھنڈر۔ اور عرب کے اشعار بھی اس بات پر شاہد ہیں) (یعنی اشعار
میں یہ الفاظ بہت مستعمل ہیں) لہذا لفظ دار کے لئے عمارت کا ہونا ایک وصف ہے۔ البتہ جس دار کی طرف اشارہ کیا گیا ہو اس میں اس وصف کے
پائے جانے کا اعتبار نہیں ہے۔ اور اگر دار آنکھوں کے سامنے نہ ہو تب یہ وصف معتبر ہے۔

تشریح..... کسی نے گھر میں نہ داخل ہونے کی قسم کھائی اب ایسے گھر میں داخل ہونے سے حانث نہ ہوگا جو کھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے اسلئے کہ کھنڈر
کو بیت نہیں کہتے البتہ اگر اس گھر کی عمارت ٹوٹ پھوٹ کے بعد میدان بن گئی اس میں داخل ہونے سے حانث ہوگا۔ اسلئے کہ عمارت کے محن پر
بھی دار کا طلاق ہوتا ہے عربی محاورے میں کہا جاتا ہے دار عامر و دار غامر اور اگر اشارہ کرتے ہوئے مخصوص دار کے بارے میں کہا کہ اس گھر میں
داخل نہ ہوں گا تو اب اگر وہ گھر سامنے ہے تو معین ہو جائے گا اور اس میں دخول سے حالف حانث ہو جائے گا اور اگر گھر سامنے موجود نہیں غائب
ہے تو یہ معین نہ ہوگا جس میں وصف معتبر نہ ہوگا اور اگر دار نکرہ استعمال کیا تو اس سے مراد ایسا گھر ہوگا جو وصف کی بنا پر مٹی ہو اسلئے کہ نکرہ کی پہچان
وصف سے ہوتی ہے اور اشارہ کرنے کی صورت میں وصف لغو ہوگا۔

قسم کھائی لا یدخل هذه الدار پھر وہ گھر ویران ہو گیا اور دوبارہ بنایا گیا پھر

داخل ہوا حانث ہو جائے گا

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ فَخَرَبَتْ ثُمَّ بُنِيََتْ أُخْرَى فَلَدَخَلَهَا يَحْنُثُ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْإِسْمَ بَاقٍ بَعْدَ
الْإِنْهَادِ وَإِنْ جُعِلَتْ مَسْجِدًا أَوْ حِمَامًا أَوْ بُنْتَانًا أَوْ بَيْتًا فَلَدَخَلَهُ لَمْ يَحْنُثْ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ دَارٌ إِلَّا غَيْرَاضٍ
اسْمٌ آخَرُ عَلَيْهِ وَكَذَا إِذَا دَخَلَهُ بَعْدَ انْهَادِ الْحِمَامِ وَأَشْبَاهِهِ لِأَنَّهُ لَا يَبْعُودُ اسْمُ الدَّارِ بِهِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ

باب الیمین فی الدخول والسکنی ۷۰ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
هَذَا الْبَيْتُ فَدَخَلَهُ بَعْدَهُ مَا انْهَدَمَ وَصَارَ صَخْرَاءَ لَمْ يَحْنَثْ لِزَوَالِ اسْمِ الْبَيْتِ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ فِيهِ حَتَّى
لَوْ بَقِيَ السَّقْفُ وَالسَّقْفُ يَحْنَثُ لِأَنَّهُ يُبَاتُ فِيهِ وَالسَّقْفُ وَصَفٌ فِيهِ وَكَذَا إِذَا بُنِيَ بَيْتًا آخَرَ
فَدَخَلَهُ لَمْ يَحْنَثْ لِأَنَّ الْإِسْمَ لَمْ يَبْقَ بَعْدَ الْإِنْهَادِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس دار میں داخل نہیں ہوں گا۔ اس کے بعد وہ بالکل ویران اور کھنڈر بن گیا۔ پھر اسے دوبارہ بنایا گیا
اس کے بعد یہ شخص اس میں داخل ہوا تو حائنٹ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مکان ٹوٹ پھوٹ جانے کے بعد بھی اس کے دار کا نام باقی
ہے (صرف وصف عمارت نہیں رہا) اور اگر ویران ہو جانے کے بعد وہ جگہ مسجد بنادی گئی یا غسل خانہ یا باغ یا کوئی کمرہ بنادیا گیا۔ پھر اس میں داخل ہوا
تو وہ حائنٹ نہیں ہوگا۔ اس لئے اب وہ حصہ دار نہیں رہا اس لئے اس کا نام بدل گیا ہے۔ اسی طرح اگر غسل خانہ، حمام وغیرہ منہدم ہو جانے کے بعد
اس میں داخل ہوا تو بھی حائنٹ نہیں ہوگا۔ کیونکہ حمام وغیرہ کے ویران اور ٹوٹ پھوٹ ہو جانے کے بعد اس پر دوبارہ دار کا نام نہیں آئے گا۔

فائدہ..... یعنی جبکہ وہ گھر ایک نام سے متعین اور مشہور ہو چکا ہے یعنی حمام۔ یا باغ مثلاً تو اس عمارت کے گرجانے کے بعد بھی اس پر اصلی نام یعنی دار کا
اطلاق نہ ہوگا۔ اور اس نام سے نہیں بولا جائے گا۔ اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ اس بیت میں داخل نہیں ہوگا تو پھر اس کے ویران اور میدان ہو جانے
کے بعد داخل ہونے سے حائنٹ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس پر سے بیت کا نام جاتا رہا ہے۔ کیونکہ اب اس میں رات کے وقت سویا نہیں جاتا ہے اور نہ کوئی سو
سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کی دیواریں باقی رہ گئی ہوں اور صرف چھت گری ہو تو بھی حائنٹ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں بھی کسی طرح رات بسر کر لی
جاتی ہے۔ اور چھت ہونا اس میں وصف ہے۔ اسی طرح اگر اسی جگہ پر دوسرا گھر بنایا گیا پھر اس میں داخل ہوا تو بھی حائنٹ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس پر اے
گھر کے ختم ہو جانے کے بعد اب اسی جگہ ایک نئے سبب سے نیا گھر بنا ہے۔ جبکہ اختلاف سبب سے اصل میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے۔

قسم کھائی کہ اس دار میں داخل نہیں ہوگا اس کی چھت پر پڑا رہا حائنٹ ہو جائے گا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ فَوَقَفَ عَلَى سَطْحِهَا حَتَّى لَا تَلْطِخَ مِنَ الدَّارِ الْآتِرَىٰ إِنَّ الْمُعْتَكِفَ
لَا يَفْسُدُ اغْتِكَافُهُ بِالْخُرُوجِ إِلَى سَطْحِ الْمَسْجِدِ وَقِيلَ فِي عُرْفِنَا لَا يَحْنَثُ قَالَ وَإِذَا دَخَلَ دَهْلِيْزَهَا يَحْنَثُ وَ
يَجِبُ أَنْ يَكُونَ عَلَى التَّفْصِيلِ الَّذِي تَقْدَّمَ وَإِنْ وَقَفَ فِي طَاقِ الْبَابِ بِحَيْثُ إِذَا أُغْلِقَ الْبَابُ كَانَ خَارِجًا لَمْ
يَحْنَثْ لِأَنَّ الْبَابَ لَا خَرَارَ الدَّارِ وَمَا فِيهَا فَلَمْ يَكُنِ الْخَارِجُ مِنَ الدَّارِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا کہ اگر کسی نے اس بات کی قسم کھائی کہ میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا۔ لیکن اس کی چھت پر کسی طرح کھڑا ہو گیا تو وہ
حائنٹ ہو گیا۔ کیونکہ گھر کی چھت بھی گھر میں داخل ہوتی ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ ایک اعتکاف کرنے والا اگر مسجد کے اندر سے نکل کر اس کی چھت پر
چڑھ جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ہمارے عرف و رواج میں حائنٹ نہیں ہوگا۔ اور اگر اس گھر کی دہلیز یعنی زیورچی میں
داخل ہوا تو حائنٹ ہو جائے گا۔ لیکن یہاں بھی وہی تفصیل ہونی چاہئے جو پہلے گزر چکی ہے (یعنی اگر اس کا دروازہ بند کر دینے سے وہ اندر کا حصہ ہو
جائے اور چھت موجود ہو تو وہ حائنٹ ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اندر کا حصہ نہ ہو سکے بلکہ باہر ہی رہ جائے تو حائنٹ نہ ہوگا) اور دروازے کے محرابی طاق
میں اس طرح کھڑا ہوا کہ اگر دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ باہر ہی رہ جائے تو حائنٹ نہیں ہوگا۔ کیونکہ دروازہ اسی لئے ہوتا ہے کہ گھر کو اس کے اسباب
سمیت محفوظ رکھا جاسکے۔ اس لئے جو حصہ اس سے باہر ہوگا وہ دار میں سے نہیں ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھاتے ہوئے کہا لا ادخل هذه الدار (میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا)۔ بعد ازاں وہ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۷۱ باب الیمین فی الدخول والسکنی
 باہر سے اس دار کی چھت پر کھڑا ہو گیا۔ تو حالف کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ چھت بھی گھر کا حصہ ہوتی ہے۔ متن میں مذکورہ صورت مسئلہ کو مسجد کی
 چھت پر قیاس کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر چھت مسجد کا حصہ نہ ہوتی تو مختلف مسجد کی چھت پر چڑھنا مفید اعتکاف کا سبب بنتا۔ چونکہ چھت
 مسجد کا حصہ ہوتی ہے، اسلئے مختلف کے اعتکاف میں فساد و نقص واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ دار چار دیواری اور اوپر (چھت) نیچے (فرش) پر مشتمل ہونے
 سے عبارت ہے۔ لہذا چھت دار کا حصہ قرار پائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حالف اگر باہر سے ”دار“ کی چھت پر کھڑا ہو گیا۔ تو اس پر حث نافذ ہو جائے
 گا۔ اور بعض حضرات (مثل فقیہ ابواللیث) کا قول ہے کہ ہمارے عرف (عجم کے عرف) میں باہر سے ”دار“ کی چھت پر چڑھتے ہوئے کھڑا ہونے
 سے حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ عجم کے عرف عام میں چھت کو ”دار“ کا حصہ شمار نہیں کیا جاتا۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ”دار“ کی چھت گرا دی جاتی ہے۔ پھر بھی اسے ”دار“ ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگر ”دار“ اور ”بیت“ کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھا
 جائے تو اہل لغت (عرب) کا اعتبار کرنا صحیح ہوگا۔ اسلئے کہ اہل عرب کے نزدیک ”ایک گھر“ کیلئے اس کے تمام لوازمات کا لحاظ رکھنا لازمی ہے۔ اور
 چھت بھی ”دار“ کیلئے لازمی حصہ ہے۔ اگر کوئی شخص ”دار“ کے باہر سے رسی کے ذریعے یا درخت کے ذریعے مکان (محلوف علیہ) پر چڑھ جائے تو
 متقدمین کے نزدیک حالف پر حث لازم ہوگا۔ اور متاخرین کے نزدیک حانث نہ ہوگا۔ لیکن عرب و عجم دونوں کے عرف عام کا تقاضا یہی ہے کہ ”دار“
 (جبکہ محلوف علیہ ہو) میں چھت کو شمار کرنا چاہئے۔ کیونکہ لفظ ”دار“ معنوی حیثیت کے اعتبار سے چھت کا اقتضاء کرتا ہے۔ لہذا چھت کو ”دار“ کا حصہ قرار
 دیا جانا چاہئے۔ اگر کسی شخص نے قسم کھاتے ہوئے یہ کہا کہ لا ادخل هذه الدار (میں اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا) درحالیہ وہ (حالف) اس
 گھر کی چوکھٹ پر ایسی جگہ پر کھڑا ہو گیا کہ وہ جگہ دروازہ بند کرنے کی صورت میں گھر سے باہر شاری ہوتی ہے تو حالف ایسی صورت میں حانث نہ ہوگا۔
 اگر وہ چوکھٹ دروازہ بند کرنے کی صورت میں گھر (دار) کے اندر شامل ہو تو حالف پر حث لازم ہوگا۔ کیونکہ مذکورہ مسئلہ کی پہلی صورت میں چوکھٹ
 دروازے سے باہر ہونے کی وجہ سے ”دار“ سے خارج متصور ہوگی۔ لہذا حالف پر حث لازم نہ ہوگا۔ اور دوسری صورت میں چوکھٹ دروازے کے اندر
 شمار ہے۔ اسلئے حالف پر حث لازم ہوگا۔ اس کے برعکس اگر حالف نے لا اخرج هذه الدار کہا۔ تو اس صورت کا حکم بدل جائے گا۔ یعنی
 دروازے سے چوکھٹ باہر ہونے کی صورت میں حانث ہوگا۔ اور چوکھٹ کے دروازے کے اندر ہونے کی صورت میں حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ مسئلہ
 مذکورہ کی برعکس صورت میں دروازے کی چوکھٹ باہر ہے۔ اس صورت میں حالف ”دار“ کے اندر ہی موجود ہے۔ اسلئے حالف کا ”دار“ سے خارج ثابت
 نہ ہوگا بخلاف لا ادخل هذه الدار کے کہ وہاں دروازے سے چوکھٹ کے باہر ہونے کی صورت میں خروج اور چوکھٹ کے اندر ہونے کی صورت
 میں دخول ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر حالف نے ”محلوف دار“ میں اپنا سر داخل کر دیا۔ یا ایک پاؤں داخل کر دیا۔ تو بھی حانث نہ ہوگا۔

قسم اٹھائی کہ اس دار میں داخل نہیں ہوگا اور وہ اس میں تھا بیٹھنے سے حانث نہیں ہوگا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ وَهُوَ فِيهَا لَمْ يَحْنَثْ بِالْفَعْوَدِ حَتَّى يَخْرُجَ ثُمَّ يَدْخُلُ اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ
 أَنَّ يَحْنَثُ لِأَنَّ الدَّوَامَ لَهُ حُكْمُ الْإِبْتِدَاءِ وَجَهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الدُّخُولَ لَا دَوَامَ لَهُ لِأَنَّهُ انْفِصَالٌ مِنَ الْخَارِجِ إِلَى
 الدَّخْلِ.

ترجمہ..... اور اگر اس بات کی قسم کھائی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوں گا حالانکہ وہ اسی میں موجود ہے تو جب تک وہ وہاں موجود رہے گا حانث نہ ہوگا
 البتہ وہاں سے نکل کر دوبارہ داخل ہونے سے استحسانا حانث ہو جائے گا کیونکہ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ وہاں رہنے ہوئے حالت میں ہی حانث ہو
 جائے۔ اس لئے کہ کسی کام میں مداومت اور لگے رہنے کو بھی ابتداء کرنے کے جیسا حکم ہوتا ہے۔ یعنی وہاں موجود رہنا بھی نئے طور پر جانے کے برابر
 ہوا۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ گھر میں داخل ہونا ایسا فعل نہیں ہے کہ وہ دیر پا ہو یا اس کے لئے پیشگی ہو۔ کیونکہ باہر سے اندر کی طرف آنے کو ہی

داخل ہونا کہتے ہیں جو کہ سیکنڈوں میں ہو جاتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے گھر میں داخل نہ ہونے کی قسم اس حال میں کھائی کہ وہ خود اس (مخلف علیہ) گھر میں موجود ہے تو وہ (حالف) اس وقت تک حائث نہ ہوگا۔ جب تک وہ اس (مخلف علیہ) گھر سے نکل کر دوبارہ داخل نہ ہو۔ جبکہ قیاس مقتضی ہے کہ قعود کا تسلسل لزوم حث کو ثابت کرے۔ لیکن اقتضائے احسان کے پیش نظر حالف کا قعود خروج کے بعد دوبارہ دخول سے مشروط کر دیا گیا۔ تاکہ قیاس کے اقتضاء سے قطع نظر کرتے ہوئے احسان کا تقاضی پورا ہو جائے۔ کیونکہ قعود کا تسلسل دوام (پیوستگی) پر مبنی ہے اور دوام ابتداء کرنے کے حکم پر مشتمل ہے۔ یعنی مسلسل قعود ایسے ہے۔ گویا کہ از سر نو جانا ہوا۔ جبکہ از سر نو جانا ہی درحقیقت ابتداء کا حکم ہے۔ چونکہ یمین میں اصولی امر یہ ہے کہ اس (یمین) کا انعقاد اس وقت ہوتا ہے جب یمین میں حث کا وقوع متصور ہو۔ مذکورہ صورت میں یمین کا انعقاد اس وقت ہوگا جب دخول واقع ہو۔ قعود کی صورت میں دخول نہیں۔ جبکہ حث کیلئے دخول شرط ہے۔ اور شرط کا قیام مشروط (جزا) کے قیام پر موقوف ہے۔ قعود میں شرط (دخول) اور مشروط (حث) کا وجود نہیں پایا جاتا۔ لہذا مسلسل قعود میں از سر نو جانا ہی دراصل ”ابتداء“ کے حکم پر مبنی ہے۔ احسان کی وجہ یہ ہے کہ دخول وہ فعل نہیں جو دوام کا مقتضی ہو۔ اسلئے کہ قسم کھانے کے بعد گھر سے باہر نکل کر پھر داخل ہونے سے حث مستلزم ہوگا۔ اور یہ امر آن واحد میں بھی ہو جاتا ہے۔ اس کیلئے دوام ضروری نہیں اور قعود کیلئے دوام لازمی ہے۔

کلام کا حاصل یہ ہے کہ قعود کا مقتضی دوام ہے اور دخول کا تقاضی آن واحد میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس کیلئے دوام ضروری نہیں۔ چنانچہ از روئے احسان قسم کھانے کے بعد (پہلے سے موجود) حالف کے خروج تک حث کو مانع قرار دیا گیا۔ بعد از خروج ”دخول“ حکم میں ابتداء کے ہوگا۔ جو کہ آن واحد میں واقع ہو کر یمین ٹوٹنے کا سبب ہوتا ہے۔

قسم کھائی یہ کپڑا نہیں پہنے گا حالانکہ اس نے پہنا ہوا تھا فی الحال اتار دیا حائث نہیں ہوگا

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَلْبَسُ هَذَا الثَّوْبَ وَهُوَ لَا يَسْهُ فَنَزَعَهُ فِي الْحَالِ لَمْ يَحْثُ وَكَذَا إِذَا حَلَفَ لَا يَرْكُبَ هَذِهِ الدَّابَّةَ وَهُوَ رَاكِبُهَا فَنَزَلَ مِنْ سَاعَتِهِ لَمْ يَحْثُ أَوْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هَذِهِ الدَّارَ وَهُوَ سَاكِنُهَا فَآخَذَ فِي النُّقْلَةِ مِنْ سَاعَتِهِ وَقَالَ زُفْرِي يَحْثُ لَوْ جُودَ الشَّرْطُ وَإِنْ قَلَّ وَلَنَا أَنَّ الْيَمِينَ تَعَقَّدُ لِلْبَرِّ فَيَسْتَشْنِي مِنْهُ زَمَانٌ تَحْقِيقُهُ فَإِنْ لَبَسَ عَلَى حَالِهِ سَاعَةً حَيْثُ لَا هَذِهِ إِلَّا فَاعِيلٌ لَهَا دَوَامٌ بِحُدُوثِ أَمْثَالِهَا لَا يَرَى أَنَّهُ يُضْرَبُ لَهَا مُدَّةٌ يُقَالُ رَكِبْتُ يَوْمًا وَلَبَسْتُ يَوْمًا بِخِلَافِ الدُّخُولِ لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ دَخَلْتُ يَوْمًا بِمَعْنَى الْمُدَّةِ وَالتَّوَقُّفِ وَلَوْ نَوَى الْإِبْتِدَاءَ الْخَالِصَ يُصَدَّقُ لِأَنَّهُ مُحْتَمِلٌ كَلَامُهُ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس کپڑے کو نہیں پہنوں گا حالانکہ وہ اسے پہنے ہوئے ہے۔ لیکن فوراً ہی یعنی جتنی دیر میں اتار سکتا تھا اسے اتار دیا تو وہ حائث نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم کھائی کہ اس جانور پر سوار نہیں ہوں گا حالانکہ وہ اس پر سوار ہے پھر اسی وقت اتر پڑا تو حائث نہیں ہوگا۔ یا یہ قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہوں گا حالانکہ اسی میں رہتا ہے پھر اسی وقت گھر کا سامان منتقل کرنے میں لگ گیا تو حائث نہیں ہوگا۔ اور امام زفرؒ نے کہا ہے کہ وہ حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ شرط پائی گئی ہے اگرچہ تھوڑی دیر ہی ہو۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قسم تو اس لئے کھائی جاتی ہے کہ وہ پوری کی جائے۔ اس لئے اسے پوری کرنے کے لئے اتنی دیر کا وقفہ مستثنیٰ ہوگا۔ اور اگر تھوڑی دیر اسی حالت پر رہا تو حائث ہو جائے گا۔ یعنی اگر قسم کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر کپڑے پہنے رہا یا اس جانور پر سوار رہا یا اس میں رہ گیا تو حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ کام ایسے ہیں کہ برابر اور دیر پارہتے ہیں کیونکہ ہر ساعت اس کے مثل پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ ان کاموں کے لئے وقت متعین کیا جاتا ہے۔ چنانچہ لوگ بولتے ہیں کہ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم ۴۳ باب الیمین فی الدخول والسکون
میں دن بھر سوار رہا اور دن بھر پہنے رہا۔ بخلاف داخل ہونے کے چنانچہ یہ نہیں بولتے ہیں کہ میں دن بھر داخل ہوتا رہا۔ ہاں اگر اس نے یہی نیت کی ہو کہ خالص ابتداء (ازسرنو) نہیں کروں گا تو اس کی تصدیق ہوگی۔ کیونکہ اس کے کلام کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ (اسی طرح اگر یہ نیت کی کہ میں اس کپڑے کو اتار کر دوبارہ نہیں پہنوں گا۔ یا جب اس سواری سے اتروں گا تو پھر سوار نہیں ہوں گا۔ تو اس کی تصدیق کی جائے گی)۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں یہ کپڑا نہیں پہنوں گا۔ حالانکہ اس نے وہ کپڑا پہنا ہوا ہے۔ اس نے فوراً اتار کر پھر پہن لیا تو حائث نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر حالف نے یہ قسم کھائی کہ میں اس جانور پر سواری نہیں کروں گا۔ دراصل ایک وہ (حالف) اسی سواری پر سوار ہے۔ چنانچہ سواری سے اترے ہی فوراً پھر سوار ہو گیا۔ تو بھی حائث نہ ہوگا۔ ایسے ہی اگر یہ قسم کھائی کہ میں اس گھر میں رہائش نہیں کروں گا۔ اس حال میں کہ وہ اسی گھر میں رہائش پذیر ہے۔ چنانچہ حالف نے قسم کھاتے ہی مال و اسباب اٹھانا شروع کر دیا تو بھی وہ (حالف) حائث نہ ہوگا۔ کیونکہ یمین کا انعقاد اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس (یمین) کی تکمیل کی جائے۔ چنانچہ وہ ساعت یا وقت مستثنیٰ ہوگا۔ جو بوقت یمین متحقق و ثابت ہے۔ اسلئے کہ تکمیل یمین کیلئے مقدار وقت کے بقدر مہلت دینا لازمی امر ہے۔ بصورت دیگر تکلیف مالا یطاق لازم آئے گا۔ چنانچہ کپڑا پہننے اور جانور پر سوار نہ ہونے کی قسم کے موقع پر تکمیل یمین کیلئے ساعت یا وقت کے وہ لحاظ مستثنیٰ کرنے ہوں گے جو یمین حلف کے وقت گزر رہے ہوتے ہیں۔ تاکہ حالف تکلیف مالا یطاق کی کیفیت سے دوچار نہ ہونے پائے۔ یہی حالت اس قسم کی ہے جو گھر میں سکونت نہ کرنے پر مبنی ہے۔ چونکہ حالف یمین حلف کے وقت مخلوف علیہ (گھر) میں رہائش رکھتا تھا۔ اس صورت میں حالف کو چاہئے کہ وہ فی الفور اپنا سامان وغیرہ سمیٹ کر اس مخلوفہ (گھر) سے نکل جائے۔ تاکہ وقت کی مقدار پر مشتمل مہلت سے انتفاع حاصل ہو سکے۔ کیونکہ تکمیل یمین مخلوفہ مکان میں سکونت نہ کرنے کی صورت میں ممکن ہے۔ حلف کیے گئے مکان میں سکونت عام ہے۔ یعنی اگر وہ سکونت ٹھہرنے، بیٹھنے، لیٹنے یا کھڑا ہونے کی صورت میں ہو تو سکونت ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ سکونت سے مراد مکان میں رہنا ہے۔ خواہ وہ (رہنا) کسی بھی صورت میں ہو۔ اسلئے مذکورہ صورت میں فی الفور سامان اٹھا کر مخلوفہ مکان سے نکل جانے کی تاکید کی گئی ہے۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک کیل بھی رہ گیا تو حالف پر حث کا تحقق ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر حالف نے مخلوفہ مکان سے اپنے مال و اسباب کا اکثر حصہ اٹھا لیا تو حائث نہ ہوگا۔ امام محمد کا قول ہے کہ اگر حالف مخلوفہ مکان سے اتنا مال و اسباب نکال کر لے گیا کہ اس سے امور خانہ داری و ازدواجی اور معاشی ضروریات کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ تو حائث نہ ہوگا۔ لیکن امام زفر حالف کو تکمیل یمین کیلئے مہلت اور استثناء کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک حلف کے بعد کپڑے کا لبس (پہننا) اور سواری کا رقب (سوار ہونا) مخلوفہ (قسم کھائے گئے) مکان میں سکونت کا وجود تھوڑی دیر کیلئے ہی پایا گیا ہے۔ امام زفر کے نزدیک شرط کی موجودگی ہے (خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو) چنانچہ مہلت و استثناء ضروری نہیں۔ لیکن احناف کے نزدیک تکمیل یمین کے حوالے سے امام زفر کا قول محل نظر ہے۔ اگر حالف کو مہلت اور وقت کا استثناء سے محروم کر دیا جائے تو یمین کی مشروعیت باقی نہیں رہے گی۔ یعنی تکمیل یمین ناممکن ہوگی۔ جو کہ تکلیف مالا یطاق کا باعث ہی نہیں بلکہ تکمیل یمین کیلئے مانع بھی ہوگا۔ چنانچہ ان صورتوں میں معمولی سا توقف حث کا سبب ہوگا۔ کیونکہ کپڑا پہننے کی قسم کیلئے ”نزع“ سواری نہ کرنے کی یمین کیلئے ”نزل“ اور سکونت نہ کرنے کے حلف کیلئے ”نقلہ“ کے الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں۔ جو ادائی سے توقف پر التزام حث کا تقاضی کرتے ہیں۔ چونکہ لبس، رقب اور مکث ایسے افعال ہیں جو دوام کے مقتضی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ لبس، رقب اور سکونت ایسے افعال ہیں جو دوام و مدت اور وقت کے تقرر کے مقتضی ہیں۔ جبکہ دخول و خروج میں دوام نہیں۔ چونکہ حالف کے کلام میں خالص ابتداء کی عدمیت کا احتمال بھی ہے۔ اسلئے اس کی نیت معلوم کرنے کیلئے تصدیق کی جائے گی۔ اگر اس کی نیت ازسرنو ابتداء نہ کرنے کی ہو تو حالف کے کلام کو اسی پر محمول کیا جائے گا۔ ورنہ مہلت اور استثناء زمانہ کی صورت رائج ہوگی۔ بصورت دیگر تکلیف مالا یطاق لازم آئے گی

باب ما يكون يمينا و ما لا يكون يمينا ۷۴ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم
جو سر اسر باطل امر ہے۔ وقت کی مہلت اور استثناء کی عدمیت کی صورت میں حالف کی نیت معلوم کرنے کی غرض سے تصدیق لازمی ہوگی۔ دخول اور
خروج کے وقت مہلت اور استثناء کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان افعال (دخول و خروج) میں دوام نہیں۔ اور نہ ہی ان سے وقت و مدت کا تقرر حاصل ہوتا
ہے۔ چنانچہ حالف جو نبی مخلوف علیہ مکان میں داخل ہو گا یا خارج ہو گا حث کا مرتکب ہو جائے گا۔ اسلئے کہ یمین کی مشروعیت تکمیل یمین ہے۔ شرط و
انقضاء یمین نہیں۔ جیسا کہ امام زہریؒ کے قول سے واضح ہوتا ہے۔ جبکہ احناف کا استدلال امام زہریؒ کے مسئلہ سے زیادہ قوی و ارجح ہے۔

قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہوں گا خود نکل گیا اور ساز و سامان اس کے اہل و عیال اسی
میں ہیں اور لوٹنے کا ارادہ بھی نہیں ہے حانث ہو جائے گا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هَذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَتَاعِهِ وَاهْلُهُ فِيهَا وَلَمْ يُدِرْ الرُّجُوعَ إِلَيْهَا حَيْثُ لَأَنَّهُ يُعَدُّ
سَاكِنًا بِبَقَاءِ أَهْلِهِ وَمَتَاعِهِ فِيهَا عُرْفًا فَإِنَّ السُّوْقَى عَامَّةً نَهَارِهِ فِي السُّوقِ وَيَقُولُ أَسْكُنُ سِغَّةً كَذَا أَوِ الْبَيْتِ
وَالْمُحَلَّةَ بِمَنْزِلَةِ الدَّارِ

ترجمہ..... قدرتی نے کہا اور جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں اب اس گھر میں نہیں رہوں گا پھر وہ خود نکل گیا مگر اس کا سامان اور اس کے متعلقین
(بال بچے) اسی گھر میں رہ گئے۔ ساتھ ہی اس گھر میں اس کے واپس آنے کا ارادہ بھی نہیں ہے پھر بھی وہ حانث ہو گیا۔ کیونکہ اس مکان میں اس
کے بال بچے و اسباب ہونے سے عرف میں اسی گھر کا باشندہ کہلائے گا۔ جیسا کہ ایک بازاری آدمی (دکاندار مثلاً) دن بھر بازار میں رہتا ہے لیکن وہ
پوچھنے پر کہتا ہے کہ میں فلاں گلی اور فلاں گھر میں رہتا ہوں۔ بیت اور محلہ کا حکم دار کے حکم کے جیسا ہے۔

قسم کھائی اس شہر میں نہیں رہوں گا تو بچے اور سامان منتقل کرنے پر موقوف نہیں

وَلَوْ كَانَ الْيَمِينُ عَلَى الْمَصْرِ لَا يَتَوَقَّفُ الْبَرُّ عَلَى نَقْلِ الْمَتَاعِ وَالْأَهْلِ فِي مَارُوِي عَنْ أَبِي يُوسُفَ لَأَنَّهُ لَا يُعَدُّ
سَاكِنًا فِي الدِّيَارِ إِنْ تَقَلَّ عَنْهُ عُرْفًا بِخِلَافِ الْأَوَّلِ وَالْقَرْيَةِ بِمَنْزِلَةِ الْمَصْرِ فِي الصَّحِيحِ مِنَ الْجَوَابِ ثُمَّ قَالَ
أَبُو حَنِيفَةَ لَا بُدَّ مِنْ نَقْلِ كُلِّ الْمَتَاعِ حَتَّى لَوْ بَقِيَ وَتَدَيَحْنُ لَأَنَّ السُّكْنَى قَدْ ثَبَتَ بِالْكُلِّ فَيَبْقَى مَا بَقِيَ شَيْءٌ مِنْهُ
وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُعْتَبَرُ نَقْلُ الْأَكْثَرِ لِأَنَّ نَقْلَ الْكُلِّ قَدْ يَتَعَدَّرُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُعْتَبَرُ نَقْلُ مَا يَقُومُ بِهِ كَذَا خَذَا نِيَّتِهِ لِأَنَّ
مَا وَرَاءَ ذَلِكَ لَيْسَ مِنَ السُّكْنَى قَالُوا هَذَا أَحْسَنُ وَارْفَقُ بِالنَّاسِ وَيَنْبَغِي أَنْ يُنْقَلِ إِلَى مَنْزِلٍ آخَرَ بَلَا
تَأْخِيرٍ حَتَّى يَسْرِفَ إِنْ اتَّقَلَ إِلَى السِّغَّةِ أَوْ إِلَى الْمَسْجِدِ قَالُوا لَا يَبْرُدُ لَيْلُهُ فِي الزِّيَادَاتِ أَنَّ مَنْ خَرَجَ بِعِيَالِهِ مِنْ
مِصْرِهِ فَمَا لَمْ يَتَّخِذْ وَطْناً آخَرَ يَبْقَى وَطْناً الْأَوَّلَ فِي حَقِّ الصَّلَاةِ كَذَا هَذَا.

ترجمہ..... اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں اس شہر میں نہیں رہوں گا تو قسم میں سچا ہونا بال بچے اور اسباب کو منتقل کرنے پر موقوف نہیں ہے۔ جیسا کہ امام
ابو یوسفؒ سے مروی ہے۔ کیونکہ جس شہر سے منتقل ہو گیا ہے۔ عرف میں اس شہر کا باشندہ نہیں کہلاتا ہے۔ بخلاف پہلی صورت کے اور صحیح قول کے
مطابق گاؤں کا حکم شہر کے حکم کے جیسا ہے۔ پھر امام اعظمؒ نے فرمایا ہے کہ قسم میں سچا ہونے کے لئے گھر کے ایک ایک سامان کا منتقل کر لینا ضروری
ہے۔ یہاں تک کہ اگر شیخ (کیل) بھی گھر میں رہے گا تو وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ گھر میں رہائش پورے اسباب سے ثابت ہوتی تھی۔ تو جب تک
اس اسباب میں سے کچھ بھی وہاں باقی رہے گا وہاں کی رہائش باقی سمجھی جائے گی۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ اکثر سامان منتقل کر لینا ہی کافی

ہے۔ کیونکہ کبھی تو پورے سامان کو منتقل کر لینا ناممکن ہو جاتا ہے (اسی پر فتویٰ ہے۔ جیسا کہ کافی میں ہے) اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ جتنے سامان کے منتقل کر لینے سے خانہ داری کا انتظام پورا ہو سکتا ہے۔ اسی کو منتقل کر لینا کافی ہوگا۔ کیونکہ سکونت کے لئے اس سے زیادہ سامان کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ قول بہت خوب اور لوگوں کے عملی طور پر زیادہ آسان ہے۔ واضح ہو کہ ایسے شخص کے لئے یہ لازم ہوگا کہ وہ قسم کے فورا بعد بلا تاخیر اپنا سامان دوسرے مکان میں منتقل کرنا شروع کر دے تاکہ وہ اپنی قسم میں سچا ہو۔ اور اگر اس نے اپنا سامان گھر سے نکال کر گلی کوچہ میں یا مسجد میں منتقل کیا تو بھی قسم میں سچانہ ہوگا۔ زیادات میں اس کی دلیل مروی ہے کہ وہ شخص جو اپنے بال بچوں کو لے کر دوسرے شہر میں گیا تو نماز کے معاملہ میں (مقیم اور مسافر کے سلسلہ میں) پہلا وطن باقی رہے گا۔ جب تک کہ دوسرے کو وطن نہ بنالے ایسا ہی یہاں بھی ہے۔

تشریح فی الزیادات اَنَّ مَنْ خَرَجَ اِذَا رَکْعَ اس کی قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہیں رہوں گا۔ تو اس پر یہ لازم ہے کہ فورا بلا تاخیر کے اپنا سامان دوسرے مکان میں منتقل کرنا شروع کر دے تاکہ اس کی قسم پوری ہو۔ اور اگر اس نے اپنے اسباب کو گلی کوچہ یا مسجد میں منتقل کیا تو اس کی قسم پوری نہ ہوگی اور اپنی قسم میں سچانہ ہوگا۔ زیادات میں اس کی دلیل یہ دی ہے کہ جو شخص اپنے متعلقین (بال بچوں) کو لے کر دوسرے شہر چلا گیا تو نماز کے بارے میں اس کا پہلا وطن باقی رہے گا۔ جب تک کہ وہ دوسرے کو اپنا وطن نہ بنالے۔ پس اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ ف یعنی اپنے پہلے گھر سے منتقل ہو کر دوسرے گھر کو اپنا رہائشی گھر نہ بنالے تب تک اس کا پہلا گھر ہی اس کا مسکن رہے گا۔ کیونکہ گلی کوچہ یا مسجد کسی کے لئے بھی مستقل مسکن نہیں ہو سکتی ہے۔

مسائل

نمبر ۱ کسی نے قسم کھائی کہ اس مسجد میں نہیں جاؤں گا۔ بعد میں جبکہ وہ مسجد گرا کر دوبارہ بنائی گئی اور اس میں داخل ہوا تو وہ حائث ہو گیا۔
نمبر ۲ اور اگر وہ ٹوٹ پھوٹ گئی اور اسے کسی نے گھر بنالیا۔ پھر اسے بھی توڑ کر دوبارہ مسجد بنائی گئی تو اس میں داخل ہونے سے حائث نہیں ہوگا۔
نمبر ۳ اور اگر اصلی مسجد میں کچھ حصہ اور بڑھایا گیا پھر اس حصہ میں وہ داخل ہوا تو حائث نہیں ہوگا۔
نمبر ۴ اور اگر یہ قسم کھائی کہ مسجد میں نہیں جاؤں گا۔ پھر کسی طرح اس کی چھت پر چلا گیا تو وہ حائث نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ عجمی یعنی وہ غیر عربی ہو۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

نمبر ۵ کسی نے قسم کھائی کہ میں اس گھر میں نہیں جاؤں گا۔ پھر وہ سوار ہو کر یا پیدل یا اس کے کہنے سے اسے کوئی اٹھا کر لے گیا تو وہ حائث ہو جائے گا۔
نمبر ۶ اور اگر وہ گھوڑے پر سوار تھا کہ اچانک گھوڑا بدک کر اس کے روکتے رہنے کے باوجود اسے اس گھر میں لے گیا تو حائث نہ ہوگا۔
نمبر ۷ اور اگر کوئی دوسرا شخص اس کو اس کے حکم کے بغیر اٹھا کر لے گیا تو بھی حائث نہ ہوگا۔ خواہ دل سے راضی ہو یا راضی نہ ہو۔ خواہ روک سکتا ہو یا نہیں۔ عامہ مشائخ کا یہی قول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

نمبر ۸ اور اگر صرف ایک پاؤں اندر داخل کیا تو حائث نہ ہوگا۔ یہی صحیح ہے۔
نمبر ۹ اور اگر پھسل کر کچھ گھر میں گر پڑا یا ہوائے جھونکے نے اسے اندر گرا دیا صحیح یہ ہے کہ حائث نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی اسے زبردستی لے گیا پھر نکل آیا۔ پھر اپنے اختیار سے اندر گیا تو فتویٰ یہ ہے کہ حائث ہو جائے گا۔

نمبر ۱۰ قسم کھائی کہ اس بیت میں داخل نہ ہوں گا۔ اور اس کی کچھ نیت نہیں ہے پھر وہ اس احاطہ کے اندر آیا جس میں یہ بیت واقع ہے تو حائث نہ ہوگا۔
مشائخ نے کہا ہے کہ وہ عرب کے محاورہ کے مطابق ہے۔ یعنی ان کے محاورہ میں بیت ایک کمرہ ہے۔ اور جس میں کئی کمرے ہوں وہ منزل ہے اور جس میں کئی منزلیں ہوں وہ دار ہے۔ مگر ہمارے عرف میں دار و منزل و بیت سب کو گھر ہی کہتے ہیں۔ اس لیے وہ صحن میں جانے سے حائث ہو جائے گا۔ اور اس پر فتویٰ ہے۔ یہی معنی فتح القدیر وغیرہ فقہی کتابوں میں مذکور ہے۔

بَابُ الْيَمِينِ فِي الْخُرُوجِ وَالْإِتْيَانِ وَالرُّكُوبِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

ترجمہ..... باب، گھر سے نکلنے، آنے اور سوار ہونے وغیرہ کی قسموں کا بیان

قسم کھائی کہ مسجد سے نہیں نکلے گا پھر ایک آدمی کو حکم دیا اس نے اٹھا کر باہر کر دیا
حانث ہو جائے گا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَمَرَ إِنْسَانًا فَحَمَلَهُ فَأَخْرَجَهُ حَيْثُ لَأَن فِعْلَ الْمَأْمُورِ مُضَافٌ إِلَى الْأَمْرِ
فَصَارَ كَمَا إِذَا رَكِبَ دَابَّةً فَخَرَجَتْ وَلَوْ أَخْرَجَهُ مُكْرَهًا لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّ الْفِعْلَ لَمْ يَنْتَقِلْ إِلَيْهِ لِعَدَمِ الْأَمْرِ وَلَوْ حَمَلَهُ
بِرِضَاهُ لَا بِأَمْرِهِ لَا يَحْنِثُ فِي الصَّحِيحِ لِأَنَّ الْإِنْتِقَالَ بِالْأَمْرِ لَا بِمُجَرَّدِ الرِّضَاءِ

ترجمہ..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا ہے۔ کہ اگر کسی شخص نے اس بات کی قسم کھائی کہ میں مسجد سے باہر نہیں جاؤں گا۔ پھر اس نے دوسرے شخص سے کہا اور اس نے اس شخص کو اٹھا کر مسجد سے باہر کر دیا تو یہ حانث ہو گیا۔ کیونکہ جسے حکم دیا گیا ہے۔ اس کا فعل حکم دینے والے کی طرف منسوب ہوا اس لئے ایسا ہو گیا کہ جیسے وہ گھوڑے وغیرہ پر سوار ہوا اور وہ جانور باہر نکل گیا اب اگر کوئی شخص اسے زبردستی باہر میں اٹھا کر باہر لے گیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ اس کا یہ فعل اس کی طرف منسوب نہیں ہوا اس لئے کہ اس نے قسم نہیں دیا ہے۔ اور اگر دوسرا شخص اسے اس کے حکم کے بغیر مگر اس کی رضامندی سے اٹھا کر لے گیا تو بھی صحیح قول میں حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ صرف رضامندی سے حکم کے بغیر دوسرے کی طرف فعل منتقل نہیں ہوتا ہے۔

قسم کھائی کہ اپنے گھر سے جنازے کے علاوہ کیلئے نہیں نکلے گا پھر جنازہ

کیلئے نکلا پھر دوسرا کام بھی کر لیا حانث نہیں ہوگا

قَالَ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَخْرُجُ مِنْ دَارِهِ إِلَّا إِلَى جَنَازَةٍ فَخَرَجَ إِلَيْهَا ثُمَّ أَتَى حَاجَةً أُخْرَى لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّ الْمَوْجُودَ
خُرُوجَ مُسْتَثْنَى وَالْمُضَى بَعْدَ ذَلِكَ لَيْسَ بِخُرُوجٍ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَخْرُجُ إِلَى مَكَّةَ فَخَرَجَ يُرِيدُهَا ثُمَّ رَجَعَ حَيْثُ
لِوُجُودِ الْخُرُوجِ عَلَى قَصْدِ مَكَّةَ وَهُوَ الشَّرْطُ إِذَا الْخُرُوجُ هُوَ الْإِنْفِصَالُ مِنَ الدَّخْلِ إِلَى الْخَارِجِ وَلَوْ حَلَفَ
لَا يَأْتِيهَا لَمْ يَحْنِثْ حَتَّى يَدْخُلَهَا لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْوُصُولِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَاتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا لَهُ وَلَوْ حَلَفَ لَا
يَذْهَبُ إِلَيْهَا قِيلَ هُوَ كَالْإِتْيَانِ وَقِيلَ كَالْخُرُوجِ وَهُوَ الْأَصَحُّ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الزَّوَالِ

ترجمہ..... اور امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ اپنے گھر سے جنازہ میں شرکت کے علاوہ کسی اور کام کے لئے نہیں نکلوں گا۔ اس کے بعد وہ جنازہ میں شرکت کے لئے نکلا پھر کسی دوسرے کام میں بھی چلا گیا تو وہ حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا نکلنا تو صرف اس کام کے لئے ہوا جس کو اس نے مستثنیٰ کیا تھا اس کے بعد اس کا کہیں جانا گھر سے نکلنا نہیں سمجھا جائے گا اور اگر قسم کھائی کہ مکہ کی طرف نہیں جاؤں گا۔ پھر وہاں جانے کے ارادہ سے نکل کر چلا مگر لوٹ آیا تو حانث ہو گیا کیونکہ مکہ میں جانے کے ارادہ سے نکلنا پایا گیا۔ اور یہی ایک شرط تھی اس لئے کہ اندر کی طرف سے باہر کی طرف جدا ہونے کو بھی باہر جانا کہا جاتا ہے۔ اور اگر قسم کھائی کہ میں مکہ میں نہیں آؤں گا تو جب تک کہ وہ مکہ میں داخل نہ ہو جائے وہ حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ مکہ میں آنے کے معنی وہاں پہنچ جانے کے ہیں۔ جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے فَاتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا لَهُ يَعْنِي اے موسیٰ ہارون

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۷۷ باب الیمین فی الخروج والایمان والکوب وغیر ذلک کے ساتھ مل کر دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس سے کہو۔ الایۃ اور اگر قسم کھائی کہ میں مکہ میں نہیں جاؤں گا۔ تو بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا حکم بھی آنے کے جیسا ہے۔ یعنی جب تک داخل نہ ہو جائے حانث نہ ہوگا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ اس کا حکم نکلنے کے جیسا ہے۔ یعنی مکہ کی طرف نکلنے سے ہی حانث ہو جائے گا۔ اور یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ جانے کے معنی اپنی جگہ سے ملنا ہے۔

قسم کھائی کہ بصرہ ضرور بضرور آؤں گا پھر نہ آیا یہاں تک کہ فوت ہو گیا تو اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حانث ہو جائے گا

قَالَ وَإِنْ حَلَفَ لِثَانِيَنِ الْبَصْرَةِ فَلَمْ يَأْتِهَا حَتَّى مَاتَ حِينَ فِيْ أَخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ لِأَنَّ الْبَرَقْلَ ذَلِكَ مَرْجُوٌّ وَلَوْ حَلَفَ لِثَانِيَنِ عَدَا إِنْ اسْتَطَاعَ فَهَذَا عَلَى اسْتِطَاعَةِ الصَّحَّةِ دُونَ الْقُدْرَةِ وَقَسْرَةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَقَالَ إِذَا لَمْ يَمْرُضْ وَلَمْ يَمْنَعَهُ السُّلْطَانُ وَلَمْ يَجْنِ أَمْرًا لَا يَقْدِرُ عَلَى اتِّبَانِهِ فَلَمْ يَأْتِ حِينَ وَإِنْ عَنِ اسْتِطَاعَةِ الْقَضَاءِ دُيِّنَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى وَهَذَا لِأَنَّ حَقِيقَةَ الْإِسْتِطَاعَةِ فِيمَا يَقَارُنُ الْفِعْلَ وَيُطْلَقُ الْإِسْمُ عَلَى سَلَامَةِ الْأَلَاتِ وَصَحَّةِ الْأَسْبَابِ فِي الْمُتَعَارِفِ فَعِنْدَ الْإِطْلَاقِ يَنْصَرِفُ إِلَيْهِ وَتَصِحُّ نِيَّةُ الْأَوَّلِ دِيَانَةً لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ ثُمَّ قِيلَ يَصِحُّ قَضَاءُ آيْضًا لِمَا بَيْنَنَا وَقِيلَ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں بصرہ میں ضرور آؤں گا پھر نہ آیا یہاں تک کہ مر گیا تو اپنی زندگی کے آخری وقت میں وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس وقت سے پہلے تک امید تھی کہ شاید وہ قسم پوری کر لے یعنی بصرہ میں پہنچ جائے اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں تمہارے پاس ضرور آؤں گا۔ بشرطیکہ مجھے اس کی استطاعت ہو تو استطاعت سے صحت کی استطاعت مراد ہوگی۔ قدرت (قضا) کی استطاعت مراد نہ ہوگی۔ یعنی اگر اس کو اسباب و آلات صحت کے ساتھ میسر آ گئے۔ پھر نہ آیا تو حانث ہو جائے گا۔ اور اس جگہ استطاعت صحت ہونا مراد ہے۔ جو کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں بیان کی ہے۔ چنانچہ یہ فرمایا ہے کہ اگر ایسا شخص بیمار نہ ہو اور حکومت کی طرف سے اسے نہیں روکا گیا اور ایسی کوئی بات بھی سامنے نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ نہ آ سکے پھر بھی نہیں آیا تو وہ حانث ہو گیا۔ اور اگر اس نے کہا کہ میری مراد استطاعت قضا تھی تو اس کی تصدیق عند اللہ ہو سکتی ہے۔ یعنی قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی استطاعت تو فعل سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور استطاعت کا اطلاق عرف میں سلامتی آلات و صحت اسباب پر ہوتا ہے۔ اب جبکہ اس نے صرف استطاعت کا لفظ کہا ہے تو عرف و رواج میں استطاعت کے جو معنی ہیں وہی مراد لئے جائیں گے۔ البتہ پہلے معنی کی نیت کرنا بھی دیانت کے طور پر صحیح ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے کلام سے اس کے حقیقی معنی مراد لئے ہیں پھر بعضوں نے یہ کہا ہے کہ قاضی کے نزدیک بھی صحیح ہے۔ کیونکہ اس نے حقیقی معنی مراد لئے ہیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ حقیقی معنی مراد لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے (اور قاضی ظاہر کے خلاف حکم نہیں کر سکتا ہے)۔

تشریح..... قَالَ وَإِنْ حَلَفَ لِثَانِيَنِ الْبَصْرَةِ فَلَمْ يَأْتِهَا حَتَّى مَاتَ حِينَ فِيْ أَخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ..... الخ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں بصرہ ضرور آؤں گا پھر نہیں آیا یہاں تک کہ مر گیا۔ تو وہ اپنی زندگی کے آخری مرحلہ میں حانث ہو گیا۔ کیونکہ اس مرحلہ سے پہلے تک یہ امید تھی کہ شاید اس کی قسم کسی وقت پوری ہو جائے۔ یعنی بصرہ پہنچ جائے۔ (واضح ہو کہ استطاعت کے دو معنی مستعمل ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس کام کے سبب صحت وغیرہ قسم کے سبب موجود ہوں جیسے حج فرض ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا یعنی جو شخص حج کی استطاعت پائے۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح فرمائی گئی ہے کہ جس کے پاس زادراہ اور سواری موجود ہو یعنی اسے ضروری سامان میسر ہو۔ اور وَمَنْ اسْتَطَاعَ بمعنی قدرت حقیقی ہے جس کو اللہ تعالیٰ بندہ کے فعل کے ساتھ بیدار فرماتا ہے۔ بس اول کو استطاعت صحت کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو

قسم کھائی کہ میری بیوی میری اجازت کے بغیر باہر نہیں نکلے گی اسے ایک دفعہ اجازت دے

دی وہ باہر نکلی پھر دوبارہ اجازت کے بغیر باہر نکلی حانث ہو جائے گا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا تَخْرُجَ امْرَأَتُهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَإِذَا نَ لَهَا مَرَّةٌ فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ مَرَّةً أُخْرَى بِغَيْرِ إِذْنِهِ حَيْثُ وَلَا بَدَمِنْ الْإِذْنِ فِي كُلِّ خُرُوجٍ لِأَنَّ الْمُسْتَشْنَى خُرُوجَ مَقْرُونٍ بِالْإِذْنِ وَمَا وَرَاءَهُ دَاخِلٌ فِي الْحَظَرِ الْعَامِ وَلَوْ نَوَى الْإِذْنَ مَرَّةً يُصَدَّقُ دِيَانَتُهُ لَأَقْضَاءُ لِأَنَّهُ مُحْتَمَلٌ كَلَامِهِ لَكِنَّهُ خِلَافَ الظَّاهِرِ وَلَوْ قَالَ إِلَّا أَنْ أَذْنَ لَكَ فَإِذَا نَ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَ هَا بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ يَحْنُثْ لِأَنَّ هَذِهِ كَلِمَةٌ غَايَةٌ فَيَنْتَهِي الْيَمِينُ بِهِ كَمَا إِذَا قَالَ حَتَّى أَذْنَ لَكَ وَلَوْ أَرَادَتْ الْمَرْأَةُ الْخُرُوجَ فَقَالَ إِنْ خَرَجْتَ فَانْتَ طَالِقٌ فَجَلَسَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ لَمْ يَحْنُثْ وَكَذَلِكَ إِنْ أَرَادَ رَجُلٌ ضَرْبَ عَبْدِهِ فَقَالَ لَهُ أَخْرَانُ ضَرْبَتَهُ فَعَبْدِي حَرَّفَتْ كُهُ ثُمَّ ضَرْبَهُ وَهَذِهِ تَسْمَى يَمِينٍ فُورٍ وَتَفَرَّدَ أَبُو حَنِيفَةَ بِإِظْهَارِهِ وَوَجْهَهُ إِنْ مُرَادَ الْمُتَكَلِّمِ الرَّدْعُ عَنْ تِلْكَ الضَّرْبَةِ وَالْخَرَجَةِ عَرَفَا وَمَبْنَى الْإِيمَانِ عَلَيْهِ

ترجمہ..... قدری نے کہا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میری بیوی میری اجازت کے بغیر باہر نہیں جائے گی یعنی اپنی عورت سے یہ کہا کہ اگر تم میری اجازت کے بغیر باہر گئی تو تم کو طلاق ہے۔ پھر اس عورت کو ایک بار باہر جانے کی اجازت دی اس کے بعد وہ باہر جا کر واپس آئی پھر دوسری بار نئی اجازت کے بغیر چلی گئی تو اسے طلاق واقع ہو گئی۔ ایسی قسم میں ہر بار باہر جانے کے لئے نئی اجازت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ قسم سے بچنے کے لئے اس نے ایسی قسم سے مستثنیٰ کیا ہے جو اجازت کے ساتھ ہو۔ اس لئے اجازت کے بغیر جس طرح بھی وہ جائے گی اس قسم کے حکم میں داخل رہے گی۔ البتہ اگر اس نے کہتے ہی یہ نیت کی ہو کہ صرف ایک مرتبہ کی اجازت کافی ہے۔ تو دیا تھا اس کی تصدیق کی جائے گی۔ قضاء نہیں یعنی قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ معنی اگرچہ اس کے کلام سے نکلتے ہیں مگر ظاہر کے خلاف ہیں۔ اور اگر یوں کہا کہ اگر تم باہر نکلی تو تم کو طلاق ہے یہاں تک کہ تم کو میں اجازت دوں پھر ایک مرتبہ اسے اجازت دیدی اور وہ باہر گئی پھر وہ دوبارہ اجازت کے بغیر ہی نکل گئی تو وہ حانث نہ ہوگا۔ یعنی اس عورت کو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ کلمہ (الی ان) انتہا کے لئے مستعمل ہے لہذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے نکلنے پر طلاق کا حکم اس وقت تک باقی رہے گا کہ میں تم کو اجازت دیدوں۔ اس لئے اجازت دینے پر قسم کی انتہاء ہو جائے گی۔ جیسے کہ اگر یوں کہا کہ اگر میری اجازت کے بغیر نکلی تو تم کو طلاق ہوگی۔ یہاں تک کہ میں تم کو اجازت دے دوں۔

فائدہ..... پس جبکہ ایک بار طلاق دے دی تو قسم کی انتہاء ہو گئی۔ پھر اگر اجازت کے بغیر نکلی تو طلاق نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح اس لفظ میں جو مسئلہ میں مذکور ہے قسم کی انتہاء ہو جائے گی۔ اور اگر کسی شخص کی بیوی نے باہر نکلتا چاہا اس وقت شوہر نے کہا کہ اگر تم باہر نکلی تو تم کو طلاق ہے۔ یہ سن کر عورت کچھ دیر بیٹھ گئی۔ پھر باہر نکل گئی تو طلاق نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر زید نے اپنے غلام کو مارنا چاہا اس وقت خالد نے اس سے کہا کہ اگر تم نے اس غلام کو مارا تو میرا غلام آزاد ہے۔ اس وقت زید نے نہیں مارا پھر کچھ دیر بعد مارا تو خالد حانث نہیں ہوگا یعنی اس کا غلام آزاد نہیں ہوگا۔ اس قسم کی قسم کو فوری قسم (یمین فور) کہا جاتا ہے۔ اس قسم کا استنباط صرف امام ابو حنیفہ رحمہ نے کیا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ کہنے والے نے چاہا ہے اس نکلنے اور مارنے سے جس کے گزرنے پر وہ تیار ہو چکا ہے اسے اس کے ارادہ سے روک دے۔ اور عرف میں یہی مراد ہوا کرتی ہے۔ اور قسم کا اعتبار عرف پر ہوتا ہے۔

ایک آدمی نے کسی کو کہا اجلس فتغد عندی اس نے کہا اگر میں ناشتہ کروں تو میرا غلام آزاد پھر اپنے گھر کی طرف گیا اور ناشتہ کیا حانث نہیں ہوگا

لَوْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ اجْلِسْ فَتَغِدَّ عِنْدِي فَقَالَ اِنْ تَغِدَّتْ فَعَبْدِي خُرْفَخَرَجَ فَرَجَعَ اِلَى مَنْزِلِهِ وَتَغَدَّى لَمْ يَحْنَثْ لِأَنَّ كَلَامَهُ خَرَجَ مَخْرَجَ الْجَوَابِ فَيَنْطَبِقُ عَلَى السُّوَالِ فَيَنْصَرِفُ إِلَى الْغَدَاءِ الْمَدْعُو إِلَيْهِ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ اِنْ تَغِدَّتْ الْيَوْمَ لِأَنَّهُ زَادَ عَلَى خَرَفِ الْجَوَابِ فَيُجْعَلُ مُبْتَدَأًا وَمَنْ حَلَفَ لَا يَرْكَبُ دَابَّةً فُلَانٌ فَرَكِبَ دَابَّةً عَبْدٌ مَا ذُوْنَ لَهُ مَذْيُونٌ أَوْ غَيْرُ مَذْيُونٍ لَمْ يَحْنَثْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنَّهُ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مُسْتَعْرِقٌ وَلَا يَحْنَثُ وَإِنْ نَوَى لِأَنَّهُ لَا مِلْكَ لِلْمَوْلَى فِيهِ عِنْدَهُ وَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ غَيْرَ مُسْتَعْرِقٍ أَوْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَحْنَثُ مَا لَمْ يَنْوِهِ لِأَنَّ الْمِلْكَ فِيهِ لِلْمَوْلَى لَكِنَّهُ يُضَافُ إِلَى الْعَبْدِ عُرْفًا وَكَذَا شَرَعًا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَهُوَ لِلْبَّائِعِ الْحَدِيثُ فَتَحْتَاطُ الْإِضَافَةُ إِلَى الْمَوْلَى فَلَا بُدَّ مِنَ النَّيَّةِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا يَحْنَثُ إِذَا نَوَاهُ لِاخْتِلَالِ الْإِضَافَةِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَحْنَثُ وَإِنْ لَمْ يَنْوِلْ غَتَبَارَ حَقِيقَةِ الْمِلْكِ إِذَا الدَّيْنُ لَا يَمْنَعُ وَقَوْلُهُ لِلْسَّيِّدِ عِنْدَهُمَا

ترجمہ..... اگر زید نے خالد سے کہا کہ آؤ بیٹھو اور میرے ساتھ ناشتہ کھاؤ۔ تو خالد نے جواب دیا اگر میں ناشتہ کھاؤں تو میرا غلام آزاد ہے۔ پھر خالد نے وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر میں جا کر ناشتہ کھا لیا تو حانث نہیں ہوگا۔ یعنی اس کا غلام آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ خالد کا کلام زید کے جواب کے طور پر تھا۔ اس لئے اس جواب کو زید کے سوال کے مطابق سمجھنا ہوگا۔ لہذا زید کے ناشتہ پر ہی اس کی قسم موقوف رہے گی جس کی اس نے دعوت دی تھی۔ اس کے برخلاف اگر خالد نے جواب میں یہ کہا ہوتا کہ اگر آج میں ناشتہ کھاؤں تو میرا غلام آزاد ہے۔ یعنی اس صورت میں خالد حانث ہو کر اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ متعین جواب سے بڑھا کر جواب دیا ہے۔ اس لئے اسے نئے طور پر قسم کھانے والا کہا جائے گا۔

اگر مثلاً زید نے یہ قسم کھائی کہ میں خالد کے جانور پر سوار نہیں ہوں گا۔ پھر زید خالد کے ایسے غلام کے جانور پر سوار ہوا جسے کاروبار کی اجازت دی ہوئی ہے۔ خواہ ایسا غلام کسی کا مقروض ہو یا نہ ہو تو زید حانث نہیں ہوگا۔ یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔ البتہ اگر اس غلام پر اتنا قرض ہو گیا ہو کہ اس کے کل مال اور اس کی ذات کے برابر ہو گیا ہو تو زید ہرگز حانث نہیں ہوگا۔ اگرچہ اس نے اس کی نیت بھی کی ہو۔ یعنی خالد یا اس کے غلام کے کسی جانور پر سوار نہ ہونے کی نیت ہو تو بھی حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ امام اعظمؒ کے نزدیک اس غلام میں مولیٰ کی کچھ بھی ملکیت نہیں ہے۔ اور اگر وہ غلام اتنے زیادہ قرض میں ڈوبا ہو یا اس پر کچھ بھی قرض نہ ہو تو حانث نہیں ہوگا۔ تاوقتیکہ اس کی بھی نیت نہ ہو۔ یعنی اگر یہ نیت کی ہو کہ خالد کے غلام کے جانور پر بھی سوار نہ ہوں گا تو وہ حانث ہو جائے گا، ورنہ نہیں کیونکہ ایسے غلام میں مولیٰ کی ملکیت باقی ہے۔ یعنی اس کے غلام کا جانور بھی مولیٰ کا ہی جانور ہے۔ اگرچہ عرف میں وہ اس غلام کا جانور کہلاتا ہے۔ اور شریعت میں بھی یہی حکم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنا غلام بیچا اور غلام کی ملکیت میں کچھ مال ہو تو وہ بائع کا ہوگا۔ الخ اس بناء پر مولیٰ کی طرف نسبت کرنے میں خلل ہوگا لہذا ایسی صورت میں نیت کا ہونا ضروری ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ تمام صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ بشرطیکہ غلام کے جانور کی نیت کی ہو۔ کیونکہ مولیٰ کی طرف اس کی نسبت ناقص ہے۔ اس لئے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ وہ ہر صورت اور ہر حال میں حانث ہو جائے گا۔ اگرچہ نیت نہ کرے۔ کیونکہ حقیقی ملکیت مولیٰ ہی کی ہے اس لئے اسی کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ قرض ہونے سے صاحبین کے نزدیک مولیٰ کی ملکیت کا ہونا ممتنع نہیں ہوتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک دوسرے آدمی کو صبح کھانے کی دعوت دی کہ میرے پاس آ کر صبح کا کھانا کھاؤ۔ مگر جواباً دے کر یہ

کہہ دیا کہ اگر میں نے صبح کا کھانا کھالیا تو میرا غلام آزاد ہے۔ تو اس صورت میں داعی کے ساتھ کھانا کھالینے سے وہ حائث ہو جائے گا۔ یعنی اس کا غلام آزاد ہوگا۔ کیونکہ متکلم کا کلام داعی کے ساتھ صبح کا کھانا کھانے کی شرط کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ اس وقت داعی کے ساتھ صبح کا کھانا کھانے کی صورت میں شرط پائے جانے سے حث مستلزم ہوگا۔ اگر مدعو نے داعی کے صبح کا ناشتہ نہیں کیا بلکہ اپنے گھر جا کر صبح کے وقت کھانا کھالیا تو حائث نہ ہو گا۔ اسلئے کہ یمین میں حائث ہونے کیلئے داعی کیساتھ کھانے کی شرط کا وجود ضروری ہے۔ جبکہ یہاں وہ شرط موجود نہیں۔ لہذا داعی کے ساتھ کھانا کھانے کے علاوہ اپنے گھر یا کسی دوسری جگہ پر صبح کا کھانا کھانے سے وہ حائث نہیں ہوگا۔ کیونکہ داعی کی دعوت میں شریک نہ ہونے کیلئے جواب میں مدعو کے مطلق یہ الفاظ ”اگر میں نے صبح کا کھانا کھایا“ کافی ہیں۔ بعد میں خواہ داعی کے ساتھ دوسرے وقت کا کھانا کھائے یا خود کسی دوسری جگہ پر کھانا کھائے تو مدعو حائث نہ ہوگا۔ اگر مدعو نے داعی کے جواب میں یہ الفاظ ”آج صبح کا کھانا نہیں کھاؤں گا“ کہے تو وہ اس دن جہاں بھی صبح کا کھانا کھائے گا حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ مدعو نے اپنے کلام میں ”آج“ کا لفظ بڑھا کر داعی کے جواب کے طور پر کلام نہیں کیا۔ بلکہ اسے از سر نو کر کے ”آج“ کے دن سے مشروط کر دیا۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ یمین میں حائث ہونے کیلئے شرط کا وجود مستلزم ہے۔ چنانچہ لفظ ”آج“ کی شرط یا قید کے بعد مدعو ”آج“ کے دن جہاں بھی صبح کا کھانا کھائے گا حائث ہو جائے گا۔ بایں وجہ کہ مدعو کے مذکورہ جملے (آج صبح کا کھانا نہیں کھاؤں گا) میں داعی کے ساتھ ناشتے کی شرط موجود نہیں۔ اسلئے اگر اس نے داعی کے علاوہ کسی دوسری جگہ پر بھی صبح کا کھانا کھالیا تو لفظ ”آج“ کے حوالے سے شرط موجود ہونے کے باعث اس پر حث لازم ہوگا۔ یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور غلام آزاد ہو جائے گا۔ اگر کسی نے یہ قسم کھائی میں فلاں (کوئی بھی مخصوص شخص کے جانور پر سوار نہیں ہوں گا۔ لیکن اس (حالف) نے مخلوف علیہ کے مازون غلام کے جانور پر سواری کر لی تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حائث نہ ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ مخلوف علیہ کا اجازت یافتہ غلام مقروض ہے یا نہیں۔ کیونکہ اجازت یافتہ غلام تا حال مخلوف علیہ کی غلامی سے آزاد نہیں ہوا۔ لیکن اجازت یافتہ ہے۔ اسلئے مقروض یا غیر مقروض دونوں صورتوں میں غلام کا جانور خود اس کی ملکیت میں ہوگا۔ جبکہ حالف اپنے مخلوف علیہ کے جانور پر سوار نہ ہونے کی قسم کھائی تھی۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حالف کا مازون فی التجارۃ غلام کے جانور پر سوار ہونا اسے حائث نہیں کرتا۔ غلام مقروض ہو یا نہ ہو۔ البتہ مستغرق فی القرض کی صورت میں مازون عبد کے جانور پر سوار ہونا حالف کو حائث کر دے گا۔ بایں وجہ کہ آقا کی ملکیت پر مبنی نسبت باقی ہے۔ چنانچہ اس صورت میں حث کا دار و مدار حالف کی نیت پر ہوگا۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حالف اس شرط کے ساتھ تمام صورتوں میں حائث ہوگا کہ اس نے مازون غلام کے جانور پر سوار ہونے کی نیت کی ہو۔ کیونکہ آقا کی طرف اس کی نسبت ناقص ہے۔

امام محمدؒ کا قول ہے کہ حالف پر ہر صورت میں حث لازم آئے گا۔ مازون غلام کے جانور پر سوار ہونے کی نیت ضروری نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں آقا کا حقیقی ملکیت ہونا معتبر ہے۔ صاحبینؒ ایسے غلام جو مازون بھی ہو اور مستغرق فی القرض بھی ہو آقا کی ملکیت کے حوالے سے ان دونوں (مازون و مستغرق فی القرض کو مانع قرار نہ دینے پر متفق ہیں۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مازون غلام مستغرق فی القرض کی صورت میں صاحبین سے اختلاف رکھتے ہیں۔

کلام کا ماحصل یہ ہے کہ مازون فی التجارۃ غلام کی چیز از روئے حقیقت آقا کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ لیکن عرف عام میں عبد مازون کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے عرف عام کا اعتبار کیا ہے۔ کیونکہ یمین عرف پر مبنی ہے۔ اگر غلام مستغرق فی القرض ہے تو عرفاً و حقیقتاً کسی طرح حالف پر حث لازم نہ آئے گا۔ بایں وجہ کہ مقروض ہونے کے باعث آقا کی ملکیت کا وقوع نہ ہوگا۔ جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک آقا کی ملکیت واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے قول پر آقا کی ملکیت کی نسبت میں نقص و خلل واقع ہے۔ لہذا حائث ہونے کیلئے نیت ضروری ہے۔ جبکہ امام محمدؒ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم ۸۱ باب الیمین فی الاکل والشرب
 کے ہاں حانث ہونے کیلئے نیت ضروری نہیں۔ اگر ماذون غلام مستغرق فی القرض نہیں ہے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے قول پر نیت شرط ہے۔
 جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک نیت شرط نہیں۔

بَابُ الْيَمِينِ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ

ترجمہ..... باب، کھانے اور پینے کے بارے میں قسم کھانا

قسم کھائی کہ اس کھجور سے نہیں کھاؤں گا اس سے کھجور کا پھل مراد ہے

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذِهِ النَّخْلَةِ فَهُوَ عَلَى ثَمَرِهَا لِأَنَّهُ أَصَابَ الْيَمِينَ إِلَى مَا لَا يُؤْكَلُ فَيَنْصَرِفُ إِلَى مَا يُخْرَجُ مِنْهُ وَهُوَ الثَّمَرُ لِأَنَّهُ سَبَبٌ لَهُ فَيُضْلَحُ مَجَازًا عَنْهُ لَكِنَّ الشَّرْطَ أَنْ لَا يَتَغَيَّرَ بَصْنَعَةٍ جَدِيدَةٍ حَتَّى لَا يَحْنَثَ بِالنَّبِيدِ وَالنَّخْلِ وَالذَّبْسِ الْمَطْبُوعِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يُؤْكَلُ مِنْ هَذَا الْبُسْرِ فَصَارَ رَطْبًا فَأَكَلَهُ لَمْ يَحْنَثْ وَكَذَا إِذَا حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذَا الرُّطْبِ أَوْ مِنْ هَذَا اللَّبَنِ فَصَارَتْ مَرًا أَوْ صَارَ اللَّبَنُ شِيرًا أَلَمْ يَحْنَثْ لِأَنَّ صِفَةَ الْبُسُورَةِ وَالرُّطُوبَةِ دَاعِيَةٌ إِلَى الْيَمِينِ وَكَذَا كَوْنُهُ لَبَنًا فَيَتَّقِيْدُهُ وَلِأَنَّ اللَّبَنَ مَا كُوِلَ فَلَا يَنْصَرِفُ الْيَمِينُ إِلَى مَا يَتَّخِذُ مِنْهُ

ترجمہ..... قد درئی نے کہا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس درخت سے نہیں کھاؤں گا۔ تو یہ قسم اس کے پھلوں سے متعلق ہوگی۔ کیونکہ اس نے قسم اس چیز کی طرف منسوب کی ہے جو خود نہیں کھائی جاتی ہے۔ اس لئے مجازاً اس قسم کا تعلق ایسی چیزوں سے ہو جائے گا جو اس درخت سے کھانے کے قابل پیدا ہو اور وہ اس کا پھل ہے کیونکہ درخت ہی ان پھلوں کے پیدا ہونے اور بڑھنے کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے مجازاً سبب بول کر مسبب مراد لینا جائز ہوتا ہے۔ لیکن پھل سے حانث ہونے میں شرط یہ ہے کہ اسے کسی نئی ترکیب سے اصل حالت میں بدلانا لیا ہو۔ یہاں تک کہ اگر خرما یا انگور کے پھل سے بنیاد یا سرکہ یا پکائی ہوئی تاڑی یا کچے کھٹے انگور کھائے تو حانث نہ ہوگا۔ اور اگر قسم کھائی کہ میں اس درخت کے گدر (ادھ پکے) پھل نہیں کھاؤں گا۔ پھر رطب (پورا پکا ہوا) سے کھایا تو حانث نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم کھائی کہ میں اس رطب یعنی تازہ پکے ہوئے چھوہارہ سے یا اس دودھ سے نہیں کھاؤں گا۔ پھر اس کے ثمر یعنی چھوہارہ خشک ہونے کے بعد یا دودھ کا شیرازہ ہونے کے بعد کھایا تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ گدر ہونا یا پورا پختہ ہونا ایسی صفت ہے جو کبھی قسم پر واقعاً آمادہ کرتی ہے اور دودھ کا بھی یہی حال ہے۔ لہذا قسم اسی صفت تک باقی رہے گی کیونکہ دودھ خود کھایا جاتا ہے۔ اس لئے قسم میں اس سے پھیر کر ایسی چیز شامل نہیں کی جائے گی جو دودھ سے بنائی جاتی ہے۔

تشریح..... حاصل کلام یہ کہ اگر کسی چیز کے نہ کھانے کی قسم کھائی مثلاً کھجور یا دودھ تو جس صفت پر یہ چیزیں ہیں اس وقت تک قسم محدود ہوگی جب ان کی صفت میں تبدیلی آئے گی۔ بایں طور کہ کھجور خشک ہوگی یا دودھ سے ملائی یا برنی وغیرہ بنائی تو اب حالف کھانے سے حانث نہ ہوگا۔

قسم کھائی کہ اس بچے سے یا جوان سے کلام نہیں کرے گا پھر بوڑھا ہونے کے

بعد کلام کیا حانث ہو جائے گا

بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يَتَكَلَّمُ هَذَا الصَّبِيُّ أَوْ هَذَا الشَّابُّ فَكَلِمَتُهُ بَعْدَ مَا شَاخَ لِأَنَّ هَجْرَانَ الْمُسْلِمِ بِمَنْعِ الْكَلَامِ مِنْهُيٌّ عَنْهُ فَلَا يُغَيَّرُ الدَّاعِي فِي الشَّرْعِ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمَ هَذَا الْحَمَلِ فَأَكَلَهُ بَعْدَ مَا صَارَ كَبُشًا حَنِثَ لِأَنَّ صِفَةَ الصَّغَرِ فِي هَذَا لَيْسَتْ بِدَاعِيَةٍ إِلَى الْيَمِينِ فَإِنَّ الْمُتَمَنِّعَ عَنْهُ أَكْثَرُ أَمْتِنَا عَاغُنْ

لَحْمِ الْكَبْشِ

ترجمہ..... اس کے برخلاف اگر یہ قسم کھائی کہ میں اس بچہ یا اس عوان سے بات نہیں کروں گا۔ پھر اس کے بوڑھے ہونے کے بعد بات کی تو بھی حائث ہو جائے گا۔ (حالانکہ مذکورہ قاعدہ کے مطابق اس قسم کا اثر اس کے بچپن یا اس کی جوانی ہی تک باقی رکھا جائے۔ لیکن شریعت نے اس صفت کا اعتبار ختم کر دیا ہے) کیونکہ اس سے بات چیت کو ختم کرنا شریعت سے منع ہے۔ اس لئے شریعت میں صفت کو قسم کا باعث قرار دینے کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں اس بکری کے بچے کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ پھر وہ جب بڑھ کر پورا بکریا مینڈھا ہو گیا تب اس کا گوشت کھالیا تو حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس بچے میں اس کے بچپن کی صفت کا ہونا قسم کھانے کا باعث نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جو شخص ایسے بچے کے گوشت سے انکار کرے گا وہ اس کے بڑے ہو جانے کے بعد اوڑھے (بد مزہ) گوشت سے زیادہ انکار کرے گا۔

تشریح..... یمین کے باب میں یہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ یمین کے انعقاد کا دار و مدار عرف عام پر ہے۔ چنانچہ یمین پڑنی الفاظ جس معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ قسم کو بھی اسی معنی و مفہوم پر محمول کیا جائے گا۔ اور حمل کی حالت میں گوشت کھانے کی قسم عرف عام میں قابل اعتبار نہیں اور نہ ہی کلام صبی (بچے سے بات نہ کرنے) کی قسم کی طرح مسلمان سے کلام نہ کرنے کی ممانعت پر مشتمل کوئی صریح حکم شرعی موجود ہے۔ اس لئے حمل سے پیدا ہونے والے لونہیز یا نوزائیدہ بچے کا گوشت کھانے سے وہ حائث ہوگا۔ بخلاف مینڈھے کے کہ عرف عام میں اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اس لئے حمل پڑنی بچے اور مینڈھے کے درمیان تغیر صفت کی بناء پر فرق ہونے کے باوجود عرف عام کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا گوشت کھانے سے حالف حائث ہو جائے گا۔ بایں وجہ کہ حمل سے پیدا شدہ بچے میں مینڈھے کی صفت موجود نہیں۔ لہذا حلف کا انعقاد مینڈھے کے گوشت کھانے پر ہوگا۔ حمل سے پیدا شدہ بچے کے گوشت کھانے پر تکمیل یمین کی شرط نہیں پائی جائے گی۔ کیونکہ حث کیلئے ضروری ہے کہ تکمیل یمین کی شرط موجود نہ ہو۔ مینڈھے کا گوشت کھانے سے حث اور حمل سے پیدا شدہ بچے کا گوشت کھانے سے عدم حث کا م ناظر ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے پھل نہ کھانے کی قسم کھائی مگر گڑی کھالی۔ تو حائث نہ ہوگا۔ کیونکہ گڑی میں پھلوں کی صفت نہیں بلکہ سبزی کی صفت پائی جاتی ہے۔ لہذا حث لازم نہ آئے گا۔

قسم کھائی کہ بسر نہیں کھائے گا پھر رطب کھالیں حائث نہیں ہوگا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ بُسْرًا فَإِذَا كُلَّ رُطْبًا لَمْ يَحْنَثْ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِبُسْرٍ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطْبًا أَوْ بُسْرًا أَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطْبًا وَلَا بُسْرًا فَإِذَا كُلَّ مُدْنَبًا حَنِثَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يَحْنَثُ فِي الرُّطْبِ يَعْنِي بِالْبُسْرِ الْمُدْنَبِ وَلَا فِي الْبُسْرِ بِالرُّطْبِ الْمُدْنَبِ لِأَنَّ الرُّطْبَ الْمُدْنَبَ يُسَمَّى رُطْبًا وَالْبُسْرَ الْمُدْنَبَ يُسَمَّى بُسْرًا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ الْيَمِينُ عَلَى الشَّرَاءِ وَلَهُ أَنَّ الرُّطْبَ الْمُدْنَبَ مَا يَكُونُ فِي ذَنْبِهِ قَلِيلٌ بُسْرًا وَالْبُسْرَ الْمُدْنَبَ عَلَى عَكْسِهِ فَيَكُونُ أَكْلُهُ أَكْلَ الْبُسْرِ وَالرُّطْبَ وَكُلُّ وَاحِدٍ مَقْصُودٌ فِي الْأَكْلِ بِخِلَافِ الشَّرَاءِ لِأَنَّهُ يُصَادَفُ الْجُمْلَةَ فَيَتَّبَعُ الْقَلِيلُ فِيهِ الْكَثِيرُ

ترجمہ..... اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں بسر یعنی ادھ کپے پھل نہیں کھاؤں گا۔ مگر اس نے تازہ بالکل پکا ہوا کھالیا تو حائث نہیں ہوگا کیونکہ وہ ادھ پکا نہیں ہے۔ (جیسے یہ کہا کہ میں کچا آم نہیں کھاؤں گا تو پکا ہوا آم کھالینے سے حائث نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ قسم کھائی کہ میں کھانا آم نہیں کھاؤں گا تو میٹھے آم کھانے سے وہ حائث نہیں ہوگا۔) یا یہ قسم کھائی کہ ادھ پکا (بسر) یا پکا ہوا تازہ (رطب) نہیں کھاؤں گا۔ یا یہ قسم کھائی کہ نہ رطب کھاؤں گا اور نہ بسر کھاؤں گا لیکن اس نے مذنب (یعنی وہ چھوہارہ جو دم کی طرف سے پک چکا ہو اور باقی ابھی ادھ کچا ہو) کھالیا۔ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کے

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۸۳ باب الیمین فی الاکل والشرب
 کھانے سے حائث ہو جائے گا۔ لیکن صاحبینؒ نے کہا ہے کہ رطب کی صورت میں حائث نہیں ہوگا۔ جبکہ یہ قسم کھائی ہو کہ رطب نہیں کھاؤں گا۔ اور
 رطب مذنب سے بھی حائث نہیں ہوگا۔ جبکہ یہ قسم کھائی ہو کہ بسر نہیں کھاؤں گا۔ کیونکہ رطب مذنب کو رطب ہی کہتے ہیں۔ اور بسر مذنب کو بسر کہتے
 ہیں۔ تو کھانے کے سلسلہ کی قسم ایسی ہوگئی جیسے خریدنے کی قسم ہوتی ہے۔ جس کی بحث آئندہ مسئلہ میں آئے گی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ
 رطب مذنب وہ ہوتا ہے جس کی دم کی طرف تھوڑا سا گدرد ہو۔ اور مذنب اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا کھانا والا ہو گیا۔ اور کھانے ہر ایک کا
 مقصود ہے اس لئے حائث ہوگا۔ بخلاف خریدنے کے کیونکہ خریداری تو پورے گچھے کی ہوتی ہے۔ اس لئے اس گچھے میں جو حصہ کچے یا کچے کا کم ہوتا
 ہے وہ زیادہ کے تابع ہو جاتا ہے۔ یعنی خریدنے پر قیاس نہ ہوگا۔

قسم کھائی کہ رطب نہیں خریدوں گا پھر بسر کا خوشہ خرید لیا جس میں رطب بھی تھیں حائث نہیں ہوگا

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَشْتَرِي رُطْبًا فَاشْتَرَى كِبَاسَةً بُسْرٌ فِيهَا رُطْبٌ لَا يَحْنُثُ لِأَنَّ الشِّرَاءَ يُصَادِفُ الْجُمْلَةَ وَالْمَغْلُوبُ
 تَابِعٌ وَلَوْ كَانَتِ الْيَمِينُ عَلَى الْأَكْلِ يَحْنُثُ لِأَنَّ الْأَكْلَ يُصَادِفُهُ شَيْئًا فَشَيْئًا فَكَانَ كُلُّ مِنْهُمَا مَقْصُودًا وَصَارَ
 كَمَا إِذَا حَلَفَ لَا يَشْتَرِي شَعِيرًا أَوْ لَا يَأْكُلُهُ فَاشْتَرَى حِنْطَةً فِيهَا حَبَّاتُ شَعِيرٍ وَ أَكَلَهَا يَحْنُثُ فِي الْأَكْلِ دُونَ
 الشِّرَاءِ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ..... اور اگر یہ قسم کھائی کہ رطب نہیں خریدوں گا پھر اس نے بسر یعنی گدرد چھوڑا جس میں رطب یعنی پختہ بھی تھوڑے ہیں تو
 حائث نہ ہوگا۔ کیونکہ خریداری تو پورے خوشہ کی ہوتی ہے۔ اور یہاں قلیل کثیر کے تابع ہو جائیں گے۔ اور اگر قسم کھانے پر ہوتی یعنی رطب نہیں
 کھاؤں گا پھر اگر گدرد خوشہ کے اندر سے رطب کو بھی کھا جاتا ہے تو حائث ہو جاتا۔ کیونکہ کھانا تو ایک کے بعد ایک کھایا جاتا ہے۔ اس لئے کھانے میں
 رطب اور بسر ہر ایک مقصود ہوا۔ یعنی اس میں سے کوئی تابع نہ ہوگا۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے قسم کھائی کہ میں شعر یعنی جو نہیں خریدوں گا یا یہ قسم کھائی کہ جو
 نہیں کھاؤں گا پھر گیہوں خریدے۔ جن میں جو کے کچھ دانے بھی ملے ہوئے ہیں۔ اور جو کے ساتھ گیہوں کو کھالیا تو کھانے سے حائث ہو جائے
 گا۔ لیکن خریدنے سے حائث نہیں ہوگا۔ اوپر کی بتائی ہوئی دلیل کی وجہ سے۔

فائدہ..... یعنی خریداری تو سب کی ایک ساتھ ہوتی ہے اس لئے جب گیہوں زیادہ ہیں تو انہیں کی خریداری ہوگی اور جو کا خریدنا نہیں کیا جائے گا۔
 لیکن کھانے میں ہر طرح کا دانہ مقصود ہوتا ہے اس لئے گیہوں کے ساتھ جو کا کھانا بھی مقصود ہوا۔ اس لئے حائث ہو جائے گا۔

قسم اٹھائی گوشت نہیں کھاؤں گا پھر مچھلی کا گوشت کھا لیا حائث نہیں ہوگا

قَالَ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا فَآكَلَ لَحْمَ السَّمَكِ لَا يَحْنُثُ وَالْقِيَاسُ أَنَّ يَحْنُثُ لِأَنَّهُ يُسَمَّى لَحْمًا فِي
 الْقُرْآنِ وَجَهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ التَّسْمِيَةَ مَجَازِيَّةً لِأَنَّ اللَّحْمَ مَنْشَأُ مِنَ الدَّمِ وَلَا دَمَ فِيهِ لِسُكُونِهِ فِي الْمَاءِ
 وَإِنْ أَكَلَ لَحْمَ خَنْزِيرٍ أَوْ لَحْمَ إِنْسَانٍ يَحْنُثُ لِأَنَّهُ لَحْمٌ حَقِيقِيٌّ إِلَّا أَنَّهُ حَرَامٌ وَالْيَمِينُ قَدْ يُعْقَدُ لِلْمَنْعِ مِنَ
 الْحَرَامِ وَكَذَا إِذَا أَكَلَ كَبَدًا أَوْ كَرْشًا لِأَنَّهُ لَحْمٌ حَقِيقَةٌ فَإِنَّ نُمُوهُ مِنَ الدَّمِ وَيُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالُ اللَّحْمِ
 وَقِيلَ فِي عَرَفْنَا لَا يَحْنُثُ لِأَنَّهُ لَا يُعَدُّ لَحْمًا

ترجمہ..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا مگر اس نے مچھلی کا گوشت کھا لیا تو حائث نہیں

ہوگا۔ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ حادث ہو جائے کیونکہ قرآن پاک میں مچھلی کے گوشت کو بھی گوشت ہی کہا گیا ہے۔ (فرمان باری تعالیٰ ہے ومن کل تاسکلون لحماً طریاً یعنی مچھلی کا تازہ گوشت) اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نام گوشت رکھنا مجازی ہے۔ کیونکہ گوشت کی پیدائش خون سے ہے اور مچھلی میں خون نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ پانی میں رہتی ہے۔ اور اگر خنزیر یا انسان کا گوشت کھالیا تو بھی حادث نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ ان دونوں کا گوشت اگرچہ حقیقتاً گوشت ہے۔ مگر یہ حرام قطعی ہے۔ اور کبھی قسم قطعاً حرام سے باز رکھنے کے لئے ہوتی ہے۔

فائدہ..... بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اگر قسم کھانے والا مسلمان ہو تو حادث نہ ہوگا۔ اور یہی قول صحیح ہے۔

اسی طرح اگر اس نے جانور کی بکچی یا اوجھڑی کھالی تو بھی حادث ہو جائے گا کیونکہ حقیقت میں یہ بھی گوشت ہی ہے۔ کیونکہ اس کی پیدائش خون سے ہے۔ اور گوشت ہی کی طرح اس کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ یہ حادث نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمارے عرف میں وہ گوشت میں شمار نہیں ہوتی ہے۔

فائدہ..... یعنی بکچی یا اوجھڑی یا تلی ہمارے عرف میں گوشت نہیں کہلاتی ہے۔ اس لئے قسم کھانے والا حادث نہیں ہوگا۔ (الخلاصہ، المحیط) اور یہی صحیح ہونا چاہئے۔

تشریح..... فائدہ..... گوشت کی پیدائش خون سے ہے۔ اور مچھلی میں خون نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پانی میں رہتی ہے۔ اور عرف میں مطلق گوشت خریدنے میں مچھلی کی طرف ذہن نہیں جاتا ہے۔ اور قرآن میں پہاڑ کو مخ اور زمین کو فرش فرمایا۔ حالانکہ جس نے قسم کھائی کہ میں فرش یا میخ پر نہیں بیٹھوں گا وہ زمین یا پہاڑ پر بیٹھنے سے بالاتفاق حادث نہیں ہوگا۔ مگر جب کہ اس کی نیت کی ہو۔ تو اگر گوشت میں مچھلی کے گوشت کی نیت ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی حادث ہو جائے گا۔

مسائل

اور اگر کچا گوشت کھالیا تو ایک قول میں حادث ہو جائے گا۔ امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول بھی یہی ہے۔ اور دوسرے قول میں حادث نہیں ہو گا اور امام مالکؒ کا بھی قول ہے۔ اور اگر سری و پائے کھائے تو حادث ہوگا۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ اور اگر دل کھالیا تو ہمارے نزدیک حادث ہوگا۔ لیکن امام شافعی کے نزدیک حادث نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے گوشت نہ کھانے کی قسم میں چربی اور چکنی کی بھی نیت کی تو حادث ہوگا ورنہ نہیں۔ امام شافعی و احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ اور اگر پیٹھ کی چربی کھائی تو وہ بھی گوشت کے حکم میں ہے۔ یعنی حادث ہوگا۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

قسم کھائی چربی نہ کھائے گا نہ خریدے گا کوئی چربی مراد ہوگی

قَالَ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ أَوْ لَا يَشْتَرِي شَحْمًا لَمْ يَحْنُثِ إِلَّا فِي شَحْمِ الْبُطْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ يَحْنُثُ فِي شَحْمِ الظَّهْرِ أَيْضًا وَهُوَ اللَّحْمُ السَّمِينُ لَوْ جُودَ خَاصِيَةُ الشَّحْمِ فِيهِ وَهُوَ الدُّوْبُ بِالنَّارِ وَلَهُ أَنَّهُ لَحْمٌ حَقِيقَةٌ الْآتَرَى أَنَّهُ يَنْشَأُ مِنَ الدَّمِ وَيُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالَهُ وَيَحْصُلُ بِهِ قُوَّتُهُ وَلِهَذَا يَحْنُثُ بِأَكْلِهِ فِي الْيَمِينِ عَلَى أَكْلِ اللَّحْمِ وَلَا يَحْنُثُ بِنَبِيهِ فِي الْيَمِينِ عَلَى بَيْعِ الشَّحْمِ وَقِيلَ هَذَا بِالْعَرَبِيَّةِ فَأَمَّا إِسْمُ يَهُ بِالْفَارِسِيَّةِ لَا يَقَعُ عَلَى شَحْمِ الظَّهْرِ بِحَالٍ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَشْتَرِي أَوْ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا أَوْ شَحْمًا فَاشْتَرَى إِلَيْهِ أَوْ أَكَلَهَا لَمْ يَحْنُثِ لِأَنَّهُ نَوْعٌ ثَالِثٌ حَتَّى لَا يُسْتَعْمَلَ اسْتِعْمَالُ اللَّحْمِ وَالشَّحْمِ

ترجمہ..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چربی نہیں کھاؤں گا یا نہیں خریدوں گا۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وہ

پیٹ کی چربی کے سوا کسی دوسری چربی کے کھانے یا خریدنے میں حائث نہیں ہوگا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ پیٹھ کی چربی میں بھی حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ پیٹھ کی چربی ایک طرح کا چریلا گوشت ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس میں چربی کی خاصیت پائی جاتی ہے یعنی وہ گوشت آگ سے پکھل جاتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ درحقیقت گوشت ہے کیا نہیں دیکھتے کہ وہ خون سے پیدا ہوتا ہے۔ اور گوشت ہی کی طرح استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ اور گوشت ہی کی قوت بھی دیتا ہے۔ اسی لئے اگر یہ قسم کھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور اسے کھالیا تو حائث ہو جائے گا۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں چربی نہ پیوں گا تو اس کے پیچھے سے حائث نہیں ہوتا ہے۔ اور بعض فقہانے فرمایا ہے کہ یہ اختلاف اس صحت میں ہے کہ جب عربی میں شحم الظہر کہا ہو۔ کیونکہ اگر فارسی میں یہ کالفظ کہا تو کسی حال میں یہ لفظ شحم الظہر (پیٹھ کی چربی) پر واقع نہیں ہوتا ہے۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں گوشت یا چربی نہیں خریدوں گا یا نہیں کھاؤں گا پھر اس نے دنبہ کی چکنی خریدی یا کھائی تو حائث نہیں ہوگا کیونکہ یہ تیسری قسم ہے یہاں تک کہ یہ چکنی خالص گوشت یا چربی کی طرح استعمال نہیں کی جاتی ہے۔

فائدہ..... اور اگر قسم کھائی کہ بکری کا گوشت نہیں کھاؤں گا پھر بھیڑ یا دنبہ کا گوشت کھالیا تو حائث ہو جائے گا۔ اس پر فتویٰ ہے اور اگر یہ قسم کھائی کہ گائے کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ پھر بھینس کا گوشت کھالیا تو حائث نہیں ہوگا۔

تشریح..... امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان پیٹھ کی چربی شحم (الظہر کالفظ کہنے میں) اختلاف ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پیٹ کی چربی کے سوائے کسی چربی میں حائث نہیں ہوگا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ پیٹھ کی چربی میں بھی حائث ہو جائے گا۔ اور اگر فارسی میں لفظ یہ کہا تو یہ لفظ کسی حال میں شحم الظہر پر واقع نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ..... امام ابو حنیفہؒ کا قول ہی صحیح ہے۔ الذخیرہ اور طحاوی نے کہا ہے کہ یہی قول امام محمد و امام شافعی و امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کا ہے۔ اور اگر اس نے پیٹھ کی چربی کی بھی نیت کی ہو تو بالاتفاق حائث ہو جائے گا۔ اور کافی میں ہے کہ چربی چار قسم کی ہوتی ہے۔

نمبر ۱ پیٹھ کی چربی۔ نمبر ۲ وہ چربی جو ہڈی سے ملی ہوتی ہے۔ نمبر ۳ وہ چربی جو آنتوں پر ہوتی ہے۔ ائمہ کا مذکورہ اختلاف ان ہی تینوں قسموں میں ہے۔ نمبر ۴ پیٹ کی چربی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

قسم کھائی کہ اس گندم کو نہیں کھاؤں گا چبائے بغیر کھانے سے حائث نہیں ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذِهِ الْحِنْطَةِ لَمْ يَحْنِثْ حَتَّى يَقْضِمَهَا وَلَوْ أَكَلَ مِنْ خُبْزِهَا لَمْ يَحْنِثْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ ابْنُ أَكَلَ مِنْ خُبْزِهَا حَنْثٌ أَيْضًا لِأَنَّهُ مَفْهُومٌ مِنْهُ عُرْفًا وَلَا بِنِي حَنِيفَةَ أَنَّ لَهُ حَقِيقَةً مُسْتَعْمَلَةً فَإِنَّهَا تُغْلَى وَتُقْلَى وَتُوكَلُ قَضْمًا وَهِيَ قَاضِيَةٌ عَلَى الْمَجَازِ الْمُتَعَارَفِ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ وَلَوْ قَضِمَهَا حَنْثٌ عِنْدَهُمَا هُوَ الصَّحِيحُ لِعُمُومِ الْمَجَازِ كَمَا إِذَا حَلَفَ لَا يَضَعُ قَدَمَهُ فِي دَارِ فُلَانٍ وَآلِيهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ فِي الْخُبْزِ حَنْثٌ أَيْضًا

ترجمہ..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اس گندم سے نہیں کھاؤں گا تو جب تک اس کو چبا کر نہیں کھائے گا وہ حائث نہیں ہوگا۔ اور اگر گندم کے آٹے سے روٹی پکا کر کھائی تو بھی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حائث نہیں ہوگا۔ لیکن صاحبینؒ نے فرمایا کہ اگر اس کی روٹی بھی کھالی جب بھی حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ عرف میں اس قسم سے روٹی کھانا بھی سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اس کی روٹی بھی نہیں کھاؤں گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ گندم کھانے کے حقیقی معنی بھی مستعمل ہیں۔ کیونکہ گندم ابال کر اور بھون کر چبا کر بھی کھائے جاتے ہیں۔ اور جو حقیقت مستعمل ہو وہ متعارف مجاز سے اعلیٰ وارفع ہوتی ہے۔ جیسا کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اصل مقرر ہے۔ اور اگر اسے چبا کر کھالیا تو صاحبینؒ کے نزدیک بھی عموماً مجاز کی وجہ سے حائث ہو

جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ جیسے کہ کسی نے یہ قسم کھائی ہو کہ میں فلاں کے گھر میں اپنا قدم بھی نہیں رکھوں گا۔ مجاز کے عام ہونے کی وجہ سے اب اس گھر میں اپنا قدم رکھے یا سوار ہو کر جائے بہر صورت حانث ہو جائے گا۔ اور کتاب میں اسی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ روٹی کھانے سے بھی حانث ہو جاتا ہے۔ (ف: یعنی لفظ سے بھی ظاہر ہوا کہ چبانے سے حانث ہو جائے گا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی۔ میں گندم نہیں کھاؤں گا۔ تو وہ اس وقت تک حانث نہ ہوگا۔ جب تک اسے چبا کر نہ کھائے۔ کیونکہ کسی چیز کو کھانے کا عمل اس وقت واقع ہوگا۔ جب اسے چبا یا جائے۔ ”اکل“ (کھانا) بھی ایک عمل ہے۔ اس کیلئے تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱۔ چبانا ۲۔ نگلنا ۳۔ ایصال فی الجوف (پیٹ میں پہنچانا)

مذکورہ صورت میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کے مابین اختلاف ہے۔ مجوزہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ جس لفظ کے دو معنی (حقیقی اور مجازی) مراد لئے جاسکتے ہوں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ لفظ حقیقی معنی میں مستعمل ہوگا۔ جبکہ صاحبینؒ اسے مجازی معنی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ ”اکل“ کے حقیقی معنی چبا کر کھانے کے متقاضی ہیں۔ اسلئے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب تک گندم چبا کر نہ کھائی جائے گی۔ اس وقت تک حالف پر حث مستلزم نہ ہوگا۔ خواہ وہ گندم ابلی ہوئی ہو یا بھونی ہوئی کیونکہ یہ چبا کر کھائی جاتی ہے۔ لہذا ”اکل“ کا حقیقی معنی (یہاں پر) زیادہ قابل ترجیح ہے۔

قسم کھائی اس آٹے سے نہیں کھائے گا پھر اس کی روٹی کھالی حانث ہو جائے گا

قَالَ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذَا الدَّقِيقِ فَأَكَلَ مِنْ خُبْزِهِ حَنْتٌ لِأَنَّهُ عَيْنُهُ غَيْرُ مَا كَوَّلَ فَانْصَرَفَ إِلَى مَا يَتَّخِذُ مِنْهُ وَلَوْ اسْتَفْتَهُ كَمَا هُوَ لَا يَحْنِثُ هُوَ الصَّحِيحُ لِتَعَيُّنِ الْمَجَازِ مُرَادًا وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ خُبْزًا فَيَمِينُهُ عَلَى مَا يُعْتَادُ أَهْلُ الْبَصَرِ أَكْلَهُ خُبْزًا وَذَلِكَ خُبْزُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُعْتَادُ فِي غَالِبِ الْبُلْدَانِ وَلَوْ أَكَلَ مِنْ خُبْزِ الْقَطَانِفِ لَا يَحْنِثُ لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى خُبْزًا مُطْلَقًا إِلَّا إِذَا نَوَاهُ لِأَنَّهُ مُحْتَمَلٌ كَلَامِهِ وَكَذَا إِذَا أَكَلَ خُبْزَ الْأَرْزِ بِالْعِرَاقِ لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُعْتَادٍ عِنْدَهُمْ حَتَّى لَوْ كَانَ بِطَبْرِ سِتَانٍ أَوْ فِي بَلَدَةٍ طَعَامُهُمْ ذَلِكَ يَحْنِثُ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ۔ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس آٹے سے نہیں کھاؤں گا۔ پھر اس کی پکی ہوئی روٹی کھائی تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ آٹا یعنہ نہیں کھایا جاتا ہے۔ اس لئے اس آٹے سے جو چیز بنا کر کھائی جائے گی وہی مراد ہوگی۔ اور اگر آٹے کو اسی طرح پھانک کر کھالیا یا منہ میں رکھ کر نگل لیا تو حانث نہیں ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ اس جگہ مجازی معنی ہی مراد لینا متعین ہے۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں روٹی نہیں کھاؤں گا تو اس قسم میں وہی روٹی داخل ہوگی جو عموماً اور عادتاً اس شہر میں کھائی جاتی ہو۔ اور وہ جو یا گیسوں کی روٹی ہوگی۔ کیونکہ اکثر شہروں میں یہی روٹیاں کھائی جاتی ہیں۔ اور اگر قطائف (چار مغز یعنی کھیرا۔ کدو۔ خر بوزہ۔ گلری اور بادام کے بیجوں کے مغز) سے تیار کی ہوئی روٹی کھائی تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ عموماً اسے مطلقاً روٹی نہیں کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کی بھی نیت کی ہو تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ کہنے والے کے کلام کے یہ معنی بھی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس نے عراق میں چاول کی روٹی کھائی تو حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہاں کے رہنے والوں میں اس کی عادت نہیں ہے۔ اور اگر قسم کھانے والا طبرستان کا یا کسی ایسے شہر کا رہنے والا ہو جن کا کھانا چاول ہوتا ہے تو حانث ہو جائے گا۔

قسم کھائی بھنا ہوا نہیں کھائے گا گوشت مراد ہوگا

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الشَّوَاءَ فَهُوَ عَلَى اللَّحْمِ دُونَ النَّبَاذِ نَجَانٍ وَالْحَزْرُ لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ اللَّحْمُ الْمَشْوِيُّ عِنْدَ

الْإِطْلَاقُ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ مَا يُشَوِّى مِنْ بَيْضٍ أَوْ غَيْرِهِ لِمَكَانٍ الْحَقِيقَةِ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الطَّيِّخَ فَهُوَ عَلَى مَا يُطْبَخُ مِنَ اللَّحْمِ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ إِعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ وَهَذَا لِأَنَّ التَّعْمِيمَ مُتَعَلِّقٌ فَيُصَرَّفُ إِلَى خَاصٍ هُوَ مُتَعَارَفٌ وَهُوَ اللَّحْمُ الْمَطْبُوخُ بِالْمَاءِ إِلَّا إِذَا نَوِيَ غَيْرَ ذَلِكَ لِأَنَّ فِيهِ تَشْدِيدًا وَإِنْ أَكَلَ مِنْ مَرْقِهِ يَحْنِثُ لِمَافِيهِ مِنْ أَجْزَاءِ اللَّحْمِ وَلِأَنَّهُ يُسَمَّى طَبِيخًا

ترجمہ..... اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں بھنا ہوا نہیں کھاؤں گا۔ تو اس کا اطلاق فقط گوشت پر ہوگا۔ اور یگین اور گاجر و شکر قند پر نہیں ہوگا۔ کیونکہ حرف بھنا ہوا کہنے سے بھنا ہوا گوشت ہی مراد ہوتا ہے۔ اور اگر اس نے انڈے وغیرہ بھنے ہوئے کی نیت کی ہو تو حقیقی معنی پائے جانے کی وجہ سے نیت کے مطابق قسم واقع ہو جائے گی۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں طیخ یعنی پکائی ہوئی چیز نہیں کھاؤں گا تو اس قسم کا اطلاق پکائے ہوئے گوشت پر ہوگا۔ یہ احتسابی حکم عرف کے اعتبار سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر پکائی ہوئی چیز کو قسم میں داخل رکھنا مشکل ہے اس لئے اس کے خاص معنی ہی مراد لئے جائیں گے۔ جو رائج ہوں یعنی پانی میں پکایا ہوا گوشت۔ لیکن اگر اس نے گوشت کے علاوہ کسی دوسری چیز کی بھی نیت کی ہو تو اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ ایسا ہونے سے خود اس پر سختی زیادہ لازم آتی ہے۔ اور اگر اس نے پکائے ہوئے گوشت کا شوربہ بھی کھایا تو بھی حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں بھی گوشت کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اسے بھی طیخ کہا جاتا ہے۔

تشریح..... حاصل یہ کہ قسم کے الفاظ سے وہ معنی مراد لیئے جائیں گے جو عرف میں معتبر ہوں اور ان کا ردواج ہو شرعی یا لغوی معنی غیر معتبر ہوں گے۔

قسم کھائی کہ سر نہیں کھائے گا سر کا اطلاق سر پر ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الرَّؤْسَ فَيَمِئْتُهُ عَلَى مَا يَكْبَسُ فِي التَّنَائِيرِ وَيَبَاغُ فِي الْمَضَرِّ وَيُقَالُ يَكْبَسُ وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رَأْسَهُ فَهُوَ عَلَى رُؤْسِ الْبَقْرِ وَالْغَنَمِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ عَلَى الْغَنَمِ خَاصَّةً وَهَذَا اخْتِلَافٌ مَضَرٍّ وَزَمَانٌ كَانَ الْعُرْفُ فِي زَمَنِهِ فِيهِمَا وَفِي زَمَنِهِمَا فِي الْغَنَمِ خَاصَّةً وَفِي زَمَانِنَا يُفْتَى عَلَى حَسَبِ الْعَادَةِ كَمَا هُوَ الْمَذْكُورُ فِي الْمُخْتَصَرِ

ترجمہ..... اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں سر یاں (سر کے مغزو وغیرہ) نہیں کھاؤں گا تو اس کی قسم سے مراد وہ سر یاں (مثلاً بکری، بھیڑ کا سر وغیرہ) ہوں گی جو تنوروں میں پکائی جاتی ہیں اور شہروں میں فروخت کی جاتی ہیں۔ اور جامع صغیر میں مذکور ہے کہ اگر قسم کھائی کہ میں سر نہیں کھاؤں گا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ قسم گائے اور بکری دونوں کی سریوں پر واقع ہوگی۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ فقط بکری کی سری سے قسم متعلق ہوگی۔ یہ اختلاف اپنے اپنے زمانہ کے اختلاف سے ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں گائے اور بکری دونوں کی سری پر بولا جاتا تھا۔ اور صاحبینؒ رحمہما اللہ کے زمانہ میں فقط بکری کی سری پر بولا جاتا تھا۔ اور ہمارے زمانہ میں جیسی عادت ہو ویسا ہی فتویٰ دیا جائے گا۔ مختصر قدوری میں یہی مذکور ہے۔

تشریح..... الغرض کہ یمین کے باب میں وہ خاص ”سری“ مراد ہوگی جو از روئے عرف لوگوں میں کھانے کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ مطلق ”سری“ سے کھائے جانے والے یا گوشت والے ہر جانور کی سری مراد نہ ہوگی۔ مثلاً پرندوں کی ”سری“ انسان گوشت والا ہے۔ خنزیر کا گوشت بھی یورپ میں کھایا جاتا ہے۔ اگرچہ اسلام میں یہ دونوں گوشت حرام ہیں۔ لیکن نجس (گوشت والا) ہونے کے باعث ان پر (انسان حیوان ناطق ہے) جانداریا جانور و حیوان کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں کی ”سری“ وغیرہ لک مراد نہ ہوگی۔ کیونکہ عرف عام میں عادتاً یا شاذ و نادر بھی انہیں (انسان، خنزیر) کھایا نہیں جاتا۔ جب عرف میں ان جانوروں کی سری (جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) کھانے سے حالف پر حث لازم نہیں آتا۔ جن

کی ”سری“ عاۃً وعرفاً نہیں کھائی جاتی۔ تو ایسے جانداروں (حیوان ناطق یعنی انسان، نجس العین یعنی خنزیر) کی ”سری“ کھانے سے بطریق اولیٰ حائل نہ ہوگا۔ جن کا گوشت عرف عام میں سری سے کھایا ہی نہیں جاتا۔ یا ان کا گوشت کھانا شرفاء کے ہاں معیوب سمجھا جاتا ہے۔

دریں اثناء امام ابو حنیفہؒ کے پہلے قول کے مطابق اونٹ، گائے، بکری (تینوں کی) سریاں کھانے سے حائل پر حائل لازم آیا ہے۔ لیکن بعد میں امام ابو حنیفہؒ نے اونٹ کی ”سری“ سے رجوع کر لیا تھا۔ اب ان کے نزدیک صرف گائے اور بکری کی ”سری“ کھانے سے وہ (حائل) حائل ہو جائے گا۔ جبکہ صاحبینؒ (امام ابو یوسفؒ و محمدؒ) کے نزدیک صرف ”بکری کی سری“ کھانے سے حائل پر حائل مستلزم ہوگا۔ اونٹ کی سری پر بالاتفاق یمین واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ اونٹ کی سری کی عرف میں خرید و فروخت تو ہوتی ہے لیکن اسے (اونٹ کی سری کو) کھایا نہیں جاتا۔ تکمیل یمین کا حکم ”کل“ پر نافذ ہوگا۔ چونکہ عرفاً سری کا مقصود اصلی اسے کھانا ہوتا ہے۔ جبکہ اونٹ کی سری کھائی نہیں جاتی۔ اسلئے مقصود اصلی کی عدمیت کے پیش نظر تکمیل یمین کا حکم ”نہ کھانے کے عمل پر“ نافذ کیا گیا ہے۔

اسی طرح مذکورہ صورت میں متعذر فعل سے بچنے کیلئے خاص جانوروں (گائے و بکری وغیرہ) کی مخصوص ”سری“ مراد لی گئی ہے۔ جو کہ لوگوں کے مقصود اصلی (کھانے) پر محمول ہوتی ہے۔ اسی طرح یمین میں مکڑی، مچھلی، چڑیوں کی سریاں داخل نہیں۔ کیونکہ انہیں کھایا جاتا ہے نہ کہ ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ بایں وجہ کہ ان کی سریوں میں ہڈیوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسلئے عرف عام میں ان کی سریاں کھانے کے قابل نہیں۔ چنانچہ ان (مکڑی، مچھلی وغیرہ کی) سریوں پر یمین کے حکم کا اطلاق نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کے درمیان سریوں کے اختلاف کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان حضرات کے زمانے میں سریوں کے حوالے سے عرف عام مختلف تھا۔ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے میں عرفاً جو سریاں بیچی اور کھائی جاتی تھیں وہ گائے اور بکری کی سریاں ہوتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے زمانے کے عرف عام کو معتبر متصور کر کے اس میں استعمال ہونے والی گائے اور بکری کی ”سری“ کو یمین کے حکم میں داخل کیا ہے۔ جبکہ صاحبینؒ نے اپنے زمانے کے عرف کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں مستعمل صرف بکری کی ”سری“ پر یمین کا حکم نافذ العمل کیا ہے۔ یہاں پر بھی وہی قاعدہ کلیہ کارفرما ہے جو گذشتہ صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی یمین کے مطلق لفظ سے صرف وہی معنی و مفہوم مراد ہوگا جو عرف عام میں مستعمل و معتبر ہوگا۔ ایسی صورت میں لغوی و شرعی معنی و مفہوم مراد نہ ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ صورت پر مبنی متن کے آخری طور میں و فی زماننا یفتی علیٰ حسب العادة (ہمارے زمانے میں) عرفاً (حسب عادت فتویٰ دیا جائے گا) کے الفاظ مذکور ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے دور میں از روئے عرف عام لوگ جو ”سری“ استعمال کرتے ہیں۔ یمین پر مبنی مطلق لفظ سے وہی ”معنی“ مراد ہوگا خواہ وہ گائے کی سری پر منطبق ہو یا بکری کی سری پر۔ بہر حال فتویٰ حسب عادت معنی کے مطابق دیا جائیگا۔

واضح رہے کہ پاکستان کے عرف میں بکری کی سری عموماً استعمال کی جاتی ہے اور گائے کی سری ضناً مستعمل ہوتی ہے۔ اس سے امام ابو حنیفہؒ کے زمانے کا عرف قریب قریب اور صاحبینؒ کے زمانے کا عرف قریب القرب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قسم کھائی کہ فاکھ نہیں کھائے گا پھر انگور، انار، ترخما، مکڑی، کھیرا کھایا تو حائل نہیں ہوگا

قَالَ وَانْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ فَالْكِهَةَ فَالْكَلِ عِنَّا أَوْ رَمَانًا أَوْ رُطْبًا أَوْ قَنَاءً أَوْ خِيَارًا لَمْ يَحِثْ وَإِنْ أَكَلَ تَفَاحًا أَوْ بَطِيخًا أَوْ مُشْمِشًا حَنَتْ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُونُسَ وَ مُحَمَّدٌ حَنَتْ فِي الْعِنَبِ وَالرُّطْبِ وَالرُّمَانِ أَيْضًا وَالْأَصْلُ أَنَّ الْفَاكِهَةَ اسْمٌ لِمَا يُتَفَكَّهُ بِهِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ أَيْ يُتَنَعَّمُ بِهِ زِيَادَةً عَلَى الْمُعْتَادِ وَالرُّطْبِ وَالْيَابِسُ فِيهِ سَوَاءٌ بَعْدَ أَنْ يَكُونُ التَّفَكُّهُ بِهِ مُعْتَادًا حَتَّى لَا يَحِثَّ بِيَابِسِ الْبَطِيخِ وَهَذَا الْمَعْنَى مَوْجُودٌ فِي التَّفَاحِ

وَآخَوَاتِهِ فَيَحْبِثُ بِهَا وَغَيْرُ مَوْجُودٍ فِي الْقِثَاءِ وَالْخِيَارِ لِأَنَّهُمَا مِنَ الْبَقُولِ بَيْعًا وَ أَكْلًا فَلَا يَحْبِثُ بِهِمَا وَ الْعِنَبُ وَ الرُّطَبُ وَ الرَّمَانُ فَهَهُمَا يَقُولَانِ أَنَّ مَعْنَى التَّفَكُّهِ مَوْجُودٌ فِيهَا فَإِنَّهَا أَعَزُّ الْقَوَائِكِ وَ التَّنْعَمُ بِهَا يَقُوفُ التَّنْعَمُ بِغَيْرِهَا وَ أَبَوُ حَبِيفَةٍ يَقُولُ إِنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ مِمَّا يَتَغَذَّى بِهَا وَيَتَدَاوَى بِهَا فَأَوْجِبْ قُصُورًا فِي مَعْنَى التَّفَكُّهِ لِلِاسْتِعْمَالِ فِي حَاجَةِ الْبَقَاءِ وَلِهَذَا كَانَ الْيَاسُ مِنْهَا مِنَ التَّوَابِلِ أَوْ مِنَ الْأَقْوَاتِ

ترجمہ..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فاکھ نہیں کھاؤں گا پھر اس نے انگور یا انار یا تازہ خرما یا ککڑی یا کھیرا کھایا تو حائث نہیں ہوگا۔ اور اگر سیب یا خربوزہ یا کشمش (خوبانی، زرد آلو) کھائی تو حائث ہو جائے گا۔ اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ انگور و تازہ خرما اور انار کھانے سے بھی حائث ہو جائے گا۔ اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ فاکھ ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ تفکھ کیا جائے یعنی اصلی اور معمول کے غذا سے زیادہ بطور عیش یعنی زیادتی مزہ کے لئے کھایا جائے خواہ کھانے سے پہلے ہو یا کھانے کے بعد ہو اور جس چیز کے ساتھ ایسی عیش کی عادت جاری ہو تو اس کا خشک و تازہ ہونا برابر ہے۔ یہاں تک کہ خشک خربوزہ سے حائث نہیں ہوتا ہے یعنی خشک خربوزہ کہیں استعمال نہیں ہوتا ہے۔ اب چونکہ تفکھ کے یہ معنی سیب اور اس کی مانند چیزوں میں موجود ہیں تو ایسی چیزوں کے کھانے سے حائث ہو جائے گا اور ککڑی اور کھیرا میں موجود نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں تو سبزی و ساگ کے طور پر پیچی اور کھائی جاتی ہیں۔ اس لئے ان کے کھانے سے حائث نہیں ہوگا۔ لیکن انار و تازہ کھجور اور انگور کے بارے میں صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تفکھ کے معنی ان میں بھی موجود ہیں۔ کیونکہ دوسرے فواکھ میں یہ زیادہ عمدہ ہیں۔ اور دوسری چیزوں کے مقابلہ میں ان میں لذت کے معنی زیادہ پائے جاتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں بطور غذا اور بطور دوا کے استعمال کی جاتی ہیں۔ اس لئے ان میں صرف لذت کے معنی میں کمی ہوگی۔ کیونکہ ان کا استعمال انسانی زندگی کی ضرورت سے بھی ہوا اور اسی وجہ سے ان میں سے جو خشک ہو جائیں وہ مصالحہ کے طور پر یا قوت کے طور پر یعنی غلہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

فائدہ..... محیط میں کہا ہے کہ عرف میں جو چیز عادتاً تفکھ کے طور پر کھائی جاتی ہو وہی فواکھ میں شامل ہے ورنہ نہیں اور یہی قول بہتر ہے۔

قسم کھائی کہ ادام سے نہیں کھاؤں گا، ادام کا مصداق

قَالَ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْتِدِمُ فَكُلُّ شَيْءٍ اضْطَبِعَ بِهِ إِدَامٌ وَالشَّوَاءُ لَيْسَ بِإِدَامٍ وَالْمِلْحُ إِدَامٌ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ كُلُّ مَا يُؤْكَلُ مَعَ الْخُبْزِ غَالِبًا فَهُوَ إِدَامٌ وَهُوَ رَوَاةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْإِدَامَ مِنَ الْمَوَادِمَةِ وَهِيَ الْمُوَافَقَةُ وَكُلُّ مَا يُؤْكَلُ مَعَ الْخُبْزِ مُوَافِقٌ لَهُ كَاللَّحْمِ وَالْبَيْضِ وَنَحْوِهِ وَلَهُمَا أَنَّ الْإِدَامَ مَا يُؤْكَلُ تَبَعًا وَالتَّبَعِيَّةُ فِي الْإِخْتِلَافِ حَقِيقَةُ لِيَكُونَ قَائِمًا بِهِ وَفِي أَنَّ لَا يُؤْكَلُ عَلَى الْإِنْفِرَادِ حُكْمًا وَتَمَامُ الْمُوَافَقَةِ فِي الْإِمْتِزَاجِ أَيْضًا وَالْخَلُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمَائِعَاتِ لَا يُؤْكَلُ وَحْدَهُ هَابِلٌ يُشْرَبُ وَالْمِلْحُ لَا يُؤْكَلُ بِإِنْفِرَادِهِ عَادَةً وَلِأَنَّهُ يَدُوبُ فَيَكُونُ تَبَعًا بِخِلَافِ اللَّحْمِ وَمَا يَصَاحِبُهُ لِأَنَّهُ يُؤْكَلُ وَحْدَهُ إِلَّا أَنَّ يَتَوَبَّعُ لِمَافِيهِ مِنَ التَّشْدِيدِ وَالْعِنَبُ وَالْبَطِيخُ لَيْسَ بِإِدَامٍ هُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں ادام (سالن) کے ساتھ نہیں کھاؤں گا۔ تو ہر وہ چیز جو روٹی کے ساتھ پکا کر کھائی جائے وہ ادام ہے۔ اس بناء پر بھونا ہوا گوشت ادام نہیں ہوگا۔ (کیونکہ یہ تنہا بغیر روٹی کے کھایا جاتا ہے) اور نمک ادام ہوا (کیونکہ اسے روٹی سے لگا کر کھایا جاتا ہے) یہ قول امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کا ظاہر الروایہ ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ چیز جو عموماً روٹی کے ساتھ

کھائی جاتی ہے۔ وہی ادا م ہے اور امام ابو یوسفؒ سے بھی یہ ایک روایت ہے اور امام شافعیؒ و احمد رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ ادا م کا لفظ مواد مت سے مشتق ہے جس کے معنی موافقت کے ہیں اور جو چیز روٹی کے ساتھ کھائی جائے وہ اس کے موافق ہے۔ جیسے گوشت انا وغیرہ اور اس جیسی دوسری چیزیں اور شیخین یعنی امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے کہ ادا م عرف میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو روٹی کے تابع کر کے کھائی جائے اور تابع ہونا ایک تو حقیقتاً ملانے میں ہے تا کہ ادا م اسی کے ساتھ پایا جائے اور دوسری اس طرح کہ حکماً تابع ہو یعنی وہ تنہا نہ کھائی جائے۔ لیکن موافقت تو پوری اسی صورت میں ہوگی جب کہ دونوں ایک دوسرے میں ملائی جائیں اور سرکہ وغیرہ پتلی چیزیں اکیلی نہیں کھائی جاتی ہیں بلکہ وہ پانی لی جاتی ہیں اور نمک بھی عادتاً تنہا نہیں کھایا جاتا ہے اور اس لئے بھی کہ یہ پکھل کر تابع ہو جاتا ہے۔ بخلاف گوشت اور اس جیسی چیزوں کے کہ یہ تنہا بھی کھائی جاتی ہیں۔ لیکن اگر قسم کھاتے وقت ادا م کے لفظ سے گوشت وغیرہ کی بھی نیت کر لی ہو تو اس کی نیت کے موافق یہ چیزیں بھی قسم میں داخل رہیں گی۔ کیونکہ ایسی نیت بیان کرنے میں وہ خود اپنے اوپر سختی بڑھاتا ہے۔ (یعنی آسانی نہیں چاہتا ہے۔ اور جب قسم کھانے والا ایسی نیت بیان کرے جس سے اس پر سختی بڑھتی ہو تو قاضی بھی اس کی بات کی تصدیق کرتا ہے۔) اور انکو راور خر بوزہ ادا م نہیں ہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔

ناشتہ نہ کرنے کی قسم اٹھائی غذا کا اطلاق کون سے کھانے پر ہوتا ہے

وَإِذَا حَلَفَ لَا يَتَغَدَّى فَالْعَدَاءُ إِلَّا كُلُّ مَنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى الظُّهْرِ وَالْعِشَاءِ مِنْ صَلَوةِ الظُّهْرِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ لِأَنَّ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ يُسَمَّى عِشَاءً وَلِهَذَا يُسَمَّى الظُّهْرُ أَحَدَ صَلَاتِي الْعِشَاءِ فِي الْحَدِيثِ وَالسُّحُورُ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ لِأَنَّهُ مَأْخُوذٌ مِنَ السُّحْرِ وَيُطْلَقُ عَلَى مَا يَقْرُبُ مِنْهُ ثُمَّ الْغَدَاءُ وَالْعِشَاءُ مَا يَقْصَدُ بِهِ الشَّبْعُ عَادَةً وَيُعْتَبَرُ عَادَةُ أَهْلِ كُلِّ بَلَدَةٍ فِي حَقِّهِمْ وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِ الشَّبْعِ

ترجمہ..... اگر کسی نے عربی میں یہ قسم کھائی لا اتغدی (نقطہ کے ساتھ غین اور بغیر نقطہ کے دال کے ساتھ) (میں ناشتہ نہیں کروں گا) میں غدا نہیں کھاؤں گا غدا اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو آفتاب نکلنے کے بعد سے ظہر تک ہو۔ اور عشاء اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو ظہر کی نماز کے بعد سے آدھی رات ہو جانے تک کھایا جاتا ہے۔ کیونکہ زوال کے بعد کے وقت کو عشاء کہا جاتا ہے۔ اس لئے حدیث میں (میرے خیال میں بجائے ظہر کے مغرب ہونا چاہئے۔ قاسمی) ظہر کی نماز کو عشاء کی دو نمازوں میں سے ایک نماز کہا گیا ہے۔ (یہ حدیث صحیحین میں کتاب الصلوٰۃ کے باب سہو میں ہے) اور سحری کا کھانا آدھی رات سے طلوع فجر تک ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لفظ سحر سے ماخوذ ہے۔ اور قریب سحر تک جو کھانا ہوا سحری کہتے ہیں۔ یعنی سحر کے اندر نہیں کھایا جاتا ہے۔ پھر غدا اور عشاء اس کو کھانا کہا جاتا ہے جس سے ہر شخص کو اس کی عادت کے مطابق سیری مقصود ہو۔ یعنی اگر کسی نے صبح کے وقت ایک دن والے منہ میں رکھ لئے تو اسے غدا نہیں کہا جائے گا۔ پھر ہر ایک شہر والوں کے حق میں انہیں کی عادت کے مطابق معتبر ہے۔ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اتنا کھالے جس سے پیٹ کو آدھی سے زیادہ سیری حاصل ہو جائے۔ اگر کسی نے کہا کہ اگر میں نے پہنایا کھایا یا پتا تو میرا غلام آزاد ہے۔ تو یہ قسم عام ہوگی اور ہر چیز پر صادق ہوگی۔ بعد میں اگر اس نے کہا کہ اس سے میری مراد چند مخصوص چیزیں تھیں سب مراد نہیں تھیں۔ تو قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ اور دیانت میں بھی اس کی تصدیق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اسی چیز میں نیت صحیح ہوتی ہے۔ جو لفظ میں مذکور نہ ہو۔ حالانکہ موجودہ صورت میں پہننے، کھانے اور پینے کے ساتھ کپڑا کھانا وغیرہ کی لفظوں میں کچھ بھی تصریح نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اگرچہ لفظوں میں مذکور تو نہیں ہے مگر پہننے اور کھانے سے تو خود یہ بات سمجھ میں آتی ہے مگر ایسی صورت میں عموم نہیں ہوتا ہے۔ اور جب عموم نہیں ہے تو خصوص کی نیت بھی لغو ہوگی۔

فائدہ..... البتہ اگر کپڑا وغیرہ بیان کر دیا ہو پھر وہی کرے کہ میں نے تو اس سے اس قسم کا کپڑا مراد لیا تھا۔ تو ایسی صورت میں تخصیص ہو سکتی ہے۔

اگر کہا ان لبست او اکلت او شربت فعبدی حر پھر کہا میری یہ مراد ہے قضاء تصدیق نہیں کی جائے گی

وَمَنْ قَالَ اِنْ لَبَسْتُ اَوْ اَكَلْتُ اَوْ شَرِبْتُ فَعَبْدِي حُرٌّ وَقَالَ عَنِيتُ شَيْئًا دُونَ شَيْءٍ لَمْ يُدَيِّنْ فِي الْقَضَاءِ وَغَيْرِهِ لِأَنَّ النِّيَّةَ إِنَّمَا تَصِحُّ فِي الْمَلْفُوظِ وَالشُّبُّ وَمَا يُضَاهِيهِ غَيْرُ مَذْكُورٍ تَنْصِيصًا وَالْمُقْتَضَى لَا عُمُومَ لَهُ فَلَعَلَّتْ نِيَّةُ التَّخْصِيصِ فِيهِ وَإِنْ قَالَ اِنْ لَبَسْتُ ثَوْبًا اَوْ اَكَلْتُ طَعَامًا اَوْ شَرِبْتُ شَرَابًا لَمْ يُدَيِّنْ فِي الْقَضَاءِ خَاصَّةً لِأَنَّهُ نَكْرَةٌ فِي مَحَلِّ الشَّرْطِ فَعَمِلَتْ نِيَّةُ التَّخْصِيصِ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ فَلَا يُدَيِّنْ فِي الْقَضَاءِ

ترجمہ..... اور اگر اس طرح کہا کہ اگر میں نے کپڑا پہنایا کھانا کھایا یا کوئی چیز پی تو میرا غلام آزاد ہے۔ اس کے بعد اگر تخصیص کا دعویٰ کیا تو دیا گیا اس کی تصدیق ہوگی۔ لیکن قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ کیونکہ جو لفظ اس نے بیان کیا ہے یعنی کپڑا اور کھانا وغیرہ تو وہ شرط ہونے کے ساتھ نکرہ ہے اس لئے وہ عام ہو گیا اور اب اس میں خاص کرنے کی نیت اثر کرے گی۔ لیکن یہ بات ظاہر کے خلاف ہے۔ چنانچہ قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔

قسم کھائی کہ دجلہ سے نہیں پئے گا پھر برتن سے پی لیا حانث نہیں ہوگا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ دَجَلَةٍ فَشَرِبَ مِنْهَا بِإِنَاءٍ لَمْ يَحْنِثْ حَتَّى يَكْرَعَ مِنْهَا كَرْعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ إِذَا شَرِبَ مِنْهَا بِإِنَاءٍ يَحْنِثُ لِأَنَّهُ مُتَعَارَفُ الْمَفْهُومِ وَلَهُ أَنَّ كَلِمَةَ مِنَ التَّعْيِيزِ وَحَقِيقَةُ فِي الْكَرْعِ وَهِيَ مُسْتَعْمَلَةٌ وَلِهَذَا يَحْنِثُ بِالْكَرْعِ أَجْمَاعًا فَمَنْعَتِ الْمَصِيرُ إِلَى الْمَجَازِ وَإِنْ كَانَ مُتَعَارَفًا وَإِنْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ دَجَلَةٍ فَشَرِبَ مِنْهَا بِإِنَاءٍ حَنْثٌ لِأَنَّهُ بَعْدَ الْإِغْتِرَافِ بَقِيَ مَسْنُوبًا إِلَيْهِ وَهُوَ الشَّرْطُ فَصَارَ كَمَا إِذَا شَرِبَ مِنْ مَاءٍ نَهَرَ يَأْخُذُ مِنْ دَجَلَةٍ

ترجمہ..... قدوری نے کہا اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں دریاے دجلہ سے پانی نہیں پیوں گا۔ پھر کسی برتن سے اس کا پانی نکال کر پی لیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ دریا سے منہ لگا کر پی لے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا ہے کہ برتن سے پانی نکال کر پینے سے بھی حانث ہو جائے گا کیونکہ عرف میں ایسی قسم سے یہی سمجھا جاتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس کے جملہ میں ”اس میں سے“ کہنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس میں سے کچھ تھوڑا پی لے۔ اور اس کے حقیقی معنی یہی ہیں کہ اس سے منہ لگا کر پئے۔ اور اس طرح پینا لوگوں میں مروج بھی ہے۔ اور اسی لئے اس سے منہ لگا کر پینے سے سب کے نزدیک حانث ہو جاتا ہے۔ پس جب حقیقی معنی مراد لینا ممکن ہے تو مجازی معنی لینا ممنوع ہے۔ اگرچہ مجازی معنی عرف میں رائج ہوں۔ اور اگر اس نے قسم کھا کر یوں کہا کہ میں دجلہ کے پانی سے نہیں پیوں گا دجلہ سے برتن میں پانی لے کر پی لیا تو حانث ہو گیا۔ کیونکہ برتن میں لینے کے بعد بھی وہ دجلہ ہی کا پانی ہے۔ اور یہی شرط تھی۔ تو ایسا ہو گیا جیسے دجلہ سے کوئی نہر کاٹ کر لائی گئی۔ اور اس نے اس نہر سے پانی پی لیا۔

فائدہ..... حالانکہ اس نہر سے پانی پینے سے حانث ہوتا ہے۔ اس لئے برتن میں لینے سے بھی حانث ہو جائے گا۔

قسم کھائی ان لم اشرب الماء الذی فی هذا الكوز اليوم فامراته طالق اور
کوزے میں پانی نہیں تھا حانث نہیں ہوگا

وَمَنْ قَالَ اِنْ لَمْ اَشْرَبِ الْمَاءَ الَّذِي فِي هَذَا الْكُوزِ الْيَوْمَ فَاِمْرَاتُهُ طَالِقٌ وَلَيْسَ فِي الْكُوزِ مَاءٌ لَمْ يَحِثْ فَاِنْ كَانَ فِيهِ مَاءٌ فَاهْرِيقْ قَبْلَ اللَّيْلِ لَمْ يَحِثْ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٌ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ فِي ذَلِكَ كَلِمَةً يَعْنِي اِذَا مَضَى الْيَوْمُ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ اِذَا كَانَ الْيَمِينُ بِاللَّهِ تَعَالَى وَاصْلُهُ اَنْ شَرَطَ اِنْعِقَادَ الْيَمِينِ وَبَقَائِهِ التَّصَوُّرُ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْيَمِينِ اِنَّمَا تُعَقَّدُ لِلْبَرِّ فَلَا بُدَّ مِنْ تَصَوُّرِ الْبَرِّ لِيُمْكِنَ اِيْحَابُهُ وَلَهُ اَنَّهُ اَمْكَنُ الْقَوْلُ بِاِنْعِقَادِهِ مُوجِبًا لِلْبَرِّ عَلَى وَجْهِ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْخَلْفِ وَهُوَ لِكُفَّارَةٍ قُلْنَا لَا بُدَّ مِنْ تَصَوُّرِ الْاَصْلِ لِيُعَقَّدَ فِي حَقِّ الْخَلْفِ وَهَذَا لَا يَنْعَقِدُ الْغُمُوسُ مُوجِبًا لِلْكُفَّارَةِ وَلَوْ كَانَتِ الْيَمِينُ مُطْلَقَةً فِي الْوَجْهِ الْاَوَّلِ لَا يَحِثُّ عِنْدَهُمَا وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَحِثُّ فِي الْحَالِ وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يَحِثُّ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا فَأَبُو يُوسُفَ فَرَّقَ بَيْنَ الْمُطْلَقِ وَالْمَوْقُوتِ وَوَجْهَ الْفَرْقِ اَنَّ التَّاقِيَّتَ لِلتَّوَسُّعَةِ فَلَا يَجِبُ الْفِعْلُ الْاَفْوَى اِجْرَاءُ الْوَقْتِ فَلَا يَحِثُّ قَبْلَهُ وَفِي الْمُطْلَقِ يَجِبُ الْبَرُّ كَمَا فَرَّغَ وَقَدْ عَجَزَ فَيَحِثُّ فِي الْحَالِ وَهُمَا فَرَقًا بَيْنَهُمَا وَوَجْهَ الْفَرْقِ اَنَّ فِي الْمُطْلَقِ يَجِبُ الْبَرُّ كَمَا فَرَّغَ فَاِذَا فَاتَ الْبَرُّ بِفَوَاتٍ مَا عَقَّدَ عَلَيْهِ الْيَمِينُ يَحِثُّ فِي يَمِينِهِ كَمَا اِذَا مَاتَ الْحَالِفُ وَالْمَاءُ بَاقٍ اَمَّا فِي الْمَوْقُوتِ يَجِبُ الْبَرُّ فِي الْجُزْءِ الْاٰخِرِ مِنَ الْوَقْتِ وَعِنْدَهُ ذَلِكَ لَمْ يَبْقَ مَحَلَّةُ الْبَرِّ لِعَدَمِ التَّصَوُّرِ فَلَا يَجِبُ الْبَرُّ فِيهِ وَتَبْطُلُ الْيَمِينُ كَمَا اِذَا عَقَّدَهُ اِبْتِدَاءً فِي هَذِهِ الْحَالَةِ

ترجمہ..... اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ اگر میں آج وہ پانی نہ پیوں جو اس پیالہ میں ہے تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ حالانکہ وہ پیالہ بالکل خالی ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر اس میں پانی ہو مگر رات آنے سے پہلے ہی وہ بہا دیا گیا تب بھی حانث نہیں ہوگا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے ہاں ہے۔ لیکن امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ وہ ان تمام صورتوں میں حانث ہو جائے گا۔ یعنی دن گزر جانے کے بعد حانث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بیوی کی طلاق کی قسم نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم ہو تو بھی یہی اختلاف ہے۔ یعنی اگر یہ قسم کھائی کہ واللہ آج کے دن اس پیالہ میں جو پانی ہے اسے پیوں گا۔ تو اس صورت میں بھی یہی اختلاف ہے۔ اور اس اختلاف کی اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک قسم کے منعقد ہونے پھر اس کے باقی رہنے کی شرط یہ ہے کہ اس قسم کو پورا کرنے کا تصور بھی ہو اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کی شرط نہیں ہے۔ ان دونوں کی یعنی طرفین کی دلیل یہ ہے کہ قسم تو اسی لئے کھائی اور مانی جاتی ہے کہ وہ پوری کی جائے۔ اس لئے یہ بات ضروری ہوئی کہ اس کا پورا ہونا ممکن بھی ہوتا کہ قسم واجب کی جائے۔ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ یہاں صرف یہ کہنا ممکن ہے کہ قسم منعقد ہوئی ہے۔ ساتھ ہی اسے پورا کرنا بھی واجب ہے۔ مگر اس طرح سے کہ اس کے خلیفہ میں اثر ظاہر ہو۔ اور اس قسم کا خلیفہ اس کا کفارہ ہوتا ہے۔ (یعنی جب کہنے والے نے زبان سے قسم نکالی تو ہم بھی اسے فضول اور لغو نہیں ہونے دیں گے۔ اب اگر اسے پورا کرنے کا تصور نہ ہو سکے تو کم از کم اس کا کفارہ دینا تو ممکن ہے۔ لہذا اس قسم کا کفارہ یہ حاصل ہوگا کہ وہ کفارہ ادا کر دے۔ اور ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ) خلیفہ ہمیشہ کسی اصل کا ہوتا ہے۔ اس لئے اصل کا ایسا ہونا ضروری ہے کہ اس کا تصور کرنا ممکن بھی ہو۔ تاکہ خلیفہ کے حق میں وہ پایا بھی جائے۔ اسی بناء پر قسم غموس کو کفارہ لازم کرنے کا سبب قرار نہیں دیتے ہیں۔

فائدہ..... یعنی قسم غموس ہونے کی صورت میں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ اگر اصل قسم پوری نہیں ہو سکتی ہے تو کفارہ کو اس کا خلیفہ مان لیا جائے۔ اس لئے

کہ جب اصل ہی کا وجود نہ ہو تو خلیفہ کا وجود کہاں سے ہوگا۔

اگر اس مذکورہ مسئلہ میں یعنی پیالہ سے پانی پینے کی قسم میں اگر آج کی قید نہ ہو تو پہلی صورت میں یعنی جب کہ پیالہ میں پانی نہیں تھا تو بھی امام ابوحنیفہؒ امام محمدؒ کے نزدیک حائث نہیں ہوگا۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وہ فی الفور حائث ہو جائے گا۔ اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ پیالہ کا موجود پانی بہا دیا گیا ہے تو بالاتفاق سب کے نزدیک حائث ہو جائے گا۔ پس امام ابو یوسفؒ نے ان دونوں صورتوں میں اس طرح فرق کیا ہے کہ اس صورت میں جب کہ آج کی قید لگی ہوئی ہو تو دن گذرتے ہی حائث ٹھہر اور اس صورت میں کہ وقت کی قید لگی ہوئی نہ ہو تو فی الفور حائث ٹھہر اور فرق کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی وقت اس لئے مقرر کیا جاتا ہے کہ اس وقت کے ختم ہونے تک گنجائش رہتی ہے۔ اس لئے جب تک کہ آخری وقت نہ آ جائے پیالہ سے پانی پینے کی گنجائش باقی رہے گی۔ یعنی جب دن گزرے۔ پس دن گذرنے سے پہلے وہ حائث نہ ہوگا۔ اور جس صورت میں وقت کی قید نہ ہو اس میں قسم سے فارغ ہوتے ہی اس کا پورا واجب کرنا ہوگا۔ حالانکہ وہ پانی پینے سے عاجز ہے کیونکہ پیالہ بالکل خالی ہے۔ اس لئے وہ فوراً حائث ہو گیا اور امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ نے بھی مطلق اور مقید وقت کے درمیان فرق کیا ہے۔ اس میں فرق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس قسم میں وقت کی قید نہیں ہے وہاں قسم سے فارغ ہوتے ہی قسم کو پورا کرنا یعنی مثلاً پیالہ کا پانی پینا واجب ہو جاتا ہے۔ اب جبکہ پیالہ میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے جس پر قسم کی بنیاد ہے پورا کرنا ختم ہو گیا تو یہ شخص اپنی قسم میں جھوٹا ہو گیا۔ جیسے کہ پیالہ میں یہ پانی رہتے ہوئے قسم کھانے والا اچانک مر جائے تو وہ بھی حائث ہو جاتا ہے اور جس صورت میں وقت کی قید ہے۔ مثلاً آج کے دن کی قید لگائی ہے اس قسم کو پورا کرنا اس وقت سے آخری حصہ میں واجب ہوگا۔ اور آخری حصہ میں داخل ہو جانے میں قسم پوری کرنے کا موقع اور محل باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اب قسم کے پوری کرنے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسے پورا کرنا بھی واجب نہیں ہو گا اور قسم ہی باطل ہو جائے گی۔ جیسے پانی نہ ہونے کی صورت میں اگر شروع میں قسم منعقد ہو بھی گئی تب بھی باطل ہے۔

فائدہ..... یعنی جیسے قسم باقی ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اسے پورا کرنا ممکن بھی ہو۔ ان طرح قسم منقطع ہونے کے واسطے بھی یہ شرط ہے کہ محل موجود ہو۔

اگر قسم کھائی لیصعدن السماء یا لیقلبن هذا الحجر ذہبا قسم منعقد ہو

جائے گی اور حائث ہوگا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لِيَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ أَوْ لِيَقْلِبَنَّ هَذَا الْحَجَرُ ذَهَبًا انْعَقَدَتْ يَمِينُهُ وَحَنَتْ عَقِيْبُهَا وَقَالَ زُفَرٌ لَا تَنْعَقِدُ لِأَنَّهُ مُسْتَحِيلٌ عَادَةً فَأَشْبَهَ الْمُسْتَحِيلَ حَقِيقَةً فَلَا يَنْعَقِدُ وَلَنَا أَنَّ الْبَرَّ مُتَصَوِّرٌ حَقِيقَةً لِأَنَّ الصُّعُودَ إِلَى السَّمَاءِ مُمَكِّنٌ حَقِيقَةً الْآتَرَى أَنَّ الْمَلَائِكَةَ يَصْعَدُونَ السَّمَاءَ وَكَذَا تَحَوَّلَ الْحَجَرُ ذَهَبًا بِتَحْوِيلِ اللَّهِ تَعَالَى وَإِذَا كَانَ مُتَصَوِّرًا يَنْعَقِدُ الْيَمِينُ مُوجِبًا لِيُخْلِفَهُ ثُمَّ يَحْنُ بِحُكْمِ الْحَجَرِ الثَّابِتِ عَادَةً كَمَا إِذَا مَاتَ الْحَالِفُ فَإِنَّهُ يَحْنُ مَعَ اِحْتِمَالِ إِعَادَةِ الْحَيَاةِ بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الْكُوزِ لِأَنَّ شُرْبَ الْمَاءِ الَّذِي فِي الْكُوزِ وَقْتُ الْحَلْفِ وَلَا مَاءَ فِيهِ لَا يَتَصَوَّرُ فَلَمْ يَنْعَقِدْ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں آسمان پر ضرور چڑھ جاؤں گا یا اس پتھر کو سونے سے بدل دوں گا تو اس کی قسم صحیح ہو جائے گی مگر قسم کے بعد حائث ہو جائے گا اور امام زفرؒ نے فرمایا ہے کہ منعقد نہیں ہوگی۔ کیونکہ آسمان پر چڑھنا اور پتھر کا سونے سے بدل جانا عاداتاً محال ہوتا ہے۔ اس بناء پر حقیقی محال کے مشابہ ہو گیا۔ اس لئے قسم منعقد نہیں ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس قسم کو پورا کرنے کا تصور کرنا ممکن ہے کیونکہ آسمان پر چڑھنا حقیقت میں بھی ممکن ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ فرشتے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ پتھر کو سونا بنادے تو اس

کا سونا ہو جانا ممکن ہے اور جب ایسا ہونا ممکن ہوا تو قسم منعقد ہو جائے گی اور بعد میں اس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا خلیفہ یعنی کفارہ دینا واجب ہوگا۔ جیسے اس صورت میں کہ اگر قسم کھانے والا مر جائے تو اس کے حاث ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا دوبارہ زندہ ہو جانا ممکن ہو۔ برخلاف پیالہ کے پانی کے مسئلہ کے۔ کیونکہ قسم کے وقت جو پانی پیالہ میں موجود ہو۔ ایسی صورت میں کہ حقیقتاً اس میں پانی کا قطرہ تک بھی نہ تھا اس کے پینے کا تصور کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ اس لئے وہ قسم ہی منعقد نہ ہوگی۔

فائدہ..... اس مسئلہ میں امام شافعی کا قول بھی ابوحنیفہ کے قول کے جیسا ہے۔ اور یہی قول اظہر ہے۔

باب الیمین فی الکلام

ترجمہ..... باب، گفتگو میں قسم کھانے کا بیان

قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا پھر کلام کی کہ وہ سن رہا تھا مگر وہ سویا ہوا تھا حاث ہو جائے گا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فَلَانًا فَكَلَّمَهُ وَهُوَ بَحِيثٌ يَسْمَعُ إِلَّا أَنَّهُ نَائِمٌ حَتَّى لَانَهُ قَدْ كَلَّمَهُ وَوَصَلَ إِلَى سَمْعِهِ لَكِنَّهُ لَمْ يَفْهَمْ لِنَوْمِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا نَادَاهُ وَهُوَ بَحِيثٌ يَسْمَعُ لَكِنَّهُ لَمْ يَفْهَمْ لِتَغَافُلِهِ وَفِي بَعْضِ رَوَايَاتِ الْمُبْسُوطِ شَرْطُ أَنْ يُوقِظَهُ وَعَلَيْهِ مَشَاهُ خُنَا لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَتَبَّهْ كَانَ كَمَا إِذَا نَادَاهُ مِنْ بَعِيدٍ وَهُوَ بَحِيثٌ لَا يَسْمَعُ صَوْتَهُ

ترجمہ..... قدری نے کہا ہے کہ جس نے اس بات کی قسم کھائی کہ میں فلاں شخص سے بات چیت نہیں کروں گا پھر اس نے اس شخص سے اس حالت میں بات کی کہ وہ (اگر جاگتا ہوتا تو) سن سکتا تھا مگر وہ سویا ہوا تھا۔ تو حاث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے طور پر اس سے گفتگو کر لی۔ اور یہ گفتگو اس کے کانوں میں (قریب ہونے کی وجہ سے) پہنچ بھی گئی لیکن وہ اپنی نیند کی وجہ سے اسے سمجھ نہیں سکا۔ تو اس کی مثال ایسی ہوئی کہ قسم کھانے والے نے اسے پکارا ایسی جگہ (اور اتنے فاصلہ) سے کہ وہ سن سکتا تھا مگر اپنی غفلت (یا دوسرے خیال میں رہنے) کی وجہ سے نہیں سمجھا۔ حالانکہ اس حالت میں بھی وہ حاث ہو جاتا ہے۔ اور مبسوط کی بعض روایات میں یہ شرط لگائی ہوئی ہے۔ کہ اگر اسے اپنی باتوں سے جگادے تو حاث ہو جائے گا اور ہمارے مشائخ بھی اسی شرط پر قائم ہیں۔

یہی قول صحیح ہے۔ (اتحدہ)

کیونکہ جب وہ بیدار نہیں ہوا تو اس سے کلام کرنا ایسا ہو گیا کہ جیسے اسے اتنی دور سے پکارا ہو کہ اس کی آواز نہیں سن سکتا ہو۔

اور اگر اس بات کی قسم کھائی کہ فلاں شخص مثلاً زید سے گفتگو نہیں کروں گا مگر اس (زید) کی اجازت سے پھر اس شخص (زید) نے اسے اجازت دیدی مگر اس کی اجازت کی اسے خبر معلوم نہیں ہوئی اس کے باوجود زید سے بات کر لی تو حاث ہو جائے گا۔ کیونکہ اذن کا لفظ اذن سے مشتق ہے جس کے معنی خبر دینے کے ہیں۔ یا اذن یعنی کان میں آواز آنے سے مشتق ہے اور باخبر ہونا یا کان میں آواز کا آنا بغیر سننے کے نہیں پایا جاسکتا ہے اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا ہے کہ اس طرح حاث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اذن کے معنی اطلاق کے ہیں یعنی اجازت دینا اور مباح کرنا اور یہ بات صرف اجازت دینے سے ہی پوری ہو جاتی ہے۔ جیسے رضاء صرف راضی ہونے سے پوری ہو جاتی ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ رضاء تو دل کے اعمال میں سے ہے اور اذن کا یہ حال نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے۔

فائدہ..... اور فتاویٰ صغریٰ و تنہ میں نوازل کے حوالہ سے ہے کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی۔ پھر اس طرح سے اسے اجازت دی کہ وہ نہیں سن سکی تو امام ابوحنیفہ و امام محمد رحمہما کے قول میں یہ اذن نہیں ہے۔ لیکن ابو یوسف رحمہما اللہ علیہما کے قول میں اذن ہے۔

اور اگر قسم کھائی فلاں کی اجازت کے بغیر کلام نہیں کروں گا اس نے اجازت دے دی اور

اسے معلوم نہیں اس نے کلام کیا حانث ہو جائے گا

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَكْلِمُهُ إِلَّا بِذِيهِ فَإِذْنٌ لَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْإِذْنِ حَتَّى كَلَّمَهُ حَنْثٌ لِأَنَّ الْإِذْنَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْإِذَانِ الَّذِي هُوَ الْإِعْلَامُ أَوْ مِنَ الْوُقُوعِ فِي الْإِذْنِ وَكُلُّ ذَلِكَ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالسَّمَاعِ وَقَالَ أَبُو يُونُسَ لَا يَحْنُثُ لِأَنَّ الْإِذْنَ هُوَ الْإِطْلَاقُ وَأَنَّهُ يَتَّبِعُ بِالْإِذْنِ كَمَا لِرِضَاءٍ قُلْنَا الرِّضَاءُ مِنْ أَعْمَالِ الْقَلْبِ وَلَا كَذَلِكَ الْإِذْنُ عَلَى مَا مَرَّ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ بغیر اجازت کلام نہ کرے گا۔ پھر اسے اجازت ہو گئی۔ مگر اجازت کے بارے میں معلوم نہیں۔ یہاں تک کہ اس نے (مخوف علیہ سے) گفتگو کر لی تو وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اذن (اجازت) اذان سے لیا گیا (مشتق) ہے۔ جو بمعنی ”آگاہ کرنے“ کے ہے۔ یا وقوع اذن (کان میں پڑنا) سے مشتق ہے۔ ہر ایک کا تحقق سماعت کے بغیر نہیں ہوتا۔ امام ابو یوسف کا قول ہے کہ حانث نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ اذن بمعنی ”اطلاق“ کے ہے۔ جو رضا کی طرح صاحب اذن (اجازت دینے والا) سے مکمل ہو جاتا ہے۔ اور ہم (احناف) کہتے ہیں۔ ”رضامند ہونا اعمال قلب (دل) میں سے ہے۔ اسی طرح اذن (اجازت) کا معاملہ جو کہ اوپر گذر چکا ہے۔

تشریح..... لفظ اذن یا تو اذان بمعنی ”آگاہ کرنا“ سے مشتق ہے یا اذن سے جس کا معنی کان میں پڑنا ہے بہر دو تقدیر دونوں صورتوں کا تقاضا یہ ہے کہ عدم سماعت یا سماع (یعنی سنے بغیر) اس کا ثبوت ناممکن ہو تو جب حالف کو اجازت مل گئی لیکن اسے معلوم نہیں تو بات کرنے سے حانث ہو جائے گا۔ امام ابو یوسف کے ہاں حالف صورت مذکورہ میں حانث نہ ہوگا اس لئے کہ ان کے نزدیک اذن بمعنی اطلاق کے ہے اس کیلئے مخوف علیہ کی اجازت کافی ہے خالف کے علم میں آئے یا نہ آئے امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جس طرح رضامندی کا عمل ہے کہ اس میں عمل و سماع ضروری نہیں یہاں بھی اس طرح مخوف علیہ کا اذن کافی ہے۔ لیکن یہ قول محل نظر ہے اسلئے کہ رضامندی افعال قلب سے ہے اور ان اعمال کیلئے علم و سماع ضروری نہیں اور اگر یمین کی غرض اور حث کے لزوم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخوف علیہ کی اجازت سے آگاہ ہونا یا سماع لازمی ہے۔

قسم اٹھائی لا یکلمہ شہرا قسم اٹھانے کے وقت سے مہینہ شمار ہوگا

قَالَ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَكْلِمُهُ شَهْرًا فَهُوَ مِنْ حِينَ حَلَفَ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّهْرَ تَبَدَّدَ الْيَمِينُ وَذِكْرُ الشَّهْرِ لَا خَرَجَ مَا وَرَاءَهُ فَبَقِيَ الَّذِي يَلْبِي يَمِينَهُ دَاخِلًا عَمَلًا بِدَلَالَةِ حَالِهِ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ وَاللَّهِ لَا صُومَ شَهْرًا لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّهْرَ لَا يَتَبَدَّدُ الْيَمِينُ فَكَانَ ذِكْرُهُ لِتَقْدِيرِ الصُّومِ بِهِ وَإِنَّهُ مُنْكَرٌ فَالتَّعْيُنُ إِلَيْهِ

ترجمہ..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اس بات کی قسم کھائی کہ میں اس سے ایک مہینہ گفتگو نہیں کروں گا تو قسم کھانے کے ساتھ ہی اس کا مہینہ شروع ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر وہ مہینہ کا تذکرہ نہ کرتا تو پھر یہ قسم ہمیشہ کے لئے ہو جاتی کہ وہ اس سے زندگی میں کبھی بھی بات نہیں کر سکتا تھا۔ بس مہینہ کے ذکر نے اس کے بعد کے زمانہ کو اس حکم قسم سے فارغ کر دیا ہے۔ لہذا اب اس حکم میں وہ زمانہ باقی رہ گیا جو قسم کھانے کے ساتھ میں پایا جاتا ہے۔ اس کی جو موجودہ حالت ہے اس کو دلیل بناتے ہوئے یعنی اس غصہ کی بناء پر جو اس وقت اس کے دل میں بھرا ہوا ہے۔ بخلاف اس کے اگر اس نے اس طرح کہا کہ واللہ میں ایک ماہ روزہ رکھوں گا۔ یعنی قسم کے وقت سے اس کا زمانہ متعین نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ مہینہ کو ذکر نہیں کرتا پھر بھی اس پر ہمیشہ روزہ رکھنا واجب نہ ہوتا کیونکہ درمیان میں منوع دن بھی آتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ مہینہ کا ذکر صرف اس

لئے ہوتا ہے کہ اس سے روزہ کا اندازہ معلوم ہو جائے۔ اور چونکہ نکرہ کا لفظ استعمال کر کے شہراً کہا ہے اس لئے کوئی مہینہ متعین نہیں ہوا اس لئے اسے وقت معین کرنے کا اختیار ہوگا۔ (یعنی اس پر قسم سے یہ واجب ہوا کہ کبھی بھی ایک مہینہ کے روزے رکھ لے۔ ساتھ ہی یہ اختیار بھی رہا کہ اپنی مرضی سے اس مہینہ کو معین کرے۔

اگر قسم کھائی کلام نہیں کرے گا پھر نماز میں قرآن پڑھا حائث نہیں ہوگا

وَأَنْ حَلَفَ لَا يَتَكَلَّمَ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ فِي صَلَاتِهِ لَا يَحِثُّ وَإِنْ قَرَأَ فِي غَيْرِ صَلَاتِهِ حَثٌّ وَعَلَى هَذَا التَّسْبِيحُ وَالتَّهْلِيلُ وَالتَّكْبِيرُ وَفِي الْقِيَاسِ يَحِثُّ فِيهِمَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ كَلَامٌ حَقِيقَةٌ وَلَنَا أَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ لَيْسَ بِكَلَامٍ عَرَفًا وَلَا شَرْعًا قَالِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنَّ صَلَاتَنَا هَذِهِ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ وَقِيلَ فِي عَرَفْنَا لَا يَحِثُّ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى مُتَكَلِّمًا بَلْ قَارِئًا وَمُسَبِّحًا

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں گفتگو نہیں کروں گا۔ پھر اس نے نماز کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کی تو حائث نہیں ہوگا۔ لیکن اگر نماز کے علاوہ قرآن پاک کی تلاوت کی تو حائث ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اللہ اکبر نماز کی حالت میں کہا تو حائث نہیں ہوگا۔ اور اگر نماز سے باہر کہا تو حائث ہو جائے گا۔ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ نماز کی حالت میں ہو یا نہ ہو دونوں حالتوں میں حائث ہو جائے۔ امام شافعی کا یہی قول ہے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ سب کلام ہی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ نماز کی حالت میں نہ شرعاً کلام ہے اور نہ عرفاً ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہماری یہ نماز ایسی چیز ہے کہ اس میں لوگوں کے کلام سے کچھ بھی لائق نہیں ہے (اس میں کسی قسم کے دنیاوی کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ (رواہ مسلم)

اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے عرف میں نماز کے علاوہ بھی تلاوت کرنے سے حائث نہیں ہوگا۔ کیونکہ قرآن یا تسبیح وغیرہ پڑھنے والے کو مشکلم نہیں کہتے ہیں۔ یعنی اسے باتیں کرنے والا نہیں کہا جاتا ہے۔ بلکہ اسے قاری یا تسبیح پڑھنے والا کہتے ہیں۔

فائدہ..... یہی قول فقیہ ابواللیث اور شیخ الاسلام و صدر شہید و عتباتی رحمہم اللہ کا ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

قسم کھائی فلاں شخص سے گفتگو کروں تو میری بیوی کو طلاق تو بیوی کو کب طلاق ہوگی

وَلَوْ قَالَ يَوْمَ أَكَلِمَ فَلَانًا فَأَمَرَتْهُ طَالِقَ فَهُوَ عَلَى اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لِأَنَّ اسْمَ الْيَوْمِ إِذَا قَرَنَ بِفِعْلِ لَا يَمْتَدُّ بِرَأْدِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَمَنْ يُؤْلِهِمْ يَوْمَ يُؤْلَهُمْ وَكَالْكَلامِ لَا يَمْتَدُّ وَإِنْ عَنِ النَّهَارِ خَاصَّةً ذَيْنَ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ مُسْتَعْمَلٌ فِيهِ أَيْضًا وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يُدَيَّنُ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ خِلَافُ الْمُتَعَارِفِ وَلَوْ قَالَ لَيْلَةً أَكَلِمَ فَلَانًا فَهُوَ عَلَى اللَّيْلِ خَاصَّةً لِأَنَّهُ حَقِيقَةٌ فِي سَوَادِ اللَّيْلِ كَالنَّهَارِ لِلْبَيَاضِ خَاصَّةً وَمَا جَاءَ اسْتِعْمَالُهُ فِي مُطْلَقِ الْوَقْتِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ جس دن میں فلاں سے گفتگو کروں میری بیوی کو طلاق ہے۔ تو یہ کلام دن اور رات دونوں پر ہوگا۔ یعنی خواہ دن میں گفتگو کرے یا رات میں اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ یوم (دن) کا لفظ جب کسی ایسے فعل سے متعلق ہو جو دیر پا (دراز) نہ ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے وَمَنْ يُؤْلِهِمْ يَوْمَ يُؤْلَهُمْ یعنی جو شخص کہ آج کے دن کافروں سے پیٹھ پھیرے گا۔ یعنی جہاد میں کسی بھی وقت کافروں سے پیٹھ پھیرنا مستحق غضب ہے اور کلام بھی ایسا فعل نہیں ہے جو دیر پا ہو اور اگر اس نے فقط دن ہی کی نیت کی

ہو تو قاضی بھی اس کی تصدیق کرے گا۔ کیونکہ یہ لفظ اس معنی میں بھی مستعمل ہے اور امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ عام اور متعارف محاورہ کے خلاف ہے اور اگر اس نے قسم کھائی کہ جس رات میں فلاں شخص سے بات کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ تو اس قسم کا اطلاق فقط رات پر ہی ہوگا۔ کیونکہ رات کا لفظ حقیقت میں تاریکی کے معنی میں ہے جس طرح دن کا لفظ آفتاب کی روشنی کے واسطے ہے۔ جو رات کے مقابلہ میں ہے۔ مگر رات کا استعمال مطلق وقت کے معنی میں نہیں آ رہا ہے۔

اگر کہا ان کلمت فلانا الا ان يقدم فلان يا حتى يقوم فلان يا الا ان يأذن فلان يا حتى

يأذن فلان فامرأته طالق..... فلاں کے قدم اور اذن سے پہلے کلام کی حانث ہو جائے گا

وَلَوْ قَالَ اِنْ كَلَّمْتُ فُلَانًا اِلَّا اَنْ يَّقْدُمَ فُلَانٌ اَوْ قَالَ حَتَّى يَقْدُمَ فُلَانٌ اَوْ قَالَ اِلَّا اَنْ يَأْذِنَ فُلَانٌ اَوْ حَتَّى يَأْذِنَ فُلَانٌ فَاَمْرَأَتُهُ طَالِقٌ فَكَلَّمَهُ قَبْلَ الْقُدُومِ وَالْإِذْنِ حَنْتَ وَلَوْ كَلَّمَهُ بَعْدَ الْقُدُومِ وَالْإِذْنِ لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّهُ غَايَةُ وَالْيَمِينُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ الْغَايَةِ وَمُنْتَهَى بَعْدَهَا فَلَا يَحْنِثُ بِالْكَلَامِ بَعْدَ انْتِهَاءِ الْيَمِينِ وَإِنْ مَاتَ فُلَانٌ سَقَطَتِ الْيَمِينُ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْمَمْنُوعَ عَنْهُ كَلَامٌ يَنْتَهِي بِالْإِذْنِ وَالْقُدُومِ وَلَمْ يَبْقَ بَعْدَ الْمَوْتِ مُتَصَوِّرُ الْوُجُودِ فَسَقَطَتِ الْيَمِينُ وَعِنْدَهُ التَّصَوُّرُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فَعِنْدَ سُقُوطِ الْغَايَةِ يَتَأَبَّدُ الْيَمِينُ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یوں کہا کہ اگر میں نے فلاں سے کلام کیا مگر یہ کہ زید سفر سے آجائے یا یہ کہا کہ یہاں تک کہ زید سفر سے آجائے۔ یا یہ کہا کہ مگر یہ کہ زید مجھے اجازت دے یا یہاں تک کہ زید مجھے اجازت دے تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ پھر زید کے آنے یا اجازت دینے سے پہلے اسی شخص سے کلام کر لیا تو حانث ہو گیا۔ یعنی اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی اور اگر اس کے آنے یا اجازت دینے کے بعد اسی شخص سے کلام کیا تو حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ زید کا آنا یا اجازت دینا انتہاء قرار دی گئی تھی۔ اور انتہاء سے پہلے قسم باقی رہتی ہے۔ اور انتہاء کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے قسم کے ختم ہو جانے کے بعد کلام کرنے سے حانث نہیں ہوگا اور اگر زید مریا تو قسم ختم ہوگئی۔ مگر اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قسم کھانے والے کو ایسا کلام کرنا منع تھا جو زید کی اجازت دینے یا آنے پر پورا ہو جاتا ہے۔ اور زید کی موت کے بعد تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے وہ قسم ہوگئی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا تصور ہونا کچھ شرط نہیں ہے۔ اس لئے زید کے مرنے سے قسم ہمیشہ کے لئے ہو جائے گی۔

فائدہ..... یعنی اگر کبھی بھی فلاں شخص سے کلام کرے گا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔

قسم کھائی کہ لایکلم عبد فلان اور کسی معین غلام کی نیت نہیں کی یا فلاں کی بیوی یا فلاں

کے دوست کے ساتھ کلام نہیں کروں گا..... مذکورہ الفاظ کے ساتھ قسم اٹھانے کا حکم

وَمَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ عَبْدَ فُلَانٍ وَلَمْ يَنْوِ عِبْدًا بَعِيْنِهِ أَوْ امْرَأَةً فُلَانٍ أَوْ صَدِيقَ فُلَانٍ فَبَاعَ فُلَانٌ عَبْدَهُ أَوْ بَاْنَتَ مِنْهُ أَمْرَأَتَهُ أَوْ عَادَى صَدِيقَهُ فَكَلَّمَهُمْ لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّهُ عَقْدُ يَمِينَةٍ عَلَى فِعْلٍ وَأَقْعَ فِي مَحَلٍّ مُضَافٍ إِلَى فُلَانٍ أَمَّا إِضَافَةُ مِلْكٍ أَوْ إِضَافَةُ نِسْبَةٍ وَلَمْ يُوْجَدْ فَلَا يَحْنِثُ قَالَ هَذَا فِي إِضَافَةِ الْمَلِكِ بِالْإِتْفَاقِ وَفِي إِضَافَةِ النِّسْبَةِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ يَحْنِثُ كَالْمَرْأَةِ وَالصَّدِيقِ قَالَ فِي الزِّيَادَاتِ لِأَنَّ هَذِهِ الْإِضَافَةَ لِلتَّعْرِيفِ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ وَالصَّدِيقَ مَفْصُودَانِ بِالْهَجْمِ اِنْ فَلَا يَشْتَرِطُ ذَوَاهُمَا فَيَتَعَلَّقُ الْحُكْمُ بِعَيْنِهِ كَمَا فِي الْإِشَارَةِ وَوَجْهُ

مَا ذُكِرَ هُنَا وَهُوَ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ غَرَضُهُ هَجْرَانَهُ لِأَجْلِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ وَلِهَذَا لَمْ يُعَيِّنْهُ فَلَا يَحْبِثُ بَعْدَ زَوَالِ الْإِضَافَةِ بِالشَّكِّ

ترجمہ..... اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کے غلام سے بات نہیں کروں گا اور کسی خاص غلام کی نیت نہیں کی یا فلاں شخص کی بیوی سے یا فلاں کے دوست سے بات نہیں کروں گا۔ پھر اس فلاں شخص نے اپنا غلام بیچ دیا۔ یا اس کی بیوی اس سے طلاق بائن پا کر علیحدہ ہو گئی۔ یا اس کے دوست سے دشمنی ہو گئی۔ پھر اس نے اس غلام یا عورت یا دوست سے بات کر لی تو حائث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنی قسم ایسے فعل پر رکھی ہے جو ایسے محل میں واقع ہوگا جس کی نیت فلاں شخص کی طرف ہے۔ یعنی اپنی بات کرنے کو ایسے آدمیوں سے متعلق رکھا جن کو اس فلاں شخص کے ساتھ تعلق ہے خواہ وہ تعلق ملکیت کا ہو جیسے فلاں کا غلام۔ یا نکاح کا تعلق ہو یا دوستی قائم ہو۔ اب جب کہ تعلق ان کے ساتھ قائم نہیں رہا تو حائث نہیں ہوگا۔ مصنفؒ نے فرمایا ہے کہ نسبت ملک میں تینوں آئمہ کا اتفاق ہے کہ حائث نہیں ہوگا۔ اور دوسری نسبت کی صورت میں امام محمدؒ کے نزدیک حائث ہوگا۔ جیسے کہ اس کی بیوی یا دوست سے کلام کیا حالانکہ نکاح اور دوستی باقی نہیں ہے تو بھی حائث ہوگا۔ اور امام محمدؒ نے زیادات میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایسی نسبت صرف پہچان کے لئے ہوتی ہے۔ کیونکہ اصل مقصود یہ ہے کہ اس عورت سے اور اس شخص سے کلام کرنا چھوڑ دے۔ کیونکہ ان دونوں سے ذاتی نفرت ہے اور فلاں کی بیوی یا دوست ہونا صرف ان کی پہچان کے لئے ہے۔ اس لئے بیوی اور دوستی کے رشتہ کا ہمیشہ رہنا کچھ شرط نہیں ہے۔ اس لئے حکم ہر شخص کی ذات سے متعلق ہوگا۔ جیسے اشارہ کرنے میں ہوتا ہے۔ یعنی مثلاً یوں کہا کہ فلاں کے اس دوست سے یا فلاں کی اس بیوی سے کلام نہیں کروں گا۔ پس جب کبھی ان دونوں سے کلام کرے گا حائث ہوگا۔ اگرچہ اس شخص سے دوستی باقی نہ رہے۔ اور جو روایت یہاں مذکور ہے یعنی فلاں کے ساتھ نسبت نہ رہنے سے حائث نہ ہوگا یہ جامع صغیر کی روایت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شاید اس کی غرض یہ ہو کہ ان دونوں کو فلاں شخص سے تعلق کی بناء پر چھوڑے۔ اسی وجہ سے اس نے کسی بیوی یا کسی دوست کو معین نہیں کیا ہے (اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان دونوں کی ذات سے اسے نفرت ہو اس طرح شک پیدا ہو گیا۔ پس جبکہ اس شخص کی طرف نسبت باقی نہ رہی تو اب شک کی وجہ سے حائث ہوگا۔

کسی معین غلام پر قسم کھائی یا کسی معین بیوی کیساتھ یا کسی معین دوست کیساتھ کلام نہیں کروں گا،

غلام میں حائث نہیں ہوگا عورت اور دوست میں حائث ہو جائے گا

وَإِنْ كَانَتْ يَمِينُهُ عَلَى عَبْدٍ بَعِينِهِ بَانَ قَالَ عَبْدُ فَلَانٍ هَذَا أَوْ امْرَأَةً فَلَانٍ بَعِينَهَا أَوْ صَدِيقَ فَلَانٍ بَعِينَهُ لَمْ يَحْبِثْ فِي الْعَبْدِ وَحَبِثَ فِي الْمَرْأَةِ وَالصَّدِيقِ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَحْبِثُ فِي الْعَبْدِ أَيْضًا وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍّ وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ دَارَ فَلَانٍ هَذِهِ فَبَاعَهَا ثُمَّ دَخَلَهَا فَهُوَ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ وَجْهٌ قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَزُفَرٍّ أَنَّ الْإِضَافَةَ لِلتَّعْرِيفِ وَالْإِشَارَةِ أَبْلَغُ مِنْهَا لِكُونِهَا قَاطِعَةً لِلشَّرْكَةِ بِخِلَافِ الْإِضَافَةِ فَاعْتَبِرَتْ الْإِشَارَةُ وَلَغِبَتْ الْإِضَافَةُ وَصَارَ كَالصَّدِيقِ وَالْمَرْأَةِ وَلَهُمَا أَنَّ الدَّاعِيَ إِلَى الْيَمِينِ مَعْنَى فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ لِأَنَّ هَذَا الْأَعْيَانُ لَا تَنْهَجِرُ وَلَا تَعَادَى لِذَوَاتِهَا وَكَذَا الْعَبْدُ لِسُقُوطِ مَنْزِلَتِهِ بَلْ لِمَعْنَى فِي مَلَا كَيْهَا فَتَقَيَّدَ الْيَمِينُ بِحَالِ قِيَامِ الْمِلْكِ بِخِلَافِ مَاذَا كَانَتْ الْإِضَافَةُ نِسْبَةً كَالصَّدِيقِ وَالْمَرْأَةِ لِأَنَّهُ يُعَادَى لِذَاتِهِ فَكَانَتْ الْإِضَافَةُ لِلتَّعْرِيفِ وَالِدَّاعِيَ لِمَعْنَى فِي الْمُضَافِ إِلَيْهِ غَيْرُ ظَاهِرٍ لَعَدَمِ التَّعْيِينِ بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ

ترجمہ..... اور اگر اس کی قسم اس فلاں شخص کے کسی معین غلام پر ہو مثلاً کہا کہ فلاں شخص کے اس غلام سے یا معین بیوی یا دوست پر ہو یعنی مثلاً فلاں

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ جلد ششم ۹۹ باب الیمین فی الکلام
 شخص کی اس بیوی یا اس دوست سے کلام نہیں کروں گا۔ پھر فلاں شخص کی طرف ان لوگوں کی نسبت نہ رہی اور ان سے کوئی تعلق باقی نہ رہا تو امام
 ابو حنیفہ و ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک غلام سے کلام کرنے میں حائل نہ ہوگا۔ اور عورت اور دوست سے کلام کرنے میں حائل نہ ہو جائے گا۔ اور
 امام محمدؒ نے کہا ہے کہ غلام سے کلام کرنے میں بھی حائل نہ ہوگا، کہا ہے کہ غلام سے بھی کلام کرنے میں بھی حائل نہ ہوگا۔ امام زفرؒ کا بھی یہی قول
 ہے (اور امام شافعی و مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا بھی یہی قول ہے)۔

اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں فلاں شخص کے اس گھر میں نہیں جاؤں گا۔ پھر اس دوسرے شخص نے اپنے اس گھر کو بیچ دیا اس کے بعد یہ شخص اس
 گھر میں داخل ہو گیا تو اس کے حکم میں بھی وہی اختلاف مذکور ہے۔ یعنی شیخین کے نزدیک حائل نہ ہوگا۔ اور امام محمد و زفر رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک
 حائل نہ ہو جائے گا۔ کیونکہ نسبت تو شناخت کے لئے ہوتی ہے۔ اور اشارہ کر دینے سے پوری پوری شناخت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اشارہ کرنے سے
 شرکت کا احتمال بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ بخلاف نسبت کے اس طرح یہاں شرکت کا اعتبار ہوا اور نسبت بیکار ہو گئی۔ اس لئے دوست اور بیوی کی طرح
 غلام اور گھر کا بھی حکم ہو گیا۔ اور شیخین رحمہما کی دلیل یہ ہے کہ قسم کھانے پر آمادہ کرنے والی ایسی کوئی بات اس شخص یا چیز میں ضرور موجود ہے۔ یعنی
 فلاں شخص کی وجہ سے اس نے قسم کھائی ہے کہ اس کے غلام وغیرہ سے بات نہیں کروں گا۔ کیونکہ یہ چیزیں خود اپنے طور پر ایسی نہیں ہیں کہ ان کو چھوڑا
 جائے یا ان سے دشمنی رکھی جائے۔ اور یہی حال غلام کا بھی ہے۔ کیونکہ اس کا درجہ بہت ہی گھٹا ہوا ہے۔ یعنی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے دشمنی کی
 جائے یا اس سے بولنا چھوڑ دیا جائے تو کچھ فائدہ ہو بلکہ یہ چھوڑنا کسی ایسی وجہ سے ہے جو ان چیزوں کے مالک میں موجود ہے۔ تو قسم اسی وقت تک
 کے لئے باقی رہے گی جب تک کہ اس کی ملکیت باقی ہے۔ بخلاف اس کے اگر ملکیت کی نسبت نہ ہو بلکہ دوسری طرح کی ملکیت ہو۔ جیسے فلاں شخص
 کا دوست یا اس کی بیوی تو ان دونوں سے ذاتی دشمنی یا نفرت بھی قسم کا سبب ہو سکتا ہے۔ اس لئے نسبت صرف پہچان کے لئے ہوتی۔ لیکن قسم کھانے
 کا سبب تو مضاف الیہ یعنی جس کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہے۔ خاص اس میں کسی بات کا ہونا ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے اس نے معین نہیں کیا
 ہے۔ بخلاف پہلی صورت کے یعنی جبکہ ملکیت کی نسبت ہو تو یہ بات ظاہر ہے کہ اس وقت قسم کھانے کا سبب فلاں مخصوص شخص میں کوئی بات ہے۔

قسم کھائی لا یکلم صاحب هذا الطیلسان اس نے چادر کو فروخت کر دیا پھر
 کلام کی حائل ہو جائے گا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَكْلِمُ صَاحِبَ هَذَا الطَّيْلِلسَانِ فَبَاعَهُ ثُمَّ كَلَّمَهُ حَنْتَ لِأَنَّ هَذِهِ الْإِصَافَةَ لَا يَحْتَمِلُ
 إِلَّا التَّعْرِيفَ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يُعَادَى لِمَعْنَى فِي الطَّيْلِلسَانِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَسَارَ إِلَيْهِ وَمَنْ حَلَفَ لَا يَكْلِمُ هَذَا
 الشَّابَّ فَكَلَّمَهُ وَقَدْ صَارَ شَيْخًا حَنْتَ لِأَنَّ الْحُكْمَ تَعَلَّقَ بِالْمُشَارِ إِلَيْهِ إِذَا الصِّفَةُ فِي الْحَاضِرِ لَغَوَ هَذِهِ الصِّفَةُ
 لَيْسَتْ بِدَاعِيَةٍ إِلَى الْيَمِينِ عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ

ترجمہ..... اور محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس چادر والے سے بات نہیں کروں گا۔ اس کے بعد چادر والے نے
 اپنی چادر کسی کے پاس بیچ دی اس وقت اس سے قسم کھانے والے نے بات کی تو بھی حائل نہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس وقت یہ بات ظاہر ہے کہ چادر
 والے کہنے سے مقصود اس کی پہچان کے سوا دوسری کوئی بات نہیں ہے اور اس کا احتمال بھی نہیں ہے۔ کیونکہ چادر میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے
 آدمی سے دشمنی کی جائے۔ اس لئے چادر والا کہنا ایسا ہو گیا جیسے اشارہ سے کہا کہ میں اس آدمی سے بات نہیں کروں گا۔ اگر کسی نے ایسی قسم کھائی کہ
 میں اس نوجوان سے بات نہیں کروں گا پھر اس سے اس حالت میں بات کی کہ وہ ادھیڑ عمر کو پہنچ چکا ہے تو بھی حائل نہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس حکم کا تعلق
 اسی سے ہوگا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس شخص سے بات نہیں کروں گا۔ اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اس شخص سے بات نہیں کروں گا۔

ہو جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

قسم کھائی لا یکلم حینا او زمانا کتنا زمانہ مراد ہوگا؟

فَصْلٌ، قَالَ وَ مَنْ حَلَفَ لَا يَكْلِمُ حِينًا أَوْ زَمَانًا أَوِ الْحِينَ أَوِ الزَّمَانَ فَهُوَ عَلَى سِتَّةِ أَشْهُرٍ لِأَنَّ الْحِينَ قَدْ يُرَادُ بِهِ الزَّمَانُ الْقَلِيلُ وَقَدْ يُرَادُ بِهِ أَرْبَعُونَ سَنَةً قَالَ اللَّهُ تَعَالَى هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ وَقَدْ يُرَادُ بِهِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى تَوْتَى أَكْلَهَا كُلِّ حِينٍ وَهَذَا هُوَ الْوَسْطُ فَيَنْصَرِفُ إِلَيْهِ وَهَذَا لِأَنَّ الْيَسِيرَ لَا يَقْصَدُ بِالْمَنْعِ لَوْجُودِ الْإِمْتِنَاعِ فِيهِ عَادَةً وَالْمَوْبَدُ لَا يَقْصَدُ بِهِ غَالِبًا لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْأَبْدِ وَلَوْ سَكَتَ عَنْهُ يَتَأَبَّدُ فَتَعَيَّنَ مَا ذَكَرْنَا وَكَذَا الزَّمَانُ يُسْتَعْمَلُ الْحِينَ يُقَالُ مَا رَأَيْتُكَ مُنْذُ حِينٍ وَمُنْذُ زَمَانٍ بِمَعْنَى وَهَذَا إِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ أَمَّا إِذَا نَوَى شَيْئًا فَهُوَ عَلَى مَا نَوَى لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةً كَلَامِهِ

ترجمہ..... فصل..... قد درئی نے کہا ہے کہ اگر کسی نے عربی زبان میں اسی طرح قسم کھائی لا اکلم حینا . او . زمانا . او . الحین . او . الزمان . یعنی میں بات نہیں کروں گا۔ کسی ایک حین یا زمانہ بھر یا ایک حین یا زمانہ بھر حالانکہ کسی وقت کی تعیین کی نیت نہ ہو تو اس قسم کا اثر چھ مہینے تک رہے گا۔ کیونکہ لفظ حین سے کبھی تھوڑا سا زمانہ مراد ہوتا ہے اور کبھی اس سے چالیس برس بھی مراد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ہل اتی علی الانسان حین من الدهر اور کبھی چھ مہینے بھی مراد ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے تو تی اکلها کل حین اور یہی وقت ان تینوں معنوں میں سے درمیانی ہے۔ اس لئے قسم اسی سے متعلق کر دی جائے گی۔ کیونکہ تھوڑے سے وقت سے انکار کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ تھوڑی دیر بات نہ کرنے کی عادت بھی ہے۔ اور زمانہ دراز یعنی چالیس برس بھی اکثر مقصود نہیں ہوتا ہے کیونکہ اتنی طویل مدت تو ہمیشہ کے معنی میں بھی آتا ہے اور اگر اتنی مدت سکوت کرے تو دوام ثابت ہو جائے۔ اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ ہم نے جو پہلے بیان کیا ہے یعنی درمیانی مدت (چھ ماہ) ہی متعین ہے اور یہی حال لفظ زمانہ کا بھی ہے۔ یعنی یہ لفظ بھی حین کی طرح مستعمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ عرب والے کہتے ہیں۔ مارایتک منذ حین اس کے معنی یہی ہیں کہ مارایتک منذ زمان یعنی لفظ زمان کہا جائے یا لفظ حین دونوں سے ایک ہی معنی مراد لیتے ہیں۔ یہاں چھ ماہ کی مراد اسی صورت میں ہوگی جبکہ بولتے وقت اس کی کچھ نیت نہ ہو کیونکہ اگر اس نے کہتے وقت کسی متعین وقت کی نیت کر لی ہو تو اسی نیت کے مطابق اس کی قسم کا اعتبار ہوگا کیونکہ اس نے اپنے کلام سے حقیقی معنی مراد لئے ہیں۔

فائدہ..... خلاصہ بیان ہوا کہ حین اور زمان الف ولام کے ساتھ الحین اور الزمان اور خواہ بغیر الف ولام کے بولا جائے دونوں صورتوں میں دونوں سے ایک ہی معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ بخلاف دہر کے کہ الدہر سے عرف میں دوام مراد ہوتا ہے اور دہر سے مطلق زمانہ مراد ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ دہری اس شخص کو کہتے ہیں جو دہر کا قائل ہو اور خالق باری تعالیٰ کا منکر ہو اور حقیقت میں دہر میں جو چیزیں موجود ہیں سب کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ دہر کی شکایت اور برائی نہ کرو کیونکہ دہر تو اللہ تعالیٰ ہے یعنی اس دہر کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور دہر خود کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ اسلئے جب قسم کھانے والے نے مطلقاً دہر کہا تو معلوم نہیں ہوگا کہ اس نے کیا معنی مراد لئے ہیں۔ کیونکہ جو معنی مراد لئے ہیں اسی پر قسم ہوگی اور جب اس نے کوئی معنی مراد نہیں لئے تو اس کی مقدار معلوم نہیں ہو سکتی۔

قسم اٹھائی لا یکلم الدهر اس سے کتنے دن مراد ہوں گے؟

وَكَذَلِكَ الدَّهْرُ عِنْدَهُمَا وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ الدَّهْرُ لَا أَدْرِي مَا هُوَ وَهَذَا الْإِخْتِلَافُ فِي الْمُنْكَرِ هُوَ الصَّحِيحُ أَمَّا

الْمُعْرِفُ بِالْأَلْفِ وَاللَّامِ يُرَادُّهُ الْإِبْدَعُ فَالْهَمَّا أَنَّ دَهْرًا يُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالُ الْحَيْنِ وَالزَّمَانُ مَارَاتُكَ مِنْذُ حَيْنٍ وَمِنْذُ دَهْرٍ بِمَعْنَى وَأَبُو حَنِيفَةَ تَوَقَّفَ فِي تَقْدِيرِهِ لِأَنَّ اللَّغَاتِ لَا تُدْرِكُ قِيَاسًا وَالْعُرْفُ يُعْرِفُ اسْتِمْرَارُهُ لِاخْتِلَافٍ فِي الْإِسْتِعْمَالِ

ترجمہ..... اور اسی طرح الدھر ہے۔ ان دونوں (صاحبین) کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ دھر کیا ہے اور یہ اختلاف (لفظ دھر کو) نکرہ کرنے میں ہے اور یہی صحیح ہے۔ اگر الف لام کے ساتھ (لفظ دھر) معرفہ ہو تو اس سے مراد عرف عام میں دوام (ہیشگی) ہے۔ صاحبین کے نزدیک (نکرہ کے بارے میں) لفظ دھر حین اور زمان کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے (عرب میں) ما رایتک منذ حین ومنذ دھر امام ابوحنیفہ نے اس (دھر) کی مقدار میں اس لئے توقف کیا ہے کہ "قیاس" سے لغات کو دریافت نہیں کیا جاتا۔ اور یہاں (دھر کے) استعمال میں اختلاف کی وجہ سے عرف دائماً جاری نہیں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے عربی زبان میں قسم کھائی لا اکلمہ دھرًا (میں اس سے کبھی بات نہیں کروں گا) تو صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک حین و زمان کی طرح چھ ماہ کی مدت تک حالف کیلئے ترک کلام کا سلسلہ مشتمل ہوگا۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک لفظ "دھر" وقت کی مقدار اور تعین کے حوالے سے بہر صورت چھ ماہ کی مدت کیلئے متصور ہوتا ہے۔ بایں وجہ کہ ان (صاحبین) کے ہاں حین و زمان اور دھر میں کوئی فرق نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ دھر کو بطور نکرہ استعمال کیا گیا ہو یا معرفہ۔

امام ابوحنیفہ نے لفظ دھر کو نکرہ کے طور پر استعمال کرنے کی صورت میں توقف (خاموشی) اختیار کرتے ہوئے لا ادری دھرًا (میں بصورت نکرہ دھر کو نہیں جانتا) کو الف لام کے بغیر نکرہ استعمال کیا ہے۔ اگر حالف نے دھر کو الف لام کے ساتھ بصورت معرفہ استعمال کیا تو پھر اس صورت میں عرفاً بالاتفاق دوام (ہیشگی) مراد ہے۔ لفظ دھر کو بصورت نکرہ بیان کرنے میں صاحبین نے اختلاف کیا ہے۔ ان (صاحبین) کی دلیل یہ ہے کہ لفظ دھر (بالنکرہ) بھی حین اور زمان کی طرح ہے۔ کیونکہ عرب کا مقولہ ہے کہ ما رایتک منذ حین اور ما رایتک منذ دھر چونکہ عربوں کے ہاں منذ کرہ دونوں مقولوں میں کوئی فرق نہیں۔ لہذا یہ (دونوں مقولے) معنی کے اعتبار سے بھی مترادف و ہم معنی ہوں گے۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ ان صمت دھرًا تو صاحبین کے نزدیک چند ایام یا چند ماہ روزہ رکھنے سے وہ حادث ہو جائے گا۔ بشرطیکہ حالف نے وقت کے تعین کی نیت نہ کی ہو۔ بلکہ مطلقاً ان صمت دھرًا کہا ہو۔ خواہ وہ متواتر روزے رکھے یا متفرق طور پر اسلئے کہ ان (صاحبین) کے نزدیک دھر، حین، زمان کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں۔ حالف نے ان صمت دھرًا یا حیناً یا زماناً کے الفاظ سے قسم کھائی تو چھ ماہ تک روزے رکھنا ہوں گے۔ اگر متعین وقت کی نیت کر لی تو پھر حالف کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ جبکہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جب لفظ دھر کو بصورت نکرہ استعمال کیا جائے تو اس صورت میں خاموشی اختیار کرنی چاہئے۔ کیونکہ اسماء اور الفاظ کی لغوی مقدار نقل پر موقوف ہے۔ چونکہ لفظ دھر بصورت نکرہ کی مقدار کے حوالے سے کوئی نص (قرآنی آیت یا حدیث نبوی ﷺ) موجود نہیں۔ اور نہ ہی اہل لغت نے اس (لفظ دھر بصورت نکرہ) کی کوئی تفسیر بیان کی ہے۔ اسلئے ذریعہ علم نہ ہونے کے باعث توقف کرنا لازمی امر ہے۔ چونکہ دھر سے مطلق زمانہ مراد ہے۔ جیسا کہ دہری یاد دہریہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا منکر اور زمانے (دھر) کا قائل ہو۔ دھر میں جتنی اشیاء پائی جاتی ہیں۔ ان کا خالق اللہ رب العزت ہے۔ چنانچہ فرمان رسول اللہ علیہ السلام ہے کہ:

۱۔ ان الدھر هو اللہ تعالیٰ یقیناً زمانہ اللہ تعالیٰ ہے۔

۲۔ قوله عليه السلام لا تسبوا الدھر فان الدھر هو اللہ زمانہ کو برا بھلا مت کہو اسلئے کہ زمانہ (دھر) اللہ تعالیٰ ہے

ان دونوں فرمودات نبویہ ﷺ کا مفہوم یہ ہے،

کہ دہر (زمانہ) کی بدگوئی مت کرو۔ کیونکہ اس (دہر) کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ دہر (زمانہ) خود کچھ نہیں کر سکتا۔ اس میں جو تصرف بھی ہوگا وہ منجانب اللہ ہوگا۔ لہذا زمانے (دہر) کی بدگوئی کرنا گویا کہ خود اللہ تعالیٰ کی بدگوئی کرنا ہوگا۔ اسلئے جب حالف نے دہر (بصورت نکرہ) کا لفظ مطلقاً استعمال کیا تو نہ جانے اس سے حالف کی مقدار کون سے معنی ہیں۔ چنانچہ مطلق دہر سے معنی کی مراد معلوم نہیں ہو سکتی۔ مقدار کے حوالے سے وقف کے تین درجے ہیں۔ قصیر (کم مدت)، وسط (درمیانی مدت)، طویل (لمبی مدت یا لامتناہی مدت) لفظ ”دہر“ میں اثبات عموم سے وقت کے تینوں درجوں میں سے مقدار کا کوئی درجہ معلوم نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس میں معنی اور مقدار کے تعین میں شبہ کی گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک توقیفی (جس مسئلہ میں شبہ کی گنجائش ہو) ہے۔ اور توقیفی امور میں قیاس کرنا باطل ہے۔ لہذا توقیفی امور پر مبنی مسائل میں توقف کرنا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ ہدایہ کے متن میں ہوا صحیح سے مراد شیخ ابو المعینؒ کی اس روایت سے احتراز ہے جو بشر بن ولید نے امام ابو یوسفؒ سے نقل کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کہ لفظ دہر بصورت نکرہ یا معرّف استعمال کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ صحیح قول (ہو) (الصحيح) یہ ہے کہ لفظ دھراف لام کے ساتھ معرّف ہو تو بالافتاق ”دائم“ معنی مراد ہوگا اور بصورت نکرہ (لفظ دہر کو) استعمال کرنے میں امام ابو حنیفہؒ نے توقف کیا ہے۔ توقف پر مبنی توجیہ کی بحث مذکورہ صورت میں بیان ہو چکی ہے۔

قسم کھائی چند دنوں تک بات نہیں کروں گا کتنے دن مراد ہوں گے؟

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَكْلِمُ أَيَّامًا فَهُوَ عَلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِأَنَّهُ اسْمٌ جَمْعٌ ذَكَرَ مُنْكَرًا فَيَتَنَا وَلِأَنَّ أَقْلَ الْجَمْعِ وَهُوَ الثَّلَاثُ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَكْلِمُ أَيَّامًا فَهُوَ عَلَى عَشْرَةِ أَيَّامٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ عَلَى الْأَسْبُوعِ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَكْلِمُ الشُّهُورَ فَهُوَ عَلَى عَشْرَةِ أَشْهُرٍ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا عَلَى اثْنَيْ عَشَرَ شَهْرًا لِأَنَّ اللَّامَ لِلْمَعْهُودِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ يَدُورُ عَلَيْهَا زَلَّهُ أَنَّهُ جَمْعٌ مُعَرَّفٌ فَيَنْصَرِفُ إِلَى أَقْصَى مَا يَذْكُرُ بِلَفْظِ الْجَمْعِ وَذَلِكَ عَشْرَةٌ وَكَذَا الْجَوَابُ عِنْدَهُ فِي الْجَمْعِ وَالسَّيِّئِينَ وَعِنْدَهُمَا يَنْصَرِفُ إِلَى الْعُمَرِ لِأَنَّهُ لَا مَعْهُودَ دُونَهُ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی (عربی میں) کہ لا یکلّم ایاماً یعنی چند دنوں تک میں بات نہیں کروں گا۔ تو یہ قسم تین دنوں تک رہے گی۔ کیونکہ ایام اسم جمع ہے اور بغیر الف لام کے ذکر کیا گیا ہے اس لئے جمع کے کم سے کم عدد پر اس کا اطلاق ہوگا اور وہ تین کا عدد ہے (لیکن اردو یا فارسی میں دو ہی دن پر قسم واقع ہوگی کیونکہ جمع کم سے کم اتنا ہی ہوتا ہے) اور اگر یہ قسم کھائی لا یکلّمہ الا ایام یعنی ایام الف لام داخل کر کے کہا۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس دنوں تک قسم باقی رہے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک سات دنوں تک رہے گی۔ اور اگر قسم کھائی ”لا یکلّمہ الشہور“ تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس مہینے تک اور صاحبینؒ کے نزدیک بارہ مہینوں تک قسم باقی رہے گی۔ کیونکہ یہاں الف لام معبود اور متعین کے لئے ہے۔ اس لئے وہی مقدار متعین ہوگی جو ہم نے بیان کر دی ہے۔ یعنی ایک ہفتہ یا بارہ مہینے کیونکہ اسی پر بنیاد ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے کہ الا ایام کہہ کر الف لام سے معرّف کیا اس لئے لفظ جمع سے زیادہ سے زیادہ جو عدد مذکور ہوتا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا جو کہ دس کا عدد ہے۔

فائدہ..... یعنی عرب اپنے عرف میں بولا کرتے ہیں ثلثة ایام واربعة ایام اور آخر میں عشرة ایام لیکن اس کے بعد پھر لفظ ایام جمع کے ساتھ نہیں بولتے ہیں بلکہ اور عشر یوماً بولتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایام کا اطلاق دس پر آخری ہے۔ اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے عام بول چال میں ایام کا لفظ ایک ہفتہ کے لئے ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح لفظ شہور مہینوں کے معنی میں بارہ مہینوں کے لئے متعین ہے (کہ اس کے بعد سنۃ یا عام کہا جاتا ہے) اور یہی بارہ مہینے اور سات دن گھوم کر آتے ہیں۔ اس لئے ان ہی دنوں پر پورے زمانہ کا مدار ہوا اور عتابیہ میں لکھا ہے کہ ہماری زبان میں عربی لفظ ایام نہیں بولا جاتا ہے بلکہ روز کا لفظ بولا جاتا ہے اس وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہاں پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ اس لئے یہ قسم ایک ہفتہ کے لئے ہی

محدود رہے گی) اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہی جواب اس صورت میں بھی ہوگا جبکہ کہنے والے نے الجمع، یعنی جمعہ کی جمع کو الف لام کے ساتھ اور اسنن، سنہ کی جمع کو الف لام کے ساتھ معرف کر کے کہا۔ یعنی ان دونوں الفاظ میں بھی اتنی ہی تعداد جو معبود اور مشہور ہے یعنی دس جمعے یا دس برس مراد ہوں گے اور صاحبینؒ کے نزدیک ساری زندگی کے لئے ہوں گی۔ کیونکہ اس سے کم ہونے کی کوئی صورت نہیں ہے اور کچھ معبود نہیں ہے۔

غلام کو کہا ان خدمتیں ایسا کثیرہ فانت حرا یا ام کثیرہ کا مصداق کتنے دن ہوں گے؟

وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ اِنْ خَدَمْتَنِي اَيَّامًا كَثِيرَةً فَانْتَ حُرٌّ فَلَا اَيَّامُ الْكَثِيرَةِ عِنْدَ ابْنِ حَنِيْفَةٍ عَشْرَةُ اَيَّامٍ لِاَنَّهُ اَكْثَرُ مَا يَتَنَوَّلُهُ اِسْمُ الْاَيَّامِ وَقَالَ سَبْعَةُ اَيَّامٍ لِاَنَّ مَا زَادَ عَلَيْهَا تَكَرَّرًا وَقَلِيلٌ لَوْ كَانَ الْيَمِيْنُ بِالْفَارِسِيَّةِ يَنْصَرِفُ اِلَى سَبْعَةِ اَيَّامٍ لِاَنَّهُ لَا يَذْكُرُ فِيْهَا بِلَفْظِ الْمَفْرَدِ دُونَ الْجَمْعِ

ترجمہ..... اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا (عربی میں) ان خدمتیں ایسا کثیرہ یعنی اگر تم نے میری خدمت بہت ایام کی تو تم آزاد ہو۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس دن مراد ہوں گے کیونکہ ایام میں زیادہ دس ہی دن ہوتے ہیں اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ سات دنوں سے جو زیادہ ہوں گے وہ مکرر ہو جائیں گے۔ اسلئے سات ہی دن برابر ہوں گے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر فارسی زبان میں قسم کھائی اور اس طرح کہا ”اگر مرادو بسیار خدمت کردی آزادی شدی“ تو یہ قسم سات ہی دنوں تک کے لئے ہوگی۔ کیونکہ فارسی اور اردو میں روز مفرد ہی مستقبل ہوا کرتا ہے جمع کے لفظ سے ذکر نہیں کیا جاتا ہے۔

تشریح..... مذکورہ صورت میں ایام کثیرہ سے مراد امام صاحب کے ہاں دس دن ہیں دلیل یہ ہے کہ اسم عدد کی یہ انتہاء ہے اور صاحبینؒ کے ہاں سات دن مراد ہوں گے اس لئے کہ ان کے ہاں اصل سات دن ہیں پھر یہی ایام مکرر ہوتے ہیں اسلئے ساتھ دن مراد لیئے جائیں گے۔

باب الیمین فی العتق والطلاق

ترجمہ..... باب، آزادی اور طلاق کے بارے میں قسم کھانے کا بیان

بیوی سے کہا جب تو بچہ جنے تجھے طلاق اس نے مردار بچہ جنا طلاق ہو جائے گی

وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ اِذَا وَلَدْتَ وَلَدًا فَانْتَ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ وَلَدًا مَيِّتًا طَلَّقَتْ وَكَذَلِكَ اِذَا قَالَ لِامْتِهِ اِذَا وَلَدَتْ وَلَدًا فَانْتَ حُرَّةٌ لِاَنَّ الْمَوْجُودَ مَوْلُودٌ فَيَكُوْنُ وَلَدًا حَقِيْقَةً وَيُسَمَّى بِهٖ فِي الْعُرْفِ وَيُعْتَبَرُ وَلَدًا فِي الشَّرْعِ حَتَّى تَنْقَضِيَ بِهٖ الْعِدَّةُ وَالْدَّمُ بَعْدَهُ نِفَاسٌ وَاُمُّهُ اُمٌّ وَلِدْلَهٗ فَيَتَحَقَّقُ الشَّرْطُ وَهُوَ وَلَادَةُ الْوَلَدِ

ترجمہ..... اگر کسی نے اپنی بیوی سے اس طرح کہا کہ جب تم کو بچہ پیدا ہو تو تم کو طلاق ہے۔ اس کے بعد اس کو ایک مراہو بچہ پیدا ہوا تو اسے طلاق ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر مولیٰ نے اپنی باندی سے کہا اگر تو نے لڑکا جنا تو تو آزاد ہے اسلئے کہ مولود حقیقت میں پیدا کئی بچہ ہے عرف میں بھی اسے بچہ کہا جاتا ہے اور شریعت میں بھی حتیٰ کہ اس بچے سے عدت گذر جاتی ہے اور اس کی پیدائش کے بعد نفاس شمار کیا جاتا ہے اور ان کی ماں ام ولد بن جاتی ہے پس شرط پائی گئی جو کہ بچہ کی پیدائش ہے۔

کسی نے کہا اپنی باندی سے کہ توجب بچہ جنے تو وہ آزاد ہے، اس نے بچہ جنا
آزاد ہو جائے گا

وَلَوْ قَالَ إِذَا وَلَدَتْ وَلَدًا فَهُوَ حُرٌّ قَوْلًا ثُمَّ آخَرَ حَيًّا عَتَقَ الْحَيُّ وَحَدَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يَغْتَبِقُ
وَاحِدٌ مِنْهُمَا لِأَنَّ الشَّرْطَ قَدْ تَحَقَّقَ بِوِلَادَةِ الْمَيِّتِ عَلَى مَا بَيَّنَّا فَيَنْحَلُّ الْيَمِينُ لِأَلِيَّ جَزَاءٍ لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ
بِمَحَلٍّ لِلْحُرِّيَّةِ وَهِيَ الْجَزَاءُ وَالْأَبْيَ حَنِيفَةَ أَنَّ مُطْلَقَ اسْمِ الْوَلَدِ مُقَيَّدٌ بِوَصْفِ الْحَيَّةِ لِأَنَّهُ قَصِدَ اثْبَاتِ الْحُرِّيَّةِ
جَزَاءً وَهِيَ قُوَّةٌ حَكْمِيَّةٌ تَظْهَرُ فِي دَفْعِ تَسَلُّطِ الْغَيْرِ وَلَا تَنْبُتُ فِي الْمَيِّتِ فَيَتَقَيَّدُ بِوَصْفِ الْحَيَّةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا
قَالَ إِذَا وَلَدَتْ وَلَدًا حَيًّا بِخِلَافِ جَزَاءِ الطَّلَاقِ وَحُرِّيَّةِ الْأَمِّ لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ مُقَيَّدًا

ترجمہ..... اگر اپنی باندی سے کہا کہ اگر تم کو بچہ ہوا تو وہ آزاد ہوگا۔ اس کے بعد اس باندی کو پہلے ایک مردہ بچہ پیدا ہو پھر دوسرا بچہ زندہ پیدا ہوا تو امام
ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقط زندہ آزاد ہوگا اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک بھی آزاد نہ ہوگا کیونکہ مرے ہوئے بچہ کی پیدائش سے شرط
پائی گئی کیونکہ مردہ بچہ بھی پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے تو قسم بغیر جزاء کے واقع ہوئی کیونکہ مردہ بچہ تو کسی طرح بھی آزادی پانے کے قابل نہیں ہے۔ حالانکہ
قسم کی جزاء میں آزاد ہونا بھی ہے۔ اس لئے یہ قسم جزاء کے بغیر پائی گئی اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مطلقاً بچہ اسی کو کہا جاتا ہے جس میں علامت
زندگی موجود ہو کیونکہ مولیٰ نے شرط کی جزاء کے طور پر اس کی آزادی کا ارادہ کیا ہے اور آزادی تو حکماً ایک ایسی قوت کا نام ہے جو دوسرے کسی کی
زبردستی اور تسلط کو اپنے اوپر برداشت نہیں کرتی ہے بلکہ اسے دور کرتی ہے۔ مگر ایسی قوت تو کسی مردہ میں ثابت نہیں ہو سکتی ہے۔ لہذا بچہ میں زندگی
کے وصف پائے جانے کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ سمجھا جائے گا کہ مولیٰ نے یہ کہا تھا کہ اگر تم نے زندہ بچہ جنا تو وہ بچہ آزاد ہوگا اور یہ مسئلہ طلاق یا ام ولد
کی آزادی کی جزاء کے برخلاف ہے۔ یعنی پہلے مسئلہ میں بچہ کے زندہ ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ بیوی کی طلاق اور باندی کی آزادی ایسی چیز نہیں
ہے جو بچہ کے زندہ ہونے کا تقاضا کرتی ہو۔

پہلا وہ غلام جسے میں خریدوں وہ آزاد ہے، غلام خرید آزاد ہو جائے گا

وَإِذَا قَالَ أَوَّلُ عَبْدٍ اشْتَرَيْتَنِي فَهُوَ حُرٌّ فَاشْتَرَى عَبْدًا عَتَقَ لِأَنَّ الْأَوَّلَ اسْمٌ لِفَرْدٍ سَابِقٍ فَإِنْ اشْتَرَى عَبْدَيْنِ مَعًا
آخَرَ لَمْ يَعْتَقْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا لِأَنَّهُ لَمْ يَنْعِدْ التَّفَرُّدَ فِي الْأَوَّلِينَ وَالسَّبْقُ فِي الثَّالِثِ فَانْعَدَمَتِ الْأَوَّلِيَّةُ وَإِنْ قَالَ أَوَّلُ
عَبْدٍ اشْتَرَيْتَنِي وَحَدَهُ فَهُوَ حُرٌّ عَتَقَ الثَّالِثُ لِأَنَّهُ يُرَادُّ بِهِ التَّفَرُّدُ فِي حَالَةِ الشِّرَاءِ لِأَنَّ وَحْدَهُ لِلْحَالِ لُغَةً وَالثَّالِثُ
سَابِقٌ فِي هَذَا الْوَصْفِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ کہا کہ پہلا وہ غلام جسے میں خریدوں وہ آزاد ہوگا۔ چنانچہ اس نے ایک غلام خرید تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ پہلا
ایسا فرد کہلاتا ہے جو سب سے سبقت لے جانے والا ہو۔ اور اگر اس نے ایک ساتھ دو غلام خریدے پھر تیسرا خرید تو ان تین میں سے ایک بھی آزاد
نہ ہوگا کیونکہ پہلے دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے اول آنے والا نہ ہوا اور تیسرا بھی سب سے پہلا نہیں ہوا۔ اس طرح کوئی بھی پہلا ہو کر نہیں
پایا گیا۔ اور اگر یہ کہا کہ پہلا وہ غلام جسے میں تنہا خریدوں تو وہ آزاد ہوگا تو ان تینوں میں سے تیسرا آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس لفظ سے خریدنے میں
تنہا ہونا مراد ہے کیونکہ اکیلا ہونا یہاں واقع ہو رہا ہے۔ یعنی خرید کا حال ہے۔ اور اکیلا خریدے جانے میں تیسرا غلام ہی سب سے پہلا پایا گیا ہے۔

اور اگر یہ کہا کہ آخری غلام جسے میں خریدوں وہ آزاد ہے، یہ کہہ کر مولیٰ مر گیا، اب کیا ہوگا؟

وَأِنْ قَالَ أَحَرُّ عَبْدًا اشْتَرَيْتَهُ فَهُوَ حُرٌّ فَاشْتَرَى عَبْدًا وَمَاتَ لَمْ يَعْتَقْ لِأَنَّ الْآخَرَ لَفَرْدٌ لَّاحِقٌ وَلَا سَابِقٌ لَهُ فَلَا يَكُونُ لَّاحِقًا وَلَوْ اشْتَرَى عَبْدًا ثُمَّ مَاتَ عَتَقَ الْآخَرَ لِأَنَّهُ فَرْدٌ لَّاحِقٌ فَاتَّصَفَ بِالْآخِرِيَّةِ وَيَعْتَقُ يَوْمَ اشْتَرَاهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ وَقَالَ يَعْتَقُ يَوْمَ مَاتَ حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنَ الثُّلُثِ لِأَنَّ الْآخِرِيَّةَ لَا يَنْبَغُ إِلَّا بَعْدَ شِرَاءٍ غَيْرِهِ بَعْدَهُ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِالْمَوْتِ فَكَانَ الشَّرْطُ مُتَحَقِّقًا عِنْدَ الْمَوْتِ فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ وَلَا يَبْغِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمَوْتَ مُعَرَّفٌ فَأَمَّا اتِّصَافُهُ بِالْآخِرِيَّةِ مِنْ وَقْتِ الشِّرَاءِ فَيَنْبَغُ مُسْتَنَدًا

ترجمہ..... اور اگر یہ کہا کہ آخری غلام جسے میں خریدوں وہ آزاد ہے۔ یہ کہہ کر مولیٰ مر گیا تو وہ آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ آخری غلام وہی ہوگا جس سے پہلے بھی کوئی خریدا گیا ہو، حالانکہ اس سے پہلے کوئی نہیں خریدا گیا ہے۔ اس لئے یہ لاحق یعنی آخر بھی نہیں ہوا۔ اور اگر اس نے ایک ایک کر کے یعنی پہلے ایک خریدا بعد میں ایک اور خریدا پھر خود مر گیا تو دوسرا غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ بعد میں خریدا ہوا غلام ہوا اس لئے اس میں آخری ہونے کا وصف پایا گیا (کیونکہ اس کے مرجانے کی وجہ سے مزید خریدنے کا احتمال بھی ختم ہو گیا)۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک (مالک کے مرنے کے بعد سے نہیں بلکہ) جس دن مالک نے اسے خریدا ہے اس دن سے آزاد سمجھا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ مالک کے پورے مال سے آزاد سمجھا جائے گا۔ یعنی جس وقت مالک نے اسے خریدا ہے اس وقت وہ صحیح اور تندرست تھا اور اگر چہ اس تندرستی کی حالت میں مولیٰ کی شرط پائی گئی اور غلام آزاد ہو گیا تھا مگر اس کے مرنے پر اس شرط کا پورا ہونا معلوم ہوا۔ اس لئے اس کی آزادی مولیٰ کے کل ترک سے معتبر ہوگی (خواہ اس کی جتنی بھی قیمت ہو سکتی تھی) اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ مولیٰ جس دن مرا ہے اسی دن سے اسے آزاد سمجھا جائے گا۔ یعنی گویا اس نے اپنی موت کے وقت اسے آزاد کیا ہے۔ اسی لئے اس کے ترک کی تہائی سے یہ آزاد مانا جائے گا (کہ اگر تہائی مال سے اس کی پوری قیمت ہو سکتی ہو تو بہتر ہے ورنہ زائد کا یہ مقروض ہوگا) کیونکہ اس کا آخری غلام ہونا تو اس وقت ثابت ہوگا جبکہ اس کے بعد دوسرا کوئی اور نہیں خریدا گیا ہو اور یہ بات اس مولیٰ کے مرنے کے بعد ہی یقینی طور پر معلوم ہوئی۔ اس لئے شرط کا پایا جانا اس کی موت کے وقت ہوا۔ اور آزاد ہونا اسی وقت ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موت نے یہ بات بتلا دی ہے کہ یہی آخری غلام ہے۔ لیکن اس کا آخری ہونا تو خریدنے کے وقت سے ثابت ہو گیا تھا۔ اگر چہ اس وقت معلوم نہیں ہوا تھا مگر حقیقت میں یہی آخری تھا۔ اس لئے خریدنے کے وقت سے اس کا آخری ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اور جیسے ہی یہ آخری ہوا اسی وقت سے آزاد بھی ہوا۔

وہ آخری عورت جس سے میں نکاح کروں اسے تین طلاق ہیں، اس کا حکم

وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ تَغْلِيْقُ الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ بِهِ وَفَائِدَتُهُ تَطْهَرُ فِي جَرَيَانِ الْأَرْثِ وَعَدَمِهِ

ترجمہ..... یہی اختلاف اس صورت میں بھی ہے کہ آخری ہونے کے ساتھ تین طلاقیں مشروط کی ہوں۔ اس اختلاف کا فائدہ میراث پانے اور نہ پانے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

فائدہ..... اس کی وضاحت یہ ہوتی ہے کہ اگر ایک مرد نے کہا کہ آخری عورت جس سے میں نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہیں۔ پھر ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر دوسری عورت سے نکاح کیا اور اس کے تین حیض گزرنے کے بعد خود مر گیا تو صاحبینؒ کے نزدیک موت کے وقت طلاق پا کر میراث کی مستحق ہوگی۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسی وقت سے طلاق والی ہوئی جس وقت اس سے نکاح کیا تھا۔ اس لئے میراث کی مستحق نہیں ہوگی۔

آقا نے کہا کہ ہر وہ غلام جو مجھے فلاں بیوی کے ہاں ولادت کی خوشخبری دے وہ آزاد ہے، تین

غلاموں نے اسے علیحدہ علیحدہ خوشخبری دی، پہلے والا آزاد ہو جائیگا

وَمَنْ قَالَ كُلُّ عَبْدٍ بَشَرِي بُولَا دَةَ فَلَانَةٍ فَهُوَ حُرٌّ فَبَشَرَهُ ثَلَاثَةً مُتَفَرِّقِينَ عَتَقَ الْأَوَّلَ لِأَنَّ الْبَشَارَةَ اسْمٌ لِخَبَرٍ يُغَيِّرُ بَشَرَةَ الْوَجْهِ وَيَشْتَرِطُ كَوْنُهُ سَارًا بِالْعُرْفِ وَهَذَا إِنَّمَا يَتَحَقَّقُ مِنَ الْأَوَّلِ وَإِنْ بَشَرُوهُ مَعَاعَتَقُوا لِأَنَّهَا تَحَقَّقَتْ مِنَ الْكُلِّ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ کہا کہ ہر وہ غلام جو مجھے میری فلاں بیوی کے ہاں ولادت کی خوشخبری دے گا وہ آزاد ہوگا۔ پھر تین غلاموں نے اسے علیحدہ علیحدہ خوشخبری سنائی یعنی ایک کے بعد ایک نے تو ان میں سے پہلے جس نے بشارت سنائی وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ بشارت ایسی خبر کو کہتے ہیں جو چہرہ کی رنگت بدل دے لیکن عرف میں اس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ کوئی خوشخبری ہو۔ یعنی خوشی کی وجہ سے اس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جائے اور یہ بات صرف پہلے غلام کی خبر سے ہی مکمل ہو جائے گی اور اگر ان تینوں نے مل کر ایک ساتھ اسے خوشخبری سنائی تو تینوں ہی آزاد ہو جائیں گے کیونکہ وہ بشارت ان تینوں سے پائی گئی ہے

اگر کسی نے کہا ان اشتریت فلانا فهو حر، پھر کفارہ قسم کی طرف سے خریدا، یہ کفارہ درست نہیں ہے

وَلَوْ قَالَ إِنْ اشْتَرَيْتُ فَلَانًا فَهُوَ حُرٌّ فَاشْتَرَاهُ يَتَوَى بِهِ كَفَّارَةٌ يَمِينُهُ لَمْ يَجْزِهِ لِأَنَّ الشَّرْطَ قِرَاءُ النَّيَّةِ بِعِلَّةِ الْعِتْقِ وَهِيَ الْيَمِينُ فَأَمَّا الشِّرَاءُ فَشَرْطُهُ وَإِنْ اشْتَرَى أَبَاهُ يَتَوَى عَنْ كَفَّارَةٍ يَمِينُهُ أَجْزَاءُهُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِرَفْرَفِ وَالشَّافِعِيُّ لَهُمَا أَنَّ الشِّرَاءَ شَرْطُ الْعِتْقِ فَأَمَّا الْعِلَّةُ فَهِيَ الْقَرَابَةُ وَهَذَا لِأَنَّ الشِّرَاءَ اثْبَاتُ الْمِلْكِ وَالْإِعْتَاقُ إِزَالَتُهُ وَبَيْنَهُمَا مُنَافَاةٌ وَلَسْنَا أَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتَاقٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَنْ يُجْزَى وَلَدٌ وَالِدِهِ إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيُشْتَرِيهِ فَيُعْتِقَهُ جَعَلَ نَفْسَ الشِّرَاءِ إِعْتَاقًا لِأَنَّهُ لَا يُشْتَرِطُ غَيْرُهُ فَصَارَ نَظِيرُ قَوْلِهِ سَقَاهُ فَارَوْاهُ

ترجمہ..... اور اگر اس نے یہ کہا کہ اگر میں نے فلاں کو خریدا تو وہ آزاد ہے۔ پھر اس غلام کو خریدا مگر قسم کا کفارہ ادا کرنے کی نیت سے تو وہ کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ادائیگی کے لئے شرط یہ ہے کہ آزادی کی علت یعنی قسم کے ساتھ ساتھ اس کی نیت بھی پائی گئی ہو۔ اور خریداری تو شرط ہے۔

فائدہ..... یعنی جیسے ہی اسے خریدا وہ خریدتے ہی آزاد ہو گیا۔ اور کفارہ اس وقت جائز ہوتا ہے جب کہ آزادی کی علت یعنی قسم کے ساتھ ساتھ کفارہ دینے کی نیت متصل ہو جو یہاں نہیں پائی گئی۔ بلکہ آزادی کی شرط یعنی خرید کے ساتھ متصل ہوئی۔ اس لئے کفارہ ادا نہ ہوگا۔

اگر کسی نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کرنے کی نیت سے اپنے باپ کو خریدا تو ہمارے نزدیک یہ کفارہ جائز ہوگا۔ اور اس میں امام زفر و شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف ہے۔ ان دونوں کی دلیل یہ ہے کہ خریداری تو صرف آزادی کی شرط ہے۔ اور اس کی علت قرابت ہے۔ کیونکہ خریداری سے اپنی ملکیت کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اور آزاد کرنا اپنی ملکیت کو ختم یا دور کرنے کا نام ہے۔ اور ان دونوں باتوں میں منافات ہے۔ اس لئے خریداری آزادی کی علت نہیں ہو سکتی ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اپنے قریب کو خریدنے کا مطلب ہی اس کو آزاد کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لڑکا اپنے باپ کا کوئی بدلہ نہیں ادا کر سکتا ہے سوائے اس کے کہ اپنے باپ کو مملوک اور غلام پائے تو اسے اس کے مالک سے خرید لے تو

وہ آزاد ہو جائے گا۔ امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس میں خریدنے کو یہی آزادی قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں دوسری کوئی بھی شرط نہیں لگائی۔ تو اس کی نظیر عرب کا یہ قول ہوا کہ ”سقاه فارواہ“۔ یعنی اسے پانی پلا کر سیراب کر دیا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے فلاں متعین شخص کو خرید کرنے پر کہا کہ وہ (فلاں) آزاد ہے، پھر اس نے کفارہ قسم سے آزاد کرنے کی نیت سے خرید کر لیا تو اس صورت میں اس (حالف) کا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ علت عتق (آزادی کی وجہ) قسم کے ساتھ اتصال نیت شرط ہے۔ یعنی جب بھی اسے (فلاں کو) خرید اتو وہ (فلاں) خریدتے ہی آزاد ہو گیا۔ اور کفارہ کا جواز تب ہوتا کہ علت عتق یعنی کفارہ بالیمین کی نیت متصل ہو۔ چنانچہ یہاں یہ شرط موجود نہیں ہے بلکہ عتق کی شرط شراء (خریداری) کے ساتھ متصل ہوئی ہے لہذا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مذکورہ صورت میں عتق پہلی (سابقہ) قسم ہے۔ اور شراء (خریداری) عتق کی شرط ہے۔ چونکہ یہاں شراء کے ساتھ نیت متصل ہو گئی لہذا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ باین وجہ کہ ادائے کفارہ کیلئے نیت کا علت کے ساتھ متصل ہونا مشروط ہے۔ چونکہ حقیقت میں علت عتق حالف کا قول ہو جو حر ہے۔ لیکن تعلیق کے وقت اگرچہ اس کا علت ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن وجود شرط کے وقت عتق کا حکم سابقہ علت کی طرف منسوب ہوگا۔ چنانچہ یہ صورت یوں ہوگی کہ علت مقدم ہونے کے حوالے سے فقہاء کی تصریح ہے کہ قسم کھاتے وقت حالف کیلئے اہلیت شرط ہے، لیکن شرط کے تحقق (ثبوت) کیلئے اس کی اہلیت مشروط نہیں۔ اگر کسی نے کفارہ یمین کی نیت سے اپنے باپ کو خرید کر آزاد کر دیا تو احناف کے نزدیک ادائے کفارہ کی یہ صورت جائز ہوگی۔ جبکہ امام شافعیؒ اور امام زفرؒ کے ہاں (کفارہ کی مذکورہ صورت) جائز نہ ہوگی۔

مذکورہ صورت میں اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ ادائے کفارہ میں کفارہ کے ادا ہونے کیلئے علت عتق کے ساتھ کفارہ کی نیت کا متصل ہونا تمام فقہاء کے نزدیک ضروری ہے۔ مذکورہ صورت میں امام زفرؒ اور امام شافعیؒ نے قرابت (باپ کی خریداری) کو آزادی کی وجہ (علت عتق) اور ملکیت کو اس کی شرط قرار دے دیا ہے۔ جب کہ ہمارے (ائمہ ثلاثہ - امام مالکؒ، امام محمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ) کے نزدیک اس صورت کا حکم برعکس ہے (یعنی ملکیت عتق کی علت ہے اور قرابت اس کی شرط ہے) چونکہ شریعت نے قریب کی خریداری کو اعتاق (آزاد ہونا) قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایسی صورت میں لامحالہ ملکیت ہی عتق کی علت قرار پائے گی، لہذا حالف کا اپنے باپ کو بہ نیت کفارہ خریدنا نیت کا علت عتق کے متصل کر دے گا۔ چنانچہ کفارہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن ہر دو حضرات (زفرؒ و شافعیؒ) نے چونکہ قرابت کو علت قرار دیا ہے اس لئے علت نیت سے متصل نہ ہوئی لہذا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ لیکن ہمارا (احناف وغیرہ) قول ارشاد نبوی ﷺ (جسے بخاریؒ کے علاوہ تمام محدثین نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو متن میں بھی بیان کیا گیا ہے)

عن سهل ابن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ ؓ (عن النبی) صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لَنْ يُجْزِيَ وَلَدُ الْوَالِدِ

إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا..... الخ

(بیٹا اپنے باپ کی مکافات نہیں کر سکتا الا یہ کہ باپ کو کسی کا مملوک (غلام) پا کر خرید کر لے پھر وہ آزاد ہو جائے) [رواہ مسلم والاریضہ، یعنی ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ]۔ سے مؤید ہونے کی بنا پر راجح ہے۔ مزید یہ کہ ہمارے قول کی تائید میں اہل عرب کا مقولہ سقاه فارواہ بطور نظیر موجود ہے، جس کا مفہوم و خلاصہ یہ ہے ”جب اعتاق کا عطف شراء“۔ حرف فاء۔ کے ساتھ ہو تو وہ کلام عرب میں ترانی بالزمان کا مقتضی ہوتا ہے۔ جب ایک فعل کا عطف دوسرے فعل پر ”حرف فاء“ کے ساتھ ہو تو دوسرا فعل پہلے فعل کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ کلام عرب میں اس کی مثال ہے۔

”ضربہ فاعطاه، اطعمہ فاشبعہ، و سقاه فارواہ“ مذکورہ نظیر میں سقاه فعل ہے اور لروا بھی فعل ہے، ان دونوں (فعلوں) کا عطف حرف ”فا“ کیساتھ ہے۔ جس کا معنی ہے اس کو پانی پلا کر سیراب کر دیا۔ کلام عرب کی اس نظیر (مثال) سے مذکورہ مسئلہ کی مطابقت (جو کہ ہماری یعنی احناف وغیرہ کی تائید کرتی ہے) یوں ہوگی کہ جس طرح پانی پلانے کے فعل سے (پینے والے کے) سیراب ہونے کا فعل ثابت ہوتا ہے اسی طرح قرابت کے خریدنے پر مبنی فعل سے عتق کا فعل ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اپنی ام ولد کو کفارہ کی نیت سے خرید اتویہ کفارہ درست نہیں

وَلَوْ اشْتَرَى أُمَّ وَلَدِهِ لَمْ يَجْزُ وَمَعْنَى هَذَا الْمَسْأَلَةِ أَنْ يَقُولَ لِأَمَةٍ قَدِ اسْتَوْلَدَهَا بِالنِّكَاحِ إِنْ اشْتَرَيْتُكَ فَانْتِ حُرَّةٌ عَنْ كَفَّارَةِ يَمِينِي ثُمَّ اشْتَرَاهَا فَإِنَّهَا تَعْتِقُ لِرُجُودِ الشَّرْطِ وَلَا يُجْزِيهِ عَنِ الْكَفَّارَةِ لِأَنَّ حُرِّيَّتَهَا مُسْتَحَقَّةٌ بِالِاسْتِيلَادِ فَلَا تُصَافُ إِلَى الْيَمِينِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لِقَنَّةٍ إِنْ اشْتَرَيْتُكَ فَانْتِ حُرَّةٌ عَنْ كَفَّارَةِ يَمِينٍ حَيْثُ يُجْزِيهِ عَنْهَا إِذَا اشْتَرَاهَا لِأَنَّ حُرِّيَّتَهَا غَيْرُ مُسْتَحَقَّةٍ بِجِهَةٍ أُخْرَى فَلَمْ يَخْتَلِ الْإِضَافَةُ إِلَى الْيَمِينِ وَقَدْ قَارَنَتْهُ النِّيَّةُ

ترجمہ..... اور اگر اپنی ام ولد کو کفارہ کی ادائیگی کی نیت سے خرید اتویہ کفارہ صحیح نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ کی صورت یہ ہوگی کہ کسی نے دوسرے شخص کی باندی سے نکاح کیا اور اس سے اس کو کوئی بچہ بھی ہو گیا۔ اس وقت اس سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر میں کبھی تم کو خرید لوں تو تم قسم کے کفارہ میں آزاد ہو گی۔ پھر اسے ایک وقت میں خرید لیا۔ تو شرط پائی جانے کی وجہ سے اب وہ آزاد ہو جائے گی۔ لیکن یہ قسم کے کفارہ میں ادا نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی آزادی تو صرف اس کے ام ولد بننے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس لئے قسم کی طرف اس کی اضافت نہیں کی جائے گی۔ بخلاف اس کے کہ اگر کسی اجنبیہ خالص باندی سے یعنی جو اس کی ام ولد بھی نہیں ہے یہ کہا کہ اگر میں تم کو خرید لوں تو تم میری قسم کے کفارہ میں آزاد ہوگی۔ اور کسی وقت اسے خرید لیا تو کہنے کے مطابق اس کا وہ کفارہ ادا ہو جائے گا۔

کسی نے کہا اگر جاریہ سے ہم بستری کروں تو وہ آزاد ہے، پھر ہم بستری کی، وہ آزاد ہو جائے گی

وَمَنْ قَالَ إِنْ تَسَرَّيْتُ جَارِيَةً فَهِيَ حُرَّةٌ فَتَسَرَّى جَارِيَةٌ كَانَتْ فِي مِلْكِهِ عَتَقَتْ لِأَنَّ الْيَمِينَ انْعَقَدَتْ فِي حَقِّهَا لِمُصَادَفَتِهَا الْمَلِكَ وَهَذَا لِأَنَّ الْجَارِيَةَ مُنْكَرَةٌ فِي هَذَا الشَّرْطِ فَيَتَنَا وَلِ كُلِّ جَارِيَةٍ عَلَى الْإِنْفِرَادِ وَإِنْ اشْتَرَى جَارِيَةً فَتَسَرَّاهَا لَمْ تَعْتِقْ بِهِذِهِ الْيَمِينِ خِلَافًا لِزُفَرَّانَةَ يَقُولُ التَّسَرَّى لَا يَصِحُّ إِلَّا فِي الْمَلِكِ فَكَانَ ذِكْرُهُ ذِكْرَ الْمَلِكِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ لَا جَنَبِيَّةَ إِنْ طَلَّقْتِكَ فَعَبْدِي حُرٌّ يَصِيرُ التَّزْوُجُ مَذْكُورًا وَلَنَا أَنَّ الْمَلِكَ يَصِيرُ مَذْكُورًا ضَرُورَةً صِحَّةِ التَّسَرَّى وَهُوَ شَرْطٌ فَيَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهِ فَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ صِحَّةِ الْجَزَاءِ وَهُوَ الْحُرِّيَّةُ وَفِي مَسْأَلَةِ الطَّلَاقِ إِنَّمَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّرْطِ دُونَ الْجَزَاءِ حَتَّى لَوْ قَالَ لَهَا إِنْ طَلَّقْتِكَ فَانْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَهَا وَطَلَّقَهَا لَا تُطَلِّقُ ثَلَاثًا فَهَلْهِمْ وَزَانُ مَسْأَلَتِنَا

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میں اپنی باندی کو (تہنای میں لے جاؤں) جماع کروں تو وہ آزاد ہے۔ پھر اس نے باندی کے ساتھ وہ عمل کر لیا (جماع کر لیا) تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس باندی کے بارے میں قسم ثابت (منعقد) ہو گئی۔ اس لئے کہ یہ قسم اس کی ملکیت میں پائی گئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں باندی (جاریہ) نکرہ ہے اس لئے ایک ایک کر کے تمام باندیوں کو شامل ہے۔ اور اگر (اس کہنے کے بعد) کسی باندی کو خرید کر اپنے ماتحت لایا (جماع کیا) تو وہ اس قسم کی وجہ سے آزاد نہ ہوگی۔ اس میں امام زفر کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اپنے تحت میں کہنا اسی صورت میں صحیح ہوتا ہے کہ اس کی ملکیت موجود ہو تو ماتحتی میں لانے کو ذکر کرنا ملکیت میں لانے ہی کا ذکر ہے۔ تو یہ بات ایسی ہو گئی جیسے کہ اجنبیہ عورت سے کہا کہ اگر میں تم کو طلاق دوں تو میرا غلام آزاد ہے۔ تو اس میں گویا (طلاق کے ذکر سے) نکاح میں لانا مذکور ہو گیا۔ اور ہماری

دلیل یہ ہے کہ ملک کا مذکور ہونا اس ضرورت کی بناء پر ہے کہ اسے ماتحت بنانا صحیح ہو۔ اور یہاں ماتحت میں لانا شرط ہے۔ اس لئے جہاں تک ضرورت ہے وہاں تک ملک کا ذکر کیا جانا فرض کیا جائے گا۔ یعنی شرط کی حد تک ملکیت مذکور ہوگی۔ اور جزاء یعنی آزادی کے بارے میں ملکیت ظاہر نہ ہو گی۔ اور طلاق کے مسئلہ میں بھی ملک نکاح صرف شرط کے حق میں ظاہر ہوتی ہے۔ جزاء کے حق میں نہیں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی لجنہ عورت سے کہا کہ اگر میں تم کو طلاق دوں تو تم کو تین طلاقیں ہیں۔ پھر اس سے نکاح کر کے اس کو طلاق دے دی تو تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی۔ یہی ہمارے مسئلہ کی نظیر ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھاتے وقت کسی بھی لونڈی سے کہا کہ تجھے (نکاح یا ملکیت کے ذریعے) اگر میں اپنی ماتحتی میں لے آیا تو تو آزاد ہے۔ پھر وہ لونڈی کو اپنی ماتحتی میں لایا تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ مذکورہ صورت میں انعقاد یمین کیلئے حالف کا لونڈی کو اپنی ماتحتی میں لانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) نکاح (۲) ملکیت

مذکورہ صورت میں متکلم یا حالف کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی کی ماتحتی ملکیت کے ذریعے ہے۔ کیونکہ تسریت جارية فہی حرة اس پر دلالت کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ آزادی کی شرط مملوکہ کے لئے ہوتی ہے قطع نظر اس سے کہ غیر کی لونڈی یا حرہ منکوحہ ہو لیکن منکوحہ مطلقہ ہو سکتی ہے۔ مگر فہی حرة کے زمرے میں نہیں آ سکتی۔ چنانچہ متذکرہ صورت میں لونڈی کو ماتحتی میں لانا ملکیت کے ذریعہ ہوگا۔ اگر یمین کا وقوع متکلم یا حالف کی ملکیت میں ہوا تو اس صورت میں یمین منعقد ہو کر حریت کا سبب ہوگی جو کہ انعقاد یمین کے لئے شرط ہے۔ چنانچہ وجود شرط کی بنا پر یمین کا انعقاد ہو جائے گا۔ یعنی لونڈی آزاد ہو جائے گی۔ چونکہ متکلم یا حالف نے ”جاریہ“ (لونڈی) کا لفظ بطور نکرہ استعمال کیا تھا اس لئے متکلم یا حالف کی ملکیت میں آنے والی ہر لونڈی پر فرد افراد انعقاد یمین کا اطلاق ہوگا۔ کیونکہ نکرہ میں عموم پایا جاتا ہے جو اپنے مدخول کے تمام افراد پر محیط ہے۔ چنانچہ ”نکرہ“ کی عمومیت ہر لونڈی پر یمین کو منعقد کر دے گی۔ اگر حالف نے اپنی لونڈی کو قسم کھاتے وقت یہ کہا کہ تجھے اپنے حرم میں لے آؤں تو تو آزاد ہے۔ تو اس صورت میں وہی لونڈی آزاد ہوگی جسے وہ حرم میں لایا تھا بشرطیکہ حلف کے وقت وہ اس کی ملکیت میں تھی، ورنہ بصورت دیگر وہ لونڈی اس یمین کی وجہ سے آزاد نہ ہوگی کیونکہ یمین کے وقت لونڈی کے حوالے سے ملکیت کی شرط موجود نہ تھی۔ لیکن امام زفرؒ اس صورت سے اختلاف کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ چونکہ فقط ملکیت میں تسری (ماتحتی میں لانا) صحیح ہے۔ اس لئے حرم میں لانے کا ذکر دراصل ملکیت کا تذکرہ ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے غیر محرم یعنی لجنہ عورت سے کہا کہ ان طلقنک فعبدی حر (اگر میں نے تجھے طلاق دی تو میرا غلام آزاد ہے) چنانچہ اس کلام میں تزویج کا ذکر بھی از خود ہو گیا۔ ہمارا (احناف کا) متدل یہ ہے کہ تسری کی صحت کیلئے ملکیت کو مذکور مانا جاتا ہے، کیونکہ وہ شرط ہے اس لئے وہ (ملکیت مذکور) بقدر ضرورت محدود ہوگی جب کہ جزاء کا صحیح ہونا متحقق کے حق میں ظاہر نہ ہوگا۔ اور مسئلہ طلاق میں شرط کے بارے میں تو اس کا اظہار ہوگا جزاء کے ثبوت میں ظاہر نہ ہوگا۔ اب اس مسئلہ کی نوعیت یہ ہوگی کہ اگر متکلم یا حالف نے کسی بیگانی عورت سے کہا کہ ان طلقنک فان طالق ثلثا (اگر میں نے تجھے طلاق دی تو تو مطلقہ ثلاثہ ہے) پھر اس متکلم یا حالف نے نکاح کر کے طلاق دیدی تو وہ عورت مطلقہ ثلاثہ نہ ہوگی۔ یعنی اس پر تین طلاق واقع نہ ہوں گی کیونکہ طلاق کیلئے نکاح شرط ہے جب کہ متکلم یا حالف کے الفاظ طلاق قبل از نکاح تھے چنانچہ مذکورہ مسئلہ بھی زیر بحث مسئلہ کی طرح ہو گیا۔ یعنی امام زفرؒ نے جس مسئلہ میں اختلاف کر کے بطور دلیل جسے پیش کیا تھا وہ مسئلہ ہمارے مسئلہ کی مثل ہو گیا۔ اسی کے باعث ہمارا استدلال رائج ثابت ہوا۔

کسی نے کہا کل مملوک لی حرؒ تو اس میں مکاتیب بغیر نیت کے شامل نہ ہوگا

لِمَلِكٍ ثَابِتٍ فِيهِمْ رَقَبَةٌ وَ يَدٌ أَوْ لَا يَعْتَقُ مَكَاتِبُهُ إِلَّا أَنْ يُنَوِّبَهُمْ لِأَنَّ الْمَلِكَ غَيْرُ ثَابِتٍ يَدًا وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ اِكْتِسَابُهُ وَلَا يَحِلُّ وَطْئُ الْمَكَاتِبَةِ بِخِلَافِ أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبَّرَةِ فَاخْتَلَفَ الْإِضَافَةُ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ کہا کہ میرا ہر مملوک آزاد ہے تو اس کہنے کی وجہ سے اس کی ساری ام ولد باندیاں اور اس کے سارے مد بر غلام اور مطلقا غلام آزاد ہو جائیں گے کیونکہ ان لوگوں کی طرف پوری نسبت پائی گئی ہے کیونکہ ان سب پر ذات اور قبضہ ہر ایک اعتبار سے ملکیت ثابت ہے لیکن اس کا ایک بھی مکاتب غلام آزاد نہ ہوگا۔ البتہ اگر کہتے وقت اس کی بھی نیت کر لی ہو تو وہ بھی آزاد ہو جائے گا کیونکہ قبضہ کے اعتبار سے مکاتب پر ملکیت ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ مکاتب اپنے ہاتھوں کی کمائی کا خود مالک اور مختار ہے۔ اسی لئے اس کا مولیٰ اس کی کمائی کا مالک نہیں ہوتا ہے اور مکاتبہ باندی سے اس کے مولیٰ کو وحی کرنا حلال نہیں ہوتا ہے۔ بخلاف ام ولد اور مد برہ باندی کے کہ ان سے سب کچھ جائز ہے۔ اس بناء پر مکاتب کی طرف مملوک ہونے کی نسبت میں کی پائی جاتی ہے۔ اسی لئے نیت کا ہونا ضروری کیا گیا ہے۔

اپنی بیویوں کو کہا کہ یہ والی کو طلاق ہے یا اس کو اور اس کو طلاق ہے، آخری والی کو طلاق واقع ہو جائے گی

وَمَنْ قَالَ لِنِسْوَةٍ لَّهُ هَذَا طَالِقٌ أَوْ هَذَا وَ هَذِهِ طُلِّقَتِ الْآخِرَةُ وَلَهُ الْخِيَارُ فِي الْأَوَّلِينَ لِأَنَّ كَلِمَةَ أَوْ لَا ثَبَاتٍ أَحَدِ الْمَذْكُورَيْنِ وَقَدْ أَدْخَلَهَا بَيْنَ الْأَوَّلِينَ ثُمَّ عَطَفَ الثَّالِثَةَ عَلَى الْمُطَلَّاقَةِ لِأَنَّ الْعَطْفَ لِلْمُشَارَكَةِ فِي الْحُكْمِ فَيَخْتَصُّ بِمَحَلِّهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ أَحَدُكُمَا طَالِقٌ وَ هَذِهِ وَ كَذًا إِذَا قَالَ لِعَبِيدِهِ هَذَا حُرًّا وَ هَذَا وَ هَذَا وَ هَذَا عَتَقَ الْآخِرُ وَلَهُ الْخِيَارُ فِي الْأَوَّلِينَ لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ..... اور اگر کسی نے اپنی بیویوں کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہا کہ یہ بیوی مطلقہ ہے یا یہ اور یہ مطلقہ ہے۔ یعنی تینوں بیویوں کو مخاطب کر کے کہا تو جسے اخیر میں کہا ہے اسے طلاق ہو جائے گی اور پہلی دونوں میں اسے ایک کا اختیار ہے یعنی ان میں سے جس کسی ایک کو چاہے طلاق کے لئے متعین کر دے۔ اس لئے کہ کلمہ او (یا) اس غرض سے آتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک میں حکم مذکور ثابت ہو اور اس نے بھی پہلے دونوں کے درمیان حرف یاء داخل کیا ہے۔ پھر اس نے تیسری بیوی کو مطلقہ عورت پر عطف کیا ہے کیونکہ عطف کا داو حکمی شرکت کے لئے ہوتا ہے تو وہ اپنی ہی جگہ پر قائم رہے گا۔ گویا اس نے یوں کہا کہ تم دونوں میں سے تو صرف ایک کو طلاق ہے البتہ اس ایک کو بھی طلاق ہے۔ اسی طرح اگر اپنے غلاموں سے کہا کہ یہ غلام آزاد ہے یا یہ اور یہ تو آخری غلام لازماً آزاد ہوگا اور پہلے دونوں میں سے اسکو ایک میں اختیار ہے۔ اوپر کی بیان کی ہوئی دلیل سے۔

تشریح..... صورت مذکورہ میں جن دونوں بیویوں کے درمیان لفظ او ہے ان میں شوہر کو اختیار ہوگا اس لئے کہ او تخیر کیلئے آتا ہے اور تیسری بیوی جو لفظ واو کے بعد واقع ہے اس پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ چونکہ اس قول میں وقوع طلاق میں تینوں شریک ہیں لیکن واو نے تیسری بیوی پر طلاق کا حکم صادر کر دیا لیکن لفظ او کی وجہ سے باقی دونوں میں اختیار ہوگا اسی طرح اگر غلاموں سے کہا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

قائدہ..... یعنی حرف (یا) پہلی دونوں عورتوں میں سے ایک کے لئے ہے۔

باب الیمین فی البیع والشراء والتزوج وغير ذلك

ترجمہ..... باب، خرید و فروخت اور نکاح کرنے کے بارے میں قسم کھانے کا بیان

حلف اٹھائی کہ بیع نہیں کرے گا یا خریدے گا نہیں یا کرایہ پر نہیں دے گا،

پھر کسی کو وکیل بنایا اس نے یہ سب کیا تو حاث نہیں ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَبِيعُ أَوْ لَا يَتَشْرِي أَوْ لَا يُؤَاجِرُ فَوَگُلَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّ الْعَقْدَ وَجَدَ مِنَ الْعَاقِدِ حَتَّى كَانَتْ الْحَقُوقُ عَلَيْهِ وَلِهَذَا لَوْ كَانَ الْعَاقِدُ هُوَ الْحَالِفُ يَحْنِثُ فِي يَمِينِهِ فَلَمْ يَوْجَدْ مَا هُوَ الشَّرْطُ وَهُوَ الْعَقْدُ مِنَ الْأَمْرِ وَإِنَّمَا الثَّابِتُ لَهُ حُكْمُ الْعَقْدِ إِلَّا أَنْ يَتَوَيَّ ذَلِكَ لِأَنَّ فِيهِ تَشْدِيدًا أَوْ يَكُونُ الْحَالِفُ دَاسِلُطَانٍ لَا يَتَوَكَّلِي الْعَقْدَ نَفْسُهُ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ نَفْسَهُ عَمَّا يَتَعَادَاهُ

ترجمہ..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نہیں بیچوں گا یا نہیں خریدوں گا یا کرایہ پر نہیں دوں گا۔ پھر اپنے کام کو دوسرے کے ذمہ کر دیا اور اس نے یہ کام کر لئے۔ تو وہ حاث نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ معاملے اس کے وکیل نے کئے ہیں۔ اسی لئے معاملہ کے سلسلہ کے سارے حقوق وکیل ہی کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے اگر قسم کھانے والا خود ہی معاملہ کرنے والا ہو تو وہ حاث ہو جائے گا۔ اس لئے جس بات کی شرط تھی وہ نہیں پائی گئی۔ یعنی قسم کھانے والے نے خود کوئی معاملہ نہیں کیا بلکہ اس کا تو صرف حکم پایا گیا ہے۔

(فائدہ..... یعنی مثلاً وکیل کے خریدنے سے جو چیز ملی اگرچہ وہ قسم کھانے والے کی ملکیت ہوئی۔ لیکن وہ قسم کے کھانے والے کے معاملہ (اور عقد) کرنے سے نہیں ملی ہے۔ اس لئے وکیل کے معاملہ کرنے سے قسم کھانے والا حاث نہیں ہوگا)۔

البتہ اگر قسم کھانے والے نے اپنی قسم کھاتے وقت اس بات کی بھی نیت کر لی ہو تو حاث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس بات کے مان لینے سے اس قسم کھانے والے پر سختی پڑھتی ہے۔ یا قسم کھانے والا حاکم اور ایسا صاحب اختیار ہو کہ وہ ایسے کاموں کا معاملہ خود نہیں کرتا ہو۔ تو بھی اس کے وکیل کے ذریعہ معاملہ کرنے سے حاث ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو ایسے کام سے روکا ہے جس کا کرنا اس کی عادت میں تھا۔

تشریح..... فعل کا حقیقی طور پر فاعل دینی ہوتا ہے جو فعل کا مرتکب ہو اب جب وکیل نے بیع یا شراء وغیرہ کی تو یہ فعل اور تمام کاروائی وکیل کی طرف لوٹے گی لہذا جن معاملات میں کاروائی وکیل کی ذات کی طرف لوٹی ہے۔ ان معاملات میں حالف حاث نہ ہوگا لیکن جو معاملات وکیل کی طرف نہیں بلکہ حالف کی طرف لوٹتے ہیں ان میں حالف حاث ہو جائے گا۔

قسم کھائی کہ لا یتزوج او لا یطلق او لا یعتق، پھر کسی کو وکیل بنایا اس نے یہ

امور کئے، حاث ہو جائے گا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَتَزَوَّجُ أَوْ لَا يَطْلُقُ أَوْ لَا يُعْتِقُ فَوَگُلَ بِذَلِكَ حَنْثٌ لِأَنَّ الْوَكِيلَ فِي هَذَا سَفِيرٌ وَمُعَبَّرٌ وَلِهَذَا لَا يُضَيِّفُهُ إِلَى نَفْسِهِ بَلْ إِلَى الْأَمْرِ وَحَقُوقُ الْعَقْدِ تَرْجِعُ إِلَى الْأَمْرِ لَا إِلَيْهِ وَلَوْ قَالَ غَنِيْتُ أَنْ لَا أَتَكَلَّمَ بِهِ لَمْ يَدِينَنَّ فِي الْقَضَاءِ خَاصَّةً وَسَنَشِيرُ إِلَى الْمَعْنَى فِي الْفَرْقِ أَنْشَاءً اللَّهُ تَعَالَى

باب الیمین فی البیع والشراء والتزوج وغیر ذالک ۱۱۲ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
ترجمہ..... اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں نکاح نہیں کروں گا یا طلاق نہیں دوں گا یا آزاد نہیں کروں گا پھر اس نے ان کاموں کے لئے کسی کو وکیل بنا دیا اور اس نے کام پورے کر دیئے تو حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسے معاملات میں کام کرنے والا وکیل صرف ایک سفیر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ یعنی اس نے دوسرے کی بات بیان کر دی ہے۔ اسی لئے وہ نکاح یا طلاق یا عتق کے معاملات کو اپنی طرف منسوب کر کے یہ نہیں کہتا ہے کہ مثلاً میں نے تم سے نکاح کیا۔ یا میں نے تم کو طلاق دی۔ بلکہ اپنے مؤکل کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے کہ مثلاً میرے مؤکل نے تمہارے ساتھ نکاح کیا یا آزاد کیا یا طلاق دی۔ اور یہ معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے حقوق سارے کے سارے مؤکل ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہی ان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور اگر ایسی قسمیں کھانے والے نے کہا کہ میری مراد صرف یہ تھی کہ میں نکاح یا طلاق یا عتق کے کام میں خود نہیں بولوں گا یعنی اس نے یہ چاہا کہ وکیل بنانے سے حانث نہ ہو تو دیانت کے طور پر تو اس کی بات صحیح مانی جاسکتی ہے لیکن قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ اس کا فرق انشاء اللہ ہم عنقریب بیان کر دیں گے۔

فائدہ..... یعنی خرید و فروخت اور اجارہ میں اور نکاح و طلاق و عتاق میں جو فرق ہے اس کی تفصیل آئندہ آئیگی۔

اگر قسم کھائی اپنے غلام کو نہیں ماروں گا اور بکری کو ذبح نہیں کروں گا، کسی دوسرے کو ان کا محمول کا حکم دیا، اس نے کر لئے تو حانث ہو جائے گا

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَضْرِبُ عَبْدَهُ أَوْ لَا يَذْبَحُ شَاتَهُ فَأَمَرَ غَيْرَهُ فَفَعَلَ يَحْنُثُ فِي يَمِينِهِ لِأَنَّ الْمَالِكَ لَهُ وَلَا يَةَ ضَرْبِ عَبْدِهِ وَذَبْحِ شَاتِهِ فَيَمْلِكُ تَوَلِيَّتَهُ غَيْرَهُ ثُمَّ مَنْفَعَتُهُ رَاجِعَةٌ إِلَى الْأَمْرِ فَيَجْعَلُ هُوَ مُبَاشِرًا إِذَا حُقِّقَ لَهُ يَرْجِعُ إِلَى الْمَأْمُورِ لَوْ قَالَ عَنِيتُ أَنْ لَا أُولَى ذَلِكَ بِنَفْسِي دَيْنٌ فِي الْقَضَاءِ بِخِلَافٍ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الطَّلَاقِ وَغَيْرِهِ وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الطَّلَاقَ لَيْسَ الْأَتَكْلَامُ بِكَلَامٍ يُفْضَى إِلَى وَقُوعِ الطَّلَاقِ عَلَيْهَا وَالْأَمْرُ بِذَلِكَ مِثْلُ التَّكْلُمِ بِهِ وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا فَإِذَا نَوَى التَّكْلِمَ بِهِ فَقَدْ نَوَى الْخُصُوصَ فِي الْعَامِ فَيَدِينُ دِيَانَةً لِقَضَاءِ أَمَلِ الذَّبْحِ وَالضَّرْبِ فَعَلَّ حَسَنًا يُعْرَفُ بِآثَرِهِ وَالنِّسْبَةُ إِلَى الْأَمْرِ بِالتَّسْبِيبِ مَجَازٌ إِذَا نَوَى الْفِعْلَ بِنَفْسِهِ فَقَدْ نَوَى الْحَقِيقَةَ فَيَصْدَقُ دِيَانَةً وَقَضَاءً

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اپنے غلام کو نہیں ماروں گا یا اپنی بکری کو ذبح نہیں کروں گا۔ پھر اس نے کسی دوسرے کو حکم دیا اور اس نے یہ کام کر لئے تو یہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ مالک کو اپنے غلام کے مارنے یا اپنی بکری کے ذبح کا اختیار ہوتا ہے۔ اس لئے وہ خود کرنے کی بجائے دوسرے کسی کو اپنا قائم مقام بنا سکتا ہے۔ پھر اس کام کا نفع تو مالک ہی کو ہوگا۔ اس لئے اسی کو ان کاموں کا کرنے والا مانا جائے گا۔ کیونکہ ایسے کاموں کے بعد میں ایسے حقوق نہیں ہوتے ہیں جو نائب کی طرف منسوب ہوں۔ اور اگر قسم کھانے والے نے کہا کہ قسم کھاتے وقت ہی میری نیت یہ تھی کہ اس کام کو میں خود نہیں کروں گا۔ تو قاضی کے پاس بھی اس کی بات کی تصدیق کی جائے گی۔ بخلاف مذکورہ مسائل طلاق وغیرہ کے یعنی طلاق و عتاق و نکاح میں قاضی ان کے قول کی تصدیق نہیں کرتا تھا۔ ان میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ طلاق تو صرف کلام کرنے کا نام ہے جس سے بولتے ہی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے۔ اور اس کام کا حکم دینا خود ہی کہنے کے مثل ہے۔ اور جس لفظ سے قسم کھائی ہے وہ خود بولنے اور دوسرے کی زبان سے کہلانے دونوں کو شامل ہے۔ پھر اگر اس نے خود ہی اس لفظ کے بولنے کی نیت کی تو اس نے عام میں خاص کی نیت کی اس بناء پر دیا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ لیکن قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ لیکن مارنا اور ذبح کرنا تو ایک محسوس فعل ہے جو اپنی اصل سے پہچانا جاتا ہے۔ اور مؤکل کے طرف نسبت کرنا اس وجہ سے مجاز ہے کہ وہی سبب واقع ہوا ہے۔ پس اگر قسم کھانے والے نے بذات خود نہ کرنے کی نیت کی ہو تو اس نے

اپنے کلام کے حقیقی معنی مراد لئے اس لئے دیتا اس کی تصدیق ہوگی اور قاضی بھی اس کی تصدیق کرے گا۔

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ اپنے بچے کو نہیں مارے گا پھر دوسرے آدمی کو

مارنے کا حکم دیا، اس نے مارا تو حانث نہیں ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَضْرِبَ وَلَدَهُ فَاَمَرَ اَنْسَانًا فَضْرَبَهُ لَمْ يَخْنِثْ فِي يَمِينِهِ لِأَنَّ مَنَفْعَةَ ضَرْبِ الْوَلَدِ عَائِدَةٌ إِلَيْهِ وَهُوَ التَّأْدِبُ وَالتَّثْقُفُ فَلَمْ يُنْسَبْ فِعْلُهُ إِلَى الْأَمْرِ بِخِلَافِ الْأَمْرِ بِضَرْبِ الْعَبْدِ لِأَنَّ مَنَفْعَتَهُ الْإِيْتِمَارُ بِأَمْرِهِ فَيُصَافُ الْفِعْلُ إِلَيْهِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اپنے لڑکے کو نہیں ماروں گا۔ پھر اس نے اپنے کسی آدمی کو حکم دیا اور اس نے اسے مارا تو یہ اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ بچے کے مارنے کا نتیجہ اور نفع خود بچے کو پہنچتا ہے۔ یعنی وہ ادب سیکھتا ہے۔ اور راہ راست پہ آ جاتا ہے۔ اس لئے اس کے نائب کا فعل اس کے حکم دینے والے کی طرف منسوب نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر غلام کو مارنے کے لئے کسی کو حکم دیا تو اس نائب کا مارنا اس مسئلہ میں خود اس حکم دہندہ کے مارنے کے حکم میں ہوگا۔ کیونکہ اس مار کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ غلام اپنے مولیٰ کے حکم کے خلاف کرنے سے خائف ہوگا۔ اور اس کی فرماں برداری کی کوشش کرے گا۔ اس لئے مارنے کا فعل اس کے مولیٰ کی طرف منسوب ہوگا۔

کسی نے دوسرے کو کہا اگر یہ کپڑا میں تجھے بیٹوں تو میری بیوی پر طلاق واقع ہو، مخلوف علیہ نے کپڑے کو خلط کر دیا، پھر حالف نے بیچا اور وہ جانتا نہیں تھا، حانث نہیں ہوگا

وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ اِنْ بَعَثَ لَكَ هَذَا الثَّوبَ فَاَمَرْتَهُ طَلَقَ فَلَيْسَ الْمَحْلُوفُ عَلَيْهِ ثَوْبًا فِي ثِيَابِ الْحَالِفِ فَبَاعَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ لَمْ يَخْنِثْ لِأَنَّ حَرْفَ اللَّامِ دَخَلَ عَلَى الْبَيْعِ فَيَقْتَضِي اخْتِصَاصَهُ بِهِ وَذَلِكَ بِأَنَّهُ يَفْعَلُهُ بِأَمْرِهِ اِذَا الْبَيْعُ يَجْرِي فِيهِ النِّيَابَةُ وَلَمْ يُوجَدْ بِخِلَافٍ مَا اِذَا قَالَ اِنْ بَعَثَ ثَوْبًا لَكَ حَيْثُ يَخْنِثُ اِذَا بَاعَ ثَوْبًا مَمْلُوكًا لَهُ سَوَاءٌ كَانَ بِأَمْرِهِ اَوْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ عَلِيمٌ بِذَلِكَ اَوْ لَمْ يَعْلَمْ لِأَنَّ حَرْفَ اللَّامِ دَخَلَ عَلَى الْعَيْنِ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ فَيَقْتَضِي اخْتِصَاصَ الْعَيْنِ بِهِ وَذَلِكَ بِأَنَّهُ يَكُونُ مَمْلُوكًا لَهُ وَنَظِيرُهُ الصِّيَاغَةُ وَالْخِيَاطَةُ وَكُلُّ مَا يَجْرِي فِيهِ النِّيَابَةُ بِخِلَافِ الْأَكْمَلِ وَالشَّرْبِ وَضَرْبِ الْغُلَامِ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ النِّيَابَةَ فَلَا يَفْتَرِقُ الْحُكْمُ فِيهِ فِي الْوَجْهَيْنِ

ترجمہ..... اگر زید نے خالد سے کہا کہ اگر میں یہ کپڑا تمہارے لئے فروخت کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ اس کے بعد خالد نے اس کپڑے کو زید کے کپڑوں میں چھپا دیا۔ اور زید نے وہ سب کپڑے بیچ دیئے۔ اس وقت اسے یہ خبر نہیں تھی کہ وہ کپڑا ابھی ان کپڑوں میں موجود ہے۔ اس لئے وہ حانث نہیں ہوا کیونکہ اس کا پہلے یہ کہنا کہ میں تمہارے لئے فروخت کروں اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کپڑے کو خاص خالد کے لئے بیچا جائے۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ خالد کے حکم سے اس کا یہ کپڑا بیچ ڈالے۔ کیونکہ بیچ ایسی چیز ہے کہ اس میں نیابت جاری ہوتی ہے (یعنی ایک آدمی دوسرے آدمی کی طرف سے بیچ سکتا ہے) مگر یہ بات نہیں پائی گئی۔ بخلاف اس کے کہ اگر یوں کہا ہو کہ اگر میں نے تمہارا یہ کپڑا بیچا تو ایسی صورت میں حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے خالد کی ملکیت کا کپڑا بیچ ڈالا ہے اس لئے حانث ہوا خواہ خود اس کے حکم سے ہو یا حکم کے بغیر ہو۔ اور خواہ زید یہ بات جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے پورے جملے میں جو تیرا کپڑا کہا ہے اس سے یہ کپڑا خالد کا ہی ہونا چاہئے۔ اس طرح سے کہ کپڑا اس کا مملوک

باب الیمین فی البیع والشراء والتزوج وغیر ذالک ۱۱۴ اشرف الہدیہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
 ہو۔ اس بیع کی مثال میں یہاں جو حکم بیان کیا گیا وہی حکم ہر ایسے فعل میں بھی ہوگا جس میں ایک کے بدلہ دوسرا شخص بھی کام کر سکتا ہو (نائب بن سکتا ہو) جیسے زرگری (سار کا کام) اور سلائی کا کام (اور ہبہ کرنا۔ صدقہ دینا۔ مکاتب بنانا اور غلام کو مارنا۔ ع) برخلاف کھانے، پینے اور اپنے لڑکے کو مارنے کے۔ کیونکہ ان کاموں میں سے کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے جو دوسرے سے کرایا جائے۔ اس لئے ان دونوں صورتوں میں حکم مختلف نہیں ہو گا۔ (ف) یعنی اگر یہ کہا کہ اگر میں نے تمہارا کھانا کھایا یا تمہارا پانی پیایا یا تمہارے لڑکے کو مارا تو میرا غلام آزاد ہے۔ اگر کوئی ایسا کر لے تو حادث ہو جائے گا۔ کیونکہ دوسرے کی طرف سے نائب ہو کر یہ کام نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے خود اس کے حکم سے کرے یا بغیر حکم کے اور خواہ جان کر کرے یا بغیر جانے بہر حال حادث ہو جائے گا۔)

ایک شخص نے کہا یہ غلام آزاد ہے اگر میں اسے بیچوں، پھر خیار شرط کیسا تھ بیچا تو غلام آزاد ہو جائیگا

وَمَنْ قَالَ هَذَا الْعَبْدُ حُرٌّ اِنْ بَعْتَهُ فَبَاعَهُ عَلَيَّ اَنَّهُ بِالْخِيَارِ عَتَقَ لَوْ جُودِ الشَّرْطِ وَهُوَ الْبَيْعُ وَالْمِلْكُ فِيهِ قَائِمٌ فَيَنْزِلُ الْجَزَاءُ وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ الْمُشْتَرِي اِنْ اشْتَرَيْتُهُ فَهُوَ حُرٌّ فَاشْتَرَاهُ عَلَيَّ اَنَّهُ بِالْخِيَارِ يَعْتَقُ اَيْضًا لِأَنَّ الشَّرْطَ قَدْ تَحَقَّقَ وَهُوَ الْبَيْعُ وَالْمِلْكُ قَائِمٌ فِيهِ وَهَذَا عَلَيَّ أَصْلُهُمَا ظَاهِرٌ وَكَذَلِكَ عَلَيَّ أَصْلُهُ لِأَنَّ هَذَا الْعِتْقَ بِتَعْلِيلِهِ وَالْمُعْلَقُ كَالْمُنَجَّزِ وَلَوْ نَجَزَ الْعِتْقَ يَثْبُتُ الْمِلْكُ سَابِقًا عَلَيْهِ فَكَذَلِكَ هَذَا

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میں اس غلام کو فروخت کروں تو یہ آزاد ہے۔ پھر اس غلام کو اس شرط پر فروخت کیا کہ مجھے اختیار حاصل ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ شرط یعنی اسے بیچنا پایا گیا۔ اور غلام میں ابھی ملکیت قائم ہے۔ اس لئے جزاء ثابت ہو جائے گی۔
 فائدہ..... اور اگر اس نے بلا شرط مکمل طور پر بیچ دیا تو غلام آزاد ہوگا۔ کیونکہ وہ فروخت ہوتے ہی آزاد ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ غلام اب مالک کی ملکیت میں باقی نہ رہا۔

اور اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میں اسے خریدوں تو یہ آزاد ہے۔ اس کے بعد شرط خیار کے ساتھ اسے خرید لیا۔ یعنی اس شرط پر کہ اگر مجھے یہ پسند نہیں آیا تو تین دنوں میں اسے واپس کر دوں گا۔ تو بھی یہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ شرط یعنی خریداری پائی گی۔ اور اس پر ملکیت بھی باقی ہے۔ اور اس ملکیت کا موجودہ صورت میں باقی رہنا صاحبین کے مطابق تو ظاہر ہے۔ اسی طرح امام اعظم کے مسلک کے مطابق بھی ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ آزادی شرطیہ ہے اور شرطیہ آزادی فی الحال بغیر شرط کے مانند ہوتی ہے۔ اور اگر خریدار جا کر (پسند ناپسند کی شرط پر) خرید کر اسے منظور کرتے ہوئے اپنا اختیار ختم کر دیتا تو کہا جاتا کہ آزادی سے پہلے ملکیت ثابت ہوگئی۔ یعنی اس نے اپنی جا کر یعنی پسند و ناپسند کا اختیار ختم کر کے خریداری مکمل اور پختہ کر لی پھر آزاد کر دیا۔ تو اسی طرح اس مسئلہ میں بھی ہوگا۔ یعنی وہ غلام خریدار کی ملکیت میں آ کر آزاد ہو گیا۔ اور خیار شرط ختم ہو گیا۔

کسی نے کہا اگر میں اپنا غلام یا باندی نہ بیچوں تو میری بیوی پر طلاق، غلام آزاد کر دیا یا مکاتب بنادیا تو اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے گی

وَمَنْ قَالَ اِنْ لَمْ اَبِعْ هَذَا الْعَبْدَ اَوْ هَذِهِ الْاَمَةَ فَاِمْرَأَتُهُ طَالِقٌ فَاعْتَقَ اَوْ دَبَّرَ طَلَقَ اِمْرَأَتَهُ لِأَنَّ الشَّرْطَ قَدْ تَحَقَّقَ وَهُوَ عَدَمُ الْبَيْعِ لِفَوَاتِ مَحَلِّيَةِ الْبَيْعِ وَاِذَا قَالَتِ الْمَرْأَةُ لِرَوْحِهَا تَزَوَّجْتُ عَلَيَّ فَقَالَ كُلُّ اِمْرَأَةٍ لِي طَالِقٌ ثَلَاثًا طَلَقْتُ هَذِهِ الَّتِي حَلَفْتُ فِي الْقَضَاءِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ اَنَّهَا لَا تَطْلُقُ لِأَنَّهُ اَخْرَجَهُ جَوَابًا فَيَنْطَبِقُ عَلَيْهِ وَلِأَنَّ غَرَضَهُ اِرْضًا وَهِيَ بِطَلَاقٍ غَيْرِهَا فَيَقْيَدُ بِهِ وَوَجْهُ الظَّاهِرِ عُمُومُ الْكَلَامِ وَقَدْ زَادَ عَلَيَّ حَرْفُ الْجَوَابِ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۱۱۵ باب الیمین فی الحج والصلوة والصوم
فَبَجْعَلْ مُتَبَدِّلًا وَقَدْ يَكُونُ غَرَضُهُ اِيْحَاشًا حِينَ اَعْتَرَضَتْ عَلَيْهِ فِيمَا اَحَلَّهُ الشَّرْعُ وَمَعَ التَّرَدُّ دِلًا يَصْلُحُ مُقَيَّدًا
وَاِنْ نَوَى غَيْرَ هَا يُصَدَّقُ دِيَانَةً لَا قَضَاءَ لِأَنَّهُ تَخْصِيصُ الْعَامِ

ترجمہ..... اور اگر کسی مولیٰ نے یہ کہا کہ اگر میں اس غلام یا باندی کو بیوی کو طلاق ہے۔ پھر اگر اس باندی کو آزاد یا بدینا دیا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ شرط پائی گئی۔ یعنی اس کا بیٹنا نہیں پایا گیا۔ کیونکہ اب یہ دونوں بیچے جانے کے لائق نہیں رہے۔ اور اگر بیوی نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ کیا تم نے میرے علاوہ یا میرے بعد کسی اور سے نکاح کیا ہے۔ تو شوہر نے جواب دیا کہ جو بھی میری بیوی ہو اسے تین طلاقیں ہیں۔ تو قاضی کے فیصلہ میں کہنے والی عورت کو بھی طلاق ہو جائے گی۔ اور امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ کہنے والی عورت کو طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ شوہر نے تو یہ بات اسی کے جواب میں کہی تھی۔ اس لئے اس کے جواب کے مطابق اس کی بات مانی جائے گی۔ اور اس لئے بھی کہ اس شوہر کی غرض اس کہنے سے اپنی اس بیوی کو راضی کرنا تھا۔ اور یہ بات اسی صورت میں ہوگی جب کہ اس بیوی کے علاوہ دوسری بیویاں بھی طلاق پانے والی ہوں۔ لہذا دوسری بیویوں کے ساتھ مقید ہوگی۔ اور پہلی روایت جو ظاہر الروایۃ بیان کی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر نے کلام کو عام کر کے کہا ہے۔ یعنی اس نے اپنا کلام جواب میں جتنا کہنا تھا اس سے بڑھا کر کہہ دیا ہے۔ اس لئے یہ ابتدائی کلام مانا جائے گا۔ اور اس طرح کہنے کی کبھی یہ غرض بھی ہوتی ہے کہ جب بیوی نے اپنے شوہر پر ایسے معاملہ میں اعتراض کیا جس کو شریعت نے اس پر حلال کیا ہے۔ (یعنی ایک سے زائد نکاح کرنا) تو اس نے طلاق کے جملہ سے عورت کو دہشت دلائی۔ یعنی اس کے عام کلام کہنے کی صورت میں اس بات کا بھی احتمال رہتا ہے کہ شاید اپنی عورت کی رضامندی کا ارادہ کر کے اس کے سوا دوسری عورتوں کو مراد لیا ہو۔ اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ شاید اس بیوی پر غصہ ہو کر اس کو بھی طلاق دینے کا ارادہ کیا ہو۔ پس اس کے کلام میں تردد پائے جانے کی وجہ سے اس میں یہ صلاحیت باقی نہیں رہی کہ کلام کو خاص کیا جائے۔ اور اگر اس نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس عورت کے علاوہ دوسری عورتوں کا ارادہ کیا تھا تو دیا تھا اس کی تصدیق کی جائے گی۔ مگر قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس عام کو خلاف ظاہر خاص کرنا لازم آتا ہے۔

باب الیمین فی الحج والصلوة والصوم

ترجمہ..... باب، حج اور نماز اور روزے کی قسم کے بارے میں۔

جو شخص کعبہ یا کسی اور جگہ میں ہے اور کہا بیت اللہ شریف کی طرف پیدل چل کر جانا مجھ پر لازم ہے، اسپر پیدل حج یا عمرہ واجب ہے

قَالَ وَمَنْ قَالَ وَهُوَ فِي الْكَعْبَةِ أَوْ فِي غَيْرِهَا عَلَى الْمَشْيِ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ الْكَعْبَةِ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أَوْ عُمْرَةٌ مَاشِيًا وَإِنْ شَاءَ رَكِبَ وَأَهْرَقَ دَمًا وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ لِأَنَّهُ التَّرَمَّ مَالِيسَ بَقَرَةٍ وَاجِبَةٍ وَلَا مَقْصُودَةٍ فِي الْأَصْلِ وَمَذْهَبُنَا مَا تَوَرَّعَ عَنْ عَلِيٍّ وَلِأَنَّ النَّاسَ تَعَارَفُوا اِبْتِجَابَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ بِهَذَا اللَّفْظِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ عَلَى زِيَارَةِ الْبَيْتِ مَاشِيًا فَيَلْزَمُهُ مَا شِئَا وَإِنْ شَاءَ رَكِبَ وَأَهْرَقَ دَمًا وَقَدْ ذُكِرْنَا فِي الْمَنَاسِكِ

ترجمہ..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ جو شخص کعبہ میں ہے یا دوسری جگہ ہے اگر اس نے کہا کہ بیت اللہ یا کعبہ شریف کی طرف پیدل جانا مجھ پر واجب ہے۔ تو اس پر پیدل ایک حج یا ایک عمرہ کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر چاہے تو سوار ہو کر جائے مگر ایک قربانی بھی ادا کرے۔ قیاس تو یہ ہے کہ

اس نذر سے اس پر کچھ بھی واجب نہ ہو۔ کیونکہ اس نے خود پر صرف ایسی چیز لازم کی ہے جو اصل میں واجب کے قریب یا مقصود بالذات نہیں ہے۔ ہمارا مذہب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ اور اس دلیل سے کہ لوگوں کے عرف میں اس جملہ سے حج یا عمرہ کا واجب ہونا معروف ہے۔ جیسے اس صورت میں کہ کسی نے کہا کہ مجھ پر بیت اللہ کی زیارت کے لئے پیدل جانا واجب ہے۔ تو اس پر پیدل جانا واجب ہوگا۔ اور اگر چاہے تو سوار ہو کر جائے مگر قربانی ادا کرے۔ اس مسئلہ کو ہم کتاب مناسک الحج میں بیان کر چکے ہیں۔

تشریح..... فائدہ..... حاصل یہ ہے کہ جس نے بیت اللہ یا کعبہ کی طرف پیدل چلنا اپنے اوپر لازم کیا تو اگر چہ ظاہری جملہ تو یہ تھا کہ کعبہ کی طرف پیدل جانا ہے۔ اگرچہ صرف دو چار میل ہو۔ لیکن لوگوں کے عرف میں ایسے کلام سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ کعبہ تک جا کر حج یا عمرہ ادا کرنا ہے۔ اب پیدل جانا ہوگا یا سوار ہو کر تو احتمالی دلیل سے مذہب مختار یہ ہے کہ پیدل ہی جانا چاہئے۔ لیکن سوار ہو کر جانا بھی جائز ہوگا۔ البتہ اسے ایک قربانی بھی کرنی ہوگی۔ اگرچہ قیاس یہ تھا کہ قربانی لازم نہ ہو۔ کیونکہ پیدل چلنا کوئی عبادت مقصود یا واجبہ نہیں ہے۔ لیکن ہم نے اپنے قیاس کو چھوڑ کر اس حکم کی اتباع کی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے آثار میں ابراہیم نخعیؒ سے روایت کی کہ جس نے اپنے اوپر بیت اللہ تک پیدل جانا لازم کیا پھر وہ کچھ دور تک پیدل چلا اور کچھ دور سوار ہوا تو نخعیؒ نے فرمایا ہے کہ وہ لوٹ کر جہاں سے سوار ہوا ہے وہاں سے پھر پیدل چلے۔ امام محمدؒ نے اس کی روایت کے بعد کہا کہ ہم اس قول کو قبول نہیں کرتے بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول قبول کرتے ہیں کہ اگر سوار ہو کر جائے تو ایک بکری بھیجے اس کے لئے ایک بکری بھی کافی ہے۔ جس کو وہاں ذبح کر کے صدقہ کر دے اور خود کچھ نہ کھائے اور ایک عمرہ یا حج ادا کرے۔ اس کے علاوہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ انتہی۔

بیہقیؒ نے اپنی اسناد کے ساتھ شافعیؒ سے روایت کی ہے ”حدثنا ابن علیہ عن سعید بن عروبہ عن قتادہ عن الحسن عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ“ اور عبدالرزاق نے اپنے استاد سے ”عن ابراہیم النخعی عن علی رضی اللہ عنہ“ روایت کی اس میں یہ مذکور ہے کہ پیدل حج کو جائے اور اگر عاجز ہو تو سوار ہو کر جائے اور ایک ہدی بھیجے۔ ان دونوں اسناد کے راوی سب ثقہ علماء ہیں لیکن حسن و ابراہیم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نہیں سنا ہے اور یہ بات بھی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں ہے اور عقبہ بن عامر کی حدیث میں مذکور ہے کہ میری بہن نے بیت اللہ کو پیدل جانے کی نذر کی پھر پیدل جانے سے عاجز ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیدل جاؤ اور سوار ہو کر جاؤ۔ بخاری اور مسلم نے اس کی روایت کی اور یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے۔ اس میں اتنا اور بھی زیادہ ہے کہ وہ ایک ہدی بھیجے۔ اس کی روایت ابو یعلیٰ اور طحاوی اور بیہقی نے کی ہے اور یہ حدیث امام احمدؒ نے مسند میں اور ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے سنن میں روایت کی ہے اور عمران بن حصین کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ پڑھا اس میں ہمیں صدقہ کا حکم دیا اور مثلاً کرنے سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بھی مثلاً ہے کہ آدمی پیدل حج کرنے کی نیت کرے۔ پھر جس نے پیدل حج کرنے کی نذر کر لی اسے چاہیے کہ ایک قربانی دیدے اور سوار ہو کر جائے۔ رواہ الحاکم۔

کسی نے کہا مجھ پر بیت اللہ شریف کی طرف نکلنا یا جانا لازم ہے، اس پر کچھ بھی لازم نہیں

وَلَوْ قَالَ عَلَى الْخُرُوجِ أَوِ الدَّهَابِ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ لِأَنَّ التَّزَامَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ بِهَذَا اللَّفْظِ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ. وَلَوْ قَالَ عَلَى الْمَشْيِ إِلَى الْحَرَمِ أَوْ إِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ فِي قَوْلِهِ عَلَى الْمَشْيِ إِلَى الْحَرَمِ حَجَّةٌ أَوْ عُمْرَةٌ وَلَوْ قَالَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَهُوَ عَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ لَهُمَا أَنَّ الْحَرَمَ شَامِلٌ عَلَى الْبَيْتِ بِالْإِتِّصَالِ وَكَذَا الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ شَامِلٌ عَلَى الْبَيْتِ فَصَارَ ذِكْرُهُ كَذِكْرِهِ بِخِلَافِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِأَنَّهُمَا مُفْصِلَانِ عَنْهُ وَلَهُ أَنَّ التَّزَامَ الْإِحْرَامَ بِهَذِهِ الْعِبَارَةِ غَيْرُ

ترجمہ..... اور اگر کہنے والے نے کہا کہ بیت اللہ کی طرف نکلتا یا جانا مجھ پر لازم ہے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ حج یا عمرہ اپنے اوپر لازم کرنا ایسے کلام سے متعارف نہیں ہے۔ (پس قیاس کے موافق ہی حکم رہے گا یعنی کچھ لازم نہ ہوگا)۔ اور اگر یہ کہا کہ مجھ پر حرم کی جانب یا صفا و مردہ کی جانب چلنا واجب ہے تو بھی اس پر کچھ واجب نہ ہوگا یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ جب اس نے یہ کہا کہ مجھ پر حرم کی طرف چلنا واجب ہے تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوگا۔ اور اگر یہ کہا کہ مجھ پر مسجد الحرام کی طرف چلنا واجب ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کچھ لازم نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک حج یا عمرہ واجب ہوگا صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ حرم کہنے سے خانہ کعبہ بھی شامل ہوتا ہے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اسی طرح مسجد الحرام کہنا بھی بیت اللہ کو شامل ہوگا۔ اسی لئے حرم یا مسجد الحرام کا ذکر کرنا مثل بیت اللہ کے ذکر کے ہے۔ بخلاف صفا و مردہ کے کیونکہ یہ دونوں بیت اللہ سے الگ ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ایسے الفاظ سے احرام باندھنے کا التزام لوگوں کے محاورہ میں مشہور نہیں ہے۔ اس لئے قیاس پر ہی عمل رہے گا۔ اور لفظ کے حقیقی معنی کا لحاظ کرنے سے احرام واجب کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے بالکل ممتنع ہو گیا۔

تشریح..... فائدہ..... یعنی جب چلنے کا لفظ احرام باندھنے کے معنی میں موضوع نہیں ہے۔ اور عرف میں بھی اس سے احرام مراد نہیں ہوتا ہے تو جب لغت اور عرف دونوں طرح سے احرام پر اس لفظ کی دلالت نہیں ہوئی تو احرام کا واجب کرنا ممتنع ہو گیا۔

کسی نے کہا اگر میں اسی سال حج نہ کروں میرا غلام آزاد ہے، پھر اس نے کہا میں نے حج کیا اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس سال اس شخص نے قربانی کوفہ میں کی، اس کا غلام آزاد ہو جائے گا

وَمَنْ قَالَ عَبْدِي حُرًّا لَمْ أَحُجَّ الْعَامَ فَقَالَ حَبَجْتُ وَشَهِدَ شَاهِدَانِ عَلَى أَنَّهُ ضَحَّى الْعَامَ بِالْكَوْفَةِ لَمْ يَعْنِقْ عَبْدُهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِقُ لِأَنَّهُ هَذِهِ شَهَادَةٌ قَامَتْ عَلَى أَمْرٍ مَعْلُومٍ وَهُوَ التَّضْحِيَّةُ وَمِنْ ضَرُورَتِهِ انْتِفَاعُ الْحَجِّ فَيَتَحَقَّقُ الشَّرْطُ وَلَهُمَا أَنَّهُمَا قَامَتْ عَلَى النَّفْيِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا نَفْيُ الْحَجِّ لَا اثْبَاتُ التَّضْحِيَّةِ لِأَنَّهُ لَا مُطَالِبَ لَهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدُوا أَنَّهُ لَمْ يَحُجَّ غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ هَذَا النَّفْيَ مِمَّا يَحِيطُ عِلْمُ الشَّاهِدِ بِهِ وَلَكِنَّهُ لَا يُمَيِّزُ بَيْنَ نَفْيٍ وَنَفْيٍ تَبْسِيرًا

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میں اس سال حج نہ کروں تو میرا غلام آزاد ہے۔ پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میرا غلام آزاد ہے اور اس بات پر دو آدمیوں میں سے گواہی بھی دلوادی کہ اس شخص نے کوفہ میں قربانی کی ہے تو اس کا غلام آزاد نہ ہوگا۔ یہی قول امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کا ہے۔ لیکن امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ وہ غلام آزاد ہو جائے گا (امام ابن الہمامؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے) کیونکہ یہ گواہی ایسی بات کی ہوئی ہے جو کہنے والے کو معلوم ہوئی ہے۔ یعنی اسی سال کوفہ میں قربانی کرنا۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ضروری ہے کہ اگر حج نہیں ہوا ہوگا تو شرط ثابت ہو جائے گی۔ اور امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ گواہی نفی پر قائم ہوئی ہے۔ کیونکہ اس گواہی کا مقصد یہ ہے کہ حج ثابت نہ ہو۔ لیکن قربانی کو ثابت کرنا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ قربانی کے ثابت ہونے کی بات کسی شخص نے مطالبہ نہیں کیا ہے۔ اس لئے یہ ایسا ہو گیا کہ گواہوں نے اس طرح گواہی دی کہ اس نے اس سال حج نہیں کیا ہے۔ (حالانکہ بالاتفاق نفی پر گواہی منقول نہیں ہوتی ہے) زیادہ سے زیادہ بات یہ ہوگی کہ یہ نفی ایسی ہے جس کو گواہ اچھی طرح

سے جان سکتا ہے۔ اور اس کا احاطہ کر سکتا ہے۔ لیکن آسانی پیدا کرنے کے خیال سے ایک قسم کی نفی اور دوسرے قسم کی نفی میں فرق نہیں رکھا گیا ہے۔

روزہ نہ رکھنے کی قسم کھالی پھر روزے کی نیت کر لی اور ایک گھڑی روزہ رکھا پھر

اس دن توڑ دیا حانث ہو جائے گا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَصُومُ فَنَوَى الصَّوْمَ وَصَامَ سَاعَةً ثُمَّ أَفْطَرَ مِنْ يَوْمِهِ حَنْتَ لَوْ جُودَ الشَّرْطُ إِذَا الصَّوْمُ هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنِ الْمُفْطَرَاتِ عَلَى قَصْدِ التَّقَرُّبِ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَصُومُ يَوْمًا أَوْ صَوْمًا فَصَامَ سَاعَةً ثُمَّ أَفْطَرَ لَا يَحْنِثُ لِأَنَّهُ يُرَادُّ بِهِ الصَّوْمُ التَّامُّ الْمُعْتَبَرُ شَرْعًا وَذَلِكَ بِإِنْهَائِهِ إِلَى آخِرِ الْيَوْمِ وَالْيَوْمُ صَرِيحٌ فِي تَقْدِيرِ الْمُدَّةِ بِهِ

ترجمہ..... اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا۔ پھر اس نے روزہ کی نیت سے تھوڑی دیر اسی حالت میں رہ کر اسی دن افطار کر لیا تو حانث ہو گیا۔ کیونکہ روزہ رکھنے کی شرط پائی گئی۔ اس لئے کہ روزہ کے معنی ہیں کھانے، پینے اور جماع سے عبادت (روزہ) کی نیت کر کے رکے رہنا۔ اور اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ میں ایک دن روزہ نہیں رکھوں گا۔ یا ایک روزہ نہیں رکھوں گا۔ پھر تھوڑی دیر روزہ رکھ کر توڑ دیا تو حانث نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس لفظ سے وہ پورا روزہ جو شرعاً معتبر ہے مراد ہے اور ایسا روزہ جو معتبر ہو اسی وقت ہو گا جب کہ آخر دن تک پورا کرے اور روزہ کی مدت کی مقدار بیان کرنے کے لئے دن کا لفظ صریح ہے۔

تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی پھر کھڑا ہو گیا قرات اور رکوع کیا حانث نہیں ہو گا

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَصَلِّيَ فَقَامَ وَقَرَأَ وَرَكَعَ لَمْ يَحْنِثْ وَإِنْ سَجَدَ مَعَ ذَلِكَ ثُمَّ قَطَعَ حَنْتَ وَالْقِيَاسُ أَنْ يَحْنِثَ بِالْإِفْتِسَاحِ اعْتِبَارًا بِالشَّرْطِ فِي الصَّوْمِ وَجِهَ الْإِسْتِحْسَانُ أَنَّ الصَّلَاةَ عِبَادَةً عَنِ الْأَرْكَانِ الْمُخْتَلِفَةِ فَمَالَهُمْ بِأَنْ يَحْنِثُوا بِجَمِيعِهَا لَا يُسَمَّى صَلَاةً بِخِلَافِ الصَّوْمِ لِأَنَّهُ رُكْنٌ وَاحِدٌ وَهُوَ الْإِمْسَاكُ وَيَتَكْرَّرُ فِي الْجُزْءِ الثَّانِي وَلَوْ حَلَفَ لَا يَصَلِّيَ صَلَاةً لَا يَحْنِثُ مَا لَمْ يُصَلِّ رَكَعَتَيْنِ لِأَنَّهُ يُرَادُّ بِهِ الصَّلَاةُ الْمُعْتَبَرَةُ شَرْعًا وَأَقْلَاهَا رَكَعَتَانِ لِلنَّبِيِّ عَنِ الْبُتَيْرَاءِ

ترجمہ..... اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں نماز نہیں پڑھوں گا پھر کھڑا ہوا اور قرات کی اور رکوع کیا پھر توڑ دی تو حانث نہیں ہو گا۔ اور اگر اس کے ساتھ سجدہ بھی کر کے نیت توڑ دی تو حانث ہو جائے گا۔ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ جس طرح روزہ شروع کر کے توڑنے سے حانث ہو جاتا ہے اسی طرح نماز بھی شروع کر کے توڑ دینے سے حانث ہو جائے گا۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مختلف ارکان کے مجموعہ کا نام نماز ہے اس لئے جب تک کہ اس کے پورے ارکان ادا نہ کرے اس کا نام نماز نہیں ہو گا۔ بخلاف روزہ کے کہ وہ ایک ہی رکن کا نام ہے یعنی توڑنے والی چیزوں سے رکے رہنا۔ اور یہی بات ایک وقت سے دوسرے وقت میں غروب آفتاب تک مکرر ہوتی رہتی ہے۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں کوئی نماز نہیں پڑھوں گا تو جب تک قعدہ کے ساتھ دو رکعتیں نہ پڑھ لے حانث نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس کے اس جملہ سے ایسی نماز مراد ہوتی ہے جو شرعاً معتبر ہو حالانکہ ایسی نماز کی کم از کم دو رکعتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ صرف ایک رکعت (طاق) سے حدیث میں ممانعت منقول ہے۔

تشریح..... للنہی عن البتیراء الخ۔ ایک طاق رکعت سے ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے۔

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم ۱۱۹ باب الیمین فی لبس الثیاب والحلی وغیر ذالک
فائدہ..... چنانچہ ابن عبدالبرؒ نے تمہید میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتیراء یعنی
طاق بے جوڑ (صرف ایک رکعت) سے منع فرمایا ہے۔ اس طور سے کہ آدمی ایک رکعت پڑھ کر اس کے ساتھ ایک ملا دے یا وتر کرے۔ اس کے
اسناد میں عثمان ابن محمد ابن ربیعہ میں کلام ہے۔ چنانچہ محدث عبدالحقؒ نے کہا ہے کہ ان کو اکثر حدیث میں وہم ہو جاتا ہے۔ اور ابن القطانؒ نے کہا
ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے۔ اور ابن الجوزیؒ نے کہا ہے کہ اس کی تفسیر حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس طرح مروی ہے کہ بتیراء وہ نماز ہے
جس کے رکوع میں نقصان ہو۔ لیکن یہ تفسیر یہاں نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خود اس حدیث میں تفسیر موجود ہے۔

باب الیمین فی لبس الثیاب والحلی وغیر ذالک

ترجمہ..... باب، کپڑے اور زیور وغیرہ پہننے (اور زمین پر بیٹھنے) وغیرہ کے بارے میں قسم کھانے کا بیان

بیوی سے کہا تیرے کاتے ہوئے سوت کا کپڑا پہنوں تو ہدی ہے پھر روٹی خریدی اور عورت
نے کاتا پھر اس نے بنا اور پہنا تو وہ ہدی ہوگا

وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ اِنْ لَبِسْتُ مِنْ غَزَلِكَ فَهُوَ هَدًى فَاَشْتَرِي قُطْنًا فَغَزَلْتُهُ فَنَسَحْتُهُ فَلَبِسَهُ فَهُوَ هَدًى عِنْدَ ابْنِ
حَبِيبَةَ وَقَالَ لَيْسَ عَلَيْهِ اَنْ يَّهْدِيَ حَتَّى تَغْزَلَ مِنْ قُطْنٍ مَلَكَهُ يَوْمَ حَلْفٍ وَمَعْنَى الْهَدْيِ التَّصَدُّقُ بِهِ بِمَكَّةَ لِأَنَّهُ
اسْمٌ لِمَا يَهْدَى إِلَيْهَا لُهُمَا اَنَّ النَّذْرَ اِنَّمَا يَصِحُّ فِي الْمَلِكِ اَوْ مُضَافًا اِلَى سَبَبِ الْمَلِكِ وَلَمْ يُوجَدْ لَانَ اللَّبْسِ
وَعَزَلَ الْمَرَأَةُ لَيْسَ مِنْ اَسْبَابِ مِلْكِهِ وَلَهُ اَنَّ غَزَلَ الْمَرَأَةِ يَكُونُ مِنْ قُطْنِ الزَّوْجِ وَالْمُعْتَادُ هُوَ الْمُرَادُ
وَذَاكَ سَبَبٌ لِمَلِكِهِ وَلِهَذَا يَحْتِجُ اِذَا غَزَلْتَ مِنْ قُطْنٍ مَمْلُوكٍ لَهُ وَقَتَ النَّذْرِ لِأَنَّ الْقُطْنَ لَمْ يَصِرْ مَذْكُورًا

ترجمہ..... اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں نے تمہارے کاتے ہوئے سوت کا کپڑا پہنا تو وہ ہدی ہے۔ اس کے بعد اس نے روٹی خریدی اور
اس عورت نے اسے سوت کا کپڑا اس کے دھاگہ سے کپڑا بن دیا جسے سلوا کر اس کے شوہر نے پہن لیا۔ تو وہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہدی ہے (اور اگر چاہے
تو اس کپڑے کی قیمت مکہ کے فقراء کو صدقہ کے طور پر دیدے) اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ شوہر پر ہدی کرنا واجب نہیں ہے۔ البتہ عورت اس روٹی کا
سوت کاتے جس کا مالک قسم کے دن وہی شوہر ہو تو واجب ہوگی (بعد کی خریدی ہوئی روٹی کے کپڑے کا اعتبار نہ ہوگا) یہاں ہدی کے معنی یہ ہیں کہ اس
کپڑے کو مکہ میں صدقہ کر دے۔ کیونکہ ہدی اس چیز کو کہتے ہیں جو مکہ کو ہدینا بھیجی جائے اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نذر اسی چیز میں صحیح ہوتی ہے جو
بالفعل اپنی مملوک ہو یا سبب ملک کی طرف اس کی اضافت ہو (مثلاً اگر میں اس غلام کو خریدوں تو یہ آزاد ہے) اور ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی
یہاں نہیں پائی گئی ہے۔ کیونکہ مرد کا پہننا اور عورت کا سوت کا کپڑا کچھ مرد کے ملک ہو جانے کے اسباب میں سے نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ
ہے کہ عادت اس طرح جاری ہے کہ عورت اپنے شوہر کی روٹی سے سوت کاتی ہے۔ اور قسم کھانے میں اسی کا اعتبار ہوتا ہے۔ جس کی عادت یا رواج
ہو۔ اور یہ شوہر کے مالک ہو جانے کا سبب ہے۔ اسی لئے نذر کے وقت شوہر کی اپنی مملوکہ روٹی سے جب بیوی کاتے تو شوہر حائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ
یہاں لفظوں میں روٹی کا کوئی ذکر نہیں ہے (ف۔ ردی ملکوں میں عورت اپنے شوہر کی مملوکہ روٹی سے کاتا کرتی ہے۔ لہذا ان علاقوں میں امام اعظمؒ کے
قول پر فتویٰ ہوتا ہے اور مصر کے باشندوں میں عورت اپنی روٹی کاتی ہے اس لئے وہاں صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ (التمہ)

تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی نے قسم کھائی کہ زیور نہیں پہنے گا پھر چاندی کی انگوٹھی پہن لی حانث ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَلْبِسُ حَلِيًّا فَلَيْسَ خَاتَمَ فِضَّةٍ لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحَلِيٍّ عُرْفًا وَلَا شِرْعًا حَتَّى أُبَيِّحَ اسْتِعْمَالُهُ لِلرَّجَالِ وَالتَّخْتُمُ بِهِ لِقَصْدِ الْخَتَمِ وَإِنْ كَانَ مِنْ ذَهَبٍ حَنْثٌ لِأَنَّهُ حَلِيٌّ وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ اسْتِعْمَالُهُ لِلرَّجَالِ وَلَوْلَيْسَ عَقْدٌ لَوْ لَوْ غَيْرَ مُرْصَعٍ لَا يَحْنِثُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يَحْنِثُ لِأَنَّهُ حَلِيٌّ حَقِيقَةً حَتَّى سُمِّيَ بِهِ فِي الْقُرْآنِ وَلَهُ أَنَّهُ لَا يَتَحَلَّى بِهِ عُرْفًا إِلَّا مُرْصَعًا وَمَبْنًى الْإِيمَانَ عَلَى الْعُرْفِ وَقِيلَ هَذَا اخْتِلَافٌ عَصْرٍ وَزَمَانٍ وَيُفْتَى بِقَوْلِهِمَا لِأَنَّ التَّحَلِّيَ بِهِ عَلَى الْإِنْفِرَادِ مُعْتَادٌ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں زیور نہیں پہنوں گا۔ پھر اس نے چاندی کی انگوٹھی پہن لی تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسی انگوٹھی کو نہ عرف میں زیور کہا جاتا ہے اور نہ ہی شریعت میں کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا پہننا اور مہر کی غرض سے اسے استعمال کرنا مردوں کے لئے بھی جائز رکھا گیا ہے۔ اور اگر انگوٹھی سونے کی ہو تو وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ اسے زیور مانا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کا استعمال مردوں کے لئے حلال نہیں ہے۔

تشریح..... ومن حلف لا يلبس حليًا۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں زیور نہیں پہنوں گا اور اس نے چاندی کی انگوٹھی پہن لی تو حانث نہیں ہوگا۔ فائدہ..... اگر چاندی کی انگوٹھی زبانی انگوٹھیوں کی شکل پر ہو اس طور سے کہ اس میں نگینہ ہو تو حانث ہو جائے گا۔ یہی صحیح ہے۔ اور اگر اس پر سونے کی پاش چڑھائی ہوئی ہو تو حانث ہونا چاہئے۔ جیسے پازیب ونگن میں ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ شخص اپنے ہاتھ سے بننا ہو ورنہ حانث ہو جائے گا۔

اور اگر بغیر جزاؤ (سادہ) موتی کا ہار پہنا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حانث نہیں ہوگا۔ اور صاحبینؒ نے کہا ہے کہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ خود موتی ہی حقیقت میں زیور ہے۔ یہاں تک کہ قرآن میں اس کو زیور کہا گیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عرف میں موتیوں کو زیور کے طور پر اسی صورت میں پہنتے ہیں جب کہ اس کا جزاؤ کر لیا جائے۔ اور قسموں کا مد اعراف پر ہوتا ہے۔ بعض مشائخؒ نے فرمایا ہے کہ یہ اختلاف اپنے اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہے۔ اور صاحبینؒ کے قول پر ہی فتویٰ دیا جائے گا۔ کیونکہ ہمارے زمانے میں بھی زیور کے طور پر صرف موتیوں کو پہننے کی عادت اور اس کا رواج ہے۔

قسم کھائی کہ فراش پہ نہیں سونے گا پھر بچھونا بچھا کر سو گیا تو حانث ہو جائے گا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَنَامُ عَلَى فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَيْهِ وَفَوْقَهُ قَرَامٌ حَنْثٌ لِأَنَّهُ تَبَعَ لِلْفِرَاشِ فَيَعْدُنَا نِيَامًا عَلَيْهِ وَإِنْ جُعِلَ فَوْقَهُ فِرَاشًا آخَرُ فَنَامَ عَلَيْهِ لَا يَحْنِثُ لِأَنَّ مِثْلَ الشَّيْءِ لَا يَكُونُ تَبَعًا لَتَبَاعِهِ فَيَنْقُطُ النَّبَسُ عَنِ الْأَوَّلِ وَلَوْ حَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ فَجَلَسَ عَلَى بَسَاطٍ أَوْ حَصِيرٍ لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى جَالِسًا عَلَى الْأَرْضِ بِخِلَافِ مَا إِذَا حَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَرْضِ لِبَاسُهُ لِأَنَّهُ تَبَعَ لَهُ فَلَا يُعْتَبَرُ حَائِلًا وَإِنْ حَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلَى سَرِيرٍ فَجَلَسَ عَلَى سَرِيرٍ فَوْقَهُ بَسَاطٍ أَوْ حَصِيرٍ حَنْثٌ لِأَنَّهُ يَعْدُ جَالِسًا عَلَيْهِ وَالْجُلُوسُ عَلَى السَّرِيرِ فِي الْعَادَةِ كَذَلِكَ بِخِلَافِ مَا إِذَا جُعِلَ فَوْقَهُ سَرِيرًا آخَرٌ لِأَنَّهُ مِثْلُ الْأَوَّلِ فَقَطَّعَ النَّبَسُ عَنْهُ

ترجمہ..... اور اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ اس فرش پر نہیں سوؤں گا۔ پھر ایسے فرش پر سویا جس پر باریک چادر تھی تو وہ حانث ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ چادر اس فرش کے تابع ہے۔ اس لئے وہ اسی فرش پر سونے والا ہی سمجھا جائے گا۔ اور اگر فرش یعنی بچھونے کے اوپر دوسرا بچھونا بچھا کر اس پر سویا تو

حادث نہیں ہوگا کیونکہ جو چیز ایک چیز کے مثل ہو وہ اس کی تابع نہیں ہوتی ہے۔ یعنی اوپر کا بچھونا نیچے کے بچھونے کا تابع نہیں ہوگا۔ اس لئے نیچے کے بچھونے پر سونے کی نسبت باقی نہیں رہے گی۔ ف۔ بلکہ وہ اوپر والے بچھونے پر سونے والا کہا جائے گا۔ اور اگر قسم یہ کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھوں گا۔ پھر بچھونے یا ٹاٹ اور چٹائی وغیرہ پر بیٹھا تو وہ حادث نہیں ہوگا۔ کیونکہ ایسے شخص کو زمین پر بیٹھنے والا نہیں کہا جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہ قسم کھانے والے اور زمین کے درمیان اس کا لباس ہو تو وہ زمین پر ہی بیٹھنے والا ہوگا۔ کیونکہ اس کا لباس اس کے تابع ہے اس لئے وہ حائل شمار نہ ہو گا۔ (ف۔ اور اگر اس نے لباس اتار کر زمین پر ڈال دیا اور اس پر بیٹھ گیا تو اب وہ حادث نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ لباس بچھونے کے حکم میں ہوگا۔) اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ اس معین تخت پر نہیں بیٹھوں گا پھر اس پر بچھونا یا چٹائی وغیرہ بچھا کر بیٹھ گیا تو حادث ہو جائے گا۔ (ف۔ اس تخت سے مراد معین تخت ہے۔ الجوہرہ) کیونکہ بچھونا یا چٹائی بچھانے سے بھی وہ تخت ہی پر بیٹھنے والا شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ تخت پر بیٹھنے کی عادت اسی طرح جاری ہے۔ بخلاف اس کے اگر وہ اس تخت کے اوپر دوسرا تخت بچھا کر اس پر بیٹھا تو حادث ہوگا۔ کیونکہ یہ تخت بھی اس پہلے تخت کے جیسا ہے۔ اس لئے پہلے سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

تشریح بخلاف ما اذا جعل فوقه سريرا اخر الخ۔ بخلاف اس صورت کے جب کہ تخت کے اوپر بجائے چٹائی وغیرہ بچھانے کے دوسرا تخت بچھا لیا اور اس پر بیٹھ گیا (ف یعنی اوپر کے تخت پر بیٹھنے والا کہلائے گا اور نیچے کے تخت پر بیٹھنے والا نہیں کہلائے گا)۔ اگر یہ قسم کھائی کہ زمین پر نہیں چلوں گا پھر جوتا یا موزہ پہن کر یا اینٹوں پر پاؤں رکھ کر زمین پر چلا تو حادث ہو جائے گا۔ اور اگر فرش پر چلا تو حادث نہیں ہوگا۔ ت۔ اگر یہ کہا کہ اگر میں تمہارے کپڑے یا بچھونے پر سو یا تو میرا غلام آزاد ہے پھر وہ اس کے کپڑے یا بچھونے پر سو یا مگر کچھ بدن باہر رہا۔ اب اگر زیادہ بدن اس کے کپڑے یا بچھونے پر ہو تو حادث ہوگا۔ ورنہ نہیں۔

باب الیمین فی القتل والضرب وغیرہ

ترجمہ باب قتل کرنے اور مارنے وغیرہ میں قسم کھانے کا بیان

باب الیمین فی القتل والضرب وغیرہ الخ یہ باب مارنے اور قتل کرنے وغیرہ میں قسم کھانے کے بیان میں ہے۔ اس موقع میں اصل بات یہ ہے کہ جس بات میں زندہ اور مردہ دونوں شریک اور برابر ہوتے ہیں یعنی اس کے حکم میں دونوں کا حال ایک جیسا ہوتا ہے تو اس کی قسم دونوں حالتوں زندگی اور موت پر واقع ہوگی اور جو بات فقط زندگی کے ساتھ مخصوص ہو جیسے دکھ، درد، لذت و خوشی تو یہ قسم صرف زندگی ہی تک مخصوص ہوگی۔

قسم کھائی کہ اگر میں نے تم کو مارا تو میرا غلام آزاد تو یہ قسم زندگی تک محدود ہوگی

وَمَنْ قَالَ إِنَّ ضَرْبَتَكَ فَعَبْدِي حُرٌّ فَهُوَ عَلَى الْحَيَاةِ لِأَنَّ الضَّرْبَ اسْمٌ لِفِعْلِ مُؤَلِّمٍ يَتَّصِلُ بِالْبَدَنِ وَالْإِنْلَامُ لَا يَتَحَقَّقُ فِي الْمَيِّتِ وَمَنْ يُعَذَّبُ فِي الْقَبْرِ يُوضَعُ فِيهِ الْحَيَاةُ فِي قَوْلِ الْعَامَّةِ وَكَذَلِكَ الْكِسْوَةُ لِأَنَّهُ يُرَادُ بِالسَّمْلِيكِ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ وَمِنْهُ الْكِسْوَةُ فِي الْكُفَّارَةِ وَهُوَ مِنَ الْمَيِّتِ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ بِهِ السَّرَّ وَقِيلَ بِالْفَارِسِيَّةِ يَنْصَرِفُ إِلَى اللَّبْسِ وَكَذَا الْكَلَامُ وَالِدُخُولُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْكَلَامِ الْإِفْهَامَ وَالْمَوْتُ يَنَافِيهِ وَالْمَرَادُ مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهِ زِيَارَتُهُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ يُزَارَقُ قَبْرُهُ لَا هُوَ

ترجمہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ اگر میں نے تم کو مارا تو میرا غلام آزاد ہے۔ تو یہ قسم اس کے زندہ رہنے تک کے لئے ہے۔ یعنی اگر اس کو زندگی میں مارا تو غلام آزاد ہوگا۔ اور اگر اس کی موت کے بعد اسے مارا تو حادث نہ ہوگا۔ کیونکہ مارنا ایک ایسے دکھ دینے والے فعل کا نام ہے جس کا تعلق

بدن سے ہو۔ جبکہ دکھ دینا مردہ کے بدن میں ثابت نہ ہوگا۔ لیکن قبر میں مردہ پر عذاب برحق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہور اصل اسلام کے نزدیک مردہ میں دوبارہ (مخصوص حیات) رکھی جاتی ہے (بلکہ یہ تو آخرت کے حکموں میں سے ہے۔ اور دنیاوی زندگی پر اس کا قیاس نہیں ہو سکتا ہے)۔ مارنے کے بارے میں جو حکم بیان کیا گیا وہی حکم لباس پہنانے اور دینے کا بھی ہے۔ یعنی اس حکم کا تعلق صرف اس کی زندگی رہنے تک ہو گا۔ اور مردوں کا کفن اس میں شامل نہ ہوگا۔ کیونکہ جب مطلقاً یوں کہا کہ واللہ میں زید کو لباس اور کسوت دوں گا تو اس سے مراد مالک کر دینا ہوتا ہے اور اسی سے کفارہ (یمین) میں کسوت کا حکم ہے اور کسی مردہ کو کپڑے کا (یا کسی اور چیز کا) مالک نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر کہتے وقت کسوت سے اس کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ میں اس کی ستر پوشی کروں گا تو کپڑے کا حکم مردہ سے بھی متعلق ہو جائے گا۔ اور فقہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ فارسی میں کسوت سے مراد صرف پہنانا ہوگا۔

فائدہ..... یعنی مالک بنانا ضروری نہیں ہے یہاں تک کہ اگر اس کے مرجانے کے بعد پہنایا تو بھی حادث نہیں ہوگا۔ اسی طرح کلام کرنے اور داخل ہونا بھی زندگی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ کلام سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ اسے اپنا مفہوم و مضمون سمجھائے اور موت اسکے مخالف ہے اور داخل ہونے سے مراد اس کی زیارت ہے۔ مرنے کے بعد اس کی زیارت نہیں ہوتی ہے بلکہ اس کی قبر کی زیارت ہوتی ہے۔

تشریح..... و کذا الکلام و الدخول۔ اسی طرح کلام کرنا اور داخل ہونا بھی زندگی کے ساتھ مخصوص ہے۔

فائدہ..... یعنی اگر یہ کہا کہ میں زید سے کلام نہیں کروں گا۔ تو اس کی زندگی میں کلام کرنے سے حادث ہو جائے گا۔ اور موت کے بعد نہیں ہو گا۔ یہاں تک کہ اس کی موت کے بعد اس سے کلام کیا تو حادث نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر یہ کہا کہ میں زید کے پاس داخل نہ ہوں گا۔ تو زید کی زندگی تک حکم مخصوص رہے گا۔ یہاں تک کہ اگر اس کے مرنے کے بعد اس کے پاس گیا تو حادث نہ ہوگا۔

لَاِنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنَ الْكَلَامِ الْاِفْهَامُ وَالْمَوْتُ يُنَافِيهِ وَالْمَوْرَدُ مِنَ الدَّخُولِ عَلَيْهِ زِيَارَتُهُ..... الخ کیونکہ کلام کی غرض تو یہ ہوتی ہے کہ مخاطب کو اپنا مضمون سمجھا دے۔ جبکہ اس کی موت اس کے منافی ہے۔

فائدہ..... یعنی موت کے بعد سمجھنا ناممکن ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتول کافروں کو ان کے نام لے کر پکار کر فرمایا تھا کہ تمہارے رب نے تم سے عذاب کا جو وعدہ کیا تھا وہ تم نے سچ پایا یا نہیں۔ اور جب آپ سے صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا یہ مردے سنتے ہیں تو فرمایا کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مردہ سے کلام کرنا بھی سمجھانے کے لئے مفید ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام کرنا نشان نبوت کا معجزہ تھا۔ اور ان مردہ کافروں کا سننا اس دنیاوی سننے پر قیاس نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے حدیث میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ یعنی وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ پس زیادتی اسی معنی میں ہے کہ اسماعیل آخرت اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے طور پر ہے۔ والموارد من الدخول اور داخل ہونے سے مراد اس کی زیارت کرنے کی ہے۔ جبکہ موت کے بعد زیارت نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی قبر کی زیارت ہوتی ہے۔

قسم کھائی کہ اگر میں تم کو غسل دوں تو میرا غلام آزاد ہے موت کے بعد غسل دیا تو حادث ہو جائے گا

وَلَوْ قَالَ اِنْ غَسَلْتُكَ فَعَبْدِي حُرٌّ فَعَسَلَهُ بَعْدَ مَا مَاتَ يَخْبِتُ لَاِنَّ الْغُسْلَ هُوَ الْاِسَالَةُ وَمَعْنَاهُ التَّطْهِيرُ وَيَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي الْمَيِّتِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے کسی سے یہ کہا کہ اگر میں تم کو غسل دوں تو میرا غلام آزاد ہے۔ اب اگر مرنے کے بعد غسل دیا تو وہ حادث ہو جائے گا

کیونکہ غسل کے معنی ہیں پانی بہانا اور اس کا مقصود اسے پاک کرنا ہوتا ہے اور یہ بات یعنی پاک کرنا مردہ کو غسل کرانے میں پانی جاتی ہے۔
تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر کسی نے قسم کھائی کہ اپنی بیوی کو نہیں ماروں گا، لیکن اس کے سر کے بال کھینچے یا اس کا گلا دبایا وغیرہ، حانث ہوگا یا نہیں

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَضْرِبَ امْرَأَتَهُ فَمَدَّ شَعْرَهَا أَوْ خَنَقَهَا أَوْ عَصَفَهَا حَنْثٌ لِأَنَّهُ اسْمٌ لِلْفِعْلِ مُؤَلِّمٌ وَقَدْ تَحَقَّقَ الْإِيلَامُ وَقِيلَ لَا يَخْنُكُ فِي حَالِ الْمَلَاعِبَةِ لِأَنَّهُ يُسَمَّى مُمَارَاةً لَا ضَرْبًا

ترجمہ..... اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو نہیں ماروں گا لیکن اس کے سر کے بال کھینچے یا اس کا گلا دبایا یا دانت سے اس کا بدن دبا دیا تو حانث ہو جائے گا اگرچہ دستگی اور ہنسی مذاق کا موقع ہو کیونکہ مارنا ایک ایسے کام کا نام ہے جس سے تکلیف پہنچتی ہو اور ان تمام کاموں میں یہ دکھ پہنچانا پایا گیا۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ ہنسی مذاق کی حالت میں حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس حالت میں مار نہیں بلکہ دل لگی اور دل بستگی ہوتی ہے۔
فائدہ..... خلاصہ میں اسی کو صحیح کہا ہے۔

تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر قسم اٹھائی فلاں کو میں قتل نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق اور فلاں مر چکا تھا اور حالف کو معلوم تھا تو حالف حانث ہو جائے گا

وَمَنْ قَالَ إِنْ لَمْ أَقْتُلْ فَلَانًا فَأَمْرَأَتَهُ طَالِقٌ وَقَلَانٌ مَيِّتٌ وَهُوَ عَالِمٌ بِهِ حَنْثٌ لِأَنَّهُ عَقْدٌ يَمِينُهُ عَلَى حَيَوَةِ يُحْدِثُهَا اللَّهُ تَعَالَى فِيهِ وَهُوَ مُتَصَوِّرٌ فَيَنْعَقِدُ ثُمَّ يَخْنُكُ لِلْعَجْزِ الْعَادِيِّ وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ لَا يَخْنُكُ لِأَنَّهُ عَقْدٌ يَمِينُهُ عَلَى حَيَوَةٍ كَانَتْ فِيهِ وَلَا يَتَصَوَّرُ فَيَصِيرُ قِيَاسُ مَسْأَلَةِ الْكُوزِ عَلَى الْإِخْتِلَافِ وَلَيْسَ فِي تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ تَفْصِيلٌ هُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ..... اگر کسی نے یہ کہا کہ اگر میں فلاں کو قتل نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے حالانکہ وہ فلاں شخص انتقال کر چکا ہے۔ اور قسم کھانے والا اس بات کو جانتا بھی ہے تو وہ حانث ہو جائے گا۔ ساتھ ہی بیوی کو طلاق بھی ہو جائے گی کیونکہ اس نے اپنی قسم کو اس مردہ کی ایسی زندگی پر قائم کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس مردہ میں پیدا کرنے اور ایسی بات کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے وہ قسم درست ہو جائے گی۔ اسلئے وہ فی الفور حانث ہو جائے گا کیونکہ عملاً اور عادتاً اس سے عاجزی ظاہر ہے اور اگر قسم کھانے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ شخص مردہ ہے تو حانث ہوگا کیونکہ اس نے اپنی قسم کی بنیاد ایسی زندگی پر قائم کی ہے جو اس میں موجود ہے۔ حالانکہ وہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے قسم پوری کرنے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ پیالہ میں پانی نہ رہتے ہوئے پینے کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے۔ اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہوگا یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر اس کا مردہ ہونا نہ جانتا ہو تو بھی حانث ہو جائے گا۔ جیسا کہ اس پیالہ کے مسئلہ میں گذر چکا ہے۔ مگر اس مسئلہ میں جاننے اور نہ جاننے کی کوئی تفصیل نہیں ہے یعنی ابو یوسفؒ کے نزدیک اگرچہ جانتا ہو کہ پیالی میں پانی نہیں ہے پھر بھی حانث ہو جائے گا اور یہ صحیح ہے۔

تشریح..... وَمَنْ قَالَ إِنْ لَمْ أَقْتُلْ..... الخ اگر کسی نے دوسرے کے بارے میں کہا کہ اگر میں اسے قتل نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے حالانکہ

باب الیمین فی تقاضی الدراهم ۱۲۳ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم
وہ شخص پہلے ہی مر چکا ہے۔ اور کہنے والا خود بھی یہ بات جانتا ہے تو وہ حادث ہو جائے گا اور بیوی مطلقہ ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنی قسم کو اس مردہ کی ایسی زندگی پر قائم کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس مردہ میں پیدا کرے اور اس کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے قسم منعقد ہو جائے گی اور اسی وقت حادث ہو جائے گا۔ کیونکہ عادتاً اس سے عاجزی ظاہر ہے۔ ف۔ معلوم ہونا چاہئے کہ جس پیالہ میں پانی نہ ہوا اگر اس کی طرف اشارہ کر کے کوئی یہ کہے کہ اس میں جو پانی ہے وہ میں پیوں گا۔ تو امام ابو حنیفہ و محمدؐ کے نزدیک قسم منعقد ہی نہیں ہوگی۔ کیونکہ قسم کے وقت اس میں مطلق پانی نہیں ہے۔ اور اگر آئندہ اس میں اللہ تعالیٰ پانی موجود کر دے تو ممکن بھی ہے۔ لیکن یہ وہ پانی نہ ہوگا جس کے بارے میں اس نے قسم کھائی ہے۔ کیونکہ یہ پانی قسم کے بعد پیدا ہوا ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حادث ہو جائے گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ شرط نہیں کہ قسم پوری ہونے کا امکان بھی ہو۔ جیسا کہ اکل و شرب کے باب میں گذر چکا ہے۔ اور یہاں آدمی کے قتل کرنے کی قسم کا تصور اس طرح ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کر دے تو یہ قتل کر سکتا ہے۔ اس لئے قسم منعقد ہوگی۔ لیکن عادت الہی ایسی جاری نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عادت کے لحاظ سے یہ شخص اس کے قتل کرنے سے عاجز ہے۔ حالانکہ قسم کے وقت یہ جانتا تھا کہ وہ آدمی مر چکا ہے۔ لہذا حادث ہو جائے گا۔ وان لم یعلم لایحنت..... الخ۔ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

باب الیمین فی تقاضی الدراهم

ترجمہ..... باب، روپے کے تقاضا کرنے کی قسم کھانے کے بیان میں

قسم کھائی کہ میں فلاں کا عنقریب دین ادا کروں گا تو کتنے دن مراد ہوگا

قَالَ وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ دَيْنَهُ إِلَى قَرِيبٍ فَهُوَ مَا دُونَ الشَّهْرِ وَإِنْ قَالَ إِلَى بَعِيدٍ فَهُوَ أَكْثَرُ مِنَ الشَّهْرِ لِأَنَّ مَا دُونَهُ يُعَدُّ قَرِيبًا وَالشَّهْرُ وَمَا زَادَ عَلَيْهِ يُعَدُّ بَعِيدًا وَلِهَذَا يُقَالُ عِنْدَ بَعْدِ الْعَهْدِ مَا لَقِيتُكَ مِنْذُ شَهْرٍ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں عنقریب اس کا قرض ادا کر دوں گا۔ تو اس سے ایک مہینہ سے کم کا وقت ہوگا۔ یعنی اگر ایک مہینہ سے کم میں ادا کیا تو قسم میں پورا اترا۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں دیر میں ادا کروں گا تو اس سے ایک مہینہ سے زیادہ کی مدت مراد ہوگی۔ کیونکہ جو زمانہ مہینہ سے کم ہو وہ قریب میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور مہینہ سے زیادہ کو بعید شمار کرتے ہیں۔ اسی لئے جب کسی سے عرصہ بعد ملاقات ہو تو عرب والے بولتے ہیں ماتقیتک منذ شہر یعنی میں آپ سے ایک مہینہ سے نہیں ملا ہوں یعنی زمانہ دراز گذر گیا۔

تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

قسم اٹھائی کہ فلاں کا دین ضرور بضرور آج ادا کروں گا اور دین ادا کر دیا فلاں نے بعض درہم

کو کھوٹا پایا تو قسم اٹھانے والا حادث نہیں ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ فَلَانًا دَيْنَهُ الْيَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فَلَانٌ بَعْضَهَا زُبُوفًا أَوْ نَبْهَرَجَةً أَوْ مُسْتَحَقَّةً لَمْ يَحْنِثِ الْحَالِفُ لِأَنَّ الزِّيَافَةَ غَيْبٌ وَالْغَيْبُ لَا يُعَدُّ الْجِنْسَ وَلِهَذَا لَوْ تَجَوَّزَ بِهِ صَارَ مُسْتَوْفِيًا فَوَجَدَ شَرْطَ الْبَرِّ وَقَبْضُ الْمُسْتَحَقَّةِ صَحِيحٌ وَلَا يَرْتَفَعُ بِرَدِّهِ الْبَرُّ الْمُتَحَقِّقُ وَإِنْ وَجَدَهَا رَصًا صَا أَوْ سَتَوْفَةً حَنْتَ لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ جِنْسِ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم ۱۲۵ باب الیمین فی تقاضی الدرہم
الذَّارِهِمْ حَتَّى لَا يَجُوزَ التَّجَوُّزُ بِهِمَا فِي الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ وَإِنْ بَاعَهُ بِهَا عَبْدًا وَقَبْضَهُ بِرَفِيٍّ يَمِينُهُ لِأَنَّ قَضَاءَ
الْبَّيِّنِ طَرِيقُهُ الْمُقَاصَّةُ وَقَدْ تَحَقَّقَتْ بِمَجَرَّدِ الْبَيْعِ فَكَانَ شَرْطُ الْقَبْضِ لِيَتَقَرَّرَ بِهِ وَإِنْ وَهَبَهَا لَهُ يَعْنِي الدَّيْنُ لَمْ
يَبْرُلْ لِعَدَمِ الْمُقَاصَّةِ لِأَنَّ الْقَضَاءَ فِعْلُهُ وَالْهَبَةُ اسْقَاطُ مَنْ صَاحِبِ الدَّيْنِ

ترجمہ..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں آج زید کا قرض ادا کر دوں گا پھر آج ہی ادا کر دیا۔ مگر زید کو ہاتھ میں لینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ روپے کھوٹے ہیں یا نہرہ پائے یا ان کا کوئی دوسرا شخص مستحق ہے تو قسم کھانے والا حاث نہیں ہوگا۔ کیونکہ سکہ کا کھوٹا ہونا ایک عیب ہے۔ اور عیب ہونے کی وجہ سے وہ جس معدوم اور لاپتہ نہیں ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اگر لینے والا زید اس پر نرم ہو جائے اور عیب سے چشم پوشی کر کے اسے قبول کر لے تو وہ اپنا قرض پورا پانے والا ہو جائے گا۔ اس طرح قسم پوری کرنے کی شرط پائی گئی۔ اور ادا کئے ہوئے روپے میں سے جن کا دوسرا کوئی مستحق نکل آیا ہے ان پر پھر زید کا قبضہ کرنا صحیح ہے۔ اور قسم کھانے والے کی قسم پوری ہو جانے کے بعد یہ روپے ان کے مستحق کو واپس کرنے سے قسم کے پورا ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یعنی قسم پوری رہے گی۔ اور اگر قرض خواہ نے ان درہموں کو رصاص یا ستوقہ پایا تو قسم کھانے والا حاث ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں خالص روپے کی جنس سے ہی نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ چشم پوشی کے طور پر ان دونوں کے بیچ صرف یا سلم میں لینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر قسم کھانے والے نے اپنے قرض خواہ کے ہاتھ اس کے قرض کے عوض ایک غلام بیچا تو بھی اس کا قرض ادا کر دیا اور اپنی قسم پوری کر دی۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مقاصہ ہو جائے یعنی اول بدل ہو جائے اور یہ بات بیچ کرنے سے ہی ثابت ہوگئی۔ اسلئے بیچ کے ساتھ قبضہ کی بھی شرط لگانا صرف اس لئے ہے کہ وہ بیچ پورے طور سے ثابت ہو جائے اور اگر قسم کھانے والے کو اس کے قرض خواہ نے اپنا قرض ہبہ کر دیا تو قسم کھانے والے نے اپنی قسم پوری نہیں کی یعنی آج کے دن اس نے اپنا قرض ادا نہیں کیا کیونکہ یہاں کوئی ادل بدل نہیں ہے۔ اس لئے کہ ادا کرنا قرض دار کا کام ہے اور ہبہ کرنا قرض خواہ کی طرف سے قرض ساقط کرنے کا نام ہے۔

تشریح..... ومن حلف ليقضين فلاناً..... الخ۔ فائدہ..... زیا فتنہ، زلیف ہونا یعنی کھوٹا ہونا، ایسے سکوں، درہم اور روپے وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ جن کو بیت المال، بینک تو واپس کر دے قبول نہ کرے۔ مگر کاروباری انہیں قبول کر لیتے ہوں۔ نہرہ وہ سکہ جسے کاروباری بھی اس کے کھوٹے ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کرتے ہوں۔ ”مستحقہ“ وہ سکہ جس کے بارے میں تیسرے شخص نے اپنے ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ ثابت بھی کر دیا کہ یہ سکہ حقیقت میں میرے ہیں۔ رصاص رائگے کا بنایا ہوا سکہ۔ ستوقہ۔ سین کے فتح کے ساتھ فارسی کو عربی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ستوقہ۔ تین طبقوں والا۔ یعنی پیتل کے سکے پر دونوں طرف چاندی چڑھائی گئی ہو۔ چونکہ یہ دونوں یعنی رصاص اور ستوقہ سکے کی جنس سے ہی نہیں ہوتے ہیں اسی لئے بیچ صرف اور سلم میں انہیں دینا جائز نہیں ہوتا ہے۔ بیچ صرف نقد کے بیچ کہتے ہیں۔ جیسے اشرفی کے عوض روپیہ لینا۔ اس میں شرط یہ ہوتی ہے کہ خریدار اور بیچنے والے معاملہ کر کے جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کے مال پر قبضہ کر لیں۔ اب اگر اشرفی بھناتے (یا کھلا کرتے) ہوئے رصاص یا مستوقہ دیدیا اور مشتری نے چشم پوشی کرتے ہوئے لے لیا تو بھی یہ معاملہ باطل ہوگا کیونکہ اصل میں یہ درہم یا سکہ ہی نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس صورت میں ایک نے تو عوض پر قبضہ پایا مگر دوسرے نے نہیں پایا اور بیچ سلم یہ ہے کہ روپے کے عوض کسی وقت معین مہلت کے ساتھ دینا طے کیا۔ مثلاً سو روپے نقد دے کر ان کے عوض پانچ من گیہوں طے کئے جو ایک ماہ کے اندر ادا کر دے۔ ایسے معاملہ میں شرط یہ ہوتی ہے کہ اصل پونجی پر فی الفور قبضہ ہو جائے۔ اب اگر اس پونجی کے دیتے وقت رصاص یا مستوقہ درہم دیئے تو حقیقت میں درہم نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیچ بھی باطل ہوگی۔

وان باعہا..... الخ۔ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

قسم کھائی کہ تھوڑا تھوڑا وصول نہیں کرے گا پھر تھوڑا تھوڑا وصول کیا حاث ہوگا یا نہیں

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَقْبِضُ دَيْنَهُ دِرْهَمًا دُونَ دِرْهَمٍ فَقَبِضَ بَعْضَهُ لَمْ يَحْنِثْ حَتَّى يَقْبِضَ جَمِيعَهُ مُتَّفَقًا لِأَنَّ الشَّرْطَ قَبْضُ الْكُلِّ لِكُنْهَ بَوَاضِيفِ التَّفَرُّقِ الْإِیْرَى أَنَّهُ أَضَافَ الْقَبْضَ إِلَى دَيْنٍ مُعَرَّفٍ مُضَافٍ إِلَيْهِ فَيَنْصَرِفُ إِلَى كُلِّهِ فَلَا يَحْنِثُ إِلَّا بِهِ فَإِنْ قَبِضَ دَيْنَهُ فِي وَزْنَيْنِ وَلَمْ يَتَشَاغَلْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِعَمَلِ الْوَزْنِ لَمْ يَحْنِثْ وَلَيْسَ ذَلِكَ بِتَفَرُّقٍ لِأَنَّهُ قَدْ يَتَعَدَّرُ قَبْضُ الْكُلِّ دَفْعَةً وَاحِدَةً عَادَةً فَيَصِيرُ هَذَا الْقَدْرُ مُسْتَثْنَى عَنْهُ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں اپنے قرض پر اس طرح قبضہ نہیں کروں گا کہ تھوڑے پر قبضہ کروں اور تھوڑے پر نہیں۔ یعنی اپنا قرض متفرق اور تھوڑا تھوڑا کر کے وصول نہیں کروں گا۔ پھر بھی اس نے تھوڑا قرض وصول کیا تو حاث نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ کل قرض اسی طرح تھوڑے تھوڑے وصول کرے۔ کیونکہ حاث ہونے کی شرط یہ ہے کہ پورا قرض اس طرح وصول کرے کہ وہ متفرق ہو۔ کیا یہ نہیں دیکھتے ہو کہ اگر قسم کھانے والے نے قرض کو اپنی طرف مضاف کر کے معرفہ کیا ہے تو اس کا حکم پورے قرضہ کی طرف منسوب ہوگا۔ اس لئے اسی وقت حاث ہوگا کہ یہ شرط پائی جائے یعنی متفرق طور پر وصول کرے (خلاصہ یہ ہوا کہ اگر ایک ہی نشست اور ایک ہی بیٹھک میں وصول کے طور پر قرضہ کے ٹکڑے کر لئے تو حاث نہیں ہوگا۔ اور اگر کل قرض کی کل مقدار متفرق طور سے وصول کی تو حاث ہو جائے گا)۔ پھر اگر اپنا قبضہ دو دفعہ تول وصول کیا اور دونوں مرتبہ کے تولنے کے درمیان اسی کام کے علاوہ دوسرے کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا تو حاث نہ ہوگا کہ اس طرح لینے کو علیحدہ علیحدہ لینے والا نہیں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ کبھی پورے قرض کو ایک بار وصول کرنا عادتاً محال بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اتنا متفرق ہونا مستثنیٰ ہوگا۔

تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر میرے پاس سوائے سو روپے کے ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے کے الفاظ سے قسم کا حکم

وَمَنْ قَالَ إِنْ كَانَ لِي إِلَّا مِائَةٌ دِرْهَمٍ فَأَمْرًا تَطَلَّقَ فَلَمْ يَمْلِكْ إِلَّا خَمْسِينَ دِرْهَمًا لَمْ يَحْنِثْ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ عُرْفًا نَفْسِي مَازَادَ عَلَى الْمِائَةِ وَلَإِنَّ اسْتِثْنَاءَ الْمِائَةِ اسْتِثْنَاءُ أَجْزَائِهَا وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ غَيْرُ مِائَةٍ أَوْ سِوَى مِائَةٍ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ آدَاءُ الْإِسْتِثْنَاءِ

ترجمہ..... اگر کسی نے کہا کہ اگر میرے پاس کچھ ہو سوائے سو روپے کے یا اگر سو روپے کے تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ پھر اس کے پاس سے صرف پچاس روپے ہی نکلے تو وہ حاث نہیں ہوگا کیونکہ عرف میں ایسے کلام سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ سو روپے سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ سو کے استثناء سے اس کے تمام اجزاء کا بھی استثناء ہو گیا یعنی پچاس بھی مستثنیٰ ہو گئے۔ اسی طرح اگر یوں کہا کہ اگر میری ملکیت میں سوائے سو روپے کے یا بجز سو روپے کے ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے تو بھی پچاس روپے ہونے میں یہی حکم ہوگا کیونکہ یہ سب استثناء کے حروف ہیں۔

مسائل متفرقة

قسم کھائی کہ فلاں کام نہیں کرے گا ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے

وَإِذَا حَلَفَ لَا يَفْعَلُ كَذَا تَرَكَهُ أَبَدًا لِأَنَّهُ نَفْيُ الْفِعْلِ مُطْلَقًا فَعَمَّ الْإِمْتِنَاعُ ضَرُورَةً عُمُومِ النَّفْيِ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۱۱۷ باب الیمین فی تقاضی الدرہم
ترجمہ..... چند متفرق مسائل، اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں یہ کام نہیں کروں گا تو اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔ کیونکہ اس نے اس فعل کی مطلق
نفی کی ہے اس لئے عمومی نفی کے لحاظ سے ہر زمانہ میں اس سے کنارہ رہے۔
تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

کہا کہ میں ضرور بالضرور یہ کام کروں گا ایک دفعہ کر لیا قسم ہو جائے گی

وَإِنْ حَلَفَ لِفِعْلَيْنِ كَذَا فَفَعَلَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً بَرِّفِي يَمِينٍ لِأَنَّ الْمُلتَزِمَ فِعْلًا وَاحِدًا غَيْرَ عَيْنٍ إِذَا الْمَقَامُ مَقَامُ
الْإِثْبَاتِ فَيَسَّرُ بَأْيَ فِعْلٍ فَعَلَهُ وَإِنَّمَا يَحْتِثُ لِقُوقِ الْيَأْسِ عَنْهُ وَذَلِكَ بِمَوْتِهِ أَوْ يَفُوتَ مَحَلَّ الْفِعْلِ

ترجمہ..... اور اگر یہ قسم کھائی کہ اس کام کو ضرور کروں گا اس کے بعد اس کو ایک مرتبہ کر لیا تو اس نے اپنی قسم پوری کر لی۔ کیونکہ جس چیز کو اس نے خود
پر لازم کیا ہے وہ صرف ایک مرتبہ غیر معین طور پر کر لینا ہے۔ کیونکہ وہ موقع اثبات کا ہے جو اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ کام کو ایک مرتبہ وجود میں لے
آئے یا کرے۔ اس لئے وہ جب بھی ایک بار کر لے گا اپنی قسم میں پورا ہو جائے گا۔ اور جب اس کام کے کرنے سے مایوس ہو جائے گا تب حادث
ہو جائے گا۔ اور یہ مایوسی اس وقت ہوگی جب کہ قسم کھانے والا مرجائے۔ یا جس جگہ پر یہ کام ہوتا ہے وہ جگہ باقی نہ رہے۔

فائدہ..... مثلاً یہ کہا کہ میں اس چٹائی پر نماز پڑھوں گا۔ پس جب کبھی بھی اس چٹائی پر کسی قسم کی یعنی فرض ہو یا نفل وغیرہ نماز پڑھ لی تو یہ قسم پوری ہو
گئی اور اگر اس پر نماز پڑھنے سے پہلے خود مر گیا یا چٹائی جل گئی تو وہ حادث ہو جائے گا۔

اگر کسی حاکم وقت نے کسی شخص کو قسم دی کہ اس ملک میں جو کوئی شر پسند آجائے تو ہمیں خبر
دینا، یہ قسم کب تک برقرار رہے گی؟

وَإِذَا اسْتَحْلَفَ الْوَالِي رَجُلًا لِيُعَلِّمَنَّهُ بِكُلِّ دَاعِرٍ دَخَلَ الْبَلَدَ فَهَذَا عَلَى حَالٍ وَلَا يَتَّبِعُهُ خَاصَّةً لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ دَفْعُ
شَرِّهِ أَوْ شَرِّ غَيْرِهِ بِزَجْرِهِ فَلَا يَفِيدُ فَإِنَّدَتَهُ بَعْدَ زَوَالِ سُلْطَانِيَّتِهِ وَالزَّوَالِ بِالْمَوْتِ وَكَذَا بِالْعَزْلِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ

ترجمہ..... اگر کسی حاکم وقت نے کسی شخص کو قسم دی کہ اس ملک میں جو کوئی شر پسند شخص آجائے یعنی چور اور ڈاکو وغیرہ تو ہر ایک کی ہمیں خبر دینا۔ تو یہ
قسم اسی وقت تک باقی رہے گی جب تک کہ وہی حاکم برسر اقتدار رہے۔ کیونکہ اس قسم دینے کا مقصد تو یہ ہے کہ اس شر پسند کو مرادے کہ اس کا شر یا
دوسروں کا شر دور کر دے۔ اس لئے تو اس حاکم کا اختیار ختم ہو جانے کے بعد اسے خبر دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ اختیار اسی صورت میں ختم ہوگا
کہ وہ مرجائے اسی طرح اگر اسے اس عہدہ سے علیحدہ کر دیا جائے تو بھی ظاہر امر میں یہی حکم ہوگا۔

تشریح..... ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنا غلام فلاں شخص کو دیدوں گا، پھر اس نے اسے ہبہ کر دیا، مگر

اس (فلاں) نے اسے قبول نہیں کیا، کیا قسم پوری ہوئی یا نہیں؟

وَمَنْ حَلَفَ أَنْ يَهَبَ عَبْدَهُ لِفُلَانٍ فَوَهَبَهُ وَلَمْ يَقْبَلْ فَقَدْ بَرِّفِي يَمِينِهِ خِلَافًا لِرُفْرُ فَإِنَّهُ يَعْتَبَرُهُ بِالْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ

مِثْلِهِ وَلَنَا أَنَّهُ عَقْدٌ تَبَرُّعٌ فَيَتِمُّ بِالْمَتَبَرِّعِ وَلِهَذَا يُقَالُ وَهَبَ وَلَمْ يَقْبَلْ وَلَاَنَّ الْمَقْصُودَ إِظْهَارَ السَّمَا حَةِ وَذَلِكَ يَتِمُّ بِهِ وَأَمَّا الْبَيْعُ فَمُعَا وَضَةٌ فَاقْتَضَى الْفِعْلُ مِنَ الْجَانِبَيْنِ

ترجمہ..... اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنا غلام فلاں شخص (زید) کو دے دوں گا پھر اس نے اسے ہبہ کر دیا۔ مگر زید نے اسے قبول نہیں کیا تو اس قسم کھانے والے نے اپنی قسم پوری کر لی۔ البتہ امام زفرؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ ہبہ کرنے کو بیع پر قیاس کیا ہے کیونکہ بیع کی طرح ہبہ بھی دوسرے کو مالک بنادینے کا نام ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہبہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں کسی کے ساتھ احسان اور حسن سلوک کیا جاتا ہے۔ اس لئے صرف احسان کرنے والے کے فعل سے ہی وہ مکمل ہو جائے گا۔ اسی لئے عموماً کہا جاتا ہے کہ زید نے خالد کو کچھ ہبہ کیا مگر اس نے قبول نہیں کیا یعنی قبول نہ کرنے کے باوجود زید کو ہبہ کرنے والا ہی کہا جاتا ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ایسے ہبہ سے مقصود بخشش کا اظہار ہوتا ہے اور یہ اظہار صرف ہبہ کرنے سے پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن بیع تو اول بدل (معاوضہ کا معاوضہ) ہے یعنی دونوں فریق ایک دوسرے سے عوض قبول کرتے ہیں۔ اس لئے اس کا تقاضا یہ ہوا کہ دونوں طرف سے فعل پایا جائے۔ تب وہ پورا ہو۔

وہ شخص جس نے ریحان نہ سوگننے کی قسم کھائی پھر ورد (گلاب) یا یاسمین سوگھی، حانث نہیں ہوگا

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَشْمُ رِيحَانًا فَشَمَّ وَرَدًا أَوْ يَاسْمِينَ لَا يَحْنُثُ لِأَنَّهُ اسْمٌ لِمَا لَا سَاقَ لَهُ وَلَهُمَا سَاقٌ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ میں ریحان نہیں سوگھوں گا۔ پھر بھی اس نے گلاب یا چنبیلی کا پھول سوگھ لیا تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ ریحان ایسے پودے یا درخت کا نام ہے جس کی ساق (تنہ) نہ ہو بلکہ نبل (ادرلت) کی طرح زمین پر پھیلی ہو حالانکہ گلاب اور چنبیلی کی ساق ہوتی ہے (ساق سے مراد یا لوکی ڈنڈی (تنہ) ہے جس پر شاخیں پھوٹی ہیں اور لغت میں ریحان ہر ایک خوشبودار پودا کو کہتے ہیں۔ اس معنی میں گلاب اور چنبیلی کو بھی شامل ہے اور فقہاء کے نزدیک جس کی ڈنڈی اس کے پتوں کے مثل خوشبودار ہو۔ مغرب میں ایسا ہی ہے۔ اہل عراق بھی وہی کہتے ہیں جو مصنفؒ نے ذکر کیا ہے۔ فخر الاسلام اور صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن فتح القدیر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عرف کا اعتبار ہوتا ہے۔ اس لئے جس ملک میں جو چیز ریحان مشہور ہو اسی کے سوگننے سے حانث ہو جائے گا۔

بنفشہ نہ خریدنے کی قسم کھائی اور نیت کچھ نہ تھی تو مراد اس کا روغن ہوگا

وَلَوْ حَلَفَ لَا يَشْتَرِي بِنَفْسِجَا وَلَا نِيَّةَ لَهُ فَهُوَ عَلَى ذَهَبِهِ إِبْتِارًا لِلْعُرْفِ وَلِهَذَا يُسَمَّى بَانِعُهُ بَانِعُ النَّفْسِجِ وَالشَّرَاءُ يَتَنَبَّى عَلَيْهِ وَقِيلَ فِي عُرْفِنَا تَقَعُ عَلَى الْوَرَقِ وَإِنْ حَلَفَ عَلَى الْوَرْدِ فَالْيَمِينُ عَلَى الْوَرَقِ لِأَنَّهُ حَقِيقَةٌ فِيهِ وَالْعُرْفُ مُقَرَّرٌ لَهُ وَفِي النَّفْسِجِ قَاضٍ عَلَيْهِ

ترجمہ..... اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں بنفشہ نہیں خریدوں گا اور اس وقت کوئی نیت نہیں تھی تو اسی قسم سے روغن بنفشہ مراد ہوگا۔ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اور اسی لئے کہ بنفشہ کا تیل بیچنے والے کو بنفشہ فروش کہا جاتا ہے۔ اسی کے مطابق خریدنے کا حکم بھی ہوگا اور بعضوں نے کہا ہمارے عرف میں اس قسم کا اثر بنفشہ کی پتی پر ہوگا (ف اور فقیہ ابواللیثؒ نے کہا ہے کہ ہمارے عرف میں روغن بنفشہ خریدنے سے حانث نہ ہوگا۔ مگر اس وقت حانث ہوگا جب کہ اس کی بھی نیت کر لے۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ ہمارے عرف میں یہی بات ظاہر ہے۔

۱۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ میں ورد (گلاب) نہیں خریدوں گا۔ تو اس قسم کا اثر اس کی پتیوں پر ہوگا۔ یعنی گلاب کے پھول کی پتیاں۔ کیونکہ لفظ ورد

کے حقیقی معنی یہی ہیں اور عرف میں بھی اسی کو کہا جاتا ہے اور نفشہ کی صورت میں عرف اس کے حقیقی معنی پر حاکم ہے۔

فائدہ..... مگر ہمارے عرف میں نفشہ اور وردی قسم کھانے سے تم ان کے پھول پر واقع ہوگی۔ یہی قول مشائخ کا قول صواب ہے۔

اگر کسی نے کہا کہ میں آدمی کو ماروں گا یا انعام دوں گا یا نہیں ماروں گا تو یہ قسم مرد اور عورت دونوں پر واقع ہوگی۔ اسی طرح ہر وہ نام جو اسم جنس کے طور پر ہونے اور مادہ دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ اس میں یہی حکم ہے۔

فائدہ..... اور ہمارے عرف میں گائے، بیل، بکرا اور بکری، گھوڑا اور گھوڑی کے زرمادہ میں فرق کیا جاتا ہے۔

۲۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں کسی عورت سے نکاح نہیں کروں گا۔ پھر کسی اجنبی (خالص) نے اس کا رشتہ کسی سے طے کر کے نکاح کر دیا یعنی صرف اس کی زبان سے اجازت کا کلمہ نکلوا دیا۔ تو بھی حائث ہو گیا۔ البتہ اگر لکھ کر اجازت دی یا کوئی ایسا کام کیا جس سے اجازت ظاہر ہو جیسے عورت کا منہ دیدیا تو حائث نہ ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔

۳۔ اور اگر درمیانی شخص نے اس کا نکاح کر دیا پھر اس نے قسم کھائی کہ میں نکاح نہیں کروں گا۔ پھر زبان سے اس درمیانی آدمی کے نکاح کی اجازت دی تو بالاتفاق حائث نہ ہوگا۔

۴۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ جو کوئی عورت بھی میرے نکاح میں آئے اسے طلاق ہے۔ پھر تیسرے شخص (درمیانی) کے نکاح کی اپنے عمل سے اجازت دی تو حائث نہیں ہوگا۔

۵۔ اگر قسم کھائی کہ میں فلاں کے گھر میں نہیں جاؤں گا۔ تو اس کے ذاتی مکان کرایہ کے مکان اور مانگے ہوئے مکان سب میں اس قسم کا اثر ہوگا۔ کیونکہ عرف میں مکان سے مراد رہائش کی جگہ ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی دوسرے کے تابع ہو کر نہ رہتا ہو۔ اسی لئے وہ عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہو اس کے متعلق اگر یہ قسم کھائی کہ اس عورت کے گھر نہیں جاؤں گا۔ پھر اس کے شوہر کے پاس وہ گیا تو حائث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ گھر اس کے شوہر کی رہائش گاہ ہے۔ انہر۔

۶۔ کسی نے قسم کھائی کہ میرے پاس کوئی مال نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا قرض ایسے مفلس پر ہے جس کے افلاس کا قاضی نے اعلان کر دیا ہے یا کسی مالدار پر ہے۔ تو فی الحال اس نئے قبضہ میں مال نہ ہونے کی وجہ سے حائث نہ ہوگا۔

۷۔ زید نے خالد سے کہا واللہ تم یہ کام ضرور کرو گے۔ اب اگر اس کو قسم دلانے کی نیت کی تو وہ خود قسم کھانے والا نہ ہوگا۔ ورنہ خود قسم کھانے والا ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر خالد وہ کام نہ کرے تو حائث ہو جائے گا۔

۸۔ خالد سے کہا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم ایسا کرو گے تو زید قسم کھانے والا ہے۔ بشرطیکہ قسم دلانا مقصود نہ ہو۔

۹۔ اگر خالد سے کہا کہ تم پر اللہ کا عہد ہے کہ تم ایسا کرو۔ اس نے جواب میں کہا کہ اچھا تو اس سے خالد ہی قسم کھانے والا ہوا۔

۱۰۔ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں نے اپنے مکان میں زید کو جو کرایہ پر دیا ہے نہیں چھوڑوں گا۔ پس اگر زید سے یہ کہا کہ تم نکل جاؤ تو وہ اپنی قسم میں پورا اترے۔

۱۱۔ قسم کھائی کہ آج اپنا مال اپنے قرض دار پر نہیں چھوڑوں گا۔ پھر اسے قاضی کے پاس لا کر اس سے قسم لی یعنی وہ قسم کھا گیا کہ مجھ پر اس کا کچھ مال نہیں ہے، اس طرح قسم کھانے والا اپنی قسم میں سچا رہا۔

۱۲۔ زید نے خالد پر دعویٰ کیا اور خالد قسم کھا گیا کہ اس کا مجھ پر کچھ لازم نہیں ہے پھر زید نے مال کے گواہ قائم کر کے ثابت کر دیا تو خالد اپنی قسم میں جھوٹا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق ہو جانے کی قسم کھائی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی پر فتویٰ دینا چاہئے۔

۱۳۔ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کی زمین میں کھیتی نہیں کروں گا۔ پھر اس نے فلاں اور دوسرے شخص کی مشترک زمین میں کھیتی کی تو حانث ہو گیا۔ بخلاف اس کے اگر یہ کہا کہ فلاں کے گھر نہیں جاؤں گا۔ پھر اس فلاں اور دوسرے کے مشترک گھر میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا۔ بشرطیکہ فلاں اس میں نہ رہتا ہو۔

۱۴۔ اگر یہ قسم کھائی کہ میری بیوی زید کی شادی میں نہیں جائے گی۔ لیکن وہ زید کی شادی سے پہلے ہی چلی گئی اور مستقل وہیں رہی یہاں تک کہ شادی کا کام ختم ہو گیا تو حانث نہیں ہوگا۔

۱۵۔ اگر یہ قسم کھائی کہ زید کے پاس آؤں گا پھر اس کے گھر یا اس کی دکان پر چلا جائے خواہ اس سے ملاقات ہو یا نہ ہو (تو حانث نہ ہوگا) اور اگر نہیں گیا یہاں تک کہ دونوں سے کوئی ایک مر گیا تو حانث ہو جائے گا۔

۱۶۔ اگر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم جتنی مرتبہ بھی گھر سے نکلو میری طرف سے تم کو اجازت ہے۔ اس کے بعد اسے مزید اجازت لینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ پھر کسی وقت اگر شوہر نے منع کر دیا تو امام محمدؒ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

۱۷۔ اگر یہ قسم کھائی کہ سوار نہیں ہوں گا تو اس کی قسم ایسی چیز سے متعلق ہوگی جس پر سوار ہونا وہاں معمول ہو۔ یہاں تک کہ اگر انسان کی پیٹھ پر سوار ہوا یا گائے یا گدھے پر سوار ہوا تو ملک ہندوستان میں حانث نہ ہوگا اور ہاتھی و پاکی اور ریل پر سوار ہونے میں حانث ہو جائے گا۔

۱۸۔ معلوم ہونا چاہئے کہ کھانے کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز چبانے کے لائق ہو اس کو منہ کے ذریعہ سے حلق کے نیچے اتارنا خواہ وہ چبائی جائے چبائی نہ جائے اور پینے کے معنی ہیں ایسی چیز جو چبانے کے لائق نہ ہو اسے حلق سے نیچے اتار لینا۔ اب اگر کسی نے کہا کہ میں اس وقت درخت سے نہیں کھاؤں گا تو قسم کا اثر اس کے پھل پر ہوگا اور اگر اس میں پھل نہ ہوں تو اس درخت کی قیمت پر ہوگا۔ اس بناء پر اگر اس کی قیمت سے کوئی چیز خرید کر کھالی تو حانث ہو جائے گا اور اگر اس درخت کی چھال یا پتے کھائے تو حانث نہ ہوگا۔

۱۹۔ اگر کسی نے کہا کہ میں اس بکری سے نہیں کھاؤں گا تو اس کا تعلق صرف اس کے گوشت سے ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کا دودھ کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ اس موقع میں اصل یہ ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہو اگر اس میں ایسی کوئی صفت ہو جو قسم کھانے کا سبب بن سکتی ہو تو قسم کا تعلق اسی صفت تک رہے گا۔ خواہ وہ چیز معرّفہ ہو یا نکرہ ہو۔ پھر جب اس میں سے وہ صفت ختم ہو جائے گی تو قسم کا اثر بھی ختم ہو جائے گا۔ مثلاً گدر (ادھ پکا) چھوڑا نہیں کھاؤں گا یا یہ گدر چھوڑا نہیں کھاؤں گا۔ تو یہ صفت معتبر ہے۔ (کہ یہ صفت بعضوں کو بہت پسند آتی ہے) اس لئے اس کے پک جانے کے بعد اسے کھانے سے حانث نہیں ہوگا اور اگر کوئی ایسی صفت ہو جو قسم کا سبب نہیں ہو سکتی ہو تو وہ نکرہ ہونے کی صورت میں معتبر ہوگی اور معرّفہ ہونے میں نہیں ہوگی۔ لیکن جتنی میں لکھا ہے کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں اس دیوانے سے نہیں بولوں گا۔ پھر وہ اچھا ہو گیا۔ یا اس کافر سے نہیں بولوں گا۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد اس سے گفتگو کی تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ کافر ہونا یا دیوانہ ہونا ایسی صفتیں ہیں جو قسم کا باعث ہو سکتی ہیں۔

۲۰۔ سور کا گوشت اہل کوفہ کے عرف میں گوشت ہے۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ ہمارے ہاں بھی یہی حکم ہونا چاہئے۔

۲۱۔ کسی نے قسم کھائی کہ میں اس گدھے سے نہیں کھاؤں گا۔ تو اس گدھے سے کرایہ کی آمدنی پر قسم کا اثر ہوگا۔

۲۲۔ اور اس کتے سے نہیں کھاؤں گا کہنے سے اس کے پکڑے ہوئے شکار پر اس کا اثر نہیں ہوگا۔

۲۳۔ گائے کا گوشت نہیں کھاؤں گا کہنے سے یہاں بھینس کے گوشت پر اثر نہیں ہوگا۔ اس طرح کچا گوشت کھانے سے بھی حانث نہیں ہوگا۔ یہی اصح ہے۔

۲۴۔ فلاں عورت کی روٹی سے نہیں کھاؤں گا کہنے سے روٹی کے لئے آنا گوندھنے والی اور اس کے لئے گوندھے ہوئے آنا سے پیڑا بنانے والی

عورت پر قسم کا اثر نہ ہوگا۔ بلکہ روٹی کو ہاتھ میں لے کر تنور میں ڈالنے والی پر قسم واقع ہوگی۔

- ۲۵۔ کسی نے قسم کھائی کہ طعام نہیں کھاؤں گا۔ پھر بھوک کی زیادتی سے انتہائی مجبور ہو کر مردار کھا لیا تو حائث نہیں ہوگا۔ البدائع۔
- ۲۶۔ قسم کھائی کہ روغن نہیں کھاؤں گا۔ کہتے وقت کوئی نیت نہیں تھی۔ پھر روغن ڈالے ہوئے ستو کھائے۔ اگر اس میں اتنا روغن ہو کہ نچوڑنے سے اس سے روغن بہہ جائے گا تو حائث ہوگا ورنہ نہیں۔ الجوہر۔

- ۲۷۔ لفظ طعام میں پیور اور فواکہ بھی شریک ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے یہاں اور بول چال بھی ایسا نہیں ہے۔ انہر۔ اور یہی ہمارا عرف ہے۔
- ۲۸۔ امام محمد کے نزدیک ادام (سالن) ہر وہ چیز ہے جو اکثر روٹی (اور کھانے) کے ساتھ کھائی جائے۔ اسی پر فتویٰ دیا جائے۔ المحرر۔
- ۲۹۔ اگر چند دستوں میں سے ایک نے قسم کھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا، دوسرے نے قسم کھائی کہ پیاز نہیں کھاؤں گا، تیسرے نے قسم کھائی کہ میں نمک مرچ نہیں کھاؤں گا پھر گوشت مع پیاز و مصالحہ کے پکایا گیا۔ اور سبوں نے اس سے کھایا تو فقط تیسرا شخص حائث ہوگا۔ د۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ ہمارے عرف میں سب کا حائث ہونا لازم ہے کیونکہ ہمارے یہاں گوشت و پیاز بھی اسی طرح کھاتے ہیں۔

- ۳۰۔ کسی نے قسم کھائی کہ میں دودھ نہیں کھاؤں گا پھر اس نے دودھ کی کھیر پکا کر کھائی تو حائث نہیں ہوگا۔
- ۳۱۔ کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کو نہیں دیکھوں گا پھر اس کے ہاتھ یا پاؤں یا تالو کو دیکھا تو حائث نہیں ہوگا۔ اور اگر اس کے سر دپیٹھ اور پیٹ کو دیکھا تو حائث ہو جائے گا۔

- ۳۲۔ اگر قسم کھائی کہ اس کو نہیں چھوؤں گا۔ تو اس کے ہاتھ اور پاؤں کے چھونے سے حائث ہو جائے گا۔
- ۳۳۔ اگر زید نے خالد سے کہا کہ میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تم واللہ یہ کام نہ کرنا اس نے کہا۔ ہاں۔ تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ حالف ہو جائے گا۔ یہی قول مشہور ہے۔ لیکن تاتارخانیہ میں اس کے خلاف قول کو صحیح کہا گیا ہے۔

- ۳۴۔ اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ اگر قسم کھانے والے نے کوئی عام لفظ کہا مگر اس کی نیت خاص تھی تو دینا بالا جماع صحیح اور قابل قبول ہے۔ لیکن قضاء اس کی تصدیق نہیں ہوگی۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

- ۳۵۔ اگر مدعی نے مدعی علیہ کو قسم دلائی اور اس نے مدعی کے خلاف اپنی نیت کے مطابق قسم کھائی تو قسم دلانے والے کی نیت پر قسم ہوگی۔ بشرطیکہ وہ ظالم نہ ہو ورنہ مظلوم کی نیت پر قسم ہوگی۔

- ۳۶۔ کسی نے قسم کھائی کہ میں بات نہیں کروں گا۔ پھر نماز میں قرآن کی تلاوت کی یا تسبیح پڑھی تو بالاتفاق وہ حائث نہیں ہوگا اور اگر نماز کے علاوہ ایسا کہا تو ظاہر الرویۃ میں حائث ہو جائے گا۔ اس قول کو بحر الرائق میں ترجیح دی گئی ہے اور فتح القدیر میں کہا ہے کہ مطلقاً حائث نہیں ہوگا اور یہی راجح ہے۔ کیونکہ یہی عرف ہے اور اس کے مخالف صحیح معتبر نہیں ہے۔

- ۳۷۔ کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں سورۃ یا فلاں کتاب نہیں پڑھوں گا تو اس میں دیکھ کر سمجھنے سے حائث نہیں ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جائے۔ (الواقعات)

- ۳۸۔ کسی نے قسم کھائی کہ جب تک بخارا میں ہوں یہ کام نہیں کروں گا۔ پھر کسی وقت وہاں سے نکل کر دوبارہ اس میں داخل ہوا اور اس کام کو کر لیا تو حائث نہیں ہوگا۔

- ۳۹۔ کسی نے قسم کھائی کہ میں تم کو حاکم کے پاس بھیج کر لے جاؤں گا اور قسم دلاؤں گا۔ اس پر مقابل نے دعویٰ کا اقرار کر لیا تو وہ قسم ختم ہوگئی۔
- ۴۰۔ غرہ ماہ یا سرماہ کہنے سے پہلی رات اور اس کا دن بھی مراد ہوگا۔ اور اول ماہ کہنے سے پہلے آدھ سے کم اور آخر ماہ کہنے سے پندرہ تاریخ کے بعد

سمجھا جائے گا۔

۴۱۔ ایام گرما کہنے سے جب سے گرم کپڑے اتارے جائیں یہاں تک کہ پھر گرم کپڑے پہنے جانے لگیں مراد ہوں گے اور سردی کے دن (ایام سرما) پہلے کی ضد ہے۔ البدائع۔

۴۲۔ کسی نے قسم کھائی کہ میں اپنی بیویوں یا دوستوں یا بھائیوں سے کلام نہیں کروں گا۔ تو جب تک سب سے کلام نہیں کرے گا حانث نہیں ہوگا۔

۴۳۔ اگر بیوی سے کہا کہ اگر تم نے نماز چھوڑی تو تم کو طلاق ہے۔ اس کے بعد اس نے قضا نماز پڑھی تو بقول اظہر اسے طلاق ہو جائے گی۔

۴۴۔ اگر قسم کھائی کہ میں نماز کو اس کے اپنے وقت سے موخر نہیں کروں گا پھر سو گیا اور قضاء پڑھی تو علامہ باقانی کے نزدیک حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ یہی اس کا وقت ہے۔ میں مترجم کہتا ہوں کہ یہ حکم اسی صورت میں ہوگا جب کہ اس نے جانے کے ساتھ یعنی کسی کام میں مشغول ہوئے بغیر نماز ادا کر لی ہو۔ م۔

۴۵۔ کسی نے قسم کھائی کہ میں آج پیشاب کی وجہ سے وضو نہیں کروں گا۔ پھر پیشاب کیا۔ پھر اس کی نکسیر پھوٹ گئی (ناک سے خون بہنے لگا) اس کے بعد وضو کیا تو حانث ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ جب دو حدث جمع ہوں تو طہارت ان دونوں کی جانب سے واجب ہوتی ہے۔

۴۶۔ کسی نے قسم کھائی کہ میں اسے ہزار بار ماروں گا یا یہاں تک کہ وہ مر جائے تو اس قسم کا مطلب بہت زیادہ مارنا ہوگا۔

۴۷۔ اور اگر یہ قسم کھائی کہ اتنا ماروں گا کہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ یا فریاد کرنے لگے یا رونے لگے تو اس سے اس کا اپنے حقیقی معنی مراد ہوں گے۔

۴۸۔ قسم کھائی کے میں آج تمہارا مال ادا کروں گا۔ پھر وہ مال ادا کرنے کو لایا مگر قرض خواہ نہیں ملا تو وہ قاضی کو دیدے اور جہاں قاضی نہ ہوگا وہ حانث ہو جائے گا۔ اس پر فتویٰ دیا جائے۔ اور اگر قرض خواہ سے ملاقات ہو جانے پر اسے دیا مگر اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ تو اس کے قریب ایسی جگہ پر رکھ دے کہ اگر لینا چاہے تو وہاں تک اس کا ہاتھ پہنچ سکتا ہو۔ تو اس کی قسم پوری ہو جائے گی۔ ورنہ حانث ہو جائے گا۔

۴۹۔ اگر قسم کھائی کہ اپنے قرض خواہ (زید) کا قرض کل ادا کروں گا۔ پھر آج ہی ادا کر دیا۔ یا کل اس کو قتل کروں گا۔ مگر وہ آج ہی مر گیا یا یہ روٹی کل کھاؤں گا۔ مگر آج ہی کھا گیا تو حانث نہیں ہوگا۔ (التمین)

۵۰۔ اگر قسم کھائی کہ زید کا قرض ادا کروں گا۔ پھر خالد کو ادا کرنے کے لئے وکیل مقرر کیا۔ یا زید کو خالد پر اتر دیا (ادا کرنے کا ضامن بنا دیا) تو قسم میں پورا ہو گیا۔ اس وقت اگر خالد نے اس کے کہے بغیر از خود اپنی طرف سے ادا کر دیا۔ تو قسم کھانے والا حانث ہو گیا۔

۵۱۔ اگر قسم کھائی کہ اگر ہر روز تم کو ایک روپیہ نہ دوں تو تم کو طلاق ہے۔ پھر کبھی شام کو دیا اور کبھی عشاء کے وقت دیا۔ پس اگر رات دن کے اندر ناغہ نہ کیا تو حانث نہ ہوگا۔

۵۲۔ اگر کسی نے کہا کہ اگر میرے پاس مال ہو یا میں مال کا مالک ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ حالانکہ اس کے پاس اسباب وزمین اور گھر موجود ہیں مگر یہ تجارتی غرض کے لئے نہیں ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور میں مترجم کہتا ہوں کہ ہمارے عرف میں مال کا اطلاق مالیاتی اسباب پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے فتویٰ دیتے وقت غور و فکر کر لینا چاہئے۔

(کتاب الایمان ختم ہوئی)

کتاب الحدود

ترجمہ..... کتاب، حدود شرعیہ کے بیان میں ہے

حد کا لغوی، شرعی معنی اور اجراء حد کی حکمت

قَالَ الْحَدُّ لَعْنَةٌ هُوَ الْمَنْعُ وَمِنْهُ الْحَدَّادُ لِلْبَوَابِ وَفِي الشَّرِيعَةِ هُوَ الْعُقُوبَةُ الْمُقَدَّرَةُ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى حَتَّى لَا يَسْمَى الْقِصَاصُ حَدًّا لِأَنَّهُ حَقٌّ الْعَبْدُ وَلَا التَّعْزِيرُ لِعَدَمِ التَّقْدِيرِ وَالْمَقْصَدُ الْأَصْلِيُّ مِنْ شَرْعِهِ الْإِنْزِجَارُ عَمَّا يَنْتَضِرُّ بِهِ الْعِبَادُ وَالطَّهَارَةُ لَيْسَتْ أَصْلِيَّةً فِيهِ بِدَلِيلِ شَرْعِهِ فِي حَقِّ الْكَافِرِ

ترجمہ..... مصنفؒ نے فرمایا ہے کہ لغت میں حد منع کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی بناء پر دربان کو حداد کہا جاتا ہے (کیونکہ وہ لوگوں کو اس کے اندر داخل ہونے سے منع کرتا ہے۔) اور شریعت میں حد ایسی سزا کو کہتے ہیں جو محض حق الہی کے لئے مقدر کر دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ قصاص کو بھی حد نہیں کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قصاص بندوں کا حق ہوتا ہے (اسی لئے ولی کو حق قصاص معاف کر کے دینے لینے کا اختیار حاصل ہے) اور تعزیر کو بھی حد نہیں کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مقدر نہیں ہے۔ یعنی اس کی کوئی مقدار معین نہیں ہوتی ہے کہ اس میں کمی و بیشی نہ ہو سکے۔ حد مشروع کرنے کا مقصد اصلی یہ ہے کہ جس بات سے بندوں کو تکلیف ہوتی ہو اس کے کرنے والے کو تنبیہ اور سزا دی جائے۔ گناہ سے پاک ہونا حد کا مقصد اصل نہیں ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ حد تو کافروں کے بارے میں بھی ثابت ہے۔ حالانکہ کافر تو کبھی گناہ سے پاک نہیں ہوگا۔

تشریح..... فائدہ..... جس شخص نے جرم کیا ہے جب اس کو حد ماری گئی تو ہمارے نزدیک وہ حد اس شخص کو اس کے گناہ سے پاک کرنے والی نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ پاک ہونا تو توبہ سے ہوتا ہے۔ علماء کا اجماع ہے کہ توبہ کرنے سے دنیاوی حد ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ پاک ہونا تو حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ جن لوگوں پر حد جاری کی گئی خود انہوں نے توبہ کر لی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ”لقد تاب توبة“ (اس نے بڑی توبہ کی) اس باب میں صریح ہے۔ الحاصل یہی مذہب قوی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ثبوت زنا اقرار اور بیانہ سے

قَالَ الزَّانَاءُ يَثْبُتُ بِالْبَيِّنَةِ وَالْإِقْرَارِ وَالْمُرَادُ ثُبُوتُهُ عِنْدَ الْإِمَامِ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ دَلِيلٌ ظَاهِرٌ وَكَذَا الْإِقْرَارُ لِأَنَّ الصَّدَقَ فِيهِ مُرْجَحٌ لَا سِمًا فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِثُبُوتِهِ مَضْرَّةٌ وَمَعْرَةٌ وَالْوُصُولُ إِلَى الْعِلْمِ الْقَطْعِيِّ مُتَعَدَّرٌ فَيَكْتَفَى بِالظَّاهِرِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ زنا، کا ثبوت گواہوں کے ساتھ ہوتا ہے اور اقرار کے ساتھ ہوتا ہے اور ثبوت سے مراد ایسا ثبوت ہے جو امام وقت کے سامنے ہو۔ کیونکہ گواہی ایک ظاہری دلیل ہے۔ اقرار کا بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ اقرار میں بھی سچائی غالب ہوتی ہے۔ بالخصوص جس چیز کے ثابت ہونے میں نقصان اور شرمندگی ہو۔ مسئلہ کے حقیقی علم تک پہنچنا محال ہوتا ہے۔ اسی لئے صرف ظاہر پر بھی اکتفاء کر لیا جاتا ہے۔

فائدہ..... (پھر گواہی اور اقرار دونوں میں سے ہر ایک کا تفصیلی حال مصنفؒ نے اس کے بعد بیان فرمایا ہے۔)

گواہی کا طریقہ کار

قَالَ فَالْيَبْنَةُ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَةً مِنَ الشُّهُودِ عَلَى رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ بِالزَّانَاءِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلَّذِي قَذَفَ امْرَأَتَهُ إِنَّتِ بِأَرْبَعَةٍ يَشْهَدُونَ عَلَى صَدَقِ مَقَالَتِكَ وَلَا نَفِيَّ فِي اشْتِرَاطِ الْأَرْبَعَةِ يَتَحَقَّقُ مَعْنَى السَّتْرِ وَهُوَ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ وَالْإِسَاعَةُ ضِدُّهُ

ترجمہ..... قدوریؒ نے فرمایا ہے کہ گواہی کی صورت یہ ہوگی کہ گواہوں میں سے چار شخص ایک مرد اور ایک عورت پر زنا کی گواہی دیں۔ اس فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے فَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ یعنی ایسی عورتوں پر اپنوں میں چار شخص گواہ تلاش کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ پھر وہ لوگ چار گواہ نہ لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کو جس نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی یوں فرمایا تھا کہ تم ایسے چار مرد لاؤ جو تمہاری بات کے سچے ہونے پر گواہی دیں۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ چار مردوں کی شرط لگانے میں پردہ پوشی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اور پردہ پوشی کرنا ایک ایسا کام ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور فحش بے حیائی کی بات کو مشہور کرنا اس پردہ پوشی کے عمل کے خلاف ہے۔

فائدہ..... چنانچہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں مذکور ہے کہ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے۔

تفتیش زنا

وَإِذَا شَهِدُوا يَسْأَلُهُمُ الْإِمَامُ عَنِ الزَّانَاءِ مَا هُوَ وَكَيْفَ هُوَ وَأَيْنَ زَنَى وَمَتَى زَنَى وَبِمَنْ زَنَى لِأَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اسْتَفْسَرَ مَا عَزَّ عَنْ الْكَيْفِيَّةِ وَعَنِ الْمَزْنِيَّةِ وَلَا نَفِيَّ الْإِحْتِيَاطِ فِي ذَلِكَ وَاجِبٌ لِأَنَّهُ عَسَاهُ غَيْرُ الْفِعْلِ فِي الْفَرْجِ عَنْهُ أَوْ زَنَى فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ فِي الْمُنْقَادِمِ مِنَ الزَّمَانِ أَوْ كَانَتْ لَهُ شِبْهَةٌ لَا يَعْرِفُهَا هُوَ وَلَا الشُّهُودُ كَوَطِي جَارِيَةِ الْإِنْبَنِ فَيُسْتَفْضَى فِي ذَلِكَ إِحْتِيَاطًا لِلدَّرءِ

ترجمہ..... اور جب ان گواہوں نے گواہی دیدی تب امام ان سے زنا کے بارے میں پوچھے گا کہ زنا کیا چیز ہے۔ اور کس کیفیت سے ہوتا ہے اور کہاں ہوتا ہے اور اس نے زنا کہاں پر کیا ہے۔ اور کب کیا ہے اور کس کے ساتھ کیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ سے زنا کی کیفیت اور جس عورت کے ساتھ زنا کیا تھا ان تمام باتوں کے بارے میں دریافت فرمایا تھا۔ جیسا کہ ابوداؤد نے روایت کی ہے اس طرح کے سوالات کرنے میں احتیاط اس لئے واجب ہے کہ شاید اس شخص نے فرج میں کچھ کرنے کی بجائے کوئی دوسری چیز مراد لی ہو یعنی مثلاً نظر بازی (تاک جھانک) بوس و کنار کوئی زنا سمجھ لیا ہو یا اس نے دار الحرب میں زنا کیا ہو یا پرانے زمانہ میں ایسا کیا ہو یا جس عورت کے ساتھ ایسا کیا وہاں کوئی ایسا شہ موجود ہو جس کی وجہ سے حد جاری نہیں ہو سکتی ہو۔ حالانکہ وہ خود نہیں جانتا ہو اور نہ گواہ جانتے ہوں۔ مثلاً کسی باپ نے اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کی ہو۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ان تمام باتوں کے بارے میں امام اچھی طرح تحقیق کر لے، شاید کہ اس طرح حد ختم کرنے کا کوئی موقع مل جائے۔

تشریح..... فَيُسْتَفْضَى فِي ذَلِكَ إِحْتِيَاطًا..... الخ تو اچھی طرح معلومات حاصل کرے تاکہ حد جاری نہ کرنے کی کوئی امکانی وجہ نکل آئے۔

فائدہ..... اس کی توضیح یہ ہے کہ جس مرد پر گواہوں نے زنا کی گواہی دی ہے ہو سکتا ہے کہ ان کو زنا کے پورے معنی معلوم نہ ہوں چنانچہ ایک مرد نے کسی اجنبیہ کا بوسہ لے لیا پھر بہت زیادہ گھبراتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ پر حد جاری کیجئے۔

حالانکہ اس پر حد زنا واجب نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح اگر دارالحرب میں زنا کیا تو حد واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر گواہوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ زنا کئے ہوئے طویل زمانہ گزر چکا ہے۔ تو اس سے زنا کا ثبوت نہیں ہوگا۔ کیونکہ گواہوں نے جب اتنی طویل مدت تک گواہی دینے میں تاخیر کی اور حاکم شرع کو اطلاع نہ دی تو یہ لوگ خود فاسق ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یہ گواہی دینے کے قابل نہ رہے۔ یا جس عورت کے ساتھ ویسی حرکت کی ہے وہ اگرچہ اس کی منکوحہ یا مملوکہ باندی نہ ہو۔ یہاں تک کہ وہ گواہ بلکہ وہ خود مرد بھی اسے زنا خیال کرتا ہو۔ حالانکہ حقیقت میں شریعت کے نزدیک اس میں کوئی بات ایسی موجود ہو جس سے حد ساقط ہوتی ہو۔ اس لئے تمام باتیں دریافت کر لینی چاہیں۔ تاکہ غلط طور پر حد جاری نہ ہو جائے۔

زنا کے بارے میں گواہی کی کیفیت

فَإِذَا بَيَّنُّوْا ذَٰلِكَ وَقَالُوْا رَأَيْنَاهُ وَطَيَّهَا فِي فَرْجِهَا كَالْمَيْلِ فِي الْمُكْحَلَةِ وَسَأَلَ الْقَاضِيَ عَنْهُمْ فَعَدَلُوْا فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ وَلَمْ يُكْتَفَ بِظَاهِرِ الْعَدَالَةِ فِي الْحُدُوْدِ اِحْتِيَآلًا لِلدَّرَةِ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِدْرُوْا الْحُدُوْدَ مَا اسْتَطَعْتُمْ بِخِلَافِ سَائِرِ الْحُقُوْقِ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيفَةَ وَتَعْدِيْلُ السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ نَبِيْنُهُ فِي الشَّهَادَاتِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی قَالَ فِي الْاَصْلِ يَجْبِسُهُ حَتّٰی يَسْأَلَ عَنِ الشُّهُوْدِ لِاِلْتِهَامِ بِالْجَنَابَةِ وَقَدْ حَسَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجُلًا بِالْتِهَامِ بِخِلَافِ الدُّيُوْنِ حَيْثُ لَا يَجْبِسُ فِيْهَا قَبْلَ ظَهْوَرِ الْعَدَالَةِ وَ سَيَاتِيْكَ الْفُرْقُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی

ترجمہ..... پھر جب وہ سب گواہ اس مرد کے زنا کا طریقہ بیان کر دیں اور یہ کہہ دیں کہ ہم نے اس مرد کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ اس مرد نے فلاں عورت کی شرم گاہ (فرج) میں ایسی دلی کی ہے کہ سرمہ دانی میں سلائی داخل ہوتی ہے۔ پھر قاضی ان گواہوں کا حال دریافت کرے گا اور تنہائی اور علانیہ ہر جگہ اور ہر حال میں ان کا عادل ہونا جان لے گا تب قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ کر دے گا۔ یعنی زنا کاری اور حدود کی گواہی میں قاضی ان گواہوں کی ظاہری عدالت (یعنی ظاہری شکل و صورت اور ان کے اسلام پر اکتفا نہیں کرے گا تاکہ حد جاری نہ کرنے کا حیلہ پیدا ہو سکے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جہاں تک تم سے ہو سکے حدود کو ٹال دو۔ ترمذی نے اس کی روایت کی ہے۔ یعنی ثابت ہونے سے دفع کرو۔ بخلاف دوسرے حقوق کے۔ کہ ان میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان گواہوں کی ظاہری عدالت پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ بشرطیکہ فریق ثانی ان گواہوں پر کوئی اعتراض نہ کرے) اور گواہوں کے خفیہ اور ظاہری عدالت کے بارے میں ہم انشاء اللہ کتاب الشہادات میں بیان کریں گے۔ امام محمدؒ نے اصل میں فرمایا ہے کہ قاضی اس مرد کو جس کی گواہی پیش کی گئی ہے قید خانہ میں رکھے۔ یہاں تک کہ گواہوں کا اصل حال معلوم کر لے کیونکہ اس پر جرم کرنے (عیب لگانے) کی تہمت موجود ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک شخص کو تہمت کی وجہ سے قید میں ڈال دیا تھا۔ (رواہ ابوداؤد)

برخلاف قرضوں کے کہ ان میں گواہوں کی عدالت ظاہر نہ ہونے تک مقروض کو قید میں نہیں رکھا جائے گا اور فرق کی وجہ انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں بیان کر دی جائے گی۔ (لیکن مصنفؒ نے فرق بیان نہیں فرمایا ہے)۔

اقرار کا طریقہ کار

قَالَ وَالْاِقْرَارُ اَنْ يُقَرَّ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَلَى نَفْسِهِ بِالزَّيْنَاءِ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِيْ اَرْبَعِ مَجَالِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْمُقَرَّرِ كَلْمًا اَقْرَرَدَهُ الْقَاضِيْ فَاَشْتَرَا طَ الْبُلُوْغُ وَالْعَقْلُ لِأَنَّ قَوْلَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ اَوْ هُوَ غَيْرُ مُوجِبٍ لِلْحَدِّ وَ اَشْتَرَا طَ الْاَرْبَعِ مَذْهَبُنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يُكْتَفَى بِالْاِقْرَارِ مَرَّةً وَاحِدَةً اِغْتِبَارًا بِسَائِرِ الْحُقُوْقِ وَهَذَا لِأَنَّهُ مُظْهَرٌ

تَكَرَّارُ الْإِقْرَارِ لَا يُفِيدُ زِيَادَةَ الظُّهُورِ بِخِلَافِ زِيَادَةِ الْعَدَدِ فِي الشَّهَادَةِ وَلَنَا حَدِيثٌ مَا عِزَّ قَائَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ آخَرَ
الْإِقْرَارِ إِلَى أَنَّ تَمَّ الْإِقْرَارُ مِنْهُ أَرْبَعُ مَرَّاتٍ فِي أَرْبَعِ مَجَالِسٍ فَلَوْ ظَهَرَ دُونَهَا لَمَّا آخَرَهَا لَثُبُوتُ الْوُجُوبِ وَلِأَنَّ
الشَّهَادَةَ اخْتَصَّتْ فِيهِ بِزِيَادَةِ الْعَدَدِ فَكَذَا الْإِقْرَارُ اعْظَامًا لِأَمْرِ الزَّيْنَاءِ وَتَحْقِيقًا لِمَعْنَى السُّتْرِ وَلَا بُدَّ مِنْ
إِخْتِلَافِ الْمَجَالِسِ لِمَارُونِنَا وَلِأَنَّ لِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ اثْرًا فِي جَمِيعِ الْمُتَفَرِّقَاتِ فَعِنْدَهُ يَتَحَقَّقُ شُبُهَةُ الْإِتِّحَادِ
فِي الْإِقْرَارِ وَالْإِقْرَارُ قَائِمٌ بِالْمَقْبُولِ فَيَعْتَبَرُ إِخْتِلَافُ مَجْلِسِهِ دُونَ مَجْلِسِ الْقَاضِي فَإِلَّا إِخْتِلَافٌ بَانَ بِرَدِّهِ الْقَاضِي
كُلَّمَا أَقْرَفَ قَدْ هَبَّ حَيْثُ لَا يَرَاهُ ثُمَّ يَجِيءُ فَيَقْرَأُ الْمَوْعُودَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ طَرَدَ مَا عِزَّ فِي كُلِّ
مَرَّةٍ حَتَّى تَوَارَى بِحَيْطَانِ الْمَدِينَةِ

ترجمہ..... قدوری نے کہا ہے کہ از خود اقرار کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ عاقل بالغ اپنی ذات پر چار مرتبہ چار مجلسوں میں زنا کرنے کا اقرار کرے
اور ہر بار جب بھی اقرار کرے تو قاضی اسے رد کر دے۔ اس مسئلہ میں مجرم کے بارے میں عاقل و بالغ ہونے کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ بچہ
اور دیوانہ کا اقرار معتبر نہیں ہوگا یا اس سے حدود واجب نہیں ہوگی اور چار مرتبوں کی شرط لگانا ہمارا مذہب ہے اور امام شافعی کے نزدیک صرف ایک بار
اقرار کافی ہے۔ جیسا کہ دوسرے حقوق میں ایک بار اقرار کرنا کافی ہوتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اقرار ایک ظاہر کرنے والا قول ہے۔ اور بار بار
اقرار کرنے سے زیادہ ظہور کا کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا ہے۔ بخلاف گواہوں میں عدد زیادہ ہونے کے یعنی گواہوں کی تعداد زیادہ ہونے سے دل کا
اطمینان بڑھتا ہے اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس میں حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کا قصہ مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
ان پر حد قائم کرنے میں تاخیر فرمائی۔ یہاں تک کہ ان کا چار بار اقرار چار مجلسوں میں پورا ہوا۔ اس کی روایت بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ
نے کی ہے۔ پھر اگر چار سے کم میں وہ اقرار ظاہر ہو جاتا جس سے حد لازم آ جاتی تو آپ حد مارنے میں تاخیر نہ فرماتے کیونکہ حد واجب ثابت ہو
گئی اور اس دلیل سے بھی کہ زنا میں ایک خاموش قسم کی گواہی چار مردوں کی معتبر ہے۔ تو اقرار میں بھی یہی بات ہوگی۔ تاکہ زنا کے معاملہ کا زیادہ
خوفناک ہونا ظاہر ہو جائے اور اس لئے بھی کہ اس طرح پردہ پوشی کے معنی پائے جائیں۔ نیز۔ اقرار میں مجلسوں کا مختلف ہونا بھی ضروری ہے۔
اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کی روایت ہم نے پہلے کر دی ہے اور اس دلیل سے بھی کہ ایک مجلس کو متفرق چیزوں کو جمع کرنے میں دخل ہوتا
ہے۔ اور مجلس متحد ہونے کے وقت اقرار متحد ہونے کا شبہ پیدا ہوگا۔ اور اقرار اپنے اقرار کرنے والے کے ساتھ قائم ہے اس لئے اقرار کرنے
والے کی مجلس کا اختلاف معتبر ہوگا۔ لیکن قاضی کی مجلسوں کے مختلف ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔ اور مجلسوں کے مختلف ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ
مجرم جب قاضی کے سامنے اقرار کرے تو قاضی ہر بار یعنی جب بھی اقرار کرے قاضی اسے رد کر دے تاکہ وہ چلا جائے اور اتنا دور کہ قاضی اسے نہ
دیکھے پھر دوبارہ آکر اقرار کرے۔ امام ابو حنیفہؒ سے یہی مروی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہر بار رد کیا
یہاں تک وہ مدینہ کی دیواروں میں پوشیدہ ہو گئے۔

تشریح..... لانه طرد ما عزا في كل مرة..... کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو ہر بار نال دیا۔ یہاں تک کہ وہ مدینہ
کی دیواروں میں پوشیدہ ہو گئے۔

فائدہ..... حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے زنا
کیا ہے۔ اس لئے آپ مجھے پاک کر دیں۔ اس پر آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر ماعز رضی اللہ عنہ نے دوسری جانب آکر یہی عرض کیا پھر آپ نے منہ
پھیر لیا۔ پھر تیسری مرتبہ تیسری جانب سے حاضر ہو کر یہی عرض کیا پھر چوتھی جانب بھی یہی عرض کیا تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے

چار مرتبہ اقرار کیا۔ اب یہ بتاؤ کس عورت سے زنا کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے فرمایا کہ تم نے شاید اس کا صرف بوسہ لیا ہوگا۔ شاید تم نے اسے چٹایا ہوگا انہوں نے کہا کہ جی نہیں۔ بلکہ صریح زنا کا اقرار کیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم کو جنون ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کے گھر والوں کے پاس اس تحقیق کے لئے لوگوں کو بھیجا کہ کیا تم لوگ ان کی عقل میں کچھ فتور اور غلطی بھی پاتے ہو انہوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ محسن (شادی شدہ) ہیں تو معلوم ہوا کہ ہاں یہ شادی شدہ بھی ہیں۔ تب آپ نے ان کے رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر جب اپنے اوپر چار بار اقرار کیا۔ رواہ البخاری و مسلم اور یہی بات حدیث جابر بن عبد اللہ میں بھی ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اور روایت حضرت جابر بن سمرہ میں ہے کہ دوم مرتبہ اقرار کیا۔ لیکن آپ نے رد کیا۔ پھر دوم مرتبہ اقرار کیا یہاں تک کہ چار مرتبہ اقرار ہو گیا۔ تب حکم دیا۔ ابوداؤد و نسائی اور مسلم نے اس کی روایت کی ہے اور حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں چار بار اقرار چار دن میں ہے۔ اس کی روایت مسلم نے کی ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول حدیث میں ہے کہ چوتھی بار اقرار کے بعد آپ نے ان کو قید خانہ میں رکھ کر ان کا حال دریافت کیا۔ اسحاق اور ابن ابی شیبہ نے اس کی روایت کی ہے۔

اور حضرت غامد یہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں آیا ہے کہ انہوں نے خود پر زنا کا اقرار چار بار کیا ہے اور ہر بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا رد کرتے تھے۔ تب انہوں نے عرض کیا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے واپس کر دیں۔ جیسا کہ آپ نے ماعز رضی اللہ عنہ کو پھیر دیا تھا۔ (رواہ مسلم)

اور چار بار اقرار کے بعد آپ نے فرمایا کہ تم ابھی جاؤ یہاں تک کہ یہ بچہ پیدا ہو جائے۔ پھر جب بچہ پیدا ہو گیا تب پھر حاضر ہو کر انہوں نے مطلع کیا تب پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پھر واپس جاؤ یہاں تک کہ اس کا دودھ چھڑا دو پھر جب دودھ بھی چھڑا دیا تب وہ حاضر ہوئیں۔ اس حال میں کہ ان کے ہاتھ میں وہ بچہ بھی تھا اور روٹی کا ٹکڑا بھی تھا جسے وہ بچہ کھا رہا تھا۔ اس وقت یہ کہا کہ اب یہ بچہ روٹی کھانے لگا ہے۔ اس لئے میں اس کے دودھ پلانے سے فارغ ہوں۔ تب پھر آپ نے فرمایا کہ اس بچی کو دیکھ بھال کون کرے گا اس لئے تم اتنے دن اور بھی ٹھہر جاؤ کہ یہ اپنے ہاتھ اور پاؤں والا ہو جائے (اپنی ضرورتیں خود پوری کرنے لگے) اتنے میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ رسول اللہ! میں اس کی پرورش کروں گا۔ تب آپ نے اس عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ اسی رجم کے درمیان خالد بن الولید رضی اللہ عنہ نے کچھ برا لفظ کہہ کر ان کو ایک پتھر مارا جس کی وجہ سے ان کے سر سے خون بہنے لگا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد رضی اللہ عنہ کے اس برا کہنے پر انتہائی غصہ کی حالت میں فرمایا کہ اللہ کی قسم اس نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اہل مدینہ میں سے ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کر دی جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے۔ (رواہ الترمذی وغیرہ)

اتمام اقرار کے بعد نفی زنا

قَالَ فَإِذَا أَتَمَّ إِفْرَادُهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ سَأَلَهُ عَنِ الزَّانِئِ مَا هُوَ وَكَيْفَ هُوَ وَابْنُ زَنَى وَبِمَنْ زَنَى فَإِذَا بَيَّنَّ ذَلِكَ لَزِمَهُ الْحَدُّ لِسَمَامِ الْحُجَّةِ وَمَعْنَى السُّؤَالِ عَنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ بَيَّنَّاهُ فِي الشَّهَادَةِ وَلَمْ يَذْكُرِ السُّؤَالُ فِيهِ عَنِ الزَّمَانِ وَذَكَرَهُ فِي الشَّهَادَةِ لِأَنَّهُ تَقَادُمَ الْعَهْدِ يَمْنَعُ الشَّهَادَةَ دُونَ الْإِقْرَارِ وَقِيلَ لَوْ سَأَلَهُ جَارَ لِبَجَوَازِ أَنَّهُ فِي صَبَاهُ

ترجمہ..... قد درئی نے کہا ہے کہ مجرم جب اپنا اقرار چار بار پورا کر لے تو قاضی اس سے زنا کے بارے میں یہ دریافت کرے کہ زنا کیا کام ہے اور کس طرح ہوتا ہے اور اس نے کہاں پر زنا کیا ہے اور کس عورت کے ساتھ کیا ہے۔ پھر وہ جب ٹھیک ٹھیک بتا دے تب اس پر حد لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ حجت پوری ہو گئی۔ ان چیزوں کو دریافت کرنے کے معنی ہم نے گواہی کی صورت میں بیان کر دیئے ہیں۔ اس جگہ زمانہ کے بارے میں

دریافت کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ گواہی کی صورت میں ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زنا کئے ہوئے اگر بہت دن گزر جائیں تو اس کی گواہی میں رکاوٹ پیدا ہو کر قابل قبول ہو جاتی ہے مگر اقرار کی صورت میں مانع نہیں ہوتی ہے اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اگر قاضی زمانہ کے متعلق بھی دریافت کرے تو جائز ہوگا۔ کیونکہ شاید اس نے ایسے وقت میں زنا کیا ہو جبکہ وہ بالغ نہیں ہوا تھا۔

اقرار سے رجوع کا حکم

فَإِنْ رَجَعَ الْمُقِرُّ عَنْ إِقْرَارِهِ قَبْلَ إِقَامَةِ الْحَدِّ أَوْ فِي وَسْطِهِ قَبْلَ رُجُوعِهِ وَخَلَّى سَبِيلَهُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ أَبِي لَيْسَى يُقِيمُ عَلَيْهِ الْحَدَّ لِأَنَّهُ وَجِبَ الْحَدِّ بِإِقْرَارِهِ فَلَا يَبْطُلُ بِرُجُوعِهِ وَإِنْ كَارِهِ كَمَا إِذَا وَجِبَ بِالشَّهَادَةِ وَصَارَ كَالْقِصَاصِ وَحَدِّ الْقَذْفِ وَلَنَا أَنَّ الرُّجُوعَ خَيْرٌ مُحْتَمَلٌ لِلصِّدْقِ كَالْإِقْرَارِ وَ لَيْسَ أَحَدٌ يُكْذِبُهُ فِيهِ فَيَتَحَقَّقُ الشُّبْهَةُ فِي الْإِقْرَارِ بِخِلَافِ مَا فِيهِ حَقُّ الْعَبْدِ وَهُوَ الْقِصَاصُ وَحَدُّ الْقَذْفِ لَوْ جُودَ مَنْ يُكْذِبُهُ وَلَا كَذَلِكَ مَا هُوَ خَالِصٌ حَقُّ الشَّرْعِ

ترجمہ..... اب اگر اقراری مجرم اپنے اقرار سے رجوع کرے۔ اس پر حد قائم کرنے سے پہلے یا اس کے درمیان تو اس کے رجوع کر لینے کو قبول کر لیا جائے اور اسے چھوڑ دیا جائے اور امام شافعی نے فرمایا ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ قاضی اس پر بھی پوری حد جاری کر دے۔ کیونکہ اسی کے اقرار سے اس پر حد واجب ہو گئی ہے۔ اس لئے اب اس کے پھر جانے اور اس کے انکار کر دینے کی وجہ سے حد ختم نہیں کی جائے گی۔ جیسے کہ اگر دوسرے گواہوں سے زنا ثابت ہو کر حد واجب ہوتی تو اس زانی کے انکار سے وہ ختم نہیں ہوتی اور یہ زنا کی حد قصاص اور حد قذف کے مثل ہو گئی یعنی ان دونوں سے بھی اقرار کے بعد پھر جانے اور انکار کرنے سے حد ختم نہیں ہوتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اقرار سے پھر جانا ایک ایسی خبر ہے جس میں سچ ہونے کا بھی احتمال ہے۔ جیسے اقرار بھی ایک خبر ہے (جس میں صدق کا احتمال ہے) جیسے اقرار تھا۔ اس اقرار سے پھر جانے کی صورت میں اسے دوسرا کوئی بھی جھٹلانے والا نہیں ہے۔ یعنی اس کے خلاف کہنے والا یا الزام ثابت کرنے والا نہیں ہے۔ اس لئے اس کے اقرار میں شبہ پیدا ہو گیا۔ (اور ہمیں تو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم شبہ ہونے کی صورت میں حد کو دور کر دیں یعنی جاری نہ کریں) بخلاف قصاص کے جس میں بندہ کا حق متعلق ہوتا ہے اور بخلاف حد قذف کے کہ اس میں بھی بندہ کا حق متعلق ہوتا ہے۔ اس لئے پھر جانے یا کر جانے سے باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا جھٹلانے والا مدعی موجود ہوتا ہے۔ اور یہ حال ایسے حدود کا نہیں ہے جو خالص حق شرع ہیں جیسے حد زنا وغیرہ۔

امام کیلئے رجوع کی تلقین کا حکم

وَيُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُلَقِّنَ الْمُقِرَّ الرُّجُوعَ فَيَقُولَ لَهُ لَعَلَّكَ لَمْ تَسْتَ أَوْ قَبْلَتْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمَاعِزٍ لَعَلَّكَ لَمْ تَسْتَ أَوْ قَبْلَتْهَا وَقَالَ فِي الْأَصْلِ وَيَنْبَغِي أَنْ يَقُولَ لَهُ الْإِمَامُ لَعَلَّكَ تَزَوَّجْتَهَا أَوْ وَطِئْتَهَا بِشُبْهَةٍ وَهَذَا أَقْرَبُ مِنَ الْأَوَّلِ فِي الْمَعْنَى

ترجمہ..... اور قاضی و امام کے لئے مستحب یہ ہے کہ اقراری مجرم کے سامنے ایسی باتیں کرے جن سے وہ اپنے اقرار سے پھر جائے۔ مثلاً یوں کہے کہ تم نے تو اسے صرف ہاتھ لگایا ہو گا یا اس کا صرف بوسہ لیا ہو گا اور امام محمدؒ نے مبسوط میں کہا ہے کہ امام کو یوں کہنا چاہئے کہ شاید تم نے اس سے نکاح کر لیا یا شبہ میں اس سے وطی کی ہے اور یہ بات بھی معنی کے اعتبار سے پہلی بات کے قریب ہے۔

تشریح..... وَهَذَا أَقْرَبُ مِنَ الْأَوَّلِ فِي الْمَعْنَى..... الخ۔ مبسوط میں امام محمدؒ کا قول معنی کے اعتبار سے پہلی بات کے قریب تر ہے۔

فائدہ یعنی اگر امام کے کہنے پر اقرار جرم کرنے والے نے ہاں کہہ دیا تو اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی۔ واضح ہو کہ ایسا زنا جس پر حدود واجب ہوتی ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرد مکلف کا حشفہ (سپاری) یعنی عاقل بالغ ناطق کے ذکر کا بالائی حصہ اس کی اپنی خواہش کے ساتھ ایسی عورت کی شرم گاہ (فرج) میں داخل ہو جوتی الحال شہوت کے لائق ہو یا زنا مانہ ماضی میں تھی (بوزھی) اور وہ اس کی ملکیت میں نہ ہو اور وہ محل شبہ سے بھی خالی ہو اور یہ فعل دارالاسلام میں واقع ہو۔ خواہ مرد خود اپنے اوپر عورت کو قبا بدے یا عورت مرد کو اپنے اوپر قدرت دے۔

فائدہ اگر اندھے سے یہ حرکت صادر ہو اور وہ اس کا اقرار بھی کرے تب اس پر بھی حد جاری کی جائے گی اور اس کے ساتھ کے راستہ دکھانے والے کو حد نہیں ماری جائے گی۔ اگر وہ گونا گونا ہو تو اس پر کسی حال میں حد جاری نہیں ہوگی۔ اور اگر مرد لیت گیا اور عورت کو پورا اختیار دیا یا عورت نے اس کی سپاری خود میں داخل کر لی تو دونوں پر حد جاری ہوگی۔ اگر زانی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ عورت میری بیوی ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اگر چہ وہ دوسرے کی بیوی ہو۔ اگر کسی نے عورت سے زنا کرنے کے بعد اسی سے نکاح کر لیا یا اس کو خرید لیا تو قول اصح یہ ہے کہ اس پر سے حد ساقط نہ ہو گی۔ کیونکہ زنا کے وقت شبہ نہ تھا۔ (البحر)

حد کی کیفیت اور اس کے قائم کرنے کا بیان

وَإِذَا وَجَبَ الْحَدُّ وَكَانَ الزَّانِي مُحْصَنًا رَجَمَهُ بِالْحِجَارَةِ حَتَّى يَمُوتَ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجَمَ مَاعِزًا وَقَدْ أَحْصَيْنَ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ الْمَعْرُوفِ وَزَنَا بَعْدَ الْإِحْصَانِ وَعَلَى هَذَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ

ترجمہ فصل، حد کی کیفیت اور اس کے قائم کرنے کا بیان۔ (بلا آخر) جب حد واجب ہو جائے اور زنا کرنے والا محسن (ایسا شادی شدہ مرد جس میں مزید کچھ شرطیں پائی جا رہی ہوں) (ان کی تفصیل چند صفحات کے بعد آئے گی۔ انوار الحق قاسمی) ہو تو حاکم خود اور دوسرے مسلمان اتنے پتھر ماریں کہ وہ مر جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رجم کیا۔ اسی صورت میں کہ وہ محسن تھے اور ایک معروف حدیث میں ہے۔ ”وَالزَّانَاءُ بَعْدَ الْإِحْصَانِ“ (محسن ہونے کے بعد زنا کرنا) اسی بات پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع بھی ہے۔

تشریح لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجَمَ مَاعِزًا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رجم کیا ہے۔

فائدہ حضرت ماعز کو رجم کرنے کے بارے میں صحیحین اور سنن میں حدیثیں مشہور ہیں اور ایک حدیث یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کا خون صرف ان تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے ساتھ حلال ہوتا ہے۔

نمبر ۱۔ وہ جس نے احسان کے بعد زنا کیا ہو۔ کہ وہ رجم کر دیا جائے گا۔

نمبر ۲۔ وہ کہ اللہ و رسول کے ساتھ لڑنے کو نکلا یعنی رزنی کرتا ہے اور ڈاکے مارتا ہے تو اسے قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ملک سے نکال دیا جائے۔

نمبر ۳۔ وہ کہ جس نے کسی جان کو ناحق قتل کیا تو وہ قصاص میں قتل کیا جائے۔ اور داؤد نے اس کی روایت کی ہے اور صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث معروف ہے۔

رجم کا طریقہ کار

قَالَ وَيُخْرِجُهُ إِلَى أَرْضٍ فَضَاءٍ وَيَبْتَدِئُ الشَّهَادَةَ بِرَجْمِهِ ثُمَّ الْإِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ كَذَارُوى عَنْ عَلِيٍّ وَلِأَنَّ الشَّاهِدَ قَبْدَيْتَحَا سَرْعَى الْآدَاءِ ثُمَّ يَسْتَعْظِمُ الْمُبَاشَرَةَ فَيَرْجِعُ فَكَانَ فِي بَدَايَتِهِ إِحْتِيَالٌ لِلنَّوْءِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَشْتَرُطُ بَدَايَتُهُ إِعْتِبَارًا بِالْجَلْدِ قُلْنَا كُلُّ أَحَدٍ لَا يُحْسِنُ الْجَلْدَ فَرُبَّمَا يَقَعُ مُهْلِكًا وَالْإِهْلَاكُ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ وَلَا كَذَلِكَ

ترجمہ..... اور قدوریؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص پر رجم واجب ہو جائے حاکم اسے باہر کشادہ میدان میں لے جائے وہاں سب سے پہلے اس کے خلاف گواہی دینے والے ہی پتھر ماریں اس کے بعد امام اس کے بعد دوسرے تمام لوگ ماریں۔ حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی ہی روایت مذکور ہے اور اس لئے بھی کہ گواہ کبھی جھوٹی گواہی تو دیدیتے ہیں اور اس کی جرات کر لیتے ہیں۔ لیکن اس شخص کے قتل کا ذمہ دار بننے سے ڈر کر اپنی گواہی سے پھر جاتے ہیں۔ اس طرح گواہوں سے حد شروع کرانے میں حد کے ختم کرانے کا ایک حیلہ بھی نکل آتا ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ کوڑے مارنے پر قیاس کر کے گواہ سے ہی رجم شروع کرنا بھی شرط نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی غیر شادی شدہ کنوارے سے زنا صادر ہو جائے اور اسے کوڑے مارے جائیں تو جس طرح مارتے وقت یہ شرط نہیں لگائی جاتی ہے کہ ان ہی گواہوں سے مارنا شروع کرایا جائے اسی طرح پتھر مارنے میں بھی ان سے ابتداء شرط نہیں ہے۔ مگر ہم احناف یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک کو کوڑے مارنے کا طریقہ اور صلاحیت نہیں ہوتی ہے اس لئے اس کی شرط نہیں لگائی تھی کیونکہ بسا اوقات نہ جاننے والے کوڑے مارنے سے وہ شخص مر بھی سکتا ہے۔ حالانکہ ایسے مجرم کو مار ڈالنے کی اجازت نہیں ہے۔ جبکہ شادی شدہ کو پتھر مار کر یا رجم کر کے اسے ختم کر ڈالنا ہی مقصود ہوتا ہے۔

گواہ پتھر مارنے سے انکار کر دیں تو حد ساقط ہو جائے گی

قَالَ فَإِنْ اِمْتَنَعَ الشُّهُودُ مِنَ الْاِبْتِدَاءِ سَقَطَ الْحَدُّ لِأَنَّهُ دَلَالَةُ الرُّجُوعِ وَكَذَا إِذَا مَاتُوا أَوْ غَابُوا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِفَوَاتِ الشَّرْطِ وَإِنْ كَانَ مُقَرَّرًا اِبْتَدَأَ اِلْإِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ كَذَارَوْى عَنْ عَلِيٍّ وَرَمَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْغَامِدِيَّةَ بِحَصَاةٍ مِثْلِ اَلْحِمَصَةِ وَكَانَتْ قَدْ اِغْتَرَفَتْ بِالزَّوْنَاءِ وَيُغْسَلُ وَيُكْفَنُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمَاعِزٍ اَصْنَعُوا بِهِ كَمَا تَصْنَعُونَ بِمَوْتَاكُمْ وَلَآئِهٖ قُتِلَ بِحَقِّ فَلَا يَسْقُطُ اَلْغُسْلُ كَالْمَقْتُولِ قِصَاصًا وَصَلَّى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى اَلْغَامِدِيَّةِ بَعْدَ مَا رَجِمَتْ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ اگر گواہوں نے پتھر مارنے میں ابتداء کرنے سے انکار کر دیا تو اس پر سے حد ساقط ہوگئی۔ کیونکہ اس انکار سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ اپنی گواہی سے پھر گئے ہیں۔ اسی طرح (حد اسی صورت میں بھی ساقط ہو جائے گی) جبکہ گواہ مر گئے ہوں یا غائب ہو گئے ہوں تو بھی ظاہر الروایۃ کے مطابق حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ مارنے کی شرط جاتی رہی اور اگر مجرم خود اقراری ہو یعنی اسی کے اقرار کر لینے کی وجہ سے اس پر حد زنا ثابت ہوئی ہو تو سنگسار کرنے میں خود امام وقت ہی ابتداء کرے گا۔ پھر دوسرے لوگ پتھر ماریں گے۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سے ایسا ہی مروی ہے اور حضرت غامد یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چنے کے برابر چند کنکر مارے۔ جبکہ غامد یہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنے زنا کا اقرار کیا تھا۔ پھر اس مرجوم کو (حسب دستور) غسل دیا جائے۔ پھر کفن دیا جائے اور اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی جائے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ان کے ساتھ بھی وہی معاملات کرو جو تم اپنے دوسرے مردوں کے ساتھ کرتے ہو اور اس وجہ سے بھی کہ اسے (ناحق نہیں بلکہ) حق کے ساتھ سنگسار کر کے ختم کیا گیا ہے لہذا اس سے غسل ساقط نہیں ہوگا جیسے کہ اس شخص کو غسل دیا جاتا ہے جو قصاص میں قتل کیا گیا ہو اور حضرت غامد یہ رضی اللہ عنہا کو رجم کر دینے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

تشریح..... وان كان مقرا اور اگر خود مجرم کے اپنے اقرار کی وجہ سے اس پر زنا ثابت ہو ہو تو اسے پتھر مارنے میں خود امام ہی پہل (ابتداء) کرے گا اس کے بعد دوسرے ماریں گے۔ حضرت علیؓ کے عمل سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے جبکہ حضرت

غامد یہ جنہوں نے اقرار خود کیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ نے چند کنکریاں مار کر اس کی ابتداء کی تھی۔

فائدہ..... شععی نے روایت کی ہے کہ حضرت شراح نے اپنے زنا کا اقرار کیا تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اگر اس عورت پر کوئی گواہ ہوتا یعنی کسی گواہ کے ذریعہ یہ زنا ثابت ہوتا تو اس کا گواہ بنی پھر مارنے میں پہل کرتا۔ لیکن اس عورت نے خود اقرار کر لیا ہے۔ اس لئے میں ہی پہلا پتھر ماروں گا۔ پھر آپ نے ایک پتھر مارا پھر دوسروں نے پتھر مارے اور میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا۔ (رواہ احمد)

اور ابن ابی لیلیٰ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے اگر گواہوں کے ذریعہ زنا کا ثبوت ہوتا تو وہ گواہوں کو حکم دیتے کہ پہلے تم پتھر مارو پھر پتھر مارتے۔ اس کے بعد دوسرے تمام پتھر مارتے اور اگر زنا کا ثبوت خود مجرم کے کہنے سے ہوتا تو پہلے خود مارتے پھر دوسرے پتھر مارتے تھے۔ (رواہ ابن شیبہ)

اور مصنف نے حضرت غامد یہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کنکریاں مارنے کی جو حدیث بیان کی ہے اسے ابو داؤد، نسائی و بزار نے روایت کیا ہے اور کسی میں اتنا اور بھی زیادہ ہے کہ تم اس کے چہرہ کو پتھر مارو۔ اس کہنے سے بظاہر مقصود یہ تھا کہ مردہ کی حالت میں اس کا چہرہ بگڑا ہوا اور ناگوار نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر محسن زانی کی حد سو (۱۰۰) کوڑے ہے

وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُحْصَنًا وَكَانَ خُرَافَتُهُ مِائَةَ جَلْدَةٍ لَقَوْلِهِ تَعَالَى الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ إِلَّا أَنَّهُ انْتَسَخَ فِي حَقِّ الْمُحْصَنِ فَبَقِيَ فِي حَقِّ غَيْرِهِ مَعْمُولًا بِهِ يَا مُرَاةَ مَا مَ بَصْرِهِ بِسَوْطٍ لَا تَمْرَةً لَهُ ضَرْبًا مُتَوَسِّطًا لِأَنَّهُ عَلِيًّا لَمَّا رَأَى أَنَّ يُقِيمَ الْحَدَّ كَسَرَ ثَمَرَتَهُ وَالثَّمَرَةُ سَطٌّ بَيْنَ الْمُبْرَجِ وَغَيْرِ الْمَوْلِمِ لِإِفْضَاءِ الْأَوَّلِ إِلَى الْفَهْلَاكِ وَخُلُوِ الثَّانِي عَنِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ لِإِنْزِجَارِ

ترجمہ..... اور اگر زنا کرنے والا محسن (شادی شدہ) نہ ہو اور آزاد بھی ہو تو اس کی حد سو کوڑے ہیں اس فرمان باری تعالیٰ کی وجہ سے کہ زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو۔ لیکن کوڑے مارنے کا یہ حکم شادی شدہ عورت اور مرد کے حق میں منسوخ ہو کر رجم کرنے کا حکم ہو گیا۔ اس لئے دوسرے لوگوں کے حق میں یہ حکم باقی رہے گا۔ پس امام کوڑے مارنے والے کو اس پر ایسے کوڑے سے مارنے کا حکم دے جس میں کوئی گرہ نہ ہو اور درمیانی انداز سے اسے مارے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوڑے مارنے کا حکم دینا چاہا تو اس کی گرہ گھنڈی توڑ دی اور درمیانی انداز سے مارنے سے یہ مراد ہے کہ وہ مارتی سخت نہ ہو جو زخمی کر دے اور نہ بہت ہی نرم ہو۔ کیونکہ زخمی ہو جانے سے بعد میں اس کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو گا اور معمولی اور ہلکی مار سے مقصود حاصل نہ ہو گا۔ کیونکہ اس سزا کا مقصد یہ ہے کہ وہ آئندہ اس سے پرہیز کرے۔

تشریح..... ترجمہ سے مطلب واضح ہے ”لان علی“۔ ایسی چھڑی یا کوڑے سے نہیں مارا جائے جس میں شاخیں یا گرہیں لگی ہوئی ہوں حالانکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاص خیال کر کے ان گرہوں کو توڑ دیتے تھے اور زور سے مارنے سے منع فرماتے۔

فائدہ..... اس جگہ کتاب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق جو روایت منقول ہے۔ وہ پائی نہیں جاتی ہے لیکن ابن ابی شیبہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حکم دیا جاتا تھا کہ درے کی گھنڈی توڑ دی جائے۔ پھر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر اس حصہ کو کچل دیا جائے تاکہ نرم ہو جائے۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ ایسا کس زمانہ میں ہوتا تھا۔ فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اور ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل مروی ہے۔ اس کی روایت مالک و عبد الرزاق اور ابن ابی شیبہ رحمہم اللہ نے کی ہے۔

کوڑے مارنے کا طریقہ کار

وَيُنْزَعُ عَنْهُ ثِيَابُهُ مَعْنَاهُ دُونَ الْإِزَارِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ كَانَ يَأْمُرُ بِالتَّجْرِيدِ فِي الْحُدُودِ وَلَا النَّجْرِيدَ أَبْلَغُ فِي إِصْصَالِ الْأَلَمِ إِلَيْهِ وَهَذَا الْحَدُّ مَبْنَاهُ عَلَى الشَّدَةِ فِي الضَّرْبِ وَفِي نَزْعِ الْإِزَارِ كَشْفُ الْعَوْرَةِ فَلْيَتَوَقَّاهُ وَيُقْرِقِ الضَّرْبَ عَلَى أَعْضَائِهِ لِأَنَّ الْجَمْعَ فِي غُضْبٍ وَاحِدٍ قَدْ يُفْضِي إِلَى التَّلَفِ وَالْحَدُّ زَجْرٌ لَا مُتْلَفٌ

ترجمہ..... اور حد جاری کرتے وقت اس کے کپڑے اتار لئے جائیں اس سے مراد یہ ہے کہ لنگی یا ازار کے سوا اتارے جائیں۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان حدود کے قائم کرتے وقت کپڑے اتارنے کا حکم دیتے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ کپڑے اتار لینے سے بدن کو مار سے تکلیف بھی بہت ہو گی۔ اس حد زنا کا مقصد ہی یہ ہے کہ اسے پوری چوٹ پہنچے۔ البتہ اگر اس کی لنگی بھی اتار لی جائے گی تو وہ ننگا ہو جائے گا، پردہ باقی نہ رہے گا، اس لئے اس سے پرہیز کیا جائے اور یہ مار اس کے مختلف اعضاء پر لگائی جائے کیونکہ ایک ہی جگہ پر مارتے رہنے سے اس کی جان نکل جانے اور مر جانے کا خطرہ رہتا ہے حالانکہ جو حد لگائی جاتی ہے اس کا مقصد اسے ہلاک کرنا نہیں ہوتا ہے بلکہ اسے آئندہ ہمیشہ کے لئے ڈرا دینا ہوتا ہے۔

تشریح..... وینزع عنه ثیابہ معناه دون الازار لان علیا کان یامر بالتجريد فی الحدود وولان التجريد ابلغ..... الخ اور کوڑے مارنے سے پہلے اس کے بدن سے ازار کے علاوہ سارے کپڑے اتار دیئے جائیں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدود جاری کرتے وقت کپڑے اتارنے کا حکم فرماتے تھے تاکہ اسے اچھی طرح چوٹ لگے۔ البتہ اس کی بے ستری نہ ہونے پائے اس لئے ازار اتارنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

فائدہ..... اور عبدالرزاقؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو روایت کی ہے کہ آپ کے پاس ایک شخص کسی حد میں مارے جانے کیلئے لایا گیا تو آپ نے اس پر اس حالت میں حد جاری کی کہ اس کے اوپر قطانی کملی تھی۔ اس لئے اسے بٹھا کر مارا گیا۔ یہ حدیث اس بات پر محمول ہے کہ اس کو حد زنا کے علاوہ شراب خواری وغیرہ کے جرم میں لایا گیا تھا اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اس امت میں ننگا کرنا اور ہاتھ پاؤں پھیل کر باندھنا اور طوق ڈالنا حلال نہیں ہے۔ لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

والحد زاجر لا متلف..... الخ حد مارتے وقت ایک ہی جگہ کوڑے نہ مارے جائیں۔ کیونکہ حد تو صرف زجر کے واسطے ہے اور ہلاک کر دینے والی نہیں ہوتی ہے۔

فائدہ..... اور جب اسے مار ڈالنا مقصود ہی نہیں ہے تو جس صورت میں اس کے ہلاک ہونے کا خوف ہو اس کو اختیار کرنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس لئے سو کوڑے مارے تو جائیں مگر ایک جگہ پر نہیں بلکہ مختلف جگہوں میں۔

سر، چہرے اور شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں

قَالَ الْأَرَأْسُ وَوَجْهُهُ وَفَرْجُهُ لِقَوِّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلَّذِي أَمَرَهُ بِضَرْبِ الْحَدِّ اتَّقِ الْوَجْهَ وَالْمَذَاكِيرَ وَلَا الْفَرْجَ مَقْتَلٌ وَالرَّأْسُ مَجْمَعُ الْحَوَاسِ وَكَذَا الْوَجْهَ وَهُوَ مَجْمَعُ الْمَحَاسِنِ أَيْضًا فَلَا يُؤْمَنُ فَوَاتُ شَيْءٍ مِنْهَا بِالضَّرْبِ وَذَلِكَ إِهْلَاكٌ مَعْنَى فَلَا يُشْرَعُ حَدًّا وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُضْرَبُ الرَّأْسُ أَبْصَارُ جَعِ إِلَيْهِ وَإِنَّمَا يُضْرَبُ سَوَاطِلُ الْقَوْلِ أَبِي بَكْرٍ اضْرِبُوا الرَّأْسَ فَإِنَّ فِيهِ شَيْطَانًا قُلْنَا تَأْوِيلُهُ إِنَّهُ قَالَ ذَلِكَ فِيمَنْ أُبِيحَ قَتْلُهُ وَيُقَالُ إِنَّهُ وَرَدَفِي حَرْبِي كَانَ مِنْ دُعَاةِ الْكُفْرَةِ وَالْإِهْلَاكِ مُسْتَحَقٌّ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا ہے کہ کوڑے پورے بدن پر مارے جائیں سوائے اس کے سر، چہرہ اور اس کی شرمگاہ کے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ جلد ششم ۱۲۳ کتاب الحدود
 وسلم نے جسے حد میں مارنے کے لئے حکم دیا تھا اس سے فرما دیا تھا کہ اس کے چہرہ اور شرم گاہوں کو مار سے بچاؤ اور اس وجہ سے بھی کہ شرم گاہ کی چوٹ سے کبھی آدمی مر جاتا ہے اور سر اس کے حواس کا مجمع ہے۔ اسی طرح چہرہ بھی تمام حواس کے اکٹھے پائے جانے کی جگہ ہے اور چہرہ اس کی خوبیوں کا بھی مجمع ہے۔ اس لئے یہ بات بعید نہیں ہے کہ اس مار کی وجہ سے اس کے حواس یا خوبیوں میں سے کچھ جاتی رہے۔ جبکہ ایسا کرنا اس مجرم کے مار ڈالنے کے حکم میں ہے۔ اس لئے حد کے قائم کرنے میں یہ جائز نہ ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے (اگرچہ پہلے قول میں سر پر مارنے سے منع فرمایا تھا مگر) رجوع کر کے یہ کہا ہے کہ سر پر بھی کوڑے مارے جائیں کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ سر پر بھی مارو کہ اس میں شیطان ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اس کی روایت کی ہے ہم اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ ایسے شخص کے بارے میں فرمایا ہوگا جس کو قتل کر دینا بھی جائز ہوگا اور جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی ایسے حربی کافر کے بارے میں فرمایا تھا جو لوگوں کو کفر کی طرف بلاتا تھا (اور ان کے سرداروں میں سے تھا) اور ایسے شخص کو مار ڈالنا ہی چاہئے۔

حدود میں کوڑے مارنے کی کیفیت

وَيُضْرَبُ فِي الْحُدُودِ كُلِّهَا قَائِمًا غَيْرَ مَمْدُودٍ لِقَوْلِ عَلِيٍّ يَضْرَبُ الرَّجَالُ فِي الْحُدُودِ قِيَامًا وَالنِّسَاءُ قُعُودًا
 وَلَآنَ مَبْنَى إِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَى الشَّهْرِ وَالْقِيَامِ أَبْلَغُ فِيهِ ثُمَّ قَوْلُهُ غَيْرَ مَمْدُودٍ فَقَدْ قِيلَ الْمَدُّ أَنَّ يُلْقَى عَلَى الْأَرْضِ
 وَيَمْدُ كَمَا يَفْعَلُ فِي زَمَانِنَا وَقِيلَ أَنَّ يَمْدُ السُّوْطُ فَيَرْفَعُهُ الضَّارِبُ فَوْقَ رَأْسِهِ وَقِيلَ أَنَّ يَمْدُهُ بَعْدَ الضَّرْبِ
 وَذَلِكَ كُلُّهُ لَا يَفْعَلُ لِأَنَّهُ زِيَادَةٌ عَلَى الْمُسْتَحَقِّ

ترجمہ..... اور تمام حدود میں مجرموں کو کھڑے کر کے ہاتھ باندھے بغیر حد ماری جائے۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ حدود میں مردوں کو کھڑا کر کے اور عورتوں کو بٹھا کر حد ماری جائے۔ عبد اللہ بن ابی اسحاقؒ نے یہ روایت ضعیف سند کے ساتھ بیان کی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ حد قائم کرنے کی اصلی غرض لوگوں میں ایسے واقعات اور سزاؤں کی شہرت دینی ہے۔ جبکہ مجرم کو کھڑا کرنے میں یہ مقصد زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ پھر ہاتھ کھینچنے بغیر کا جملہ فرمایا گیا ہے۔ تو بعضوں نے اس کی صورت یہ بتائی ہے کہ زمین میں ڈال کر اس کے ہاتھ پھیلا کر باندھ دیئے جائیں جیسے کہ ہمارے زمانے میں بھی کرتے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حکم ایسے شخص سے متعلق نہیں ہے جس پر کوئی حد جاری کی جا رہی ہو بلکہ مارنے والا ہی اپنے کوڑے کو اتار کھینچے کہ اسے اپنے سر تک اٹھائے اور بعضوں نے اس کے معنی یہ بتائے ہیں کہ اس کے بدن پر کوڑا مار کر کھینچے۔ الحاصل ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں کی جائے۔ کیونکہ یہ ساری باتیں اس کی مار سے زائد ہیں جس کا وہ مستحق ہے۔ (یہ سب تفصیل آ زاد مرد و عورت کے زنا کرنے کا حکم ہے)۔

تشریح..... ویضرب فی الحدود کلہا قائما غیر ممدود لقول علی یضرب الرجال فی الحدود قیاما والنساء قعودا ولان
 الخ چونکہ حدود کا مقصد تشہیر اور تنبیہ ہوتا ہے اور وہ مردوں کو کھڑے کر کے مارنے سے حاصل ہوتا ہے۔

زانی غلام کی حد

وَإِنْ كَانَ عَبْدًا جَلَدَهُ خَمْسِينَ جَلْدَةً لِقَوْلِهِ تَعَالَى فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ نَزَلَتْ فِي
 الْأَمَاءِ وَلَآنَ الرِّقُّ مُنْقِصٌ لِلنِّعْمَةِ فَيَكُونُ مُنْقِصًا لِلْعُقُوبَةِ لِأَنَّ الْجَنَابَةَ عِنْدَتْوَافِرِ النَّعِيمِ أَفْحَشُ فَيَكُونُ أَدْعَى إِلَى
 التَّغْلِيظِ وَالرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ لِأَنَّ النُّصُوصَ تَشْمَلُهُمَا غَيْرَ أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا يُنَزَّعُ مِنْ قِيَابِهَا إِلَّا الْمُفْرَقُ
 وَالْحَشْوُ لِأَنَّ فِي تَجْرِيدِهَا كَشْفُ الْعَوْرَةِ وَالْفَرْءِ وَالْحَشْوُ يَمْنَعَانِ وَصُولَ الْأَلَمِ إِلَى الْمَضْرُوبِ

وَالسَّتْرُ حَاصِلٌ بِدُونِهِمَا فَيُنْزَعَانِ وَتُضْرَبُ جَالِسَةً لِمَارُونَنَا وَلَا نَهْ اسْتَرْ لَهَا

ترجمہ..... اور اگر زنا کرنے والا کوئی غلام (یا باندی۔ ع) ہو تو اسے پچاس کوڑے مارے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فعلیہن نصف ما علی المحصنات من العذاب یعنی باندیوں پر جو حد کی سزا لازم ہوگی وہ آدھی ہوگی اس سزا کی جو آزاد عورتوں پر لازم ہوتی ہے۔ یہ آیت باندیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ غلامی نعمت خداوندی کو آدھا کر دیتی ہے۔ اسی لئے اس کی سزا کو بھی آدھا کر دے گی کیونکہ جس شخص کو انعامات بہت ملتے ہوں اس کے باوجود وہ نافرمانی کرتا ہو تو اس کی سزا بھی زیادہ ہی ہوا کرتی ہے۔ اسی لئے آزاد کی سزا میں بھی سختی ہوتی ہے۔ (اس کے برخلاف غلام کو صرف پچاس کوڑے مارے جاتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ حد کے بارے میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں کیونکہ شرعی حکم عورت و مرد دونوں ہی کے لئے ہیں۔ لیکن مرد و عورت میں صرف اتنا فرق ہے کہ عورت کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے۔ سوائے پوتین اور ایسے کپڑے کے جن میں روئی وغیرہ بھرائی ہوئی ہو۔ کیونکہ عورت کے کپڑے اتار دینے سے بے پردگی اور بے حیائی ہوتی ہے اور مونے کپڑے وغیرہ کے رہتے ہوئے مارنے سے چوٹ نہیں لگے گی۔ جب کہ ان کپڑوں کے بغیر بھی ان کا پردہ باقی رکھا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے مونے کپڑے اس کے اوپر سے اتار لئے جائیں اور عورت کو بٹھلا کر اس پر حد ماری جائے گی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کے پیش نظر اور اس لئے بھی کہ ایسا کرنے سے اس کے لئے زیادہ پردہ ہوگا۔

تشریح..... لان الجنایة عند تو افر النعم آزاد آدمیوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہوتی ہیں اس لئے اس کی نافرمانی کی سزا بھی بہت زیادہ ہوتی ہے اور اسی لئے زنا کی صورت میں اس پر سو کوڑے مارنے کا حکم ہے جبکہ غلام بہت سی نعمتوں سے محروم ہوتا ہے اسی لئے زنا کی صورت میں اس پر صرف پچاس کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔

فائدہ..... چنانچہ اگر آزاد مرد جسے چار عورتیں نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔ پھر بھی وہ زنا کرے تو اسے سخت سزا دی جائے گی اور غلام کو صرف دو عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔ وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ اس کا مولیٰ اس کی اجازت بھی دے پھر بھی ان دونوں کو آپس میں ملنے جلنے کی پوری آزادی نہیں رہے گی بلکہ جب مالک کی خدمت کر کے باندی فارغ ہو چکی ہو اور اس وقت مالک نے آرام کرنے کی اجازت دیدی ہو۔ انہیں باتوں کی وجہ سے باندی اور غلام کی سزا میں بھی کمی ہے۔ یعنی آزاد کے مقابلہ میں یہ نصف سزا کے مستحق ہوں گے۔ البتہ سنگسار ہونے کی صورت میں چونکہ اس کا نصف نہیں ہو سکتا ہے اس لئے اس مسئلہ میں غلام شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ سب برابر رکھے گئے ہیں۔ یعنی سب کو کوڑے مارے جائیں گے۔

عورت کو رجم کرنے کیلئے گڑھا کھودنے کا حکم

قَالَ وَإِنْ حُفِرَ لَهَا فِي الرَّجْمِ جَارٌ لَّانَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَفَرَ لِلْغَامِدِيَّةِ إِلَى ثُنْدَوَاتِهَا وَحَفَرَ عَلَى لِسْرَاحَةِ الْهَمْدَانِيَّةِ وَإِنْ تَرَكَ لَا يَضُرُّهُ لَّانَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَأْمُرْ بِذَلِكَ وَهِيَ مَسْتُورَةٌ بِشَابِهَا وَالْحَفْرُ أَحْسَنُ لَّانَّهُ اسْتَرْ وَيُحْفَرُ إِلَى الصَّدْرِ لِمَارُونَنَا وَلَا يَحْفَرُ لِلرَّجُلِ لَّانَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا حَفَرَ لِمَا عَزَّ وَلَا مَبْنَى الْإِقَامَةِ عَلَى التَّشْهِيرِ فِي الرِّجَالِ وَالرِّبْطُ وَالْإِمْسَاكُ غَيْرُ مَشْرُوعٍ

ترجمہ..... اور سنگسار کرنے کے لئے عورت کے واسطے گڑھا کھود لیا جائے تو جائز ہے۔ یعنی گڑھا کھود لینا بہتر ہے واجب نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غامدیہ کے واسطے ان کے سینہ تک کا گڑھا کھود لیا تھا۔ (رواہ مسلم)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شرعاً ہدائیہ کے لئے گڑھا کھدوایا تھا۔ (رواہ احمد)

اور اگر امام نے زانیہ عورت کے لئے گڑھا نہیں کھدوایا تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں فرمایا ہے۔ اور عورت کا پردہ اس کے اپنے کپڑوں سے ہی باقی رہتا ہے۔ البتہ گڑھا کھدو دینا بہتر ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے عورت کے لئے پردہ پوشی زیادہ ہوتی ہے۔ سینہ تک گڑھا کھدو نا اس حدیث سے ثابت ہے جسے ہم حضرت غامدیہؒ کے سلسلے میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ البتہ مرد کے لئے گڑھا نہیں کھودا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کے واسطے گڑھا نہیں کھودا تھا اور اس دلیل سے کہ مردوں کے لئے حد قائم کرنے میں شہرت دینا مقصود ہے اور اسے باندھنا اور روکنا ثابت نہیں ہے۔

فائدہ..... لیکن اگر اس کے بغیر رجم کرنا ممکن نہ ہو حالانکہ گواہوں سے زنا ثابت ہو چکا ہو تو جائز ہے۔ جیسا کہ عنایہ میں ہے۔

تشریح..... ولا یحفر للرجل لانه علیہ السلام ما حفر لما عجز ولان مبنی الاقامة علی التشہیر..... الخ اور مرد کو رجم کرنے کے لئے گڑھا نہیں کھودا جائے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سزا دینے کے لئے گڑھا نہیں کھدوایا تھا۔

فائدہ..... چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کرنے کا حکم دیا تو ہم نے ان کو قبیح میں رجم کیا۔ واللہ ہم نے اس وقت ان کو نہ تو باندھا اور نہ ہی ان کے گڑھا کھودا اور وہ تو کھڑے رہے۔ (رواہ مسلم)

لیکن حضرت بریدہ وابوزری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ان کے لئے گڑھا کھودا لیکن ابن الہمامؒ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ترجیح دی ہے۔ اعتماد اور یقین کے ساتھ نقل کرنا دلیل ہے اور اگر گڑھا ہوتا تو بھاگنے کی گنجائش نہ ہوتی۔ (دارالربط)

اور ایسے لوگوں کو باندھ دینا کسی طرح روک کر رکھنا ثابت اور مشروع نہیں ہے۔ البتہ اگر اس کے بغیر رجم ممکن نہ ہو تو اور زنا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہو تو جائز ہے جیسا کہ عنایہ میں ہے۔

آقا غلام پر حد جاری کر سکتا ہے یا نہیں؟

وَلَا يُقِيمُ الْمَوْلَى الْحَدَّ عَلَى عَبْدِهِ إِلَّا بِإِذْنِ الْإِمَامِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَهُ أَنْ يُقِيمَهُ لِأَنَّ لَهُ وَلَايَةً مُطْلَقَةً عَلَيْهِ كَالْإِمَامِ بَلْ أَوْلَى لِأَنَّهُ يَمْلِكُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِيهِ مَا لَا يَمْلِكُهُ الْإِمَامُ فَصَارَ كَالْتَّعْزِيرِ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَرْبَعٌ إِلَى الْوَلَاةِ مِنْهَا الْحُدُودُ وَلِأَنَّ الْحَدَّ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى لِأَنَّ الْمُقْصِدَ مِنْهَا إِخْلَاءُ الْعَالَمِ عَنِ الْفُسَادِ وَلِهَذَا لَا يَسْقُطُ بِإِسْقَاطِ الْعَبْدِ فَيَسْتَوْفِيهِ مَنْ هُوَ نَائِبٌ عَنِ الشَّرْعِ وَهُوَ الْإِمَامُ أَوْ نَائِبُهُ بِخِلَافِ التَّعْزِيرِ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَبْدِ وَلِهَذَا يُعْزَرُ الصَّبِيُّ وَحَقُّ الشَّرْعِ مَوْضُوعٌ عَنْهُ

ترجمہ..... اور مولیٰ اپنے غلام پر خود سے حد قائم نہیں کرے گا۔ البتہ امام کی اجازت سے کر سکتا ہے۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ مولیٰ کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے غلام پر خود حد قائم کر لے کیونکہ مولیٰ کو اپنے غلام پر ولایت مطلقہ (مکمل ولایت) حاصل ہے جیسے کہ امام وقت کو حاصل ہوتی ہے بلکہ اس امام سے بھی بڑھ کر کیونکہ مولیٰ کو اپنے غلام میں بیع وغیرہ کے تصرفات میں اتنا اختیار ہوتا ہے جو امام کو بھی نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ حد تعزیر کے مثل ہو گئی۔ امام مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہما کا بھی قول ہے۔ البتہ امام کا حد قائم کرنا افضل ہے۔ (اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار چیزیں والی کے حوالہ اور ان کے اختیار میں ہیں۔ ان میں سے حدود کو بھی ذکر کیا ہے) (اور باقی تین یہ ہیں جمعہ کو قائم کرنا، زکوٰۃ وصول کرنا اور حدود قائم کرنا) مگر یہ حدیث نہیں ملتی ہے۔ البتہ ابن ابی شیبہؒ نے حضرت حسن بصریؒ و عطاء بن اسیانؒ سے قول ذکر کیا ہے۔ (ع) اور اس دلیل سے بھی کہ

حد ایک حق الہی ہے کیونکہ حدود قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عالم فساد سے خالی ہو۔ اسی وجہ سے اگر بندہ حد معاف بھی کر دے تو ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے وہی شخص حد قائم کرے گا جو شریعت کی طرف سے اس لئے نائب بنایا گیا ہو یعنی امام یا اس کا قائم مقام قاضی وغیرہ برخلاف تعزیر (دوسری سزاؤں کے) کیونکہ وہ بندوں کا حق ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر بڑا اپنے بچوں کو سزا دیتا ہے۔ حالانکہ بچوں سے شرعی حق معاف ہے۔

تشریح..... ولا یقیم المولی الحد علی عبده الا باذن الامام وقال الشافعیؒ لہ ان یمیمہ..... الخ احناف کے نزدیک اگر کسی کا غلام، مملوک، زنا کر لے تو وہ خود اس پر حد قائم نہیں کر سکتا ہے بلکہ حاکم وقت ہی کو اختیار ہوگا۔ البتہ اگر حاکم مولیٰ کو اجازت دیدے تب وہ بھی اس پر حد قائم کر سکتا ہے۔ لیکن امام شافعی و امام مالک و احمدؒ کا قول ہے کہ مولیٰ خود بھی قائم کر سکتا ہے اور اسے اختیار ہے البتہ امام کا حد قائم کرنا افضل ہے۔ (امام مالک و شافعیؒ نے مختلف احادیث سے اپنے مسلک کی تائید حاصل کی ہے۔ ان میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باندی کے بارے میں حکم دریافت کیا گیا جس نے زنا کیا ہے اور محضہ یعنی شادی شدہ بھی نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ اگر زنا کرے تو اسے درے مارو پھر بھی اگر زنا کرے تو پھر اسے درے مارو۔ اگر پھر زنا کرے پھر درے مارو پھر اگر زنا کرتی ہو تو اسے بچ کر اپنے پاس سے دور کر دو۔ اگر چہ سر کے تھوڑے سے بالوں کے عوض ہو (محض معمولی اور حقیر عوض پر) بخاری اور مسلم نے اس کی روایت کی ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک بار خطبہ پڑھا اس کے بعد یہ فرمایا کہ اے لوگو اپنے باندیوں پر خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا نہ ہوں (اگر زنا کریں تو) ان پر حد قائم کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی باندی نے زنا کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں ہی اسے درے ماروں۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ اسے کچھ پہلے ہی بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ فی الحال نفاس کی حالت میں ہے تو مجھے اس بات کا ڈر لگا کہ اگر میں اسے کوڑے ماروں تو بہت ممکن ہے کہ وہ مر جائے۔ اس لئے میں نے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صورت حال بیان کر دی۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم نے (اسے نہ مار کر) بہت اچھا کیا۔ رواہ الترمذی۔ اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے تو قرآن کے حکم کے مطابق اسے کوڑے مارو۔ پھر زنا کرے پھر مارو۔ پھر زنا کرے پھر مارو۔ اگر پھر زنا کرے تو اسے بچ دو۔ رواہ ابوداؤد۔ مگر ابو حنیفہؒ نے ان حدیثوں کی یہ تاویل کی کہ آپ کی مراد اس سے یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام کے سامنے پیش کر دو اور اگر وہ تمہیں اجازت دیدے تو تم اس پر حد جاری کر دو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حد قائم کرنے کی اجازت دی۔ لیکن ابن الہمامؒ نے فرمایا ہے کہ یہ تاویل دوسرے ائمہ کرام کو قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ احادیث سے یہی ظاہر ہے کہ شریعت نے اس معاملہ میں غلاموں کے مالکوں کو اپنا نائب مقرر کر دیا ہے۔ اس لئے جب تک اس کے معارض کوئی دوسری روایت اور دلیل نہ ہو تب تک ظاہر حدیث پر عمل کیا جائے گا۔

لیکن میں مترجم کہتا ہوں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب عادل اور اعتدال پر قائم بھی تھے اور حقوق و حدود کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔ اسلئے علماء حنفیہؒ نے ان کے نائب ہونے میں کچھ شک نہیں کیا ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں تامل کیا ہے کہ دوسرے لوگ بھی ان کی طرح نائب ہو سکتے ہیں یا نہیں کیونکہ دوسروں کیلئے کوئی شرعی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس بات کا احتمال باقی رہتا ہے کہ مالکان حدود مقررہ سے زیادتی کر کے اسے سخت تکلیفیں پہنچائیں بالخصوص اس صورت میں جب کہ اس سے ناراضگی بڑھی ہوئی ہو اور حدود قائم کرنا بندوں کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ تو خالص حق الہی ہے۔ اس لئے اس بات کا بہت خوف رہتا ہے کہ اصلاح کی بجائے فساد برپا ہو جائے۔ اس لئے یہی افضل ترین ہے کہ امام ہی حدود قائم کرے۔ اسی لئے علماء احناف نے احتیاطاً امام ہی کے اختیار کو واجب کہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احسان کب متحقق ہوگا؟

قَالَ وَاحْصَانُ الرُّجْمِ اَنْ يَكُونَ حُرّاً عَاقِلاً بِالْغَا مُسْلِمًا قَدْ تَزَوَّجَ امْرَاةً نِكَاحًا صَحِيحًا وَدَخَلَ بِهَا وَهُمَا عَلَى

صِفَةُ الْاِحْصَانِ فَالْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ شَرْطُ لَاهِلِيَّةِ الْعُقُوبَةِ اِذَا خِطَابَ ذُوْنَهُمَا وَمَا وَرَآئَهُمَا يَشْتَرِطُ لِتَكْمُلِ الْجَنَابَةِ بِوَاسِطَةِ تَكَامُلِ النِّعْمَةِ اِذْ كُفِرَ انُ النِّعْمَةِ يَتَغَلَّظُ عِنْدَ تَكَثُّرِهَا وَهَذِهِ الْاَشْيَاءُ مِنْ جَلَاتِلِ النِّعَمِ وَقَدْ شُرِعَ الرَّجْمُ بِالزِّنَاءِ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِهَا فَيُنَاطُ بِهِ بِخِلَافِ الشَّرَفِ وَالْعِلْمِ لِأَنَّ الشَّرْعَ مَا وَرَدَ بِاِغْتِيَابِ هُمَا وَنُصِبَ الشَّرْعُ بِالرَّأْيِ مُتَعَدِّرٌ وَلِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ مُمَكِّنَةٌ مِنَ النِّكَاحِ الصَّحِيحِ وَالنِّكَاحُ الصَّحِيحُ مُمَكِّنٌ مِنَ الْوَطَنِ الْحَلَالِ وَالْاِصَابَةُ شَبَعٌ بِالْحَلَالِ وَالْاِسْلَامُ يُمَكِّنُهُ مِنَ نِكَاحِ الْمُسْلِمَةِ وَيُوَكِّدُ اِعْتِقَادَ الْحُرْمَةِ فَيَكُونُ الْكُلُّ مَبْزُجَةً عَنِ الزِّنَاءِ وَالْجَنَابَةِ بَعْدَ تَوْفُرِ الزَّوْاجِ اَغْلَظَ وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي اشْتِرَاطِ الْاِسْلَامِ وَكَذَا أَبُو يُوسُفَ فِي رِوَايَةٍ لَهُمَا مَا رَوَى أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَجَمَ يَهُودِيَيْنِ قَدْ زَنِيَا فَلَمَّا كَانَ ذَلِكَ بِحُكْمِ التَّوْرَةِ ثُمَّ نَسَخَ يَوْمَئِذٍ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ فَلَيْسَ بِمُحْصَنٍ وَالمُعْتَبَرُ فِي الدُّخُولِ الْاِيْلَاجُ فِي الْقُبُلِ عَلَى وَجْهِ يُوجِبُ الْغُسْلَ وَشَرْطُ صِفَةِ الْاِحْصَانِ فِيهِمَا عِنْدَ الدُّخُولِ حَتَّى لَوْ دَخَلَ بِالْمَنْكُوحَةِ الْكَافِرَةَ أَوْ الْمَمْلُوكَةَ أَوْ الْمَجْنُونَةَ أَوْ الصَّبِيَّةَ لَا يَكُونُ مُحْصِنًا وَكَذَا اِذَا كَانَ الزَّوْجُ مَوْصُوفًا بِاِحْدَى هَذِهِ الصِّفَاتِ وَهِيَ حُرَّةٌ مُسْلِمَةٌ عَاقِلَةٌ بِالْعِلْمِ لِأَنَّ النِّعْمَةَ بِذَلِكَ تَتَكَامَلُ اِذَا الطَّبَعُ يَنْفَرَعُنْ صُحْبَةِ الْمَجْنُونَةِ وَقُلْنَا يَرُغَبُ فِي الصَّبِيَّةِ لِقَلَّةِ رَغْبَتِهَا فِي الْمَنْكُوحَةِ الْمَمْلُوكَةِ حَذَرًا عَنِ رِقِّ الْوَلَدِ وَلَا اِئْتِلَافَ مَعَ الْاِخْتِلَافِ فِي الدِّينِ وَأَبُو يُوسُفَ يُخَالِفُنَا فِي الْكَافِرَةِ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا وَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تُحْصِنُ الْمُسْلِمُ الْيَهُودِيَّةَ وَلَا النَّصْرَانِيَّةَ وَلَا الْحُرَّ الْأَمَةَ وَلَا الْحُرَّةَ الْعَبْدَ

ترجمہ..... اور رجم کرنے کے لئے اس مجرم کا محسن ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔ اس میں احسان کے معنی یہ ہیں کہ آدمی آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہو اور اس نے کسی عورت سے صحیح نکاح کر کے اس کے ساتھ دخول بھی کر لیا ہو اور احسان کی یہ صفیتیں اس دخول کے وقت دونوں میں پائی جا رہی ہوں۔ اس طرح اس کا عاقل اور بالغ ہونا تو سزائے حد کے لائق ہونے کی شرط ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے بغیر حکم الہی متعلق نہیں ہوتا ہے اور باقی چیزیں اس لئے شرط ہیں کہ نعمت پوری ہو جانے کے وجہ سے اس کا جرم پورا ہو جائے۔ کیونکہ پوری پوری نعمت پالینے کے بعد بھی ان نعمتوں کی ناشکری کرنا سخت ہے اور یہ چیزیں بھی بڑی نعمتوں میں سے ہیں۔ بعض انسان کا آزاد ہونا اور اس میں اسلام پایا جانا اور نکاح صحیح کے ساتھ کسی بیوی کا میسر ہونا بڑی نعمتیں ہیں اور ان نعمتوں کے ایک ساتھ پائے جانے کے بعد ہی زنا کی وجہ سے رجم شروع ہوا ہے۔ اس لئے رجم کرنے کا تعلق تو ان نعمتوں کے اکٹھے پائے جانے کے بعد ہی ہوا ہے ان نعمتوں کے برخلاف شرافت اور علم کے ہونے کے شرط نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت میں ان چیزوں کا بھی اعتبار کرنا ثابت نہیں ہوا ہے اور اس کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے۔ اور فقط اپنی رائے سے کسی مسئلہ کو ثابت کرنا محال ہے اور دوسری دلیل یہ ہے کہ زادی کی وجہ سے ہی صحیح نکاح کی قدرت ہوتی ہے اور اس کا موقع ملتا ہے اور نکاح صحیح کے بعد ہی حلال و حلی کی قدرت ہوتی ہے اور دخول ہو جانے سے اس حلال کام کو کر کے سیری اور آسودگی حاصل ہوتی ہے اور اسلام ہونے کی وجہ سے کسی مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی اسلام کی وجہ سے زنا کے حرام ہونے کا اعتقاد قوی ہوتا ہے۔ پس مجموعہ یہ ساری باتیں ایک مسلمان شخص کو زنا کرنے سے سختی سے روکتی ہیں اور اتنی زیادہ رکاوٹوں اور ممانعتوں کے باوجود اس شخص کا زنا کر لینا زیادہ سخت ہوتا ہے۔ لیکن امام شافعی محسن ہونے کے لئے مسلمان ہونے کی شرط لگانے کے بارے میں ہماری مخالفت فرماتے ہیں۔ ایسی ہی ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے بھی منقول ہے۔ ان دونوں آئمہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو جبکہ دونوں محسن

تھے زنا کرنے کی وجہ سے رجم کیا تھا۔ (رواہ ابن حبان)

اس روایت کا ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ ایسا کرنا تو دیت کے حکم کی بناء پر تھا۔ بعد میں یہ بھی منسوخ ہو گیا اور اس منسوخ ہو جانے کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا (مشرک) وہ محسن نہیں ہے۔ اس کی روایت اسحاق اور ابن راہویہ نے کی ہے۔ اس مسئلہ میں توقف کرنا ہی بہتر ہے اور دخول ہونے میں معتبر یہ ہے کہ فرج میں اس طرح داخل ہو جائے جس سے غسل فرض ہو جاتا ہو یعنی حشفہ (سیاری) غائب ہو جائے اور صاحب قدوری نے اس دخول کے وقت عورت و مرد دونوں میں محسن ہونے کی شرط لگائی ہے۔ یہاں تک کہ اگر مسلمان شوہر نے اپنی منکوحہ یہودیہ یا نصرانیہ کے ساتھ یا مملوک یا مجنون یا نابالغ ہو حالانکہ بیوی آزاد مسلمان، عاقلہ اور بالغ ہو تو بھی وہ محسن نہ ہوگی۔ کیونکہ باتوں میں سے کوئی ایک بات ہو یعنی کافر ہو یا مملوک، یا مجنون یا نابالغ ہو حالانکہ بیوی آزاد مسلمان، عاقلہ اور بالغ ہو تو بھی وہ محسن نہ ہوگی۔ کیونکہ انہیں چیزوں سے نعت پوری ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دیوانی کی صحبت سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے اور نابالغ کو چونکہ خود خواہش نہیں ہوتی ہے اس لئے اس کی صحبت سے شوہر کی رغبت بھی کم ہو جاتی ہے اور مملوکہ سے نکاح کرنے میں اس بناء پر بے رغبتی ہوتی ہے کہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ بھی دوسرے کی مملوکہ ہوگی اور باپ کی حیثیت سے اس پر کوئی اختیار نہ ہوگا اور کافرہ سے رغبت کا نہ ہونا ظاہر ہے کہ دینی اختلاف کی وجہ سے آپس میں الفت نہ ہوگی۔ اس کافرہ عورت کے بارے میں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے خلاف ہماری دلیل وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کر دی ہے اور دوسری حدیث یہ ہے کہ مسلمان مرد کو یہودیہ نصرانیہ عورت محسن نہیں بناتی ہے۔ اسی طرح آزاد مرد کو اس کی باندی بیوی محسن نہیں کرتی ہے اور آزاد عورت کو غلام مرد محسن نہیں کرتا ہے۔ یہ حدیث نظروں سے نہیں گذر سکی اور ابن ابی شیبہ نے کعب بن مالک سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ایک یہودیہ سے نکاح کرنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس سے نکاح مت کرو کہ وہ تم کو محسن نہیں کرے گی۔

محسن کیلئے رجم اور کوڑوں کو جمع نہیں کیا جائے گا

قَالَ وَلَا يُجْمَعُ فِي الْمُحْصَنِ بَيْنَ الرَّجْمِ وَالْجَلْدِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَجْمَعْ وَلَا أَنَّ الْجَلْدَ يُعْرَى عَنِ الْمَقْصُودِ مَعَ الرَّجْمِ لِأَنَّ زَجْرَ غَيْرِهِ يَحْصُلُ بِالرَّجْمِ إِذْهُو فِي الْعُقُوبَةِ أَفْصَاهَا وَزَجْرُهُ لَا يَحْصُلُ بَعْدَ هَلَاكِهِ

ترجمہ..... اور وہ محسن کو سنگسار کرنے کے ساتھ کوڑے مارنے کی دونوں سزائیں جمع نہ کی جائیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو جمع نہیں کیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ رجم کرنے کے بعد پھر درے مارنے کا تو کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا ہے کیونکہ دوسروں کی تنبیہ کا فائدہ صرف رجم کر دینے سے یہی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ انتہائی سخت سزا تو سنگسار ہی ہے۔ اور خود زنا کرنے والے کو بھی اس کے مرجانے کے بعد تنبیہ نہیں ہو سکتی ہے۔

تشریح..... قَالَ وَلَا يُجْمَعُ فِي الْمُحْصَنِ بَيْنَ الرَّجْمِ وَالْجَلْدِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَجْمَعْ وَلَا أَنَّ الْجَلْدَ يُعْرَى..... الخ یعنی جن صورت میں زانی کو سنگسار کیا جا رہا ہو اس کی سزا کے ساتھ کوڑوں کی سزا کو جمع نہ کیا جائے گا اس لئے کہ سنگساری کی سزا انتہائی سزا ہے اس کے ساتھ کوڑوں کا سزا کا جمع ہونا فائدہ مند نہیں اس لئے کہ سزا سے مقصود دوسروں کو زنا کے مرتکب ہونے سے روکتا ہے جو کہ سنگسار ہونے سے حاصل ہو رہا ہے۔ امام مالک، شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کے ہاں رجم اور جلد کو جمع کیا جائے گا اور دلیل عبادہ بن صامت کی روایت ہے جس میں جلد اور جلا وطن کو جمع کیا گیا ہے ایک دوسری روایت میں کوڑے اور رجم کو جمع کیا گیا ہے احناف نے کہا کہ حضرت عبادہ کی حدیث اللہ تعالیٰ کے قول جعل اللہ لہن سبیلا کا بیان ہے اور احناف کی دلیل یہ ہے کہ صاحبہ العیف کے بارے میں حضور ﷺ نے فقط سنگسار کرنے کا حکم دیا تھا اس طرح حضرت ماعزؓ کو سنگسار کرنے کا حکم تھا کوڑوں کا ذکر نہیں۔

باکرہ مرد و عورت کی سزا میں کوڑوں اور جلا وطنی کو جمع نہیں کیا جائے گا

قَالَ وَلَا يُجْمَعُ فِي الْبَكْرَيْنِ الْجَلْدُ وَالنَّفْيُ وَالشَّافِعِيُّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا حَدَّ الْقَوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْبَكْرُ بَاكِرٌ جَلْدٌ مِائَةٌ وَتَغْرِيبٌ عَامٌ وَلَا فِيهِ حَسَمٌ بِأَبِ الزَّنَاءِ لِقَلَّةِ الْمَعَارِفِ وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى فَاجْلِدُوا جَعَلَ الْجَلْدُ كُلَّ الْمُوجِبِ رُجُوعًا إِلَى حَرْفِ الْفَاءِ أَوْ إِلَى كَوْنِهِ كُلُّ الْمَذْكُورِ وَلَا فِي التَّغْرِيبِ فَتْحُ بَابِ الزَّنَاءِ لِانْعِدَامِ الْإِسْتِحْيَاءِ مِنَ الْعَشِيرَةِ ثُمَّ فِيهِ قَطْعُ مَوَادِّ الْبَقَاءِ فَرُبَّمَا تَتَخَلَّضُ نَا هَامُكَسَبَةٌ وَهُوَ مِنْ أَقْبَحِ وَجُودِ الزَّنَاءِ وَهَذِهِ الْجِهَةُ مُرْجَعَةٌ لِقَوْلِ عَلِيٍّ كَفَى بِالنَّفْيِ فِتْنَةً وَالْحَدِيثُ مَنْسُوخٌ كَشَطْرِهِ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْكَيْبُ بِالْقَيْبِ جَلْدٌ مِائَةٌ وَرَجْمٌ بِالْحِجَارَةِ وَقَدْ عُرِفَ طَرِيقُهُ فِي مَوْضِعِهِ إِلَّا أَنْ يَرَى الْإِمَامُ فِي ذَلِكَ مَصْلَحَةً فَيُغَرِّبُهُ عَلَى قَدَرٍ مَا يَرَى وَذَلِكَ تَعْزِيرٌ وَسِيَاسَةٌ لِأَنَّهُ قَدْ يُفِيدُنِي بَعْضُ الْأَحْوَالِ فَيَكُونُ الرَّأْيُ فِيهِ إِلَى الْإِمَامِ وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ النَّفْيُ الْمَرْوِيُّ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ (رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ)

ترجمہ..... (اور غیر شادی شدہ خواہ مرد ہو یا عورت) کو بھی کوڑے مارنے اور شہر بدر کرنے کی دوسرا سزا نہیں دی جائے گی اور امام شافعی رحمۃ اللہ دونوں سزائوں کو بطور حد بھی جمع کرتے ہیں۔ اس حدیث کے پیش نظر کہ کنوارے کو کنواری کے ساتھ زنا کرنے میں سو درے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنا بھی ہے۔ (رواہ مسلم) اور اس وجہ سے بھی کہ شہر بدر کرنے سے زنا کا دروازہ بند کر دینا ہوتا ہے کیونکہ اجنبی جگہ میں چلے جانے سے ملاقاتیں اور جاننے والوں کی بہت ہی کمی ہو جاتی ہے۔ (یہی دوست و احباب تو برائیوں پر آمادہ کرتے ہیں) اور ہماری دلیل فرمان باری تعالیٰ "الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" میں لفظ فاجلدوا ہے کہ اس کے ذریعہ صرف کوڑے مارنے کو ہی مکمل سزا فرمادیا ہے۔ اس دلیل سے کہ اس میں صرف فاکود یکھنے سے یہ معنی معلوم ہوتے ہیں کہ جس نے زنا کیا اس کی واجبی اور مکمل سزا سو کوڑے مارو۔ بس معلوم ہوا کہ کل واجبی سزا یہی ہے۔ یا یہ دیکھو کہ جو ذکر کیا ہے یہی سو کوڑے ہیں۔ (پس اگر اس پر کوئی دوسری سزا زیادہ کر دی جائے تو اصل حکم بدل جاتا ہے اور اس طرح کی تبدیلی کو منسوخ کر دینا کہا جاتا ہے۔ حالانکہ قرآن کو ایسی حدیث سے منسوخ کرنا جائز نہیں ہے) اور اس دلیل سے بھی کہ شہر سے نکال باہر کر دینے سے زنا کرنے کا دروازہ کھل جائے گا۔ کیونکہ اپنے کنبہ اور خاندان سے اس کی حیاء داری ختم ہو جائے گی۔ پھر شہر بدر کرنے میں اس کی معیشت اور ہتھاکا مادہ بعض کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے سے بسا اوقات عورت زنا کاری کو ہی اپنی کمائی کا مستقل ذریعہ مقرر کر لے گی اور یہ بات زنا کاری کے طریقوں میں سب سے بدتر ہوگی۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ شہر بدر کرنا فتنہ بڑھانے کیلئے کافی ہے۔ (یہ بات امام محمدؒ نے آثار میں بیان کی ہے) اور جس حدیث سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے وہ منسوخ ہے۔ جیسے اس حدیث کا یہ ٹکڑا منسوخ ہے کہ شادی شدہ مرد جو شادی شدہ عورت سے زنا کرے اسے کوڑے کے علاوہ پتھروں سے رجم کرنا بھی ہے۔ (اسی مطلب کو حازمی اور منذری نے اختیار کیا ہے) اور اس منسوخ کرنے کا طریقہ اپنی جگہ (طریقہ اختلاف) میں ذکر کیا گیا ہے۔ الحاصل شہر بدر کرنے کی سزا حد کے طور پر تو نہیں ہو سکتی ہے البتہ اگر امام ایسا کرنا ضروری سمجھے یا کوئی مصلحت دیکھے تو جتنے دنوں تک وہ مصلحت سمجھے شہر بدر کر دے۔ امام کا ایسا کرنا بطور حد کے نہیں ہوگا بلکہ تقریر سیاست کے طور پر ہوگا۔ کیونکہ بعض حالات میں ایسا کرنا بھی مفید ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا پورا فیصلہ امام کی مصلحت اور اس کی رائے (صوابدید) پر موقوف رہا اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو یہ منقول ہے کہ انہوں نے شہر بدر کیا ہے تو وہ اسی تعزیر پر اور سیاست کے معنی پر محمول ہے۔

فائدہ..... چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درے مارے اور شہر بدر کیا اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کوڑے اور شہر بدر کیا۔ (رواہ الترمذی)

تشریح..... قال ولا یجمع فی البکرین الجلد والنفی والشافعی یجمع بینہما حد القولہ علیہ السلام البکر..... الخ یعنی غیر شادی شدہ زانی کو ایک سو کوڑے مارے جائیں گے لیکن ایک سال جلاوطن نہ کریں گے لیکن اگر امام اس میں مصلحت سمجھے تو سیاستاً اس کو جلاوطن کر سکتا ہے امام شافعی کے ہاں جلاوطن کرنا بھی سزا کا حصہ ہے۔

محسن زانی (مریض) کو رجم کرنے کا حکم

وَإِذَا زَنَى الْمَرِيضُ وَحَدُّهُ الرَّجْمُ رُجِمَ لِأَنَّ الْإِتْلَافَ مُسْتَحَقٌّ فَلَا يَمْتَنِعُ بِسَبَبِ الْمَرَضِ وَإِنْ كَانَ حَدُّهُ الْجُلْدُ لَمْ يُجْلَدْ حَتَّى يَسِرَّ كَيْلًا يُفْضَى إِلَى الْهَلَاكِ وَلِهَذَا لَا يَقَامُ الْقَطْعُ عِنْدَ شِدَّةِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ

ترجمہ..... اور اگر کسی ایسے بیمار نے زنا کر لیا جس کی سزا سنگسار کر دینے کی ہو تو اسے بھی سنگسار کر دیا جائے۔ (اس مسئلہ میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہے) کیونکہ اسے تو ہلاک کر دینا ہی مقصود ہے۔ اس لئے اس کی بیماری پر اسے روکا نہیں جائے گا اور اگر اس کی سزا کوڑے مارنے کی ہو تو اس کے تندرست ہو جانے تک اسے کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ تاکہ کوڑے مارے جانے سے وہ ہلاک نہ ہو جائے اسی وجہ سے سردی اور گرمی کی زیادتی کے دنوں میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

تشریح..... و اذا زنى المريض وحده الرجم رجم لان الاتلاف مستحق فلا يمتنع بسبب..... الخ حاصل یہ کہ سنگسار میں ہلاکت کرنا مقصود ہوتا ہے اسلئے حالت مرض میں سنگسار کیا جائے گا البتہ کوڑے مارنے میں زجر مقصود ہوتا ہے اگر حالت مرض میں کوڑے ماریں گے تو یہ مرض ہلاک ہو جائے گا حالانکہ اس کی ہلاکت مقصود نہیں ہے بلکہ باز رکھنا مقصود ہے۔

حاملہ پر کب حد جاری کی جائے گی؟

وَإِذَا زَنَتِ الْحَامِلُ لَمْ تُحَدَّ حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا كَيْلًا يُؤَدَّى إِلَى هَلَاكِ الْوَلَدِ وَهُوَ نَفْسٌ مُحْتَرَمَةٌ وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الْجُلْدُ لَمْ يُجْلَدْ حَتَّى تَنْفَسَ مِنْ نَفَاسِهَا أَوْ تَرْتَفِعَ يُرِيدُ بِهِ تَخْرُجُ مِنْهُ لِأَنَّ النِّفَاسَ نَوْعُ مَرَضٍ فَيُؤَخَّرُ إِلَى زَمَانِ الْبُرءِ بِخِلَافِ الرَّجْمِ لِأَنَّ التَّأخيرَ لَا جِلَّ الْوَلَدِ وَقَدْ انفصل وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يُؤَخَّرُ إِلَى أَنْ يَسْتَعْنَى وَلَدُهَا عَنْهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَقُومُ بِتَرْبِيَّتِهِ لِأَنَّ فِي التَّأخيرِ صَيَانَةَ الْوَلَدِ عَنِ الضِّيَاعِ وَقَدَرُوا أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِلْغَامِذِيَّةِ بَعْدَ مَا رَضَعَتْ أَرْجِعِي حَتَّى يَسْتَعْنَى وَلَدُكِ ثُمَّ الْحَبْلِي تَحْبُسُ إِلَى أَنْ تَلِدَ إِنْ كَانَ الْحَدُّ ثَابِتًا بِالْبَيِّنَةِ كَيْلًا تَهْرُبُ بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ لِأَنَّ الرُّجُوعَ عَنْهُ عَامِلٌ فَلَا يَفِيدُ الْحَبْسَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ..... اور جب کسی حاملہ نے زنا کیا ہو تو اس کے بچہ پیدا ہو جانے تک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ تاکہ اس کی وجہ سے اس کا بچہ ہلاک نہ ہو جائے۔ کیونکہ یہ بچہ تو ایک قابل احترام جان ہے اور اگر اس حاملہ زانیہ کی سزا کوڑے مارے جانے کی ہو تو عورت کے نفاس سے پاک ہو جانے تک اسے کوڑے نہ مارے جائیں کیونکہ نفاس ایک قسم کا مرض ہے اسلئے اس کے اچھے ہونے تک انتظام کیا جائے گا۔ بخلاف سنگسار کر دینے کے۔ کہ اس میں نفاس سے پاک ہو جانے تک تاخیر نہیں کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ تاخیر کرنا صرف بچہ کی حفاظت کے خیال سے تھا اور وہ پیدا ہو چکا ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے کہ اس وقت تک کے لئے سنگسار کرنے میں بھی تاخیر کی جائے کہ بچہ اس کی پرورش کا محتاج نہ رہے بشرطیکہ دوسرا کوئی شخص اس بچہ کی دیکھ بھال کرنے کا ذمہ دار نہ ہو۔ کیونکہ اتنی تاخیر کرنے میں بچہ کی اس بات سے حفاظت ہے کہ وہ ضائع نہ ہو جائے۔ حدیث میں

مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت غامدیہ کو وضع حمل کے بعد میں فرمایا کہ تم ابھی ابھی لوٹ جاؤ یہاں تک کہ تمہارا یہ بچہ تمہاری پرورش سے لا پرواہ ہو جائے۔ (یہی قول اصح ہے اور اس پر فتویٰ ہونا چاہئے) پھر ایسی حاملہ جس کا زنا گواہوں سے ثابت ہوا ہو۔ اسے بچہ جننے تک قید خانہ میں رکھا جائے تاکہ وہ کسی طرح نہ بھاگ سکے۔ برخلاف خود سے اقرار کرنے کے۔ کیونکہ اگر وہ اپنے اقرار سے پھر جائے تو اسے قید خانہ میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ واضح ہو کہ جس مریض کے اچھے ہو جانے کی امید ہو اس کے درے مارنے میں تاخیر کرنا عامہ فقہاء کا قول ہے۔ لیکن امام احمد کے نزدیک تاخیر نہ ہوگی بلکہ اس شخص کی طرح اس پر حد جاری کی جائے گی جو پیدائشی بہت کمزور ہو۔ اتنا کہ وہ کوڑوں کی مار برداشت نہ کر سکتا ہو تو ایسے شخص کیلئے ہمارے اور امام شافعی و احمد کے نزدیک سو جھڑپوں پتھریوں کا ایک مجموعہ اس طرح بنایا جائے کہ اسے ایک ساتھ مارنے سے شاخوں کے اوپر کے سرے اس کے بدن سے لگ جائیں۔ اس میں اصل حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اس حدیث میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ ہمارے محلہ میں ایک شخص فطرتاً انتہائی کمزور تھا اور اس نے ایک عورت سے زنا کر لیا تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کو بیان کیا آپ نے فرمایا کہ اسے حد مارو۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ بہت ہی کمزور ہے ایسی مار کو برداشت نہیں کر سکتا ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ سو پتھریوں کا ایک گچھا باندھ کر ایک بار اسے مار دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کی روایت احمد، نسائی، ابن ماجہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیہم نے اسناد حسن کے ساتھ کی ہے۔

باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ

ترجمہ باب ایسی وطی کا بیان جو حد کو واجب کرتی ہے اور جو واجب نہیں کرتی ہے۔

زنا کی وطی موجب حد ہے

قَالَ الْوَطِيُّ الْمَوْجِبُ لِلْحَدِّ هُوَ الزَّانَا وَآثَةُ فِي عُرْفِ الشَّرْعِ وَاللِّسَانِ وَطَى الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فِي الْقُبْلِ فِي غَيْرِ الْمَمْلُوكِ وَشُبْهَةِ الْمَمْلُوكِ لِأَنَّهُ فَعَلَ مَحْظُورًا وَالْحُرْمَةُ عَلَى الْإِطْلَاقِ عِنْدَ التَّعَرُّي عَنِ الْمَمْلُوكِ وَشُبْهَتِهِ يُؤَيِّدُ ذَلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اذْرَوْا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ ثُمَّ الشُّبْهَةُ نَوْعَانِ شُبْهَةٌ فِي الْفِعْلِ وَتُسَمَّى شُبْهَةً اِشْتِبَاهَ وَ شُبْهَةً فِي الْمَحَلِّ وَتُسَمَّى شُبْهَةً حُكْمِيَّةً فَالْأَوَّلَى تَتَحَقَّقُ فِي حَقِّ مَنْ اِشْتَبَهَ عَلَيْهِ لِأَنَّ مَعْنَاهُ أَنْ يَظُنَّ غَيْرَ الدَّلِيلِ دَلِيلًا وَلَا يَدْمِنُ الظَّنَّ لِتَحَقُّقِ الْاِشْتِبَاهِ وَالثَّانِيَّةُ تَتَحَقَّقُ لِقِيَامِ الدَّلِيلِ النَّافِي لِلْحُرْمَةِ فِي ذَاتِهِ وَلَا تَتَوَقَّفُ عَلَى ظَنِّ الْجَانِي وَاعْتِقَادِهِ وَالدَّخْلُ سَقَطُ بِالنَّوْعَيْنِ لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ وَالنَّسْبُ يَثْبُتُ فِي الثَّانِيَّةِ إِذَا ادَّعَى الْوَلَدَ وَلَا يَثْبُتُ فِي الْأَوَّلَى وَإِنْ ادَّعَاهُ لِأَنَّ الْفِعْلَ تَمَحُّضُ زِنَاءٍ فِي الْأَوَّلَى وَإِنَّمَا يَسْقُطُ الْحَدُّ لَا مَرَّاجِعَ إِلَيْهِ وَهُوَ اِشْتِبَاهُ الْأَمْرِ عَلَيْهِ وَلَمْ يَتَمَحَّضْ فِي الثَّانِيَّةِ فَشُبْهَةُ الْفِعْلِ فِي ثَمَانِيَةِ مَوَاضِعَ جَارِيَةُ ابْنِهِ وَأُمُّهُ وَزَوْجَتُهُ وَالْمُطَلَّاقَةُ ثَلَاثًا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَبَائِنًا بِالْإِطْلَاقِ عَلَى مَالٍ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَأُمُّ وَلَدٍ اِعْتَقَهَا مَوْلَا هَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ وَجَارِيَةُ الْمَوْلَى فِي حَقِّ الْعَبْدِ وَالْجَارِيَةُ الْمَرْهُونَةُ فِي حَقِّ الْمُرْتَهِنِ فِي رَوَايَةِ كِتَابِ الْحُدُودِ فِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ لَا حَدَّ إِذَا قَالَ ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي وَلَوْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَى حَرَامٍ وَجَبَ الْحَدُّ وَالشُّبْهَةُ فِي الْمَحَلِّ فِي سِتَّةِ مَوَاضِعَ جَارِيَةُ ابْنِهِ وَالْمُطَلَّاقَةُ طَلَقًا بَائِنًا بِالْكِتَابَاتِ وَالْجَارِيَةُ الْمَمْلُوكَةُ فِي حَقِّ الْمَالِكِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ وَالْمَمْنُونَةُ فِي حَقِّ الزَّوْجِ

باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ ۱۵۲ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
 قَبْلَ الْقَبْضِ وَالْمُشْتَرَكَةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ وَالْمَرْهُونَةَ فِي حَقِّ الْمُرْتَهِنِ فِي رَوَايَةِ كِتَابِ الرِّهْنِ فَفِي هَذِهِ
 الْمَوَاضِعِ لَا يَجِبُ الْحُدُوتُ وَإِنْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَى حَرَامٍ ثُمَّ الشُّبْهَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ تَثْبُتُ بِالْعَقْدِ وَإِنْ كَانَ
 مُتَّفَقًا عَلَى تَحْرِيمِهِ وَهُوَ عَالِمٌ بِهِ وَعِنْدَ الْبَاقِينَ لَا تَثْبُتُ إِذَا عَلِمَ بِتَحْرِيمِهِ وَيُظْهَرُ ذَلِكَ فِي نِكَاحِ الْمَحَارِمِ عَلَى
 مَا يَأْتِيكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى إِذَا عَرَفْنَا هَذَا

ترجمہ..... مصنف نے فرمایا ہے۔ کہ جو وطی حد کو واجب کرتی ہے وہ زنا ہے اور زنا کے شرعی و لغوی معنی یہ ہیں کہ مرد کسی اجنبی عورت سے اس کی فرج
 میں وطی کرے حالانکہ وہ عورت ملک اور شہ ملک سے خالی ہو۔ (مترجم نے اس زنا کی مکمل تعریف اس سے پہلے یہی ذکر کر دی ہے۔ اب مصنف کا
 اس طرح مفصل بیان کرنے کی غرض اس کی ہر ایک قید کے بیان کرنے کی وجہ اور اس کا فائدہ بیان کرنا ہے چنانچہ فرمایا)۔ اس وجہ سے کہ زنا ایک
 ممنوع فعل ہے۔ اور اس کا مکمل حرام ہونا اسی وقت ہوگا جب کہ ملک نکاح اور ملک رقبہ (بیوی اور باندی ہونے کی ملکیت سے) اور ان دونوں ملکوں
 کے شہ سے بھی خالی ہو۔ اس بات کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے کہ تم شہوں کے پیدا ہو جانے سے بھی حدود ختم
 کر دو۔ پھر شہ دو قسموں کے ہوتے ہیں۔ ایک فعل میں شہ۔ اس کو شہ اشتباہ کہا جاتا ہے۔ دوسرا محل میں شہ اور اسے شہ حکمیہ کہا جاتا ہے۔ (مثلاً کسی
 نے ایک عورت کو اندھیری رات میں اپنی بیوی خیال کر کے اس سے وطی کر لی تو یہ فعلی شہ ہوا اور اگر بیوی کو طلاق بائندہ دے کر اس کی عدت کے دنوں
 میں اس سے وطی کر لی یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ اب بھی میرے لئے حلال ہے۔ یا اپنے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو یہ شہ محلی ہے) پس پہلی قسم کا
 تحقق اور اس کا ثابت ہونا صرف ایسے شخص کے حق میں ہوتا ہے جس کو کاموں میں شہ ہو جائے۔ کیونکہ شہ پیدا ہو جانے کے معنی یہی ہیں کہ ایسی چیز
 کو دلیل سمجھ لے جو حقیقت میں دلیل نہیں ہے۔ لیکن اس کا گمان ضرور ہے۔ تاکہ شہ پایا جاسکے اور دوسری قسم کا تحقق اور اس کا ثابت ہونا اس کے اس
 گمان کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔ اس وقت جب کہ دراصل کوئی اسکی دلیل قائم ہو جس سے اس بات کی نفی ہوتی ہو کہ اس کی حرمت اس کی ذات کے
 اعتبار سے نہیں ہے (جیسے حدیث میں فرمایا ہے کہ تم اور تمہارا مال سب تمہارے باپ کا ہے)۔ اور اس کا وجوب اس وطی کرنے والے کا گمان اور
 اعتقاد پر موقوف نہیں ہے اور ان دونوں قسموں کے شہوں سے یہی حد زنا ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حدیث مطلقاً تمام شہات کو شامل ہے یعنی ہر قسم
 کے شہ سے حد کو ساقط ہو جانا چاہئے۔ لیکن دونوں قسموں کے شہوں میں یہ فرق ہے کہ دوسری قسم کے شہ میں وہ نسب ثابت نہیں ہوگا۔ اگرچہ نسب کا
 دعویٰ بھی کرے۔ کیونکہ پہلی قسم کے شہ میں وطی کرنا سراسر زنا ہے۔ البتہ اس سے حد صرف اس لئے ساقط کی گئی ہے کہ اس نے ایسی بات کا دعویٰ کیا
 جس کا تعلق اسی سے ہے۔ یعنی یہ کہا کہ یہ بات میرے لئے مشتبہ ہو گئی تھی اور دوسری قسم کے شہ میں صرف زنا کا تصور نہیں ہے۔ الحاصل شہ فعلی آٹھ
 موقعوں میں پیدا ہوتا ہے۔

اول..... یہ کہ اپنے باپ دادا کی باندی سے وطی کی۔

دوم..... اپنی ماں نانی و دادی وغیرہ کی باندی سے وطی کی۔

سوم..... اپنی بیوی کی باندی سے وطی کی۔

چہارم..... اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد عدت کے دنوں میں اسی سے وطی کر لی۔

پنجم..... بیوی کو مال کے عوض طلاق بائن دے کر عدت میں اس سے وطی کی۔

ششم..... اپنی ام ولد کو آزاد کر کے عدت میں اس سے وطی کی۔

ہفتم..... غلام نے اپنے مولیٰ کی باندی سے وطی کی۔

ہشتم..... مرتہن یعنی جس کے پاس کسی نے اپنی باندی بطور رہن رکھی تھی، اس نے اسی باندی سے وطی کر لی۔ یہ بات کتاب الحدود کی روایت میں

ہے۔ (اور یہی مختار روایت ہے۔ البریلعی۔ اور کتاب الرہن کی روایت میں مطلقاً حد نہیں ہے۔)

پس ان آٹھوں مواقع میں اگر وطی کرنے والے نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے اس باندی کو اپنے لئے حلال سمجھا تھا تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی اور اگر یہ کہا کہ میں یہ جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو حد واجب ہو جائے گی اور محل میں شبہ کے مواقع چھ ہی ہیں، اول..... یہ کہ اپنے بیٹے کی باندی سے وطی۔

دوم..... یہ کہ کنایہ سے طلاق بائن دینے کے بعد ہی بیوی سے وطی کی۔

سوم..... یہ کہ بالغ نے اپنی باندی کو فروخت کرنے کے بعد خریدار کے حوالہ کرنے سے پہلے اس سے وطی کر لی۔

چہار..... م یہ کہ شوہر نے اپنی باندی کو اپنی بیوی کے مہر میں دیا لیکن بیوی کے قبضہ کرنے سے پہلے اس سے وطی کر لی۔

پنجم..... جو باندی دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی۔ اس سے ایک شخص نے وطی کر لی۔

ششم..... اس مرتبہ یعنی جس کے پاس ایک باندی رہن رکھی ہوئی تھی اس نے اس باندی سے وطی کر لی۔ لیکن یہ کتاب الرہن کی روایت کے مطابق ہے کہ ان مواقع میں حد واجب نہیں ہوگی۔ اگرچہ اس نے یہ کہا ہو کہ میں تو یہ جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عقد کی وجہ سے شبہ ثابت ہو جاتا ہے۔ اگرچہ علماء کے نزدیک وہ بالاتفاق حرام ہو اور وطی کرنے والا خود بھی یہ جانتا ہو۔ لیکن باقی فقہاء کے نزدیک عقد کر لینے سے شبہ ثابت نہیں ہوتا ہے اس صورت میں جب کہ وطی کرنے والے کو یہ بات معلوم ہو کہ یہ عقد نکاح حرام ہے۔ ان فقہاء کے مذکورہ اختلاف کا نتیجہ ایسی عورتوں کے بارے میں ظاہر ہوگا۔ جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کرنا حرام ہے۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل آئندہ آئگی۔ اب جب کہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ شبہ کی دو قسمیں ہیں۔ تو ہم آئندہ ان مسائل کی تشریح کریں گے۔

تشریح..... حاصل یہ کہ اس عبارت میں زنا کی تعریف کی کہ ہر وہ وطی جس سے شرعی حد واجب ہو وہ زنا کہلاتی ہے اور اگر اس وطی میں کسی قسم کا شبہ پایا گیا خواہ وہ ملکیت کا ہو یا نکاح کا تو وہ زنا نہ ہوگا یعنی اس پر حد زنا واجب نہ ہوگی اور آگے شبہ کی اقسام بیان کی ہیں اور وہ مقامات بھی بتادیئے کہ جن میں شبہ فی الفعل ہے اور جن میں شبہ فی المحل ہے کہ ان دونوں قسم کے شبہ سے حد زنا ساقط ہو جاتی ہے امام ابو حنیفہؒ کے ہاں شبہ کی ایک مزید قسم شبہ فی العقد ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس قسم کو مستقل ذکر نہ فرمایا۔

مطلقہ ثلاث کی عدت میں وطی کرنے سے حد کا حکم

وَمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ وَطِئَهَا فِي الْعِدَّةِ وَقَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ حُدُّ لِرِوَالِ الْمَلِكِ الْمُحَلِّلِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ فَتَكُونُ الشُّبْهَةُ مُنْتَفِيَةً وَقَدْ نَطَقَ الْكِتَابُ بِانْتِفَاءِ الْحِلِّ وَعَلَى ذَلِكَ الْإِجْمَاعُ وَلَا يُعْتَبَرُ قَوْلُ الْمُخَالَفِ فِيهِ لِأَنَّهُ خِلَافٌ لِأَجْتِلَافٍ وَلَوْ قَالَ ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي لَا يَحُدُّ لِأَنَّ الظَّنَّ فِي مَوْضِعِهِ لِأَنَّ أَمْرَ الْمَلِكِ قَائِمٌ فِي حَقِّ النَّسَبِ وَالْحَبْسِ وَالثَّقَّةِ فَاعْتَبِرَ ظَنُّهُ فِي إِسْقَاطِ الْحَدِّ وَأُمُّ الْوَلَدِ إِذَا اعْتَقَهَا مَوْلَاهَا وَالْمُخْتَلَعَةُ وَالْمُطَلَّقَةُ عَلَى مَالٍ بِمَنْزِلَةِ الْمُطَلَّقَةِ الثَّلَاثِ لِثُبُوتِ الْحُرْمَةِ بِالْإِجْمَاعِ وَقِيَامِ بَعْضِ الْأَثَرِ فِي الْعِدَّةِ

ترجمہ..... اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پھر عدت ہی میں اس سے وطی کر لی کہ اور یہ کہا کہ میں یہ جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو اس پر حد جاری کی جائے گی (یعنی اگر وہ محسن ہے تو رجم کیا جائے گا ورنہ سوکڑے مارے جائیں گے) کیونکہ اس مرد کو اسے حلال کرنے کی ملکیت جو نکاح کی وجہ سے تھی وہ مکمل ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے کسی طرح کا شبہ باقی نہیں رہا۔ اور قرآن پاک نے اس کے حلال ہونے کی صراحت کے ساتھ نفی

باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبه ۱۵۴ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم

کردی ہے اور اس بات پر تمام علماء کا اجماع ہو چکا ہے اگر کوئی شخص اس میں اختلاف کرے گا تو اس کی بات کا کسی طرح بھی اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح کہنے کو خلاف کہہ سکتے ہیں اور اختلاف نہیں کیا جاسکتا ہے اور اگر وطی کرنے والے نے یہ کہا کہ میرے خیال میں وہ میرے لئے حلال ہے۔ تو اس پر حد نہیں جاری کی جائے گی کیونکہ اس کا وہ گمان اپنے موقع میں ہے (بے موقع نہیں ہے) کیونکہ ملکیت نکاح کا اثر اس پر ابھی تک باقی ہے۔ مثلاً اگر عدت کے اندر اسے بچہ پیدا ہو جائے تو اسی مرد سے اس کا نسب ثابت ہوگا۔ اور اس عدت کے دنوں میں اسے نکلنے کی ممانعت ہے اور شوہر پر اس کا نفقہ بھی واجب ہے۔ اس لئے حد ساقط ہونے میں بھی اس کے خیال و گمان کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر ام ولد کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا یا بیوی سے خلع کر لیا۔ یا مال کے عوض بیوی کو طلاق دی۔ پھر عدت کے دنوں میں اس سے وطی کر لی تو ان کا حکم بھی تین طلاقیں پانے والی کے برابر ہے۔ کیونکہ اس عورت کا حرام ہو جانا اجماع سے ثابت ہے اور عدت کے دنوں میں ملکیت نکاح باقی رہنے کی کچھ علامتیں باقی رہتی ہیں۔

تشریح وَمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ وَطَّيَهَا فِي الْعِدَّةِ وَقَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

طلاق کنائی کی عدت میں وطی کرنے سے حد کا حکم

وَلَوْ قَالَ لَهَا أَنْتِ خَلِيَّةٌ أَوْ بَرِيَّةٌ أَوْ أَمْرُكَ بِيَدِكَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ وَطَّيَهَا فِي الْعِدَّةِ وَقَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ لَمْ يَحْدُ لَا خِتْلَافٍ الصَّحَابَةُ فِيهِ فَمِنْ مَذْهَبٍ عُمَرُ أَنَّهَا تَطْلِيقَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَكَذَا الْجَوَابُ فِي سَائِرِ الْكِتَابَاتِ وَكَذَا إِذَا نَوَى ثَلَاثًا لِقِيَامِ الْإِخْتِلَافِ مَعَ ذَلِكَ

ترجمہ اور اگر اپنی بیوی سے کہا کہ تم خلیہ ہو یا تم بریہ ہو۔ یا یہ کہ تمہارا اختیار تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اس کہنے پر بیوی نے اپنے نفس کو اختیار میں کر لیا تو ان تمام صورتوں میں کنائی طلاق واقع ہوگئی۔ اس کے باوجود اس کے شوہر نے اس کی عدت کے دنوں میں اس سے وطی کر لی اور یہ کہا کہ میں جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہوگئی ہے۔ تو بھی اسے حد نہیں ماری جائے گی۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں یہ مذہب ہے کہ کنایات سے طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور دوسری کنایہ طلاقوں میں بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح اگر کنایہ طلاق سے تین طلاقیں ہونے کی نیت کی ہو کیونکہ اس صورت میں بھی اختلاف ہی ہے۔

تشریح وَلَوْ قَالَ لَهَا أَنْتِ خَلِيَّةٌ أَوْ بَرِيَّةٌ أَوْ أَمْرُكَ بِيَدِكَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ وَطَّيَهَا الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

بیٹے پوتے کی باندی سے وطی موجب حد نہیں

وَلَا حَدَّ عَلَيَّ مَنْ وَطَّيَ جَارِيَةً وَلَدَهُ وَوَلَدَ وَلَدِهِ وَإِنْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ لِأَنَّ الشُّبْهَةَ حُكْمِيَّةً لِأَنَّهَا نَشَأَتْ عَنْ دَلِيلٍ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْتَ وَمَالُكَ لِابْنِكَ وَالْأَبُوَّةُ قَائِمَةٌ فِي حَقِّ الْجَدِّ وَيُثْبِتُ النَّسَبُ مِنْهُ وَعَلَيْهِ فِيمَا الْجَارِيَّةِ وَقَدْ كَرَنَاهُ وَإِذَا وَطَّيَ جَارِيَةَ أَبِيهِ أَوْ أُمِّهِ أَوْ زَوْجَتِهِ وَقَالَ ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا عَلَى قَاضِيهِ وَإِنْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ حُدُّوا كَذَا الْعَبْدُ إِذَا وَطَّيَ جَارِيَةَ مَوْلَاهُ لِأَنَّ بَيْنَ هَوْلَاءِ انْبِسَاطًا فِي الْإِنْتِفَاعِ لَفْظُهُ فِي الْإِسْتِمْتَاعِ مُحْتَمَلٌ فَكَانَتْ شُبْهَةً اشْتِبَاهِ الْأَنَّهُ زَنَاءٌ حَقِيقَةٌ فَلَا يَحْدُ قَاضِيَهُ وَكَذَا إِذَا قَالَتْ الْجَارِيَةُ ظَنَنْتُ أَنَّهُ يَحِلُّ لِي وَالْفِعْلُ لَمْ يَدْعُ فِي الظَّاهِرِ لِأَنَّ الْفِعْلَ وَاحِدٌ

ترجمہ اور اس شخص پر حد لازم نہیں ہوگی جس نے اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی سے وطی کر لی ہو۔ اگر چاس نے یہ کہا ہو کہ میں جانتا تھا کہ وہ مجھ پر

حرام ہے۔ کیونکہ یہ شبہ حکمیہ ہے۔ کیونکہ ایک دلیل کی وجہ سے یہ شبہ پیدا ہوا ہے۔ وہ دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔ انت ومالك لا یمیک یعنی خود تم اور تمہارا مال سب تمہارے باپ کا ہے۔ (اس کی روایت ابن ماجہ وطبرانی وبرزارواہن حبان نے اپنی صحیح میں کی ہے) اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور باپ ہی کا حکم دادا کا بھی ہے (یعنی دادا کا حکم بھی مثل باپ کے ہے کہ اس پر بھی حد واجب نہ ہوگی اگرچہ باپ زندہ اور موجود ہو۔ ع) اور باپ سے بچہ کا نسب ثابت ہو جائے گا اور باپ پر فقط اپنے بیٹے کی اس باندی کی قیمت واجب ہوگی۔ اس مسئلہ کو ہم (نکاح الرقیق میں) بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر اپنے باپ یا ماں یا بیوی کی باندی سے وطی کی اور یہ کہا کہ میرا گمان یہ تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے تو اس پر حد زنا لازم نہ ہوگی اور جو شخص اس پر زنا کاری کی تہمت لگائے گا اس پر بھی حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ حقیقت میں یہ وطی حرام ہے۔ البتہ صرف شبہ پیدا ہو جانے کی وجہ سے اس پر حد قذف نہیں لگائی جاتی اور اگر باپ نے یہ کہا کہ میں یہ جانتا تھا کہ یہ مجھ پر حرام ہے تو اس کو حد لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر غلام نے اپنے مولیٰ کی باندی سے وطی کی تو بھی اس تفصیل کے مطابق حکم ہے۔ کیونکہ نفع حاصل کرنے میں ان لوگوں کے درمیان آپس میں انبساط پایا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں احتمال ہو جاتا ہے کہ اسے وطی مباح ہونے کا گمان ہوا ہو۔ اس لئے اس شبہ کا نام شبہ اشباہ ہے۔ لیکن حقیقت میں چونکہ یہ زنا ہی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص اس شخص پر زنا کاری کا عیب لگائے گا اسے بھی حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر باندی نے یہ کہا کہ میرا گمان تھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے۔ حالانکہ غلام نے کچھ دعویٰ نہیں کیا تو بھی ظاہر الرویۃ کے مطابق غلام پر حد لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ فعل واحد ہے (دونوں یعنی مرد و عورت دونوں کا کام ایک ہی ہے اس لئے جب عورت سے حد ساقط ہوگئی تو مرد سے بھی ساقط ہوگی)

تشریح..... ولاحد علی من وطی جاریہ ولده وولد ولده وان قال علمت انها علی..... الخ چونکہ حدود شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں مذکورہ صورت میں باپ یا دادا کیلئے اپنے بیٹے یا پوتے کی باندی سے وطی کرنے کی صورت میں شبہ ملکیت ہے حدیث میں ہے انت ومالك لا یمیک اس لئے شبہ واقع ہوا لہذا حد جاری نہ ہوگی۔

بھائی اور چچا کی باندی سے وطی موجب حد ہے

وَانْ وَطِیَ جَارِیۃَ اَخِیۡهِ اَوْ عَمِّہٖ وَقَالَ ظَنَنْتُ اَنَّہَا تَحِلُّ لِیْ حُدٌّ لِاَنَّهُ لَا اِنْبِسَاطَ فِی الْمَالِ فِیْمَا بَیْنَهُمَا وَ کَذَا سَائِرُ الْمُحَارِمِ سِوِی الْوِلَادِ لِمَا بَیَّنَا

ترجمہ..... اور اگر کسی نے اپنے بھائی یا چچا کی باندی سے وطی کی۔ اور یہ کہا کہ میرا گمان تو یہ تھا کہ وہ باندی میرے لئے حلال ہے۔ تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ بھتیجے اور چچا کے درمیان مال کے بارے میں کوئی انبساط نہیں ہے اور یہی حکم دوسرے محارم مثلاً ماموں اور خالہ وغیرہ کا بھی ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جن سے ولادت کی رشتہ داری کی وجہ سے مال سے نفع اٹھانے کا انبساط تو ہوتا ہے۔ یعنی ان کے درمیان آپس میں ایسی گنجائش ہوتی ہے کہ ایک دوسرے کے مال سے نفع اٹھائیں اس طرح ان میں شبہ کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔ اور ماموں و خالہ و چچا وغیرہ میں ایسا انبساط نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے شبہ کی بھی گنجائش ہوتی ہے۔

تشریح..... و ان وطی جاریہ اخیه او عمہ و قال ظننت..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

وطی بالشبہ موجب حد نہیں

وَمَنْ زُفَّتْ اِلَیْہِ غَیْرُ اَمْرَاتِہٖ وَقَالَتْ النِّسَاءُ اِنَّہَا زَوْجَتُکَ فَوَطِیْہَا لَا حُدَّ عَلَیْہِ وَعَلِیْہَا الْمَهْرُ قَضٰی بِذٰلِکَ عَلَیَّ وَبِالْعَدۃِ وَلَآئِہٖ اَعْتَمَدَ دَلِیْلًا وَهُوَ اِلَّا خُبَارٌ فِی مَوْضِعِ الْاِشْتِبَاحِ اِذَا لَا اِنْسَانَ لَا یُمِیْزُ بَیْنَ اَمْرَاتِہٖ وَبَیْنَ غَیْرِہَا فِی اَوَّلِ

الْوَهْلَةُ فَصَارَ كَالْمَغْرُورِ وَلَا يُحَدُّ قَادِفُهُ إِلَّا فِي رَوَايَةٍ عَنْ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْمَلِكَ مُنْعَدِمٌ حَقِيقَةٌ

ترجمہ..... اگر نکاح کے بعد ملاپ کی رات کو شوہر کے پاس اس کی بیوی کے علاوہ دوسری عورت بھیج دی گئی۔ یہ کہتے ہوئے کہ یہ تمہاری بیوی ہے۔ اس بناء پر اس نے اس عورت سے وطی کر لی تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ البتہ اس مرد پر عورت کا مہر لازم ہو جائے گا۔ یعنی عورت کا جو مہر ہوتا ہے وہ دینا ہوگا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی مہر کے واجب ہونے کا حکم دیا تھا۔ (لیکن شارحین کو اگرچہ یہ روایت نہیں ملی ہے۔ پھر بھی اسی پر اجماع ہے ف۔ غ۔) اور اس وجہ سے بھی حد جاری نہیں ہوگی کہ مرد نے جو اپنی بیوی کی نئی ہونے کی وجہ سے اس کی شناخت و یقین میں مشتبہ تھا۔ اس نے ان عورتوں کی اس طرح کی رہبری کہ اپنی بیوی کے پاس جاؤ کو اپنے لئے دلیل بنالیا اور اس پر اعتقاد کر لیا۔ کیونکہ ایک مرد پہلی نظر میں اپنی بیوی اور غیر کے درمیان تمیز نہیں کر سکتا ہے۔ اس لئے یہ شخص بھی دھوکہ کھائے ہوئے انسان کے مثل ہو گیا۔ (یعنی جسے کسی عورت نے خود کو غیر شادی شدہ ظاہر کرتے ہوئے اپنے نکاح پر آمادہ کر لیا۔ یا غیر شخص کی بھاگی ہوئی باندی تھی اور اسے حقیقت معلوم نہ تھی۔ چنانچہ اس سے نکاح کے بعد وطی بھی کر لی اور بعد میں معلوم ہو گیا۔ تو اس مرد پر حد جاری نہیں ہوتی ہے اسی طرح موجودہ صورت میں بھی مرد پر حد جاری نہیں ہوگی)۔ اور ایسے شخص کو اگر کوئی زنا کی تہمت لگائے تو اسے بھی حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔ اس وطی کے خرام ثابت ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ حقیقت میں اس مرد کو اس عورت پر ملکیت نہیں ہے۔ یہی ظاہر الروایت ہے۔ لیکن امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے۔ کہ اس کی تہمت دینے والے کو حد ماری جائے۔

تشریح..... ومن زفت اليه غير امراته وقالت النساء انها زوجتك فوطيها الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اپنے بستر پر کسی عورت کو پایا اور اس سے وطی کر لی تو حد جاری ہوگی

وَمَنْ وَجَدَ امْرَأَةً عَلَى فِرَاشِهِ فَوَطَّيْهَا فَعَلَيْهِ الْحَدُّ لِأَنَّهُ لَا اشْتِبَاهَ بَعْدَ طَوْلِ الصُّحْبَةِ فَلَمْ يَكُنِ الظَّنُّ مُسْتَتِدًّا إِلَى دَلِيلٍ وَهَذَا لِأَنَّهُ قَدْ دِينَا عَلَى فِرَاشِهَا غَيْرَهَا مِنَ الْمَحَارِمِ الَّتِي فِي بَيْتِهَا وَكَذَا إِذَا كَانَ أَعْمَى لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ التَّمْيِيزُ بِالسُّوَالِ وَغَيْرِهِ إِلَّا إِذَا كَانَ دَعَاَهَا فَاجَابَتْهُ أَجْنَبِيَّةٌ وَقَالَتْ أَنَا زَوْجَتُكَ فَوَاقَعَهَا لِأَنَّ الْإِخْبَارَ دَلِيلٌ

ترجمہ..... اور جس نے اپنے بستر پر کسی عورت کو پا کر اس سے وطی کر لی۔ (حالانکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے) تو اس پر حد واجب ہوگی۔ کیونکہ ایک زمانہ تک ساتھ رہنے سے اپنی بیوی کی شناخت میں اشتباہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے اس کے گمان کے ساتھ کوئی قابل قبول دلیل نہیں پائی گئی۔ اسی لئے اشتباہ نہیں ہوا۔ کیونکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ انسان کے بستر پر بیوی کے علاوہ ماں بہن بیٹی وغیرہ اور گھر کے افراد میں سے بھی کوئی آکر سویا کرتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی اندھا آدمی ہو تو وہ بھی اس سے کچھ پوچھ کر باتیں وغیرہ کر کے بیوی اور غیر کے درمیان امتیاز کر سکتا ہے۔ البتہ اگر اس اندھے کے آواز دینے پر بیوی ہونے کا اقرار کر لیا۔ تو اس نے اس عورت سے وطی کر لی تب اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ خبر دینا اقرار کرنا ایک قابل قبول دلیل ہے (اور اگر وہ صرف وطی کرانے پر آمادہ ہوئی یا اس نے زبان سے صرف اچھا کہہ دیا۔ اس پر اندھے نے وطی کر لی تب اسے حد ماری جائے گی)۔

تشریح..... ومن وجد امرأة على فراشه فوطيها فعليه الحد لانه لا اشتباه الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

محرمة سے نکاح کرنے کے بعد وطی کر لی تو حد جاری ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء

وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا فَوَطَّيْهَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِكِنَّهُ يُوْجَعُ عُقُوبَةٌ إِذَا كَانَ عَلِيمًا بِذَلِكَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا كَانَ عَالِمًا بِذَلِكَ لِأَنَّهُ عَقْدَلَم

يُصَادَفُ مَحَلَّهُ فَلْيُغَوَّ كَمَا إِذَا أُضِيفَ إِلَى الذَّكُورِ وَهَذَا لِأَنَّ مَحَلَّ التَّصَرُّفِ مَا يَكُونُ مَحَلًّا لِحُكْمِهِ وَحُكْمُهُ الْحِلُّ وَهِيَ مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ وَلَا بَيِّنَةٌ حَنِيفَةً أَنَّ الْعَقْدَ صَادَفَ مَحَلَّهُ لِأَنَّ مَحَلَّ التَّصَرُّفِ مَا يَقْبَلُ مَقْصُودَهُ وَالْأُنْثَى مِنْ بَنَاتِ بَنِي آدَمَ قَابِلَةٌ لِلتَّوَالِدِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ فَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يَنْعَقِدَ فِي حَقِّ جَمِيعِ الْأَحْكَامِ إِلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ إِفَادَةِ حَقِيقَةِ الْحِلِّ فَيُورِثُ الشُّبْهَةَ لِأَنَّ الشُّبْهَةَ مَا يَشْبَهُ الثَّابِتَ لِأَنفَسِ الثَّابِتِ إِلَّا أَنَّهُ ارْتَكَبَ جَرِيْمَةً وَلَيْسَ فِيهَا حَدٌّ مُقَدَّرٌ فَيُعْزَرُ

ترجمہ..... اور اگر کسی مرد نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ یعنی اس سے کبھی نکاح صحیح نہیں ہو سکتا ہے اس کے بعد اس سے وطی بھی کر لی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ البتہ اسے کوئی سخت سزا دی جائے گی بشرطیکہ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہو۔ (امام سفیان ثوریؒ اور زفر کا بھی یہی قول ہے) لیکن امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے (اور امام مالکؒ و احمدؒ اور دوسرے فقہاء نے بھی) کہا ہے کہ اس پر حد واجب ہوگی۔ بشرطیکہ اس نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہو کیونکہ یہ نکاح غیر محل (جس سے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے) ہونے کی وجہ سے لغو اور کالعدم ہو گیا جیسے کسی نے کسی مرد یا لڑکے کے ساتھ نکاح کر لیا تو وہ بھی لغو ہوتا ہے۔ کیونکہ محل تصرف وہی ہوتا ہے جو محل مکان کا محل ہو۔ اور حکم نکاح یہ ہے کہ جس سے نکاح کیا گیا ہے وہ نکاح کرنے والے کے لئے حلال ہو۔ حالانکہ موجودہ مسئلہ میں جس عورت سے نکاح ہوا ہے وہ ان عورتوں میں سے ہے جو ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح اسی جگہ ہوا ہے جو اس کی جگہ ہے کیونکہ محل تصرف وہی ہوتا ہے جو مقصود کے قابل ہو (یا جس سے مقصود حاصل ہو سکے) جب کہ نکاح کا اصل مقصود اولاد کا حصول ہوتا ہے۔ اس لئے نکاح کو تمام احکام میں منعقد اور منوط ہونا چاہئے۔ لیکن شریعت نے مخصوص لوگوں کو حرام کر دیا ہے اس لئے نکاح سے حلال ہونے کا جو فائدہ ہونا چاہئے نہیں ہوگا۔ اس لئے اس عقد نکاح سے ایک ایسا شبہ ہوا جو خود تو ثابت نہ ہو مگر ثابت ہونے کے مشابہ ہوا اور چونکہ اس شخص نے ایک بڑا جرم کیا۔ وہ بھی ایسا جرم جس کی حد یا سزا شریعت کی جانب سے متعین اور مقرر نہیں ہے اس لئے حسب موقع زبردست سزا دی جائے گی۔ (لیکن اس مسئلہ میں صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔ الخلاصہ۔ اور جامع الرموز میں نقل کیا ہے کہ متون میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔ (المضمرات)

لیکن شرح کی کتابوں میں امام اعظمؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ اسی لئے صحیح القدیری میں یہ کہا ہے کہ امام اعظمؒ کے قول پر فتویٰ دینا اولیٰ ہے۔ اب میں مترجم کہتا ہوں کہ تعزیر یہ ہوگی کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میرے ماموں ابو بردہ بن نیاز کو رسول اللہ ﷺ نے ایک جھنڈا دے کر بھیجا تھا کہ جس شخص نے اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے نکاح کیا ہے اس کا سر کاٹ کر لاؤ۔ ترمذی وغیرہ نے اس کی روایت کی ہے اور اس لئے بھی کہ اگر اجنبی عورت یا اپنی باندی کی مقعد میں کوئی وطی کرے تو درر وغیرہ کتابوں میں اسی قسم کی تعزیری سزا مذکور ہے۔ تو اپنی ماں، بہن وغیرہ کا نکاح جو اس گناہ سے بھی بڑھ کر گناہ ہے بدرجہ اولیٰ ایسی تعزیری سزا کا مستحق ہے اور فطرت و خلاف فطرت کا فرق کرتے ہوئے معارضہ کرنا بہت ہی برا اور بدترین عمل ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح..... و من تزوج امرأة لا يحل له نكاحها فوطيها لا يجب عليه الحد عند أبي حنيفة..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

اجنبیہ سے ما دون الفرج وطی اور لواطت موجب تعزیر ہے، اقوال فقہاء

وَمَنْ وَطِئَ أَجْنَبِيَّةً فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ يُعْزَرُ لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ مُقَدَّرٌ وَمَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي الْخَوَاضِعِ الْمَكْرُوهَةِ أَوْ عَمِلَ عَمَلٌ قَوْمٍ لَوْ طَفَلَاحَدٌ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَيُعْزَرُ وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَيُؤَدُّ فِي السَّجْنِ وَقَالَ هُوَ كَالزَّانَةِ فَجَاءَ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلٍ لَنَا فِي قَوْلِ رَبِّهِ تَلَانِ بِكُلِّ حَالٍ قَوْلًا عَلَيْهِ السَّلَامُ

باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ ۱۵۸ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم

أَقْتُلُوا لِفَاعِلٍ وَ الْمَفْعُولِ وَيُرْوَى فَأَرْجُمُوا الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلَ وَلَهُمَا أَنَّهُ فِي مَعْنَى الزِّنَاءِ لِأَنَّهُ قَضَاءُ الشَّهْوَةِ فِي مَحَلِّ مُشْتَهَى عَلَى سَبِيلِ الْكَمَالِ عَلَى وَجْهِ تَمَحُّضٍ حَرَامًا لِقَصْدِ سَفْحِ الْمَاءِ وَلَهُ أَنَّهُ لَيْسَ بِزِّنَاءٍ لِاخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ فِي مُوجِبِهِ مِنَ الْإِحْرَاقِ بِالنَّارِ وَهَذَا الْجَدَارُ وَالتَّنْكِيسُ مِنْ مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ بِاتِّبَاعِ الْأَحْجَارِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَلَا هُوَ فِي مَعْنَى الزِّنَاءِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ إِضَاعَةُ الْوَلَدِ وَاشْتِبَاهُ الْأَنْسَابِ وَكَذَلِكَ هُوَ أَنْذَرُ وَقُوْعًا لِانْعِدَامِ الدَّاعِي فِي أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ وَالدَّاعِي إِلَى الزِّنَاءِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ وَمَا وَاهُ مَحْمُولٌ عَلَى السِّيَاسَةِ أَوْ عَلَى الْمُسْتَحَلِّ لِأَنَّهُ يُعْزَرُ عَنْهُ لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ..... اور جس کسی مرد نے کسی اجنبیہ عورت کی شرمگاہ، فرج و مقعد کے سوا دوسری جگہ میں مجامعت کی (مثلاً عورت کی ران یا پیٹ وغیرہ سے اپنے آلہ کو مسلماً) تو ایسے شخص کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ ایسی حرکت ممنوع ہے۔ لیکن اس کے لئے دوسری کوئی سزا شریعت کی طرف سے محدود و متعین نہیں ہے اور اگر کسی مرد نے کسی عورت کے مکروہ مقام یعنی اس کی مقعد میں وطی کی یا اس نے قوم لوط کا عمل (لواطت) یعنی کسی جوان مرد یا بچہ کی مقعد میں وطی کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد زنا لازم نہ ہوگی۔ بلکہ کوئی دوسری سزا دی جائے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں کہا ہے کہ وہ قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ یعنی اس وقت تک کے لئے کہ وہ توبہ کر لے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہا نے کہا ہے کہ لواطت کا عمل زنا کی طرح ہے۔ اس لئے ایسا کرنے والے کو بھی حد جاری کی جائے گی۔ (یعنی محسن کو رجم اور غیر محسن کو درے مارے جائیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دواوالت میں ایک قول یہی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ لواطت کرنے اور کرانے والے دونوں کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے۔ کیونکہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس کے فاعل اور مفعول بہ (جس کے ساتھ لواطت کی گئی ہو) دونوں قتل کر دو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو پتھروں سے مار ڈالو۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اس کی روایت کی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ حدیث حسن ہے)۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ لواطت بھی زنا کے حکم اور معنی میں ہے۔ کیونکہ لواطت سے اپنی شہوت نفسانی کو ایسے محل میں پورا کرنا ہوتا ہے جس کی پورے طور پر خواہش ہوتی ہے اور اس خواہش کو پوری کر کے اپنی منی کو محض حرام طریقہ سے (بے جگہ) بہانا ہوتا ہے۔ اب جب کہ زنا کا پورا کام اس سے مکمل طور پر پایا گیا تو اس کی سزا بھی زنا کی طرح اور اسی کے برابر ہی ہوگی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ حقیقت میں لواطت زنا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سزا کے بارے میں خود صحابہ کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔ کہ ایسے شخص کو آگ سے جلایا جائے یا اس پر دیوار گرادی جائے۔ یا اونچے مکان سے اسے اوندھا کر کے گرادیا جائے اور اوپر سے پتھر برسائے جائیں وغیرہ اور یہ فعل زنا کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بچہ کو ضائع کرنا اور نسب کو شتہ کرنا لازم نہیں آتا ہے۔ یہ فعل تو زنا کے مقابلہ میں گھٹیا درجہ کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک طرف (وطی) کی خواہش سے ہوتی ہے اور دوسری طرف سے اس میں کچھ لذت نہ ہونے کی وجہ سے مطلق خواہش نہیں ہوتی ہے۔ جب کہ زنا میں دونوں کو لذت ملنے کی وجہ دونوں ہی کو اس کی خواہش ہوتی ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت ذکر فرمائی ہے جس سے دونوں کے لئے قتل یا رجم کی سزا ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس بات پر محمول ہے۔ کہ امام مصلحتاً اور سیاستاً ایسا کرے۔ یا اس صورت میں جب کہ لواطت کرنے والا اس کام کو حلال سمجھتا ہو اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اسے تعزیر (مناسب سزا) دی جائے گی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ (واضح ہو کہ اگر مرد نے اپنے غلام یا اپنی باندی یا بیوی سے اگرچہ اس سے نکاح فاسد ہی ہو اور مقعد میں لواطت کی تو بالا جماع اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ الکنی اگرچہ ایسا کرنا اس پر حرام ہے۔ زیادات میں ایسی بات کی تصریح ہے اور اپنی بیوی کے مقعد میں وطی کرنا بالا جماع حرام ہے اور اگر بیوی کے علاوہ کسی اور سے لواطت کی تو اسے حد ماری جائے گی اور بحر الرائق میں ہے کہ لواطت کی حرمت زنا کی حرمت سے بھی بہت سخت ہے۔ کیونکہ یہ حرکت عقلاً و شرعاً و طبعتاً ہر طرح سے حرام اور سخت گندی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے اور حضرت سعید بن مسیر نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھا گیا کہ ہم چھو کر یاں خراب کرانے کی محض کرتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ محض کماج ہے عرض کیا گیا کہ ان کی مقعد

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ جلد ششم ۱۵۹ باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ میں وطی کرتے ہیں۔ فرمایا کیا مسلمان بھی ایسا کرتا ہے۔ رواہ النسائی۔ اور حضرت نافع سے کہا گیا کہ آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عورتوں کی مقعد میں وطی کرنا جائز ہے۔ تو حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ واللہ ان لوگوں نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ رواہ النسائی۔ اور حضرت ابوبکر ؓ نے فعل لواطت کے فاعل اور مفعول دونوں پر دیوار گردادی اور حضرت علی ؓ نے تلوار سے قتل کر کے آگ میں جلادینے کا حکم دیا اور بیہقی نے اپنی مرسل روایت میں صحابہ کرام ؓ کا ان دونوں کے جلادینے پر اتفاق بیان کیا ہے۔

تشریح..... ومن وطی اجنبیة فیما دون الفرج یعزر لانه منکر لیس فیہ شئی مقلد ومن اتی امرأة فی الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

چوپائے سے وطی موجب حد نہیں

وَمَنْ وَطِئَ بِهَيْمَةٍ فَلَا حُدَّ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى الزِّنَاءِ فِي كَوْنِهِ جَنَابَةً وَفِي وُجُودِ الدَّاعِي لِأَنَّ الطَّبَعَ السَّلِيمَ يَنْفِرُ عَنْهُ وَالْحَامِلُ عَلَيْهِ نِهَايَةَ السَّفْهِ أَوْ فَرَطُ الشُّبْهِ وَلِهَذَا لَا يَجِبُ سَتْرُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْزَرُ لِمَا بَيَّنَّا وَالَّذِي يُرَوَى أَنَّهُ تَذَبُّعُ الْهَيْمَةِ وَتُحْرِقُ فَذَلِكَ لِقَطْعِ التَّحَدُّثِ بِهِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ

ترجمہ..... اگر کسی نے چوپایہ کے ساتھ وطی کر لی تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی کیونکہ جرم ہونے میں اور خواہش پائے جانے میں یہ فعل زنا کے معنی میں نہیں ہے۔ کیونکہ فطرت سلیمہ اس کام سے نفرت کرتی ہے اور اس کام پر آمادہ کرنے والی چیز یا تو انتہائی حماقت کا ہونا ہے۔ یا شہوت نفسانی کا بھر جانا ہے۔ اسی لئے مادہ جانور، گائے بھینس بکری وغیرہ کی اس شرم گاہ کو ڈھانک کر رکھنا ان کے مالکوں پر لازم نہیں ہے۔ بس اگر چاہیہا کرنے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی پھر بھی اسے تعزیر یا واجبی سزا دی جائے گی۔ کیونکہ ایسا کرنا بلاشبہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے۔ اس کی وجہ ہم نے پہلے بیان کر دی ہے اور حدیث میں جو یہ بات آتی ہے کہ جس چوپائے کے ساتھ ایسا عمل کیا ہو اس کو ذبح کر کے جلادیا جائے۔ تو یہ حکم اس لئے تھا کہ لوگ اس واقعہ کا چرچا کرتے نہ رہیں پھر بھی ایسا کرنا واجب نہیں ہے۔

تشریح..... ومن وطی بهيمة فلا حد عليه لانه ليس في معنى الزنا في كونه جنابة وفي وجود الداعي..... الخ چوپایوں سے بدکاری کا کام انتہائی گھناؤنا ہے۔ اس لئے اس کے کرنے والے پر یہ حد تو جاری نہیں کی جائے گی پھر اس کو مناسب سزا دی جائے گی اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس جانور کو ذبح کر کے جلادیا جائے لیکن ایسا کرنا واجب نہیں ہے۔ (واضح ہو کہ چوپایہ سے وطی کرنا بالاجماع حرام ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ اس شخص پر حد زنا جاری ہو یا نہ ہو۔ پس چاروں فقہاء کے نزدیک اس پر حد جاری نہیں ہوگی لیکن اس کو تعزیر کی جائے گی۔ اس تعزیر میں امام کو یہ اختیار ہے کہ اگر مصلحت سمجھے تو اسے قتل کر دے اور حضرت ابن عباس ؓ نے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہیں سنا ہے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو بہت ہی ناپسند فرمایا ہے کہ ایسے جانور کا گوشت کھایا جائے اور اس کے دودھ وغیرہ سے نفع اٹھایا جائے۔ (رواہ الترمذی)

اور دوسری وجہ ایک دوسری حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ جو کوئی وہ جانور پڑے (یہ کرے) وہ معلون ہے۔ اسے قتل کر دو اور اس جانور کو بھی قتل کر دو تا کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہی وہ جانور ہے جس کے ساتھ ایسا اور ایسا کیا گیا ہے۔ (رواہ احمد، ابوداؤد والنسائی والحاکم) اور بیہقی رحمۃ اللہ کا اس حدیث کے صحیح ہونے کی طرف میلان ہے۔

دار الحرب اور دار البغی میں کیئے ہوئے زنا کی حد دارالاسلام میں جاری نہیں کی جائے گی

وَمَنْ زَنَى فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ فِي دَارِ الْبَغْيِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا لَا يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يُحَدُّ لِأَنَّهُ اتَّزَمَ

بِإِسْلَامِهِ أَحْكَامَهُ أَيْنَمَا كَانَ مَقَامَهُ وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَقَامُ الْحُدُودُ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَلِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْأَنْزَجَارُ وَوَلَايَةُ الْإِمَامِ مُنْقَطِعَةٌ فِيهِمَا فَيَعْرِى الْجُوبُ عَنِ الْفَائِدَةِ وَلَا يَقَامُ بَعْدَهَا خَرَجَ لِأَنَّهُلَمْ تَتَعَقَّدْ مُوجِبَةً فَلَا تَنْقَلِبُ مُوجِبَةً وَلَوْ غَزَى مَنْ لَهُ وَلَايَةُ الْإِقَامَةِ بِنَفْسِهِ كَالْخَلِيفَةِ وَامِيرِ الْمُصْرِ يُقِيمُ الْحُدَّ عَلَى مَنْ زَنِى فِي مَعْسُكِرِهِ لِأَنَّهُ تَحْتَ يَدِهِ بِخِلَافِ أَمِيرِ الْعَسْكَرِ وَالسَّرِيَّةِ لِأَنَّهُ لَمْ يُفَوِّضْ إِلَيْهِمَا الْإِقَامَةَ

ترجمہ..... اگر کسی نے ایسے کافروں کے ملک میں زنا کیا جن سے ہماری جنگ جاری ہو یا یاغیوں کے ملک میں زنا کیا پھر وہ دارالاسلام میں یعنی ہم لوگوں کے پاس بھاگ کر آ گیا اور یہاں اس نے وہاں رہنے کے زمانہ میں زنا کرنے کا اقرار کیا۔ تو اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اسے حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ اس نے مسلمان ہونے کی بناء پر اپنے اوپر اسلام کے احکام لازم کر لئے خواہ وہ جہاں کہیں بھی چلا جائے اور ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ دارالحرب میں حدود قائم نہیں کئے جاتے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ حد سے تو مقصود یہ ہے کہ وہ خود اور دوسرے آئندہ ایسی حرکت نہ کریں اور خائف رہیں۔ مگر اس صورت میں تو امام کی ولایت تو صرف اپنے ملک دارالاسلام ہی میں ہے یہیں وہ حدود وغیرہ قائم کر سکتا ہے۔ مگر دارالکفر اور دارالحرب میں تو اسے کسی پر کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔ اس لئے حد واجب ہونا بے فائدہ ہوگا اور وہاں سے دارالاسلام میں آ جانے کے بعد بھی حد قائم نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ جس وقت اس شخص نے غلط حرکت کی اس وقت اس پر اور حد واجب نہیں ہو سکتی تھی تو اب وہ بدل کر کس طرح اس لائق ہو جائے گی کہ اس کی وجہ سے حد قائم کی جائے۔ اور اگر جہاد کے علاقہ میں مسلمانوں کا کوئی ایسا سردار موجود ہو جو وہیں حد قائم کر سکتا ہو جسے بادشاہ وقت یا صوبہ کا حاکم تو اس لشکر میں سے اگر کوئی زنا کر لے تو اس پر یہی قیام گاہ (لشکر گاہ) میں حد قائم کر لے کیونکہ یہ شخص اس کے ماتحت ہے۔ بخلاف لشکر کے سردار یا کسی ٹکڑے کے سردار کے کیونکہ ایسے سرداروں کے حد قائم کرنے کی ذمہ داری اور اجازت نہیں دی گئی ہے۔

(اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ان کو اجازت دے دی گئی ہو تو جائز ہوگا اور واضح ہو کہ مصنف نے اس موقع پر جو حدیث لکھی ہے وہ کہیں معلوم نہیں ہو سکی ہے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول زید بن ثابت ؓ کا روایت کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ دارالحرب میں کسی مسلمان پر حد قائم نہ کریں۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ اور چونکہ یہ حکم صحابہ کرام کے مشورہ سے ہوا تھا اس لئے یہ بھی الگ حدیث کے حکم میں ہے۔ بلکہ اس پر اجماع ہوا جو خود بھی حجت ہے اور ابن ابی شیبہ نے اسی کے مانند ابوالدرداءؓ سے روایت کی ہے۔ اور بسر بن ارطاطاؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول ﷺ فرماتے تھے کہ جہاد میں چوروں کے ہاتھ کاٹے نہ جائیں۔ (رواہ ابو داؤد، الترمذی، والنسائی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ دشمن کے سامنے ایسا نہ کرنا اس خیال سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مجرم دشمنوں سے جا ملے۔

تشریح..... ومن زنی فی دار الحرب اوفی دار البغی ثم خرج الینا لا یقام علیہ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

حربی امان لے کر دارالاسلام داخل ہوا اور ذمیہ سے زنا کیا یا ذمی نے حربیہ سے

زنا کیا تو کس کو حد لگائی جائے گی، اقوال فقہاء

وَإِذَا دَخَلَ حَرْبِيٌّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَزَنَى بِذِمِّيَّةٍ أَوْ زَنَى ذِمِّيٌّ بِحَرْبِيَّةٍ يُحَدُّ الذِّمِّيُّ وَالذِّمِّيَّةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا يُحَدُّ الْحَرْبِيُّ وَالْحَرْبِيَّةُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ فِي ذِمِّيٍّ يَعْنِي إِذَا زَنَى بِحَرْبِيَّةٍ فَأَمَّا إِذَا زَنَى الْحَرْبِيُّ بِذِمِّيَّةٍ لَا يُحَدُّانِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُونُسَ وَلَا وَقَالَ أَبُو يُونُسَ يُحَدُّونَ كُلُّهُمْ وَهُوَ قَوْلُهُ الْأَخْرَجُ لِأَبِي يُونُسَ أَنَّ الْمُسْتَأْمِنَ

الْتَزَمَ أَحْكَامَنَا مُدَّةَ مَقَامِهِ فِي دَارِنَا فِي الْمَعَامَلَاتِ كَمَا أَنَّ الدِّمِّيَّ التَّزَمَهَا مُدَّةَ عُمْرِهِ وَلِهَذَا يُحَدُّ حَدُّ الْقَذْفِ وَيُقْتَلُ قِصَاصًا بِخِلَافِ حَدِّ الشُّرْبِ لِأَنَّهُ يَعْتَقَدُ إِبَاحَتَهُ وَلَهُمَا أَنَّهُ مَا دَخَلَ لِلْقَرَارِ بَلِّ لِحَاجَةٍ كَالْتِجَارَةِ وَنَحْوَهَا فَلَمْ يَصِرْ مِنْ أَهْلِ دَارِنَا وَلِهَذَا تَمَكَّنَ مِنَ الرُّجُوعِ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَلَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ وَلَا الدِّمِّيُّ بِهِ فَإِنَّمَا التَّزَمَ مِنَ الْحُكْمِ مَا يَرْجِعُ إِلَى تَحْصِيلِ مَقْصُودِهِ وَهُوَ حُقُوقُ الْعِبَادِ لِأَنَّهُ لِمَا طَمَعَ فِي الْإِنْصَافِ يَلْتَزِمُ الْإِنْصَافَ وَالْقِصَاصَ وَحَدُّ الْقَذْفِ مِنْ حُقُوقِهِمْ أَمَّا حَدُّ الزِّنَاءِ حَقُّ الشَّرْعِ وَلِمُحَمَّدٍ وَهُوَ الْفَرَقُ أَنَّ الْأَصْلَ فِي بَابِ الزِّنَاءِ فِعْلُ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ تَابِعَةٌ لَهُ عَلَى مَا نَذَكَّرُهُ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى فَامْتِنَاعُ الْحَدِّ فِي حَقِّ الْأَصْلِ يُوجِبُ امْتِنَاعَهُ فِي حَقِّ التَّبَعِ أَمَّا الْإِمْتِنَاعُ فِي حَقِّ التَّبَعِ لَا يُوجِبُ الْإِمْتِنَاعَ فِي حَقِّ الْأَصْلِ نَظِيرُهُ إِذَا زَنَى الْبَالِغُ بَصِيَّةً أَوْ مَجْنُونَةً وَتَمَكَّنَ الْبَالِغَةُ مِنَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونُونَ وَلَا بَنَى حَيِّفَةً فِيهِ أَنَّ فِعْلَ الْحَرْبِيِّ الْمُسْتَمِنِ زِنَاءٌ لِأَنَّهُ مُخَاطَبٌ بِالْحُرْمَاتِ عَلَى مَا هُوَ الصَّحِيحُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُخَاطَبًا بِالشَّرَائِعِ عَلَى أَصْلِنَا وَالتَّمَكُّنِ مِنْ فِعْلِ هُوَ زِنَاءٌ مُوجِبٌ لِلْحَدِّ عَلَيْهَا بِخِلَافِ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ لِأَنَّهُمَا لَا يُخَاطَبَانِ وَنَظِيرُ هَذَا الْإِخْتِلَافِ إِذَا زَنَى الْمُكْرَهُ بِالْمُطَاوَعَةِ تُحَدُّ الْمُطَاوَعَةُ عِنْدَهُ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ لَا تُحَدُّ

ترجمہ..... اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کسی ذمیہ عورت سے زنا کیا یا کوئی حربیہ عورت امان لے کر دارالاسلام آئی اور اس سے کسی ذمی مرد نے زنا کر لیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک پہلی صورت میں عورت کو حد ماری جائے گی۔ لیکن حربی مرد پر حد جاری نہیں ہوگی اور دوسری صورت میں ذمی مرد کو حد ماری جائے گی اور حربیہ عورت پر حد جاری نہ ہوگی اور حربی مرد کے بارے میں امام محمد رحمۃ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ یعنی جب ذمی مرد نے حربیہ عورت سے زنا کیا ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک ذمی مرد کو حد ماری جائے گی اور اگر حربی مرد نے ذمیہ عورت سے زنا کیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کو حد نہیں ماری جائے گی۔

امام ابو یوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے۔ پھر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ نے اس قول سے رجوع کر کے کہا ہے کہ ان سب کو حد ماری جائے گی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جو حربی بھی خواہ وہ عورت ہو یا مرد جب امان لے کر دارالاسلام میں آیا تو اس نے خود پر یہ لازم کر لیا کہ میں جب تک اپنی ضرورت سے یہاں رہوں گا برابر اس ملک کے احکام و قوانین پر عمل کروں گا۔ جیسا کہ ذمی مرد عورت نے اپنی ساری زندگی کے لئے خود پر یہی بات لازم کر رکھی ہے۔ اسی لئے اگر کوئی ذمی کسی پر زنا کی تہمت لگاتا ہے تو اس پر حد قذف جاری کی جاتی ہے اور اگر وہ کسی کو ناحق قتل کر دے۔ تو وہ قصاص میں قتل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح زنا کر لینے کی صورت میں اس پر حد لگائی جائے گی بخلاف شراب پینے کی حد کے کیونکہ وہ ذمی تو شراب کو جائز سمجھتا ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ حربی عورت یا مرد یہاں صرف اپنی ضرورت اور تجارت وغیرہ کے لئے آتا ہے پھر نے کی نیت سے نہیں آتا۔ اس لئے وہ دارالاسلام کے رہنے والوں میں سے نہیں ہو یعنی مسلمانوں یا ذمیوں میں سے نہیں ہو۔ اسی بناء پر اسے ہر وقت یہ اختیار ہوتا ہے کہ جب چاہے اپنے دارالحرب میں لوٹ جائے اور اگر اسے کسی مسلمان یا کسی ذمی نے قتل کیا تو اس کے قصاص میں مسلمان یا ذمی کو قتل نہیں کیا جاتا ہے اور اس نے اسی قدر ہمارے احکام ماننے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے جس سے کہ اس کا مقصود حاصل ہو۔ یعنی بندے کے حقوق۔ کیونکہ اگر حربی نے ہم سے انصاف چاہا تو اس نے یہ چاہا کہ حق و انصاف سے جو مجھ پر بھی لازم ہو گا وہ مجھ سے لیا جائے اور قصاص وحد قذف ایسی چیز ہے جس سے بندوں کا حق متعلق ہوتا ہے۔ یعنی انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ قاتل سے قصاص لیا جائے (قتل کا بدلہ قتل) اور بدترین تہمت لگانے کا تقاضا ہے کہ اسے سزا دی جائے اسی لئے حربی کو اس کے اپنے فیصلہ اور ارادہ کے مطابق قصاص وحد قذف کی سزا دی جائے گی۔ امام

محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ذمی مرد اور ذمیہ عورت میں فرق ہے اس طرح سے کہ زنا کے بارے میں اصل مرد کا فعل ہوتا ہے وہ عورت پر دباؤ ڈال دیتا ہے اور عورت اس کے تابع بن کر اسے قبول کر لیتی ہے۔ چنانچہ انشاء اللہ اس بحث کو آئندہ تفصیل سے سمجھائیں گے بس جب اصل یعنی مرد کے بارے میں حد لگانے کو منع کیا گیا تو اس سے یہ بات بھی لازم آئی کہ اس کے تابع یعنی ذمیہ عورت کے بارے میں بھی حد لگانا منع ہو باقی یہ کہ تابع یعنی ذمیہ عورت کے حق میں حد مانع ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس ذمیہ کی اصل (مرد) پر بھی مانع ہو۔ جس کی نظیر یہ ہے کہ اگر بالغ مرد نے کسی لڑکی یا دیوانی عورت سے زنا کیا تو لڑکی یا دیوانی پر حد ممنوع ہونے کی وجہ سے مرد پر سے حد ساقط نہیں ہوتی لیکن اگر بالغ عورت کسی طفل یا مجنون سے زنا کرے تو اس طفل اور مجنون سے حد ساقط ہونے کی وجہ سے عورت سے بھی حد ساقط ہوگی کیونکہ وہ تابع ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسئلہ یہ ہے کہ متامن کا فعل بد زنا ہے اور کافروں کو بھی اس بات کا حکم ہے کہ حرام نہ کریں اور یہی قول صحیح ہے۔ اگرچہ وہ شریعت پر عمل کرنے کے مخاطب زنا نہیں ہیں اور جب کافر عورت نے خود سے زنا کرنے کا اختیار اور موقع دیا تو حد زنا واجب ہونے کی یہی وجہ ہوگی۔ اسی اختلاف کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی مرد کو بادشاہ وقت نے کسی عورت سے زنا کرنے پر مجبور کیا اور وہ عورت اس زنا کے لئے خوش اور راضی تھی تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس عورت کو بھی حد لگائی جائے گی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت پر حد جاری نہ ہوگی۔ (کیونکہ مرد سے اس کی مجبوری کی بناء پر حد ساقط ہوگی اور چونکہ وہی اصل تھا اس لئے کہ تابع عورت سے بھی حد ساقط ہو جائے گی)۔

تشریح..... واذا دخل حربی دارنا بامان فزنی بدمیۃ او زنی ذمی..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

بچہ یا دیوانہ نے اپنے اوپر اختیار اور موقع دینے والی عورت سے زنا کیا تو حد

جاری ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء

قَالَ وَادَّأَنَى الصَّبِيَّ أَوِ الْمَجْنُونِ بِامْرَأَةٍ طَاوَعَتْهُ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا عَلَيْهَا وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ يَجِبُ الْحَدُّ عَلَيْهِمَا وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَإِنْ زَنَى صَبِيحٌ بِمَجْنُونَةٍ أَوْ صَغِيرَةٍ تَجَامَعُ مِثْلَهَا حَدُّ الرَّجُلِ خَاصَّةً وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ لَهُمَا أَنَّ الْعُذْرَ مِنْ جَانِبِهَا لَا يُوجِبُ سَقُوطَ الْحَدِّ مِنْ جَانِبِهِ فَكَذَا الْعُذْرُ مِنْ جَانِبِهِ وَهَذَا لِأَنَّ كُلَّامِنَهُمَا مُوَآخَذٌ بِفِعْلِهِ وَلَنَا أَنَّ فِعْلَ الزَّوَءِ يَتَحَقَّقُ مِنْهُ وَإِنَّمَا هِيَ مَحَلُّ الْفِعْلِ وَلِهَذَا يُسَمَّى هُوَ وَاطْنًا وَزَانِيًا وَالْمَرْأَةُ مُوَطَّوَةٌ وَمَزْنِيًّا بِهَا إِلَّا أَنَّهَا سُمِّيَتْ زَانِيَةً مَجَازًا تَسْمِيَةً لِلْمَفْعُولِ بِاسْمِ الْفَاعِلِ كَالرَّاضِيَةِ فِي مَعْنَى الْمَرْضِيَّةِ أَوْ لِكَوْنِهَا مُسَبَّبَةٌ بِالتَّمَكِّيْنِ فَيَتَعَلَّقُ الْحَدُّ فِي حَقِّهَا بِالتَّمَكِّيْنِ مِنْ قَبِيحِ الزَّوَءِ وَهُوَ فِعْلٌ مَنْ هُوَ مُخَاطَبٌ بِالْكَفِّ عَنْهُ وَمُؤْتَمٌّ عَلَى مُبَاشَرَتِهِ وَفِعْلُ الصَّبِيِّ لَيْسَ بِهَذِهِ الصِّفَةِ فَلَا يُنَاطُ بِهِ الْحَدُّ

ترجمہ..... اور اگر بچہ یا دیوانہ نے ایسی عورت سے زنا کیا جس نے خود اپنے اوپر ان کو موقع اور اختیار دیا تو ان دونوں پر حد نہیں ہوگی اسی طرح عورت پر بھی نہ ہوگی اور امام زفر اور شافعی رحمۃ اللہ علیہا نے کہا ہے کہ اس عورت پر حد جاری ہوگی۔ یہی ایک روایت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ (اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ و احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے)۔ اور اگر تندرست مرد نے کسی دیوانی عورت یا ایسی لڑکی سے جو قابل جماع ہو چکی ہو زنا کیا تو فقط مرد پر حد جاری کی جائے گی۔ یعنی اس دیوانی یا اس لڑکی پر حد جاری نہیں ہوگی۔ اور اس بات پر اجماع ہے۔ (ف) اس طرح اختلاف صرف اس صورت میں ہوگا جب کہ بالغ عورت نے بچہ یا دیوانہ سے زنا کر لیا تو عورت پر حد لازم آئے گی یا نہیں۔ ان دونوں یعنی امام زفر و شافعی رحمۃ اللہ علیہا وغیرہا کی دلیل یہ ہے کہ اگر عورت کے حق میں عذر مانے جانے کی وجہ سے اس پر حد لازم نہ ہو تو اس کی وجہ سے مرد سے حد ختم

نہیں ہوگی۔ اسی طرح مرد کی جانب سے عذر پائے جانے سے عورت کے ذمہ سے حد ساقط نہ ہوگی۔ اس لئے کہ زانی اور زانیہ میں سے ہر ایک اپنے فعل کا ذمہ دار ہے اور دونوں ہی اپنے فعل پر پکڑے جاتے ہیں اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حقیقت میں زنا کا مرد سے ہی تحقق ہوتا ہے اور اسی کا کام ہے اور عورت تو اس فعل کے وجود میں آنے کے لئے ایک محل ہے۔ اسی لئے ولی کرنے والا یا زانی صرف مرد ہی کو کہا جاتا ہے اور عورت حقیقت میں موطوءہ اور مزنیہ کہلاتی ہے لیکن قرآن پاک میں عورت کو مجازاً ازانیہ کہا گیا (الزانیۃ والزانی الایۃ) جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ کہ مفعول کو فاعل کا نام دے دیا گیا ہے جیسے رفہ کو رافہ کہتے ہیں۔ یا اس وجہ سے کہ زنا کا سبب پیدا کرنے والی وہی ہو جاتی ہے کہ اس نے خود پر دوسرے کو قدرت دی ہے۔ تو عورت کے حق میں حد زنا اس وجہ سے متعلق ہوگی کہ اس نے بدترین حرکت کرنے کا موقع دیا۔ اگرچہ یہ قبیح فعل اس مرد کا تھا جس کو اس حرکت کے بجالانے سے دور رہنے کا حکم تھا۔ اور چونکہ کمسن کا فعل اس طرح کا نہیں ہوتا ہے اس لئے اس عمل کے ساتھ حد کا تعلق نہ ہوگا۔

تشریح..... قال واذانی الصبی او المجنون بامرأة طاعته فلاحد علیه ولا علیها وقال زفر والشافعی یجب..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

سلطان کی طرف سے زنا پر مجبور نے زنا کر لیا تو حد نہیں

قَالَ وَمَنْ أَكْرَهُهُ السُّلْطَانُ حَتَّى زَنَى فَلَا حُدَّ عَلَيْهِ وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ يَقُولُ أَوْ لَا يُحْدُوهُ قَوْلُ زُفَرٍ لِأَنَّ الزَّوْءَاءَ مِنَ الرَّجُلِ لَا يَكُونُ إِلَّا بَعْدَ انْتِشَارِ الْآلَةِ وَذَلِكَ دَلِيلُ الطَّوَاعِيَةِ ثُمَّ رَجَعَ عَنْهُ فَقَالَ لَا حُدَّ عَلَيْهِ لِأَنَّ سَبِيَّةَ الْمُلْجَى قَائِمٌ ظَاهِرٌ أَوْ الْإِنْتِشَارُ دَلِيلٌ مُتَرَدِّدٌ لِأَنَّهُ قَدْ يَكُونُ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ لِأَنَّ الْإِنْتِشَارَ قَدْ يَكُونُ طَبْعًا لَا طَوْعًا كَمَا فِي النَّائِمِ فَأَوْرَثَ شُبْهَةً وَإِنْ أَكْرَهُهُ غَيْرُ السُّلْطَانِ حُدَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يُحْدُو لِأَنَّ الْإِكْرَاهَ عِنْدَهُمَا قَدْ يَتَحَقَّقُ مِنْ غَيْرِ السُّلْطَانِ لِأَنَّ الْمُؤَثِّرَ خَوْفُ الْهَلَاكِ وَإِنَّهُ يَتَحَقَّقُ مِنْ غَيْرِهِ وَلَهُ أَنَّهُ الْإِكْرَاهُ مِنْ غَيْرِهِ لَا يَدُومُ إِلَّا نَادِرَ التَّمَكُّنِ مِنَ الْإِسْتِعَانَةِ بِالسُّلْطَانِ أَوْ بِجَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ وَتَمَكُّنُهُ دَفْعُهُ بِنَفْسِهِ بِالسِّلَاحِ وَالنَّادِرُ لَا حُكْمَ لَهُ فَلَا يَسْقُطُ بِهِ الْحُدُّ بِخِلَافِ السُّلْطَانِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الْإِسْتِعَانَةُ بِغَيْرِهِ وَلَا الْخُرُوجُ بِالسِّلَاحِ عَلَيْهِ فَافْتَرَقَا

ترجمہ..... اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ جس شخص کو بادشاہ وقت نے زنا پر مجبور کیا اور اس نے بلا خر زنا کر لیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اولاً یہ فرماتے تھے اس پر بھی حد واجب ہوگی۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ کیونکہ مرد سے زنا اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں انتشار آئے (آلہ تاسل میں تختی) ہو جائے اور اس کا منتشر ہونا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ اس نے خواہش نفسانی کے ساتھ ایسا کام کیا ہے۔ بعد میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس پر حد واجب نہیں ہوگی کیونکہ جب سبب نے اسے اس کام پر مجبور کیا ہے وہ ظاہر قائم ہے (کھلی ہوئی بات ہے کہ اسے خطرہ جان ہے) اور اس کے آلہ کے انتشار کو رضا مندی پر دلیل بنانے میں تردد ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت تو کبھی ارادوں کے بغیر بھی ہو جاتی ہے۔ یعنی طبعی تقاضا کی وجہ سے ہوتی ہے جس میں ارادہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ خواب کی حالت میں ہوتا ہے اس بناء پر شبہ پیدا ہو گیا اور اگر بادشاہ کے علاوہ کسی دوسرے نے اسے مجبور کیا ہو تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد جاری کی جائے گی اور صاحبین نے اس کا انکار فرمایا ہے۔ یعنی اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔ کیونکہ دباؤ اور سختی تو کبھی بادشاہ کے علاوہ دوسرے کسی پر سے بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس مجبوری کی اصل جان جانے کا خطرہ ہونا ہے اور خطرہ دوسرے کسی شخص سے بھی ہو سکتا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ بادشاہ کے سوا کسی دوسرے سے جو دباؤ ہوتا ہے وہ باقی نہیں رہتا ہے ہاں کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کیونکہ اسے اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ بادشاہ اور دوسرے حکام یا مسلمانوں کی جماعت سے دباؤ لگے یا خود ہی ہتھ مارا کر اس کا مقابلہ کر لے

باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ ۱۶۳ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
اور جو چیز اتفاقیہ ہو جاتی ہے اس کا مستقل حکم نہیں ہوتا لہذا ایسے دباؤ کی وجہ سے اس پر سے حد ساقط نہیں ہوگی۔ بخلاف بادشاہ کے دباؤ کے۔ اس کے
دباؤ کا اعتبار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بادشاہ کے خلاف عوام سے مدد نہیں لے سکتا ہے اور نہ خود بادشاہ کے خلاف ہتھیار اٹھا سکتا ہے۔ اس طرح بادشاہ اور
غیر بادشاہ میں فرق ظاہر ہو گیا۔

تشریح..... قال ومن اکرهه السلطان حتی زنی فلاحد علیه وکان ابو حنیفۃ یقول اولایحدوہو..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مرد عورت سے زنا کا چار بار اقرار کرے اور عورت نکاح کا دعویٰ کرے یا اس
کے برعکس ہو تو حد جاری نہیں ہوگی

وَمَنْ أَقْرَأَ رَسَعَ مَرَّاتٍ فِي مَجَالِسٍ مُخْتَلِفَةٍ أَنَّهُ زَنَى بِفُلَانَةٍ وَقَالَتْ هِيَ تَزَوَّجَنِي أَوْ أَقَرَّتْ بِالزَّوْنَاءِ وَقَالَ الرَّجُلُ
تَزَوَّجْتُهَا فَلَا حُدَّ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ فِي ذَلِكَ لِأَنَّهُ دَعَا نِكَاحَ يَحْتَمِلُ الصِّدْقَ وَهُوَ يَقُومُ بِالطَّرْفَيْنِ فَأَوْرَثَ
شُبْهَةً وَإِذَا سَقَطَ الْحُدُّ وَجَبَ الْمَهْرُ تَعْظِيمًا لِحَظَرِ الْبُضْعِ.

ترجمہ..... اگر کسی مرد نے مختلف مجلسوں میں چار بار اس بات کا اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے لیکن اس عورت نے ہر بار یہی کہا
ہے کہ اس مرد نے تو مجھ سے نکاح کیا ہے۔ یا خود عورت نے اس طرح اس کے ساتھ زنا کا اقرار کیا اور مرد نے کہا کہ میں نے تو اس سے نکاح کیا ہے
تو دونوں صورتوں میں اس مرد پر حد جاری نہ ہوگی۔ البتہ اس پر ہر لازم ہوگا۔ کیونکہ نکاح کے دعویٰ کی سچائی کا احتمال ہے اور ان دونوں کے درمیان
نکاح مانا جاسکتا ہے اس بناء پر شبہ پیدا ہو گیا اور جب شبہ کی وجہ سے حد قائم نہیں ہو سکتی ہے تو عورت کی شرم گاہ کے احترام اور اس کی شرافت ظاہر کرنے
کے لئے مہر واجب ہوگا۔

تشریح..... وَمَنْ أَقْرَأَ رَسَعَ مَرَّاتٍ فِي مَجَالِسٍ مُخْتَلِفَةٍ أَنَّهُ زَنَى بِفُلَانَةٍ وَقَالَتْ هِيَ تَزَوَّجَنِي أَوْ أَقَرَّتْ بِالزَّوْنَاءِ وَقَالَ الرَّجُلُ
تَزَوَّجْتُهَا فَلَا حُدَّ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ فِي ذَلِكَ لِأَنَّهُ دَعَا نِكَاحَ يَحْتَمِلُ الصِّدْقَ وَهُوَ يَقُومُ بِالطَّرْفَيْنِ فَأَوْرَثَ
شُبْهَةً وَإِذَا سَقَطَ الْحُدُّ وَجَبَ الْمَهْرُ تَعْظِيمًا لِحَظَرِ الْبُضْعِ.

باندی سے زنا کیا اور پھر قتل بھی کر دیا تو حد اور باندی کی قیمت لازم ہوگی

وَمَنْ زَنَى بِبَجَارِيَةٍ فَقَتَلَهَا فَإِنَّهُ يُحْدُو عَلَيْهِ الْقِيَمَةُ مَعْنَاهُ قَتَلَهَا بِفِعْلِ الزَّوْنَاءِ لِأَنَّهُ جَنَى جَنَاتَيْنِ فَيُوقَرُ عَلَى كُلِّ
وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا حُكْمُهُ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يُحْدَلُ لِأَنَّهُ تَقَرَّرَ ضَمَانُ الْقِيَمَةِ سَبَبَ لِمَلِكِ الْأَمَةِ فَصَارَ كَمَا
إِذَا شَرَاهَا بَعْدَ مَا زَنَى بِهَا وَهُوَ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ وَاعْتَرَضَ سَبَبُ الْمَلِكِ قَبْلَ إِقَامَةِ الْحَدِّ يُوجِبُ سَقُوطَهُ
كَمَا إِذَا مَلَكَ الْمَسْرُوقُ قَبْلَ الْقَطْعِ وَلَهُمَا أَنَّهُ ضَمَانٌ قَتْلٍ فَلَا يُوجِبُ الْمَلِكُ لِأَنَّهُ ضَمَانٌ دَمٍ وَلَوْ كَانَ يُوجِبُهُ
فَإِنَّمَا يُوجِبُهُ فِي الْعَيْنِ كَمَا فِي هَبَةِ الْمَسْرُوقِ لَا فِي مَنَافِعِ الْبُضْعِ لِأَنَّهَا اسْتَوْفِيَتْ وَالْمَلِكُ يَثْبُتُ مُسْتَنْدًا
فَلَا يَظْهَرُ فِي الْمُسْتَوْفَى لِكُونِهَا مَعْدُومَةً وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا زَنَى بِهَا فَادْهَبَ عَيْنُهَا يَجِبُ عَلَيْهِ فِيمَتُهَا وَيَسْقُطُ
الْحَدُّ لِأَنَّ الْمَلِكَ هُنَا لِكَ يَثْبُتُ فِي الْحُجَّةِ الْعَمِيَاءِ وَهِيَ عَيْنٌ فَأَوْرَثَتْ شُبْهَةً

ترجمہ..... اگر کسی نے کسی کی باندی سے زنا کیا پھر اسے قتل کر دیا اس قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے زنا کے سبب سے ہی وہ مر گئی ہے اس لئے
اس مرد کو حد لگائی جائے گی اور اس پر اس باندی کی قیمت بھی لازم ہوگی۔ کیونکہ اس شخص نے دو جرم کئے یعنی زنا کرنا اور مار ڈالنا۔ اس لئے ہر ایک جرم
پر اس کا حکم مرتب ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ اس زانی پر قیمت کا جرم مانہ لازم

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۱۶۵ باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ کرنے کے سبب سے وہ شخص اس باندی کا مالک ہو گیا۔ تو وہ حکماً ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے باندی سے زنا کرنے کے بعد اسے خرید لیا ہے۔ لیکن خود اس مسئلہ میں بھی ایسا ہی اختلاف ہے۔ ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حد قائم ہونے سے پہلے ملک کا سبب پیدا ہو جانا حد کے ساقط ہو جانے کا سبب ہوتا ہے۔ جیسے کہ کسی چور کا ہاتھ کاٹے جانے سے پہلے وہ خود اس مال کا مالک ہو گیا ہو۔ تو اس کا ہاتھ کاٹا جانا ختم ہو جاتا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اس پر جو قیمت لازم آتی ہے وہ ملکیت کے پائے جانے کا سبب نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ تو اس کے قتل کرنے کا جرمانہ ہے۔ کیونکہ یہ قیمت اس کے خون کا عوض ہے اور اگر جرمانہ ملکیت کے ثابت ہونے کا سبب بھی ہوتا تو اس سے باندی کی ذات کو اس کی ملکیت میں لازم کرتا جیسے کہ (یعنی پوری باندی بھی اس کی ملکیت میں آجاتی) جیسے کہ اگر چور اپنے چوری کی ہوئی چیز کا اپنے ہاتھ کاٹے جانے سے پہلے مالک ہو جائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا رک جاتا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ قیمت جو اس پر لازم آتی ہے وہ اس کے فعل قتل کا جرمانہ اور تاوان ہے۔ اس لئے وہ ملکیت کی موجب نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو خون کا عوض ہے اور اگر یہ تاوان ملکیت کا سامان ہوتا جب بھی عین باندی کی ملکیت کو لازم کرتا۔ جیسے چوری کا مال ہبہ کرنے کی صورت ہے۔ یعنی جیسے چور کو اس کا چوری کیا ہوا مال دے دیا گیا ہو۔ اسی طرح باندی کی ذات اس کی ملکیت میں آگئی اور اس کی شرم گاہ سے نفع حاصل کرنے کا سبب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نفع تو پہلے ہی حاصل کر لیا گیا ہے اور ملک کا ثبوت استفادہ ہی ہوا ہے اس لئے وہ نفع جو پہلے ہی حاصل کیا جا چکا ہے اس میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ نفع اب معدوم ہو چکا ہے اور یہ حکم اس صورت کے برخلاف ہے جب کسی نے کسی دوسرے کی باندی سے زنا کر کے اس کی ایک آنکھ اندھی کر دی تو اس پر باندی کی قیمت لازم آئے گی اور اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی ایک آنکھ والی (اندھی) کی ملکیت ثابت ہوگی۔ چونکہ یہ ایک آنکھ والی ہے۔ اس لئے اس میں شبہ پیدا ہو گیا (ف۔ یعنی پہلی صورت میں جب کہ وہ مرگئی ہو تو وہ ملکیت میں آنے کے قابل نہیں رہی اور ملکیت ظاہر بھی ہو تو اس باندی کی عین ذات میں ہوگی اس کی منفعت میں ملکیت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نفع کو حاصل کرنا اب کوئی باقی چیز نہیں رہی ہے۔ بخلاف دوسری صورت کے کہ اس میں اس کی ذات یعنی کالی باندی باقی ہے۔

تشریح..... وَمَنْ زَنَى بِجَارِيَةٍ فَقَتَلَهَا فَإِنَّهُ يُحْدُو عَلَيْهِ الْقِيَمَةَ مَعْنَاهُ قَتَلَهَا..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

امام وقت موجب حد حرکت کا ارتکاب کرے تو حد جاری نہیں ہوگی

قَالَ وَكُلُّ شَيْءٍ صَنَعَهُ الْإِمَامُ الَّذِي لَيْسَ فَوْقَهُ إِمَامٌ فَلَا حُدَّ عَلَيْهِ إِلَّا الْقِصَاصُ فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ بِهِ وَبِالْأَمْوَالِ لِأَنَّ الْحُدُودَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى وَإِقَامَتُهَا إِلَيْهِ لَا إِلَى غَيْرِهِ وَلَا يُمَكِّنُهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَى نَفْسِهِ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ بِخِلَافِ حَقُّوقِ الْعِبَادِ لِأَنَّهُ يَسْتَوْفِيهِ وَلِيُّ الْحَقِّ إِمَّا بِتَمَكِينِهِ أَوْ بِإِلَا سَعْيَانَةٍ بِمَنْعَةِ الْمُسْلِمِينَ وَالْقِصَاصُ وَالْأَمْوَالُ مِنْهَا وَأَمَّا حَدُّ الْقَذْفِ قَالُوا الْمُغْلَبُ فِيهِ حَقُّ الشَّرْعِ فَحُكْمُهُ كَحُكْمِ سَائِرِ الْحُدُودِ الَّتِي هِيَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى

ترجمہ..... اور مسلمانوں کا ایسا امام جس کے اوپر دوسرا کوئی بڑا امام نہ ہو اگر قابل حد حرکت کر بیٹھے تو بھی اس پر حد واجب نہیں ہوگی سوائے قصاص کے یعنی اگر اس پر کسی مسلمان کا قصاص واجب ہو تو اس کے لئے اسے پکڑا جائے گا اور اگر لوگوں کا مال اس پر واجب ہو تو اس کے لئے بھی اسے پکڑا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدود کا حق تو صرف اللہ تبارک تعالیٰ کا ہے۔ البتہ اس کو جاری اور نافذ کرنے کا اختیار امام کو دیا گیا ہے کسی دوسرے کو نہیں۔ کیونکہ دنیا کے احکام میں وہی سب سے بڑا ہے اور اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ جو بندہ حقدار ہوتا ہے۔ وہ اپنا حق حاصل کر لے گا خواہ اس طرح کہ امام خود ہی اس حق دار کو اختیار دیدے۔ یا وہ شخص مسلمانوں کے لشکر اور قوت سے مدد لے کر اپنا حق حاصل کرے۔ قصاص اور مالوں کی وصولی بھی اس قسم کے معاملات ہیں یعنی ان کا تعلق بھی حقوق العباد سے ہے اور حد قذف ہونے کی صورت میں (مثلاً امام نے کسی کو زنا کاری کی تہمت لگائی تو

یہ جس طرح حق شرع ہے اسی طرح اس میں بندہ کا بھی حق متعلق ہوتا ہے۔ تو یہ دیکھنا ہے کہ ان دونوں میں سے کس حق کا لحاظ کیا جائے گا۔ علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس میں حق شرع غالب ہوگا۔ لہذا اس کا حکم بھی ان حدود کی طرح ہوگا جن کا تعلق خالص حق الہی عزوجل سے ہے۔

تشریح..... قَالَ وَكُلُّ شَيْءٍ صَنَعَهُ الْإِمَامُ الَّذِي لَيْسَ فَوْقَهُ إِمَامٌ فَلَا حُدَّ عَلَيْهِ إِلَّا الْقِصَاصُ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

فائدہ..... اس باب سے متعلق چند ضروری مسائل یہاں بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ اپنے اپنے موقع سے متعلق کئے جائیں۔

۱- زنا کا اقرار ثابت ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ اقرار ضراحت کے ساتھ ہو۔

۲- اور اقرار کے وقت نشہ کی حالت میں نہ ہو۔

۳- اور مرد و عورت میں سے کوئی بھی دوسرے کو جھوٹا نہ ہو۔ یا اس کا جھوٹا ہونا ظاہر نہ ہو۔ اس طرح سے کہ مرد کا آل تناسل کٹا ہوا ہونا ثابت ہو۔ یا عورت کو قرح کی بیماری ہو یعنی پیشاب گاہ کے اوپر کی ہڈیاں اس طرح سے ملی ہوئی ہوں کہ ان کے درمیان آلہ داخل نہ ہو سکے۔ جس عورت کے ساتھ زنا کا اقرار دعویٰ کیا ہو یا اس کے برعکس عورت نے جس مرد کے ساتھ زنا کا دعویٰ کیا ہو ان میں سے کوئی بھی گونگانہ ہو اس احتمال کی بناء پر کہ اس میں ایسی بات رہ گئی ہو جو زبان سے ظاہر نہیں کی جاسکتی ہو مگر اس کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہو اور اگر نشہ کی حالت میں زنا یا چوری کا اقرار کیا ہو تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ شاید اس نے جھوٹا اقرار کیا ہو۔ البتہ اگر گواہوں کے سامنے زنا کیا یا چوری کی تو حد جاری جائے گی۔

۴- اگر اقرار کرنے والے مجرم نے اپنے اقرار سے رجوع کیا یا حد لگائی جانے کے وقت بھاگ گیا۔ یا اقرار سے انکار کیا تو اسے دعویٰ سے رجوع کر لینا سمجھا جائے گا۔ جیسے مرتد ہونے سے انکار کرنا ہے۔

۵- اگر اپنے مجسم ہونے کا پہلے اقرار کیا پھر اس سے رجوع کر لیا تو انکار صحیح ہوگا۔

۶- اسی طرح وہ حدود جو حقوق العباد میں سے نہ ہوں بلکہ محض حقوق اللہ میں سے ہوں جیسے شرب، خوری کی حد اور چوڑی کی حد میں اگر اقرار سے ان کا ثبوت ہو پھر وہ اپنے اقرار سے پھر جائے تو صحیح ہے۔

۷- اگر کسی شخص کے رجم کرنے کا حکم دیدیا گیا پھر رجم کرنے سے پہلے کسی نے قید خانہ میں جا کر اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی یا اسے قتل کر دیا تو اس پر نہ تو قصاص لازم ہوگا اور نہ اس کا کچھ عوض لازم آئے گا اور اگر رجم کا حکم ہونے سے پہلے اس نے ایسا کیا۔ اب اگر اس نے ایسا قصد کیا ہو تو قصاص واجب ہوگا اور اگر خطا ہو تو وہ دیت واجب ہوگی۔

۸- اگر مریض پر درے واجب ہوں لیکن پہلے سے ہی اس کی صحت سے مایوسی ہو چکی ہو تو صحت کا انتظام کئے بغیر ہی اسے درے مارے جائیں۔ (البحر)

۹- رجم کرنے کے لئے جو احسان کا ہونا شرط ہے۔ اس کے لئے چند باتوں کا ہونا ضروری ہے۔

۱- آزاد ہونا۔ ۲- عاقل ہونا۔ ۳- بالغ ہونا۔ ۴- مسلمان ہونا۔ ۵- کسی محصنہ عورت کے

ساتھ نکاح صحیح کر کے دخول کا بھی ہونا۔ اب اگر پہلے نکاح فاسد کیا ہو لیکن دخول سے پہلے صحیح ہو گیا ہو تو بھی صحیح ہو جائے گا۔

۶- وطی کے وقت خود بھی اور اس کی بیوی بھی یعنی دونوں ہی میں احسان کی صفت پائی جا رہی ہو۔

۷- مرتد ہو جانے سے اس کا احسان باطل نہ ہو۔

نوٹ..... احسان باقی رہنے کے لئے نکاح کا باقی رہنا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اگر عمر بھر میں ایک بار صحیح نکاح کیا پھر اسے طلاق دے کر تنہائی کی زندگی بسر کرتے ہوئے کسی عورت سے زنا کر لیا تو بھی اس پر حد جاری کی جائے گی۔

۱۰۔ جیسا کہ اسی کتاب میں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے خواہ وہ شبہ فعلی ہو یا حکمی ہو۔ شبہ حکمی میں سے یہ بھی ہے کہ مکاتب کی باندی سے کسی نے وطی کی یا اپنے غلام کو تجارت کی اجازت دی اور اس نے تجارت کی غرض سے کوئی باندی خریدی۔ اور اس باندی سے اس کے مولیٰ نے وطی کر لی حالانکہ اس غلام پر لوگوں کا اتنا قرض ہو گیا ہو جو اس کے پاس کے مال اور خود اس کی جان کی مجموعی قیمت سے بھی زیادہ ہے۔ یا مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ہی اس میں سے کسی باندی سے وطی کر لی خواہ وہ غنیمت دار الاسلام میں لاکر محفوظ کرنے کے پہلے ہو یا بعد میں۔ یا خریدی ہوئی باندی کا حیض سے پاک ہونے سے پہلے ہی اس سے وطی کر لی۔ یا اپنی ایسی بیوی سے وطی کی ہو جو مرتد ہو جانے کی وجہ سے اس پر حرام ہو چکی ہو۔ یا اپنے شوہر کے بالغ لڑکے کو اس نے خود پر قدرت دیدی یا شوہر نے اپنی بیوی کی ماں (ساس)۔ سے یا پہلے شوہر کی بیٹی (سوتیلی بیٹی) سے جماع کر لیا تو ان تمام صورتوں میں اگرچہ وطی حرام ہوگی پھر بھی شبہ فعلی میں حلال ہونے کا گمان کافی ہے اور گمان کا اگر دعویٰ کر لیا تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اگرچہ اسے گمان نہ ہوا ہو۔ اب اگر ایک شخص نے گمان کا دعویٰ کیا اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے اقرار کیا تھا کہ مجھے کچھ گمان نہیں ہوا تو گواہی مقبول نہ ہوگی۔

۱۱۔ اگر مرد یا عورت میں سے فقط ایک نے گمان کا دعویٰ کیا تو دوسرے کو بھی حد نہیں ماری جائے گی اب اگر دونوں اقرار کر لیں کہ ہم حرام ہونا جانتے تھے کہ اس صورت میں شبہ نہ ہونے کی وجہ سے حد ماری جائے گی۔ (النبہر)

۱۲۔ جلق (مشت زنی) کرنا حرام ہے۔ اور اگر ظاہر ہو جائے تو حاکم اسے سزا دے گا۔ اور اگر اپنی باندی یا بیوی کو اپنے آلہ تناسل سے ہاتھ ملنے دیا یہاں تک کہ انزال ہو گیا تو یہ مکروہ ہوگا اور اس پر کچھ سزا بھی واجب نہ ہوگی۔ (الجبوہرہ)

۱۳۔ اگر کسی عورت کو کراہیہ کے طور پر زنا کرنے کے لئے مقرر کیا تو حد واجب نہ ہوگی۔ (ت)
مگر حق بات یہ ہے کہ حد واجب ہوگی جیسے اگر کوئی عورت خدمت کے لئے نوکر رکھی گئی۔ اور اس سے وطی کی تو حد واجب ہوگی۔ (الفتح)
اگر کسی شہر کے حاکم یا صوبہ دار نے زنا کیا اور بعد ثبوت اس پر حد واجب ہوئی تو بادشاہ کے حکم سے اسے حد لگائی جائے گی۔

باب الشہادۃ علی الزناء والرجوع عنہا

ترجمہ..... باب، زنا کے بارے میں گواہی دینے اور اس سے پھر جانے کے بیان۔

پرانی حد کی گواہی کب اور کس حق میں قبول ہے اور کب مردود ہے

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ الشَّهَادَةُ بِحَدِّ مُتَقَادِمٍ لَمْ يَمْنَعُهُمْ عَنْ إِقَامَتِهِ بَعْدَهُمْ عَنِ الْإِمَامِ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمْ إِلَّا فِي حَدِّ الْقَذْفِ خَاصَّةً وَفِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ وَإِذَا شَهِدَ عَلَيْهِ الشَّهَادَةُ بِسَرِقَةٍ أَوْ بِشَرْبِ خَمْرٍ أَوْ بِزِنَاءٍ بَعْدَ حِينَ لَمْ يُؤْخَذْ بِهِ وَضَمِنَ السَّرِقَةَ

ترجمہ..... قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ۔ اگر گواہوں نے کسی پر گزشتہ زمانہ میں حد جاری کئے جانے کی گواہی دی حالانکہ ان کو امام کے سامنے ہر وقت اس بارے میں گواہی دینے میں ایسی کوئی چیز بھی مانع نہ تھی یا مجبوری نہ تھی۔ مثلاً امام سے بہت دور رہنا یا اس کے علاوہ کسی خاص بیماری میں مبتلا رہنا یا راستہ کا خوف وغیرہ۔ تو ان کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ البتہ صرف حد قذف کے سلسلہ میں مقبول ہو جائے گی۔ (یعنی اگر کسی نے دوسرے کو زنا کی تہمت لگائی جس کے کئے گواہ ہیں پھر جسے تہمت لگائی گئی تھی اس (مقدوف) نے ایک مدت کے بعد دعویٰ کیا اس وقت تک ان گواہوں نے گواہی دی تو ان کی گواہی مقبول ہو جائے گی۔ کیونکہ فوری گواہی واجب ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے تک ان کی گواہی واجب نہیں تھی۔) اور

جامع صغیر میں ہے کہ اگر گواہوں نے کسی شخص پر چوری کرنے کی یا شراب خوری کی یا زنا کرنے کی گواہی کافی دنوں کے بعد دی تو ایسی گواہی پر اسے پکڑا نہیں جائے گا مگر چوری کئے ہوئے مال کا ضامن ضرور ہوگا (ف)۔ یعنی وہ گواہی جو کسی عذر کے بغیر موخر کی گئی ہو وہ حد کے واسطے مقبول نہ ہوگی۔ لیکن چوری کیا ہو مال جو کسی بندہ کا حق ہوتا ہے اس میں یہ گواہی بھی مقبول ہوگی۔ البتہ جب چور پر چوری کی حد قائم نہ ہو تو چوری کئے ہوئے مال کی ضمانت اس پر لازم ہوگی۔ پھر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ تقادم (تاخیر اور پرانا ہونے کی مقدار میں تفصیل ہے۔ اس طرح سے کہ شراب پینے کے بارے میں تاخیر اس وقت ہو جائے گی جب کہ شراب پینے والے کے منہ سے شراب کی بدبو ختم ہو چکی ہو اس کے بعد گواہوں نے گواہی دی ہو اور زنا، چوری وغیرہ میں تاخیر یہ ہے کہ بغیر عذر کے ایک مہینہ گزر جانے کے بعد گواہی دی ہو اور یہی قول اصح ہے۔ اور اگر اتنی تاخیر ہو جانے کے بعد زنا کی گواہی دی تو بعض فقہاء کے نزدیک ان گواہوں کو حد قذف (تہمت کی حد) لگائی جائے گی اور دوسروں نے کہا ہے کہ نہیں لگائی جائے گی۔ (القاضی خان)

الحاصل جب تاخیر ہو جائے اور اس کے بعد گواہ اپنی گواہی دیں اور وہ تاخیر بغیر کسی عذر معقول کے ہو تو اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی سوائے حد قذف کے اور چوری کئے مال کی ضمان کے۔

تشریح..... قَالَ وَإِذَا شَهِدَ الشَّاهِدُ بِحَدِّ مُتَقَادِمٍ لَمْ يَمْنَعْهُمْ عَنْ إِقَامَتِهِ بَعْدَ هُمْ عَنِ الْإِمَامِ لَمْ..... إلخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

وہ حدود جو محض اللہ تعالیٰ کا حق ہیں پرانے ہونے سے ساقط ہو جاتی ہیں، اقوال فقہاء

وَالْأَصْلُ أَنَّ الْحُدُودَ الْخَالِصَةَ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى تَبْطُلُ بِالتَّقَادُمِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَهُوَ يَعْتَبِرُ هَاهُنَا حُقُوقَ الْعِبَادِ وَبِالْإِقْرَارِ الَّذِي هُوَ أَحَدَى الْحُجَّتَيْنِ وَلَنَا أَنَّ الشَّاهِدَ مُخَيَّرَ بَيْنَ الْحُسْنَيْنِ مِنْ آدَاءِ الشَّهَادَةِ وَالسُّتْرِ فَالتَّأَخِيرُ إِنْ كَانَ لِاخْتِيَارِ السُّتْرِ فَالْإِقْدَامُ عَلَى الْآدَاءِ بَعْدَ ذَلِكَ لَصُغِيَّةٌ هَيِّجَتْهُ وَلِعَدَاوَةٌ حَرَّكَتْهُ فَيَتَّهِمُ فِيهَا وَإِنْ كَانَ التَّأَخِيرُ لَا لِلِسُّتْرِ يَصِيرُ فَاسِقًا أَلَمَّا فَتَقْنَا بِالْمَانِعِ بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يُعَادِي نَفْسَهُ فَحَدُّ الزِّنَاءِ وَشُرْبِ الْخَمْرِ وَالسَّرِقَةِ خَالِصٌ حَقٌّ لِلَّهِ تَعَالَى حَتَّى يَصِحَّ الرَّجُوعُ عَنْهَا بَعْدَ الْإِقْرَارِ فَيَكُونُ التَّقَادُمُ فِيهِ مَانِعًا وَحَدُّ الْقَذْفِ فِيهِ حَقٌّ الْعَبْدُ لِمَا فِيهِ مِنْ دَفْعِ الْعَارِ عَنْهُ وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ رَجُوعُهُ بَعْدَ الْإِقْرَارِ وَالتَّقَادُمُ غَيْرُ مَانِعٍ فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ لِأَنَّ الدَّعْوَى فِيهِ شَرْطٌ فَيَحْتَمِلُ تَأْخِيرُهُمْ عَلَى انْعِدَامِ الدَّعْوَى فَلَا يُوجِبُ تَفْسِيْقُهُمْ بِخِلَافِ حَدِّ السَّرِقَةِ لِأَنَّ الدَّعْوَى لَيْسَتْ بِشَرْطٍ لِلْحَدِّ لِأَنَّهُ خَالِصٌ حَقٌّ لِلَّهِ تَعَالَى عَلَى مَأْمَرٍ وَأَمَّا شُرْطُ لِمَالٍ وَلِأَنَّ الْحُكْمَ يَدَارُ عَلَى كَوْنِ الْحَدِّ حَقًّا لِلَّهِ فَلَا يُعْتَبَرُ وَجُودُ التَّهْمَةِ فِي كُلِّ فَرْدٍ وَلِأَنَّ السَّرِقَةَ تُقَامُ عَلَى الْإِسْتِسْرَارِ عَلَى غِرَّةٍ عَنِ الْمَالِكِ فَيَجِبُ عَلَى الشَّاهِدِ إِعْلَامُهُ وَبِالْكِتْمَانِ يَصِيرُ فَاسِقًا أَلَمَّا تَمَّ التَّقَادُمُ كَمَا يَمْنَعُ قَبُولَ الشَّهَادَةِ فِي الْإِبْتِدَاءِ يَمْنَعُ الْإِقَامَةَ بَعْدَ الْقَضَاءِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِرُفْرُ حَتَّى لَوْ هَرَبَ بَعْدَ مَا ضَرَبَ بَعْضُ النُّحَدِّ ثُمَّ أَحَدَ بَعْدَ مَا تَقَادَمَ الزَّمَانُ لَا يَقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ لِأَنَّ الْإِمْضَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فِي بَابِ الْحُدُودِ وَخْتَلَفُوا فِي حَدِّ التَّقَادُمِ وَأَشَارَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ إِلَى سِتَّةِ أَشْهُرٍ فَإِنَّهُ قَالَ بَعْدَ حِينٍ وَهَكَذَا أَشَارَ الطَّحَاوِيُّ وَأَبُو حَنِيفَةَ لَمْ يَقْدِرْ فِي ذَلِكَ وَقَوْضَهُ إِلَى رَأْيِ الْقَاضِي فِي كُلِّ عَصْرِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَدَّرَهُ بِشَهْرٍ لِأَنَّ مَا دُونَهُ عَاجِلٌ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَهُوَ الْأَصَحُّ وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْقَاضِي وَبَيْنَهُمْ مَسِيرَةٌ شَهْرًا إِذَا كَانَ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ لِأَنَّ الْمَانِعَ بَعْدَ هُمْ عَنِ الْإِمَامِ فَلَا يَتَحَقَّقُ التَّهْمَةُ وَالتَّقَادُمُ فِي حَدِّ الشُّرْبِ

ترجمہ..... اس مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ جتنے حدود صرف حق اللہ عزوجل کے ہوں ان کی گواہی کی تاخیر سے وہ باطل ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جیسے بندوں کے حقوق باطل نہیں ہوتے ہیں یہ بھی باطل نہیں ہوں گے۔ اسی طرح وہ اقرار جرم پر بھی قیاس کرتے ہیں۔ یعنی اگر زنا وغیرہ کی حد ہو جو اگرچہ خالص حدود اللہ ہی میں سے ہیں اگر زیادہ تاخیر کے باوجود مجرم خود اقرار کرتے ہوئے حاکم کے پاس پہنچ جائے تو اس پر حد جاری کی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر گواہوں سے جرم کا ثبوت ہو تو اسے قبول کرتے ہوئے مجرم پر حد جاری کر دی جائے گی اور ہمازی دلیل یہ ہے کہ گواہ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار تھا۔ اول یہ کہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے گواہی دے دوں یہ کہ ایک مسلم کے عیب کی پردہ پوشی کرے۔ پس اگر اس نے اختیار کے باوجود گواہی دینے میں اس لئے تاخیر کی کہ اس سے پردہ پوشی رہ جائے تو پھر اتنے دنوں کے بعد اس کی گواہی پر آمادہ ہونا کینہ کی زیادتی ہو جانے کی وجہ سے ہوگا۔ یا کسی دشمنی کی زیادتی کی وجہ سے ہو تو دونوں صورتوں میں اس کی گواہی پر مہتمم ہوگا اور اگر اس کی تاخیر پردہ پوشی کی نیت سے نہ ہو تو وہ فاسق اور گنہگار ہوگا۔ بہر صورت یہ یقین کے ساتھ اس کی بات معلوم ہوگئی جس کی بناء پر اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔ بخلاف مجرم کا از خود اقرار کر لینے کے۔ کیونکہ کوئی شخص بھی اپنی جان کا دشمن نہیں ہوتا ہے۔ پس زنا و شراب خوری اور چوری کی حد خالص حقوق الہیہ میں سے ہیں۔ اسی بناء پر ان کا اقرار کر لینے کے بعد بھی ان سے پھر جانا صحیح ہے اور گواہی میں دیر ہونا ان میں گواہی کے مقبول ہونے سے روکتا ہے اور حد قذف چونکہ بندہ کا حق ہے۔ (یعنی زنا کی تہمت لگانے سے وہ دنیا میں تمام لوگوں کے نزدیک شرم کے مارے نظر نہیں اٹھا سکتا ہے) پھر اس تہمت کی بناء پر مجرم کو حد لگانے سے اس شخص سے وہ شرمندگی دور ہو جاتی ہے۔ اسی لئے تہمت لگانے کا اقرار کر لینے کے بعد اس سے پھر جانا صحیح نہیں ہے اور حقوق العبد میں گواہی دینے میں تاخیر کرنے سے کچھ فرق نہیں آتا ہے۔ کیونکہ ایسی گواہی کے لئے تو یہ شرط ہوتی ہے کہ جس پر الزام لگایا گیا ہے خود اس نے بھی اس سلسلہ میں دعویٰ کیا ہو۔ اس لئے ایسے معاملہ میں گواہی میں تاخیر کرنا اس پر محمول ہوگا کہ اس وقت تک دعویٰ ہی نہیں کیا گیا ہو۔ اسی لئے تاخیر گواہی سے گاہوں کا فاسق ہونا لازم نہیں آتا ہے۔ بخلاف سرقہ کی حد کے کیونکہ ہاتھ کاٹنے کے لئے دعویٰ شرط نہیں ہے۔ کیونکہ یہ حق خاص حق الہی ہے۔ جب کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ البتہ چوری کئے ہوئے مال (کے حصول) کے لئے دعویٰ شرط ہے اور اس دلیل سے کہ حکم جاری کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ وہ حد خالص حق اللہ عزوجل ہو۔ (یعنی گواہی کا مقبول نہ ہونا اس بناء کہ اس میں کینہ یا عداوت ہے درست نہیں ہے کیونکہ یہ باتیں تو چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ جنہیں یقین کے ساتھ دوسرا کوئی شخص نہیں جانتا ہے۔ اسی لئے حکم کا در اس بات پر رکھا گیا ہے کہ وہ حق خالص حق الہی ہو)۔ پس ہر شخص میں تہمت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ (جیسے کہ سفر میں مشقت ہونے کی وجہ سے نماز کو قصر کرنا بجائے چار رکعتوں کے دو رکعتیں پڑھنا۔ جب کہ ہر شخص کو مشقت کا ہونا تو چھپی ہوئی بات ہے اس لئے نماز قصر کرنے کے لئے اس کی بنیاد سفر کی مقدار پر رکھی گئی ہے۔ کہ اتنے فاصلہ پر جانے سے نماز کو قصر کر دینا صحیح ہو۔ خواہ اس سفر میں کوئی تکلیف ہو یا نہ ہو) اور اس دلیل سے کہ چوری تو مالک مال کو دھوکہ دے کر اس سے چھپ کر کی جاتی ہے۔ اس گواہ پر از خود یہ لازم ہوگا کہ جاننے کے بعد مالک کو اس سے مطلع بھی کرے اور جب اس نے چھپایا یعنی مالک کو نہ بتلایا اور نہ گواہی کی پیشکش کی تو وہ فاسق اور گنہگار ہو گیا (اور اب اس فاسق کی گواہی مقبول نہ ہوگی) اور چوری کے معاملہ کو جاننے والے گواہ پر گواہی دینی اس لئے واجب ہے کہ جس کے یہاں چوری ہوئی خود اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس نے چوری کی ہے اور ایسے چور کو کسی نے دیکھا بھی ہے یا نہیں اور دیکھا ہے تو کس نے دیکھا ہے کہ بعد میں اس گواہ کو بلا سکے۔ اس لئے اس کے دیکھنے والے پر یہی لازم ہوتا ہے کہ از خود جا کر اس کی گواہی دے۔ پھر گواہی میں دیر ہو جانے سے جیسے شروع میں گواہی مقبول ہونے سے مانع ہے اس طرح قاضی کا فیصلہ ہو جانے کے بعد بھی حد قائم کرنے سے مانع ہے۔ بخلاف امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے۔ اسی بناء پر ہمارے نزدیک کسی مجرم کو تھوڑی حد ماری گئی تھی کہ وہ بھاگ گیا پھر بہت دنوں کے بعد وہ پکڑا گیا تو اس پر باقی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ حدود کے معاملہ میں جس طرح قاضی کے لئے

ضروری ہے کہ اس کے بارے میں فیصلہ سنائے اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ اسے نافذ بھی کر دے یا حد نکال دے۔ بس جب تک کہ حد مکمل طور پر جاری نہیں کی گئی اس وقت تک قاضی کا فیصلہ اور اس کا حکم بھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ پھر تصادم یا تاخیر کی تعین کے بارے میں کتنی مدت کو زمانہ دراز کہا جائے گا فقہاء اختلاف ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ نے اس کی طرف جامع صغیر میں یہ اشارہ کیا ہے کہ چھ ماہ۔ جیسا کہ قسم کے باب میں گزر گیا ہے۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے کسی نے مدت کی بھی تعین نہیں کی ہے۔ بلکہ اس کا فیصلہ ہر زمانہ کے قاضی کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں ایک ماہ کی مدت کو زمانہ دراز کہا ہے۔ کیونکہ اس سے بھی کم مدت کو قریبی زمانہ کہا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی ایک روایت ہے۔ اور یہی قول اصح ہے اور اتنی مدت کو زمانہ دراز اسی صورت میں کہا جائے گا جب کہ قاضی اور گواہوں کے درمیان ایک ماہ کی مسافت (فاصلہ) نہ ہو اور اگر اتنی ہی دوری ہو تو ان کی گواہی خود قبول کی جائے گی۔ کیونکہ امام سے اتنے فاصلہ پر رہنا ادائیگی گواہی میں درحقیقت ایک رکاوٹ ہے یعنی انہوں نے اپنے طور پر ادائیگی گواہی میں دیر نہیں کی ہے۔ اس لئے ان پر کینہ اور دشمنی وغیرہ کی تہمت نہیں لگ سکتی اور شراب پینے کی حد میں زمانہ دراز ہونے کی مقدار بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک ماہ ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دیر ہونے کی مدت یہ ہوگی کہ شراب پینے والے کے منہ سے شراب کی بدبو جاتی رہے۔ چنانچہ اس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ شراب خوری کے بیان میں آئے گا۔ (فائدہ..... اگر زانی نے زمانہ دراز گزرنے کے بعد اپنے زنا کا اقرار کیا تو بھی اس کا اقرار مان لیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں تہمت کا کوئی موقع نہیں ہے۔ جیسا کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے بیان کر دیا ہے)۔

تشریح..... وَالْأَصْلُ أَنَّ الْخُلُودَ الْخَالِصَةَ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى بَطْلٌ بِالتَّقَادُّمِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ وَهُوَ يَعْتَبِرُهَا..... الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی گواہی دینے میں تاخیر کرتا ہے۔ جس کا تعلق ان ”حدود“ سے ہے جو خالصتاً حقوق اللہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ وہ (حقوق اللہ) تاخیر شہادت کے باوجود باطل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حقوق اللہ میں اقرار کے بعد گواہی سے رجوع کرنا صحیح ہے اور اس میں ”تاخیر“ قبولیت شہادت سے مانع ہے۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بندوں کے حقوق کی طرح حقوق اللہ بھی باطل نہیں ہوتے کیونکہ حد زنا وغیرہ (جو خالصہ حدود اللہ ہیں) میں ”تاخیر“ کے بعد اگر مرتکب زنا از خود اقرار کر لے تو اس پر اقامت حد جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح گواہوں کی شہادت سے جرم ثابت ہونے کے بعد بھی ”حد“ جاری ہوگی امام شافعیؒ کے جواب میں ہمارا (احناف کا) استدلال یہ ہے کہ ”تاخیر شہادت“ میں گواہ کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار تھا کہ یا تو وہ (گواہ)۔ ۱۔ ثواب کی نیت سے خاموشی اختیار کرے۔ ۲۔ یا پردے پوشی کی بناء پر سکوت کرے۔ چنانچہ اگر دو ثواب کی صورت میں تاخیر کے بعد گواہی پر آمادگی کا مقصد بغض و عداوت ہے تو اس صورت میں اتہام (تہمت یا بہتان) ہونے سے شہادت کی طرف اس (گواہ) نے رجوع کیا ہے۔ اگر اس امر کا اذن عام (اجازت) ہو تو۔

۱۔ حقوق اللہ حدود اللہ کی حیثیت لہو و لعب کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جو اللہ رب العزت کی شایان شان نہیں۔

۲۔ اس صورت حال سے اللہ تعالیٰ سمیت حقوق و حدود الہیہ کی اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔

۳۔ انسان خطا کا پتلا ہے اس سے کوئی نہ کوئی جرم سرزد ہو سکتا ہے۔ لیکن مذکورہ صورت حال کے پیش نظر مفاد پرست لوگ ذاتی رقابت کی بناء پر اسے اپنے ذاتی مفاد کے لئے بطور حربہ و جھٹکنڈ استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ موجودہ دور میں حکمران طبقہ سمیت اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے قانونی حربے استعمال کئے جاتے ہیں۔

اس نوعیت کی تمام تر کاروائیاں فساد باطن کے زمرے میں آتی ہیں۔ لہذا فساد باطن کے پائے جانے کے باعث تاخیر فی الشہادت (گواہی میں دیر کرنا) کی بناء پر گواہی سے رجوع معتبر ہوگا۔ اگر تاخیر کی وجہ ”پردہ پوشی“ تھی تو اس صورت میں ”رجوع“ کرنا مبنی بر فسق ہوگا۔ کیونکہ کسی کی

”عیب جوئی کرنا“ گناہ ہے۔ چنانچہ تاخیر شہادت (بوجہ پردہ پوشی) سے رجوع کرنا ”عیب جوئی“ متصور ہوگا جو کہ فسق ہے اور فاسق کی گواہی غیر معتبر ہے۔ لہذا تاخیر فی الشہادت (گواہی میں دیر کرنا) کے بعد گواہی سے رجوع کرنا فسق ہونے کے باعث گواہی سے رجوع کرنا درست نہیں۔ اقامت حد (جو کہ خالص اللہ تعالیٰ کا حق) ہے کا عمل باطل ہو جائے گا۔ یاس وجہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واقیموا الشهادة للہ (اور اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی قائم کرو) لہذا تاخیر فی الشہادۃ قبولیت شہادت میں مانع ہے۔ بخلاف اقرار کے چونکہ کوئی انسان بھی اپنی جان کا دشمن نہیں ہوتا۔ اس لئے اقرار کے بعد حد زناء اور شراب نوشی وغیرہ سے رجوع کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ حد زنا و شراب خمر و سرقہ خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق میں ہے۔ لہذا اقرار کے بعد حقوق اللہ کا بطلان (غلط ہونا) لازم آئے گا۔ چنانچہ امام شافعی کا حقوق اللہ کو تاخیر فی الشہادت (گواہی میں دیر کرنا) کے حوالہ سے ”اقرار“ پر قیاس کرنا محل نظر ہے۔ اگر تاخیر شہادت کے حوالے سے گواہی سے رجوع کرنے کے مسئلہ پر غور کیا جائے۔ تو چار باتیں وجود پذیر ہوتی ہیں،

- ۱۔ تاخیر۔ ۲۔ شہادت۔ ۳۔ رجوع۔ ۴۔ اقرار۔

”تاخیر“..... کسی بھی معاملہ میں دیر کرنے کو تاخیر کہتے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ تاخیر فساد باطن کے باعث ہو یا پردہ پوشی کی وجہ سے تو دونوں صورتوں (فساد باطن اور پردہ پوشی) میں تاخیر کے بعد گواہی سے رجوع کرنا صحیح نہیں۔

شہادت سے رجوع کرنا مجلس قضاء اور عدالت میں مخصوص ہے اور اگر یہ رجوع حقوق اللہ میں ہوگا تو اس سے حقوق اللہ باطل ہو جائے گا۔ اور اگر یہ (رجوع) حقوق العباد میں ہوگا تو معتبر نہ ہوگا۔ اگر رجوع سے مدعی یا مدعی علیہ کی کوئی چیز ضائع ہوتی ہے تو گواہوں پر تاوان ہوگا ورنہ نہیں۔ ”اقرار“..... بمعنی ہاں کرنا، ماننا، مجرم جب کسی جرم کو از خود مان لے تو اسے اقرار کہتے ہیں۔ اثبات جرم کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

- ۱۔ گواہوں کی شہادت سے جرم کا تحقق (ثابت) ہو۔

۲۔ مجرم کے از خود اقرار سے جرم متحقق (ثابت) ہو۔ اگر اثبات جرم گواہوں کی شہادت سے متحقق ہوا ہے تو اس صورت میں ”مجرم“ کا اپنے جرم سے خفیہ انکار موجود ہوتا ہے۔ جسے گواہوں کی شہادت سے ثابت کیا جاتا ہے جب کہ ”اقرار“ میں مجرم کا خفیہ انکار موجود نہیں ہوتا۔ اس لئے گواہوں کی شہادت سے ثابت ہونے والے جرم اور مجرم کے اقرار سے متحقق (ثابت) ہونے والے جرم میں واضح فرق ہے۔ لہذا تاخیر فی الشہادت کے بعد ایسے جرم کی شہادت سے رجوع کرنا صحیح نہیں۔ جو گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ بعد والا (مرجوع) کلام پہلے کلام سے معارض و مختلف ہے۔ اس لئے اس میں رجوع کا تعلق فساد باطن سے ہوگا یا پردہ پوشی سے چنانچہ فساد باطن کی صورت میں وہ (رجوع کرنے والا گواہ) اپنی گواہی میں تہمت یافتہ ہوگا۔ اور پردہ پوشی کی صورت میں فاسق ہوگا۔ لہذا اتہام شہادت اور فسق ہر دو صورتوں میں رجوع الی الشہادت قابل قبول نہ ہوگا۔ اگر نفس شہادت کی قیودات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا (تاخیر شہادت کے رجوع کی حیثیت معدوم ہو جاتی ہے)۔ لہذا تاخیر اور رجوع کی موجودگی نفس شہادت کو بے معنی کر دیتی ہے۔ حالانکہ عدالتی فیصلوں کا تمام تر دار و مدار سچی شہادت پر ہوتا ہے۔ چنانچہ تاخیر شہادت و رجوع نفس شہادت کی اہمیت کو باقی نہیں رہنے دیتے۔ اسی طرح اگر ”اقرار“ کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس کی نوعیت سے معلوم ہوگا کہ تاخیر شہادت و رجوع سے نفس شہادت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لئے مذکورہ مسئلہ کو ”اقرار“ پر قیاس کرنا محل نظر ہے۔ چونکہ زنا اور سرقہ میں فرق ہے کہ ”زنا“ میں مزنیہ کے غائب رہنے سے دعویٰ کا وجود نہ ہوگا۔ چونکہ زنا میں دعویٰ شرط نہیں۔ اس لئے تاخیر کے بعد اقرار کی طرح ”حد“ جاری نہ ہوگی۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ مزنیہ کے غائب ہونے کے باوجود اس کی طرف سے شبہ کے دعویٰ کا احتمال موجود ہے۔ تو اس شبہ کا تدارک یوں ہوگا کہ احتمال سے وجود شبہ کا حکم لازم نہ آئے گا۔ جس سے ”حد“ ساقط ہو جائے۔ بلکہ یہاں وجود شبہ کا وہم پایا جاتا ہے۔ یہاں وہم شبہ کو زیادہ سے زیادہ شبہ الشبہ کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ جو نفس شبہ سے کم مرتبہ کا حامل ہے جو کہ غیر معتبر ہے۔ جب کہ چوری میں دعویٰ شرط ہے۔ اس لئے سرقہ کے اقرار کے بعد رجوع سے حد سرقہ (قطع ید) ساقط ہو جائے گی۔ مگر دوسرے کے

لئے ”مال“ کا ضامن ہوگا۔ چنانچہ حد زنا شراب نوشی اور سرقہ خالص حدود اللہ حقوق اللہ ہیں۔ ان سے اقرار کے بعد رجوع کرنا صحیح ہے۔ اور تاخیر میں گواہی کی قبولیت سے مانع ہے۔ جبکہ حد قذف وغیرہ حقوق العباد۔ اقرار کے بعد اس سے رجوع کرنا صحیح نہیں۔ اور حقوق العباد میں تاخیر مانع نہیں۔ اس لئے تاخیر عدم دعویٰ پر محمول ہوگا۔ حکم کا دار و مدار ایسی ”حد“ پر ہے جو خالصتاً حقوق اللہ میں سے ہو۔ فساد باطن ایسا پوشیدہ امر ہے۔ جس سے مطلع ہونا ممکن نہیں تو یہ (فساد باطن) ہر فرد میں موجود نہیں جیسا کہ نماز قصر میں سفر کے مقدار ہے۔ مشقت کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہیں چنانچہ متذکرہ دلیل (سفر میں نماز قصر امر مخفی مشقت) سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ سرقہ کا عمل مالک کو دھوکہ دے کر خفیہ طور پر کیا جاتا ہے۔ اس گواہ پر لازم ہے کہ وہ فی الفور آگاہ کر دے۔ چوری کی اطلاع چھپا کر وہ (گواہ) فاسق متصور ہوا۔ چنانچہ فاسق کی شہادت معتبر نہیں۔ لہذا جس طرح ابتداء میں تاخیر سے گواہی کی قبولیت مانع ہے۔ اسی طرح قاضی کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد اقامت حد بھی مانع ہے۔

امام زفر کا اس مسئلہ میں اختلاف منقول ہے۔ ہمارے (احناف کے) مطابق اگر مجرم چند کوڑے یا پتھر کھانے کے بعد فرار ہو گیا۔ اور عرصہ دراز کے بعد گرفتار ہوا تو اس صورت میں (امام ابو حنیفہؒ و دیگر احناف کے نزدیک) حد کا باقی حصہ نافذ نہ ہوگا۔ (یعنی باقی حد ساقط ہو جائیگی) کیونکہ اقامت حدود کے معاملہ میں انہیں (حدود) قائم کرنا مجملہ کے حکم میں ہے۔ یعنی جب تک اقامت حد کا عمل نافذ نہ ہوگا اس وقت تک قاضی کے حکم کی تکمیل نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ حدود قدیمہ اور اقرار کے بارے میں چار مذاہب ہیں۔

- ۱۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے مطابق گواہی قبول نہ ہوگی اور اقرار قبول ہوگا۔ ماسوائے شرب خمر کے۔
- ۲۔ امام محمدؒ بن حسن الشیبانی کے نزدیک گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور اقرار قابل قبول ہوگا۔ زنا و سرقہ کی طرح شرب خمر (شراب نوشی) کا بھی یہی حکم ہے۔
- ۳۔ ابن ابی لیلیٰ کے ہاں گواہی و اقرار دونوں قابل قبول نہ ہوں گے۔
- ۴۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام محمدؒ کے نزدیک اقرار و شہادت ہر دو قابل قبول ہوں گے۔ صاحب ہدایہ نے متن میں صرف امام شافعیؒ کا اختلاف نقل کیا ہے۔

کسی نے ایسی عورت سے زنا کی گواہی دی جو کہ غائب یا فلاں غائب کے مال کی چوری پر

گواہی دے تو زنا کی حد لگائی جائے گی اور ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا وجہ فرق

وَإِذَا شَهِدُوا عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ زَنَى بِفُلَانَةٍ وَفُلَانَةٍ غَائِبَةٍ فَإِنَّهُ يُحَدُّوْنَ أَنَّهُ سَرَقَ مِنْ فُلَانٍ وَهُوَ غَائِبٌ لَمْ يُقْطَعْ وَالْفَرْقُ أَنَّ بِالْغَيْبَةِ يَنْعَدِمُ الدَّعْوَى وَهِيَ شَرْطٌ فِي السَّرْقَةِ دُونَ الزِّنَاءِ وَبِالْحُضُورِ يُتَوَهَّمُ دَعْوَى الشُّبْهَةِ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالْمَوْهُومِ

ترجمہ اگر کسی نے یہ گواہی دی کہ اس شخص نے فلاں عورت سے جو کہ (شہر سے) غائب ہے زنا کیا ہے تو اس شخص پر حد لگائی جائے گی اور اگر یہ گواہی دی کہ اس نے فلاں شخص کا مال چوری کیا ہے۔ حالانکہ وہ شخص اس جگہ سے (شہر سے) غائب ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ بس ان دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ غائب ہونے کی صورت میں دعویٰ بے اعتبار ہوتا ہے۔ حالانکہ چوری کی صورت میں اس کا دعویٰ کرنا بھی شرط ہے۔ کہ شاید شبہ کا دعویٰ ہو۔ جبکہ صرف وہم ہونے کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ (اس لئے صرف وہم کی وجہ سے انتظار نہیں کیا جائے گا بلکہ حد زنا جاری کر دی

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم..... ۱۷۳..... باب الشهادة على الزناء والرجوع عنها
جائے گی۔ لیکن چوری کی گواہی مقبول نہیں ہوگی کیونکہ چوری کئے جانے کا دعویٰ نہیں پایا گیا ہے۔

تشریح..... صورت مذکورہ میں جب چار گواہوں نے گواہی دی تو مرد پر حد جاری ہو جائے گی بشرطیکہ وہ گواہ مرد عورت (یعنی زانی، مزنیہ) کو اچھی طرح پہچانتے ہوں۔ یہاں یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اگر عورت نکاح کا دعویٰ کر لے تو حد ساقط ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ یہ شبہ الشبہ ہے اور فقط ایک وہم، ورنہ تو کوئی حد ہی جاری نہ ہوگی، حد کا وجود ہی ختم ہو جائے گا کہ گواہی میں بھی رجوع کا احتمال ہے اقرار میں بھی رجوع کا احتمال ہے۔ اس مسئلہ کے برعکس اگر چوری کے بارے میں کوئی گواہی دے تو وہ قبول نہ ہوگی یعنی حد جاری نہ ہوگی اس لئے کہ چوری میں دعویٰ شرط ہے جب کہ زنا میں دعویٰ شرط نہیں لہذا دونوں مسئلوں میں فرق موجود ہے۔

ایسی عورت کے بارے میں زنا کی گواہی دی کہ اسے ہم نہیں جانتے ہیں حد جاری ہوگی یا نہیں

وَإِنْ شَهِدُوا أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ لَا يَعْرِفُونَهَا لَمْ يُحَدَّ لِاحْتِمَالِ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ أَوْ أَمَتُهُ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ وَإِنْ أَقَرَّ بِذَلِكَ حَدِّ لَانَّهُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ أَمَتُهُ أَوْ امْرَأَتُهُ

ترجمہ..... اور اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس مرد نے ایک عورت سے زنا کیا ہے جسے ہم نہیں پہچانتے ہیں تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ اس احتمال کی وجہ سے کہ یہ عورت اس کی اپنی بیوی ہی ہو۔ یا اس کی اپنی باندی ہو۔ بلکہ یہی ظاہر ہے اور اس کی امید کی جاتی ہے (فائدہ..... کیونکہ ایک مسلمان سے اسی بات کی امید رکھنی چاہئے کہ وہ حلال کام کے سوا جان بوجھ کر حرام کاری نہیں کرے گا۔ اور اگر اس شخص نے خود بھی اس کا اقرار کر لیا کہ ہاں میں نے زنا کیا ہے تب اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ اس پر یہ بات تو مخفی نہیں ہوگی کہ وہ عورت اس کی اپنی بیوی یا باندی ہے یا نہیں۔

تشریح..... وَإِنْ شَهِدُوا أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ لَا يَعْرِفُونَهَا لَمْ يُحَدَّ لِاحْتِمَالِ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ أَوْ أَمَتُهُ..... الخ حدود چونکہ شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں یہاں بھی شبہ (بلکہ ظاہر یہ ہے) ہے کہ وہ عورت اس آدمی کی بیوی یا باندی ہو لیکن اگر اسی صورت میں وہ آدمی اقرار کرے تو حد جاری ہوگی کہ اب شبہ نہیں بلکہ یقین ہو گیا ہے۔

دو مردوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں مرد نے زبردستی زنا کیا ہے اور دو مردوں نے حالت خوشی سے زنا کے ہونے کی گواہی دی تو حد کا حکم:

وَإِنْ شَهِدَ اِثْنَانِ أَنَّهُ زَنَى بِفُلَانَةٍ فَاسْتَكْرَهَهَا وَآخَرَانِ أَنَّهَا طَاوَعَتْهُ دُرْنَى الْحَدَّ عَنْهُمَا جَمِيعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍّ وَقَالَا يُحَدُّ الرَّجُلُ خَاصَّةً لِاتِّفَاقِهِمَا عَلَى الْمُوجِبِ وَتَقَرُّدِ أَحَدِهِمَا بِزِيَادَةِ جَنَابَةِ وَهُوَ إِلَّا كَرَاهٍ بِخِلَافِ جَانِبِهَا لِأَنَّ طَوَاعِيَّتَهَا شَرْطُ تَحَقُّقِ الْمُوجِبِ فِي حَقِّهَا وَلَمْ يَثْبُتْ لِاخْتِلَافِ فِيهِمَا وَلَهُ أَنَّهُ اخْتَلَفَ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ لِأَنَّ الزَّوَاجَ فَعْلٌ وَاحِدٌ يَقُومُ بِهِمَا وَلِأَنَّ شَاهِدِي الطَّوَاعِيَّةِ صَارَا قَادِفَيْنِ لِهَمَّا وَإِنَّمَا يَسْقُطُ الْحَدُّ عَنْهُمَا بِشَهَادَةِ شَاهِدِي الْإِكْرَاهِ لِأَنَّ زَوَاءَ هَامُكْرَهَةٍ يَسْقُطُ إِحْصَانُهَا فَصَارَا خَصْمَيْنِ فِي ذَلِكَ

ترجمہ..... اور اگر دو گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ اس شخص نے فلاں عورت سے زبردستی اور جبر کے ساتھ زنا کیا ہے۔ لیکن دوسرے گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس عورت نے بھی خوشی کے ساتھ زنا کیا ہے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک منکر سے سخت ہو جائے گی۔ امام زفر رحمۃ

اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے کہ صرف مرد کو حد لگائی جائے گی کیونکہ اس معاملہ کی گواہی کے دونوں فریق اس مرد کے زنا کرنے پر اور اس پر حد جاری کرنے میں متفق ہیں اور صرف ایک فریق نے اس دعویٰ میں زیادتی کی ہے کہ مرد نے زبردستی بھی کی ہے۔ لیکن عورت کی جانب یہ بات نہیں ہے۔ کیونکہ گواہی کے دونوں فریق مختلف ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز کی گواہوں نے گواہی دی ہے اس میں دونوں نے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ زنا ایک ایسا کام ہے جس کے کر دینے کا تعلق ایک مرد اور ایک عورت کے ساتھ مشترک طور سے ہوتا ہے۔ اس لئے ایک ہی کام ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ اس کے کرنے میں رضامندی کے ساتھ جبر اور زبردستی دونوں جمع ہو جائیں اور اس وجہ سے بھی کہ رضامندی کی خبر دینے کے دونوں گواہ ان دونوں عورت اور مرد کے حق میں تہمت لگانے والے ہو گئے۔ (کیونکہ زنا کی گواہی میں چار آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ اس سے ایک بھی کم ہونے سے زنا کا ثبوت نہیں ہوگا۔ ان دونوں کی گواہی ان مرد و عورت کے حق میں تہمت ہوگی) اور جبر کے ساتھ زنا کے بارے میں اس بات کی گواہی دینے سے کہ وہ مجبور تھی اور جو کچھ ہوا اس میں وہ معذرت تھی عورت محض نہیں ہو سکتی کیونکہ یہاں اگرچہ زنا پایا گیا ہے مگر عورت کو کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اس طرح یہ دونوں گواہ بھی تہمت رکھنے والے فریق بن گئے۔

تشریح..... وَإِنْ شَهِدَ اِثْنَانِ اَنَّهُ زَنَى بِفُلَانَةٍ فَاسْتَكْرَهَها وَآخَرَانِ اَنَّهُمَا طَاوَعَتْهُ دُرِي الْحَدَّ عَنْهُمَا جَمِيعًا عِنْدَ اَبِي حَنِيفَةَ..... الخ
امام ابوحنیفہؒ کے ہاں مذکورہ صورت میں حد زنا جاری نہ ہوگی اس لئے کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہے اور حد قذف بھی جاری نہ ہوگی اس لئے کہ شہادت دینے میں فعل زنا پر چار گواہ ہیں جو کہ اتہام سے خارج ہو گیا۔

دو گواہوں نے ایک عورت کے ساتھ کوفہ میں زنا کی گواہی دی دوسرے دو نے

بصرہ میں زنا کی گواہی تو حد ساقط ہو جائے گی

وَإِنْ شَهِدَ اِثْنَانِ اَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ بِالْكُوفَةِ وَآخَرَانِ اَنَّهُ زَنَى بِهَا بِالْبَصْرَةِ دُرِي الْحَدَّ عَنْهُمَا لِأَنَّ الْمَشْهُودَ بِهِ فِعْلُ الزَّوْنِ وَقَدْ اختلف باختلاف المَكَانِ وَلَمْ يَتِمَّ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا نَصَابُ الشَّهَادَةِ وَلَا يَحْدُ الشَّهْوُ خِلَافًا لِزَفَرٍ لِّشَبْهَةِ الْاِتِّحَادِ نَظَرًا إِلَى اِتِّحَادِ الصُّورَةِ وَالْمَرَأَةِ

ترجمہ..... اگر دو آدمیوں نے اس بات کی گواہی دی کہ اس شخص نے اس عورت سے کوفہ میں زنا کیا ہے مگر دوسرے دو مردوں نے گواہی دی کہ اس مرد نے اس عورت سے بصرہ میں زنا کیا ہے (یعنی ایک ہی تارتخ میں اور ایک ہی وقت میں کیا ہے حالانکہ دونوں جگہوں میں بہت فاصلہ ہے۔ تو ان دونوں مرد و عورت میں سے کسی پر بھی حد جاری نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ فعل زنا جس کی گواہی دی گئی ہے وہ جگہ بدل جانے سے بدل گیا ہے اور دونوں جگہوں میں ایک زنا کی گواہی کا بھی نصاب پورا نہیں ہوا ہے۔ یعنی کسی جگہ میں پورے چار گواہ نہیں پائے گئے ہیں اور گواہوں کو بھی تہمت کی حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ اتحاد صورت اور عورت کے اعتبار سے واقعہ کے ایک ہی ہونے کا شبہ بھی موجود ہے۔ اس میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے

تشریح..... وَإِنْ شَهِدَ اِثْنَانِ اَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ بِالْكُوفَةِ وَآخَرَانِ اَنَّهُ زَنَى بِهَا بِالْبَصْرَةِ دُرِي الْحَدَّ عَنْهُمَا لِأَنَّ الْمَشْهُودَ بِهِ..... الخ
مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ایک ہی کمرہ کے دو گوشوں میں گواہی کے اختلاف کا حکم

وَإِنْ اختلفوا فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ حُدَّ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ مُعْنَاهُ أَنْ يَشْهَدَ كُلُّ اِثْنَيْنِ عَلَى الزَّوْنِ فِي زَاوِيَةٍ وَهَذَا اِسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا يَحْدَّ لِاِختلاف المَكَانِ حَقِيقَةً وَحُجَّةُ اِلِسْتِحْسَانِ أَنَّ اَلْوَفِيقَ مُمَكِّنٌ بَأَن يَكُونُ

إِبْتِدَاءُ الْفَعْلِ فِي زَاوِيَةٍ وَالْإِنْتِهَاءُ فِي زَاوِيَةٍ أُخْرَى بِالْإِضْطِرَابِ أَوْ لَأَنَ الْوَاقِعَ فِي وَسْطِ الْبَيْتِ فَيَحْسِبُهُ مَنْ فِي الْمَقْدَمِ فِي الْمَقْدَمِ وَمَنْ فِي الْمَوْخَرِ فِي الْمَوْخَرِ فَيَشْهَدُ بِحَسَبِ مَا عِنْدَهُ

ترجمہ..... اور اگر گواہوں نے ان دونوں کے ایک کمرہ میں (ہونے کے باوجود جگہ کے بارے میں ایسا ہی) اختلاف کیا تو اس مرد اور عورت دونوں کو حد لگائی جائے گی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دو گواہوں نے اس ایک کونہ میں اور دوسرے دو نے دوسرے کونہ میں زنا کرنے کی گواہی دی ہو۔ یہ حکم استحسان کے طور پر ہے اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ انہیں حد نہیں لگائی جائے۔ کیونکہ حقیقت جگہ میں اختلاف ہے اور استحسان کی دلیل یہ ہے کہ دونوں باتوں کا ہونا ممکن ہے۔ اس طرح سے کہ اس کام کی ابتداء ایک حصہ میں شروع ہوئی ہو۔ لیکن بعد میں کسی الجھن سے جگہ بدل کر دوسرے کونہ میں چلے گئے ہوں۔ یا اس طرح سے کہ واقعہ تو کمرہ کے پچھلے حصہ میں ہوا ہو لیکن اس کمرہ کے اگلے حصہ میں رہنے والے نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ بھی اگلے حصہ میں ہیں اور دوسروں نے پچھلے حصہ میں ان کے پچھلے حصہ میں ہونے کا خیال کیا ہو۔ پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ان لوگوں نے گواہی دی ہو۔

تشریح..... وَإِنْ اِخْتَلَفُوا فِي بَيْتٍ وَاحِدٍ حُدَّ الرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ مَعْنَاهُ أَنْ يَشْهَدَ كُلُّ اثْنَيْنِ عَلَى الزَّانِئِ فِي زَاوِيَةٍ وَهَذَا..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چار مردوں نے کوفہ اور چار مردوں نے دیرہند میں زنا کی گواہی دی حد جاری ہوگی یا نہیں

وَأِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ بِالْخَيْلَةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَأَرْبَعَةٌ أَنَّهُ زَنَى بِهَا عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ بِدِيرِ هَنْدٍ دَرَسَى الْحَدَّ عَنْهُمْ جَمِيعًا أَمَّا عَنْهُمَا فَلَا تَأْتِيْنَا بِكَذِبِ أَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ مِنْ غَيْرِ عَيْنٍ وَأَمَّا عَنِ الشُّهُودِ فَلَا حَيْثَمَالٍ صَدَقَ كُلُّ فَرِيقٍ

ترجمہ..... اور اگر چار آدمیوں نے اس بات کی گواہی دی کہ مرد نے فلاں عورت سے موضع خیلہ (کوفہ کے قریب ایک جگہ) میں طلوع آفتاب کے وقت زنا کیا ہے اور دوسرے چار گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے اسی عورت کے ساتھ موضع دیرہند میں زنا کیا ہے۔ تو ان دونوں مرد و عورت کے علاوہ کسی گواہ پر بھی حد نہیں جاری کی جائے گی۔ ان میں سے مرد اور عورت پر اس لئے حد جاری نہیں ہوگی کہ ان دونوں فریق کے ہر فریق میں بغیر کسی تعین کے یہ احتمال بھی رہتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ اس طرح گواہوں کے دونوں فریق سے اس لئے حد ختم ہوگئی کہ ہر فریق میں بغیر کسی تعین کے اس کے سچ ہونے کا بھی احتمال رہتا ہے۔

تشریح..... وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ بِالْخَيْلَةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَأَرْبَعَةٌ أَنَّهُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چار مردوں نے ایک عورت کے بارے میں زنا کی گواہی دی حالانکہ عورت باکرہ ہے، زانی، مزنیہ اور گواہوں میں سے کسی پر حد جاری نہیں ہوگی

وَأِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى امْرَأَةٍ بِالزَّانِئِ وَهِيَ بِكَرْدَرَى الْحَدَّ عَنْهُمَا وَعَنْهُمْ لِأَنَّ الزَّانِئَ لَا يَتَحَقَّقُ مَعَ بَقَاءِ الْبَكَارَةِ وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ أَنَّ النِّسَاءَ نَظَرْنَ إِلَيْهَا فَقُلْنَ إِنَّهَا بِكَرْدَرَى شَهِدَتْهُنَّ حُجَّةٌ فِي إِسْقَاطِ الْحَدِّ وَلَيْسَ بِحُجَّةٍ فِي إِيْجَابِهِ فَلِهَذَا اسْقَطَ الْحَدَّ عَنْهَا وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ

ترجمہ..... اور اگر چار آدمیوں نے کسی عورت پر زنا کرنے کی گواہی دی۔ حالانکہ گواہوں کے وقت بیکار نہ ہو۔ تو عورت مرد اور تمام گواہوں

سے بھی ختم ہوگی (نہیں لگائی جائے گی) کیونکہ پردہ بکارت کے رہتے ہوئے زنا ثابت نہیں ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیقی صورت یہ ہوگی کہ عورتوں نے اس کی شرم گاہ دیکھ کر کہا کہ وہ اب تک باکرہ ہی ہے اور ان عورتوں کی گواہی ساقط کرنے میں تو جب ہوتی ہے لیکن کسی پر حد جاری کرنے کی صورت میں ان کی گواہی حجت نہیں ہوتی ہے۔ اسی لئے اس عورت اور مرد سے حد ساقط ہوگئی اور گواہوں پر حد قذف جاری نہیں ہوئی۔

تشریح..... وَإِنْ شَهِدَ اَرْبَعَةٌ عَلَى امْرَأَةٍ بِالزَّوْنِ وَهِيَ بِكَرٍّ ذُرَى الْحَدِّ عَنْهُمَا وَعَنْهُمْ..... الخ حاصل یہ کہ عورت سے حد زنا ساقط ہوگی کہ وہ باکرہ ہے اور اس کے باکرہ ہونے کی گواہی عورتوں نے دی ہے جو کہ حد کے ساقط کرنے کیلئے کافی ہے، باقی گواہوں پر حد قذف بھی جاری نہ ہوگی کہ عورتوں کی گواہی سے حد کو ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

ایسے چار مردوں نے زنا کی گواہی دی جو اندھے ہیں یا محدود فی القذف ہیں یا ان میں سے ایک بھی غلام ہو سب کو حد لگائی جائے گی

وَإِنْ شَهِدَ اَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّوْنِ وَهُمْ عُمَيَّانَ أَوْ مَحْذُودُونَ فِي قَذْفٍ أَوْ أَحَدُهُمْ عَبْدٌ أَوْ مَحْذُودٌ فِي قَذْفٍ فَإِنَّهُمْ يُحْذَرُونَ وَلَا يُحْذَرُ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ لَا يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهِمُ الْمَالُ فَكَيْفَ يَثْبُتُ الْحَدُّ وَهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ آدَاءِ الشَّهَادَةِ وَالْعَبْدُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلتَّحْمِيلِ وَالْآدَاءِ فَلَمْ يَثْبُتْ شُبْهَةُ الزَّوْنِ لِأَنَّ الزَّوْنِ يَثْبُتُ بِالْآدَاءِ

ترجمہ..... اور اگر چار آدمیوں نے کسی شخص کے خلاف زنا کرنے کی گواہی دی مگر وہ سب اندھے تھے یا ایسے تھے جن پر پہلے ہی حد قذف (تہمت کی حد) لگائی جا چکی ہے یا ان میں سے ایک بھی غلام ہو یا اس پر حد قذف لگائی جا چکی ہو تو تمام گواہوں پر حد لگائی جائے گی۔ (بشرطیکہ جس پر زنا کی گواہی دی ہے وہ خود بھی دعویٰ کرے)۔ لیکن جن پر الزام لگایا گیا ہے ان پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ یہ تو ایسے ناقص گواہ ہیں کہ ان کی گواہی سے مال بھی ثابت نہیں ہوتا ہے تو حد کس طرح ثابت ہوگی اور غلام گواہ بننے اور ادا کرنے کے لائق نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے زنا کا شبہ بھی ثابت نہ ہوا۔ کیونکہ گواہی دینے کے بعد زنا ثابت ہوتا ہے اس کے بغیر نہیں ہوتا ہے۔ (ف۔ اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے ان کا کہنا گواہی دینا تو نہیں ہوا بلکہ الزام لگانا ہوا اسی لئے الزام اور تہمت لگانے کی حد میں ان میں سے ہر ایک کو اسی (۸۰) اسی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے۔

تشریح..... وَإِنْ شَهِدَ اَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّوْنِ وَهُمْ عُمَيَّانَ أَوْ مَحْذُودُونَ فِي قَذْفٍ أَوْ أَحَدُهُمْ عَبْدٌ أَوْ مَحْذُودٌ فِي قَذْفٍ..... الخ چار آدمیوں نے جب کسی پر زنا کی گواہی دی اور ان میں سے کوئی شہادت کی اہلیت نہیں رکھتا تھا تو اس آدمی پر حد زنا جاری نہ ہوگی بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی اس لیے کہ مسلمان پر تہمت لگانے کا جرم ثابت ہو گیا، لہذا جس پر بہتان لگایا گیا اس کے مطالبہ پر ان گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔

فاسقوں نے زنا کی گواہی دی تو حد نہیں لگائی جائے گی

وَإِنْ شَهِدُوا بِذَلِكَ وَهُمْ فَسَاقٌ أَوْ ظَهَرَ أَنََّّهُمْ فَسَاقٌ لَمْ يُحْذَرُوا إِلَّا الْفَاسِقُ مِنَ أَهْلِ الْآدَاءِ وَالتَّحْمِيلِ وَإِنْ كَانَ فِي آدَائِهِ نَوْعٌ فَضُورٌ لِتَهْمَةِ الْفِسْقِ وَلِهَذَا لَوْ قَضَى الْقَاضِي بِشَهَادَةِ فَاسِقٍ يَنْفُذُ عِنْدَنَا فَيَثْبُتُ بِشَهَادَتِهِمْ شُبْهَةُ الزَّوْنِ وَبِاعْتِبَارِ قُضُورٍ فِي الْآدَاءِ لِتَهْمَةِ الْفِسْقِ يَثْبُتُ شُبْهَةُ عَدَمِ الزَّوْنِ فَلِهَذَا امْتَنَعَ الْحَدَّانِ وَسَيَاتِي فِيهِ

خِلَافَ الشَّافِعِيِّ بِنَاءً عَلَى أَصْلِهِ أَنَّ الْفَاسِقَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ فَهُوَ كَالْعَبْدِ عِنْدَهُ

ترجمہ..... اور اگر گواہوں نے زنا کی گواہی دی حالانکہ وہ فاسق ہوں یا گواہی دینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ فاسق ہیں تو ان کو حد قذف نہیں لگائی جائے گی کیونکہ ان میں فسق ہونے کی وجہ سے اگرچہ ان میں عیب ضرور ہے پھر بھی گواہ بننے اور گواہی دینے کی ان میں صلاحیت موجود ہے۔ اس لئے اگر فاسق کی گواہی پر قاضی نے حد لگانے کا حکم دے دیا تو ہمارے نزدیک وہ واجب العمل ہوگا۔ اور فاسق کی گواہی سے زنا کا شبہ بھی ہو جائے گا اور چونکہ فسق کا عیب رہتے ہوئے گواہی دینے میں کچھ کمی بھی ہے۔ اس لئے یہ بھی شبہ پیدا ہوگا کہ اس نے جس کے خلاف گواہی دی ہے اس نے زنا نہیں کیا ہو۔ اس لئے ان دونوں مرد و عورت پر حد واجب نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جو عنقریب بیان کیا جائے گا اور اختلاف کی اصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک فاسق شخص گواہی کے لائق نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ان کے نزدیک ایک فاسق غلام کے حکم میں ہوتا ہے (ف۔ پھر ان فاسقوں سے حد قذف بھی ساقط ہوگی لیکن اس صورت میں کہ گواہ چار یا زیادہ ہوں)۔

تشریح..... وَإِنْ شَهِدُوا بِذَلِكَ وَهُمْ فَسَاقٌ أَوْ ظَهَرَ أَنََّّهُمْ فَسَاقٌ لَمْ يُحْدَوْا إِلَّا الْفَاسِقُ..... الخ چار فاسق گواہوں کی گواہی سے مشہود علیہ پر حد جاری نہ ہوگی کہ فاسق کی گواہی میں نقص پایا جاتا ہے اور ان فساق پر حد اس لئے جاری نہ ہوگی کہ شہادت کے لئے چار کا عدد پایا گیا یعنی فعل زنا کے تحقق کا بھی شبہ ہے اور عدم زنا کا بھی احتمال ہے اس لئے ہر دوسرا میں حد زنا، حد قذف جاری نہ ہوں گی۔

تعداد شہود چار سے کم ہو تو بقیہ کو حد لگائی جائے گی

وَأَنَّ نَقْصَ عَدَدِ الشُّهُودِ عَنْ أَرْبَعَةٍ حُدُّوْا لِأَنََّّهُمْ قَذْفَةٌ إِذَا حَسَبَ عِنْدَ نَقْصَانِ الْعَدَدِ وَخُرُوجِ الشَّهَادَةِ عَنِ الْقَذْفِ بِإِعْتِبَارِهَا

ترجمہ..... اور اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو سب کو حد قذف ماری جائے گی کیونکہ یہ سب تہمت لگانے والے ہوئے۔ کیونکہ ان گواہوں کی خدا کم ہونے کی وجہ سے شرعی ثواب کے لئے گواہی نہیں ہو سکتی ہے اور اس گواہی کا بہتان لگانے سے خارج ہونا (گواہی کو بہتان نہ کہنا)، اسی بناء پر ہے کہ گواہی بھی ایک شرعی کام ہے۔

تشریح..... وَإِنْ نَقَصَ عَدَدُ الشُّهُودِ عَنْ أَرْبَعَةٍ حُدُّوْا لِأَنََّّهُمْ قَذْفَةٌ إِذَا حَسَبَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چار گواہوں نے زنا کی گواہی دی اور زانی کو حد لگائی گئی پھر گواہوں میں سے کوئی غلام یا محدود فی القذف تھا تو حد لگائی جائے گی

وَأَنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزِّنَاءِ فَضْرَبَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ وَجَدَ أَحَدَهُمْ عَبْدًا أَوْ مُحْدُوْدًا فِي قَذْفٍ فَإِنَّهُمْ يُحْدُوْنَ لِأَنََّّهُمْ قَذْفَةٌ إِذَا الشُّهُودُ ثَلَاثَةٌ

ترجمہ..... اور اگر چار آدمیوں نے کسی پر زنا کی گواہی دی اور ان کی گواہی کی وجہ سے اس مرد کو حد لگائی گئی۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ ان چار میں سے ایک غلام ہے یا کسی پر تہمت لگانے کی بناء پر حد لگائی جا چکی ہے تو ان سب کو حد لگائی جائے گی اور گواہوں کی تعداد تین ہی رہ جانے کی وجہ سے یہ سب بہتان لگانے والے ہو گئے۔

تشریح..... وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزِّنَاءِ فَضْرَبَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ وَجَدَ أَحَدَهُمْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کوڑے مارنے سے جو زانی اور زانیہ کو زخم ہو اس کا نقصان نہ گواہوں پر ہے نہ بیت المال پر

وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَلَى بَيْتِ الْمَالِ أَرَشُ الضَّرْبِ وَإِنْ رُجِمَ فِدَيْتُهُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَرَشُ الضَّرْبِ أَيْضًا عَلَى بَيْتِ الْمَالِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ جَرَحَهُ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ مِنَ الضَّرْبِ وَعَلَى هَذَا إِذَا رَجَعَ الشَّهْوُ لَا يَضْمَنُونَ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا يَضْمَنُونَ لَهُمَا أَنَّ الْوَاجِبَ بِشَهَادَتِهِمْ مُطْلَقُ الضَّرْبِ إِذَا لَاحِظَ أَرْعَنَ الْجَرَحِ خَارِجَ عَنِ الْوَسْعِ فَيَنْتَظِمُ الْجَارِحُ وَغَيْرَهُ فَيُضَافُ إِلَى شَهَادَتِهِمْ فَيَضْمَنُونَ بِالرُّجُوعِ وَعِنْدَ عِزِّ الرُّجُوعِ يَجِبُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّهُ يَنْتَقِلُ فِعْلُ الْجَلَادِ إِلَى الْقَاضِي وَهُوَ عَامِلٌ لِلْمُسْلِمِينَ فَتَجِبُ الْغَرَامَةُ فِي مَالِهِمْ فَصَارَ كَالرُّجْمِ وَالْقِصَاصِ وَلَا بِنِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْجَلْدُ وَهُوَ ضَرْبٌ مُؤَلَّمٌ غَيْرُ جَارِحٍ وَلَا مُهْلِكٍ فَلَا يَقَعُ جَارِحًا ظَاهِرًا إِلَّا لِمَعْنَى فِي الضَّارِبِ وَهُوَ قَوْلُهُ هَذَا بَيِّنَةٌ فَاقْتَصَرَ عَلَيْهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الضَّمَانُ فِي الصَّحِيحِ كَيْلَا يَمْتَنِعَ النَّاسُ عَنِ الْإِقَامَةِ مَخَافَةَ الْغَرَامَةِ

ترجمہ..... اور جن لوگوں کو درے مارے گئے ہوں گے اور اس مار کی وجہ سے وہ زخمی ہو گئے ہوں تو اس زخم کا نقصان نہ ان گواہوں پر ہوگا اور نہ بیت المال پر جرمانہ ہوگا اور اگر اسے رجم کر دیا گیا ہو تو اس کی دیت بیت المال پر لازم آئے گی۔ یہ تفصیل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے (بلکہ رجم کر دینے کی صورت میں حکم پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے)۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا ہے کہ درے مارے جانے کی صورت میں بھی (زخم کا تاوان) بیت المال سے یہی ادا کرنا ہوگا۔ عبد ضعیف (مصنف رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہا کا یہ قول اس صورت میں ہے کہ اسے درے مارنے سے صرف چوٹ نہ لگی ہو بلکہ زخم بھی آگئے ہوں۔ اسی طرح اگر درے مارے جانے سے وہ مر گیا تو بھی یہی اختلاف ہے۔ یعنی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی پر کچھ لازم نہیں ہوگا اور صاحبین کے نزدیک اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ اسی طرح اگر گواہوں نے اپنے دعووں سے رجوع کر لیا یعنی اپنی گواہی سے پھر گئے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوں گے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہا کے نزدیک ضامن ہوں گے۔ یعنی زخم کا جرمانہ دیں گے اور اگر وہ مر گیا ہو تو اس کی دیت دیں گے۔

صاحبین رحمۃ اللہ علیہا کی دلیل یہ ہے کہ ان گواہوں کی گواہی سے ہی اس پر درے مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ کسی صورت سے بھی ہو کیونکہ ان کو مار کر زخم ہو جانے سے بچا لینا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے یہ مار زخمی کرنے والی مار کو بھی شامل ہے۔ اس لئے یا تو زخمی ہونا یا زخم سے مر جانا سب ان ہی لوگوں کی گواہی کی طرف منسوب ہوگا۔ لہذا گواہی سے رجوع کر لینے کی صورت میں ضامن نہیں ہوں گے اور اگر انہوں نے گواہی سے منہ نہیں موڑا تو ایسی ضمانت بیت المال پر لازم ہوگی۔ کیونکہ اس وقت درے مارنے کے عمل کو قاضی کی طرف منسوب کرنا ہوگا۔ پھر چونکہ قاضی کا ہر کام تمام مسلمانوں کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر جو تاوان آئے گا وہ تمام بھی مسلمان کے مال میں واجب ہوگا۔ یعنی بیت المال سے دینا ہوگا۔ الحاصل دروں کی یہ حالت بھی رجم اور قصاص کے مثل ہوگئی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ان کی گواہی سے صرف درے مارنا واجب ہو یعنی اتنی چوٹ پہنچائی کہ اس سے اس شخص کو تکلیف ہو اور ایسی مار سے کوئی بھی ہلاک نہیں ہوتا ہے اور بظاہر یہ چوٹ زخمی کرنے والی نہ ہوگی مگر جب کہ مارنے والوں کی طرف سے کوئی زیادتی ہو جائے (یعنی اس کے مارنے کا انداز صحیح نہ ہو)۔ تو اس چوٹ اور زخم کا ذمہ دار خود مارنے والا ہوگا اور گواہ اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ لیکن اس مارنے والے پر بھی اس کا تاوان لازم نہیں آئے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ تاکہ تاوان کے خوف سے لوگ حد مارنے سے انکار نہ کریں۔

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۱۷۹ باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها
تشریح وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَلَى بَيْتِ الْمَالِ أَرْضُ الضَّرْبِ وَإِنْ رُجِمَ فِدَيْتُهُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چار آدمیوں کی گواہی پر چار آدمیوں نے زنا کی گواہی دی تو مجرم کو حد نہیں لگائی جائے گی

وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى شَهِادَةِ أَرْبَعَةٍ عَلَى رَجُلٍ بِالزِّنَاءِ لَمْ يُحَدِّ لِمَا فِيهَا مِنْ زِيَادَةِ الشُّبْهِةِ وَلَا ضُرُورَةِ الْإِلَى تَحْمِيلِهَا

ترجمہ اور اگر چار آدمیوں نے دوسرے چار آدمیوں کے گواہی دینے پر گواہی دی کہ فلاں نے زنا کیا ہے۔ تو اس شخص کو حد نہیں لگائی جائے گی۔
کیونکہ ان لوگوں کی گواہی میں بہت سے شبہات پیدا ہو جاتے ہیں اور اس گواہی کو قبول کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

تشریح وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى شَهِادَةِ أَرْبَعَةٍ عَلَى رَجُلٍ بِالزِّنَاءِ لَمْ يُحَدِّ لِمَا فِيهَا مِنْ زِيَادَةِ الشُّبْهِةِ الخ اگر چار آدمیوں نے دوسرے چار آدمیوں کی گواہی کی بناء پر کسی پر زنا کا الزام لگایا۔ ف۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ مرد پر زنا کا الزام لگانے والے چار گواہ تھے۔ ان چاروں نے اپنی گواہی پر دوسرے چار مردوں کو گواہ بنایا۔ پس ان دوسرے چاروں نے پہلے چاروں گواہوں کی گواہی پر مرد کے خلاف زنا کرنے کی گواہی دی تو اس گواہی کی بناء پر اس شخص کو حد زنا نہیں لگائی جائے گی۔ جس پر الزام لگایا گیا ہے۔ کیونکہ اس جگہ یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ نجائے اصل گواہوں نے کیا کہا تھا۔ اس لئے اس میں یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ اسے قبول نہ کیا جائے اور اگر ان لوگوں نے تو صحیح طریقہ سے کہا تھا مگر اب یہ دوسرے گواہ اس کی ادائیگی میں کچھ فرق کر رہے ہوں۔ اس طرح اس میں شبہ پر شبہ پیدا ہو گیا اور ایسی گواہی قبول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے وہ رد کر دی جائے گی اور ان دوسرے گواہوں کی گواہی نامقبول ہوئی تو پہلے گواہوں کی بھی گواہی نامقبول ہوگئی۔ ”فان جاء الاولون الخ“ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

اصل چار گواہوں نے معین مقام پر اپنے دیکھنے کی گواہی دی پھر بھی حد نہیں لگائی جائے گی

فَإِنْ جَاءَ الْأَوَّلُونَ فَشَهِدُوا عَلَى الْمُعَانِيَةِ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ لَمْ يُحَدِّ أَيضًا مَعْنَاهُ شَهِدُوا عَلَى ذَلِكَ الزِّنَاءِ بِعَيْنِهِ لِأَنَّ شَهَادَتَهُمْ قَدَّرْتُ مِنْ وَجْهِ بَرْدِ شَهَادَةِ الْفُرُوعِ فِي عَيْنِ هَذِهِ الْحَادِثَةِ إِذْ هُمْ قَائِمُونَ مَقَامَهُمْ فِي الْأَمْرِ وَالتَّحْمِيلِ وَلَا يُحَدِّ الشُّهُودُ لِأَنَّ عَدَدَهُمْ مُتَكَامِلٌ وَامْتِنَاعُ الْحَدِّ عَنِ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ لِنَوْعِ شُبْهِةِ وَهِيَ كَافِيَةٌ لِلدَّرءِ الْحَدِّ لَا لِإِنجَابِهِ

ترجمہ پھر اگر پہلے چاروں یعنی اصل گواہوں نے اگر اس مقام پر اپنے دیکھنے کی گواہی دی تو بھی اس شخص کو جس کے خلاف الزام لگایا گیا ہے حد نہیں ماری جائے گی۔ اس مقام کے کہنے سے مراد یہ ہے کہ عینہ اس زنا کی گواہی دی (بغیر کسی فرق کے) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان اصل گواہوں کی گواہی بھی ایک طرح سے رد کر دی گئی ہے۔ اس صورت سے کہ اسی حادثہ (واقعہ) میں ان کے فروع (دوسرے گواہ) کی گواہی رد کی گئی ہے۔ کیونکہ گواہی کو قبول کرنے پھر اسے بیان کرنے میں ان کے فروع (دوسرے گواہ) ان کے حکم سے ان کے قائم مقام ہیں۔ پھر ان گواہوں کو بھی حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔ نہ پہلے اور اصل گواہوں کو اور نہ دوسرے گواہوں کو۔ کیونکہ تعداد میں وہ پورے پورے ہیں اور جس کے خلاف انہوں نے گواہی دی اس سے بھی حد کا ساقط ہونا ایک قسم کا شبہ پائے جانے کی وجہ سے ہے اور یہی شبہ اس سے حد کو ختم کرنے کے لئے کافی ہے۔ مگر گواہوں پر حد قذف واجب ہونے کے لئے کافی نہیں ہے۔

تشریح فَإِنْ جَاءَ الْأَوَّلُونَ فَشَهِدُوا عَلَى الْمُعَانِيَةِ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ لَمْ يُحَدِّ أَيضًا مَعْنَاهُ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چار آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی اور ان کی گواہی سے رجم کیا گیا جو بھی اپنی گواہی سے رجوع کرے گا اسے حد لگائی جائے گی

وَإِذَا شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّانَاءِ فَرَجِمَ فَكَلَّمَارَجَعَ وَاحِدٌ حُدَّ الرَّاجِعُ وَحُدَّ وَغَرِمَ رُبْعَ الدِّيَةِ أَمَّا الْغَرَامَةُ فَلِأَنَّهُ بَقِيَ مَنْ يَسْقَى بِشَهَادَتِهِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْحَقِّ فَيَكُونُ الْفَائِثُ بِشَهَادَةِ الرَّاجِعِ بِرُبْعِ الْحَقِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجِبُ الْقَتْلُ دُونَ الْمَالِ بِنَاءً عَلَى أَصْلِهِ فِي شُهُودِ الْقِصَاصِ وَ سَبَبُهُ فِي الدِّيَاتِ إِنْشَاءُ اللَّهِ تَعَالَى وَأَمَّا الْحَدُّ فَمَذْهَبُ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ وَقَالَ زُفَرٌ لَا يُحَدُّ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ الرَّاجِعُ قَازِفٌ حَتَّى فَقَدَ بَطْلَ بِالْمَوْتِ وَإِنْ كَانَ قَازِفٌ مَيِّتٌ فَهُوَ مَرَجُومٌ بِحُكْمِ الْقَاضِي فَيُورِثُ ذَلِكَ شُبْهَةً وَلَنَا أَنَّ الشَّهَادَةَ إِنَّمَا تَنْقَلِبُ قَذْفًا بِالرُّجُوعِ لِأَنَّهُ بِهِ تَفْسِخُ شَهَادَتِهِ فَجُعِلَ لِلْحَالِ قَذْفًا لِلْمَيِّتِ وَقَدْ انْفَسَخَتِ الْحُجَّةُ فَيَنْفَسِخُ مَا يَتَّبِعُ عَلَيْهِ وَهُوَ الْقَضَاءُ فِي حَقِّهِ فَلَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ بِخِلَافِ مَا ذَاقَدَ فَهُوَ غَيْرُهُ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُحْصِنٍ فِي حَقِّ غَيْرِهِ لِقِيَامِ الْقَضَاءِ فِي حَقِّهِ

ترجمہ..... اگر چار گواہوں نے ایک مرد محسن پر زنا کرنے کی گواہی دی اس بناء پر اسے رجم کیا گیا۔ اس وقت سے جب بھی کوئی اپنی گواہی سے رجوع کرے گا اسے حد قذف لگائی جائے گی اور اس شخص کی دیت کی چوتھائی کا وہ ضامن بھی ہوگا۔ اس میں ضمان کی وجہ یہ ہے کہ جتنے گواہ اپنی گواہی پر باقی رہے ہیں۔ یعنی تین گواہ تو ان کے ساتھ تین چوتھائی حق باقی رہتے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کا انکی گواہی سے پھر جانے کی وجہ سے ایک چوتھائی حق ختم ہو گیا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو بھی گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے اس پر مال واجب نہیں ہوگا بلکہ اسے قتل کر دینا واجب ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اصل وہ تھی جو قصاص کے گواہوں کے سلسلہ میں ہے کہ اگر قصاص کے بعد گواہ اپنی گواہی سے بدل جائے تو اسے قتل کر دینا چاہئے۔ اسی طرح کوئی گواہ کسی کے خلاف رجم کی گواہی دے کر پھر جائے تو اسے بھی قتل کر دینا ضروری ہوگا۔ اس کی مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ باب الدیات میں بیان کریں گے۔ (لیکن مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا ہے) اور اپنے دعویٰ سے پھر جانے والے گواہ کو حد مارنا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اسے حد بھی نہیں ماری جائے گی۔ کیونکہ اگر دعویٰ سے رجوع کر لینے والے گواہ نے زندہ شخص پر زنا کی تہمت لگائی تھی تو اس کے مرنے کے بعد اس گواہ پر سے حد قذف باطل ہوگئی اور اگر اس کے مرنے کے بعد تہمت لگائی تو وہ قاضی کے حکم سے رجم کیا گیا ہے۔ اس لئے شبہ پیدا ہو گیا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہی کے انکار کر دینے کی وجہ سے وہ گواہی سب تہمت سے بدل جاتی ہے۔ کیونکہ اسی رجوع کرنے سے اس کی گواہی فسخ ہو جاتی ہے۔ لہذا اس کے رجوع کر لینے کو مردہ پر تہمت لگانا کہا جائے گا اور زنا کے ثابت ہونے کی وجوہات تھی وہ ختم ہو جائے گی اور اس کے نجات ہونے پر جس کی بنیاد تھی وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ یعنی اس سے متعلق قاضی کا جو فیصلہ تھا وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ تو اب کوئی شبہ بھی پیدا نہیں ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر سنگسار کئے ہوئے شخص پر کسی دوسرے شخص نے تہمت لگائی تو اسے حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ وہ شخص اس دوسرے شخص کے حق میں محسن نہیں رہا کیونکہ اس کے لحاظ سے قاضی کا حکم صحیح اور باقی ہے۔

تشریح..... وَأَمَّا الْحَدُّ فَمَذْهَبُ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ وَقَالَ زُفَرٌ لَا يُحَدُّ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ الرَّاجِعُ قَازِفٌ حَتَّى الخ محسن مرد پر زنا کا الزام لگا کر گواہی دے کر اسے سنگسار کروا دینے میں کوئی مال قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اسے قتل کر دیا جائے گا اور ہمارے علماء ثلاثہ نے فرمایا ہے کہ ہر گواہ سے اس شخص کی پوری دیت میں سے ایک ایک چوتھائی دیت وصول کی جائے گی اور اس پر حد قذف بھی جاری کی جائے گی اور امام زفر رحمۃ اللہ نے

فرمایا ہے کہ اسے حد بھی نہیں لگائی جائے گی۔

فائدہ..... امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال یہ ہے کہ گواہ کو حد قذف اسی صورت میں لگائی جاتی ہے کہ اس نے کسی محسن مسلم کو اس کی زندگی میں زنا کرنے کی تہمت لگائی ہو اور موجودہ صورت میں جس کے خلاف گواہی دی ہے اسے سنگسار کر دیا گیا ہے۔ اب اگر وہ گواہ اپنی گواہی سے رجوع کرتا ہے تو اس کی گواہی بدل کر زنا کی تہمت نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جسے سنگسار کیا جا چکا ہے۔ اگر اس پر الزام کو اس کی زندگی ہی میں زنا کی تہمت مان لی جائے تو اس کے مر جانے کی وجہ سے اس ملزم پر سے حد قذف ختم ہو چکی ہے۔ کیونکہ حد قذف میراث کی طرح منتقل نہیں ہو سکتی ہے۔

اور اگر اس الزام کو اس شخص کے مر جانے کے بعد اس پر زنا کی تہمت مانی جائے تو وہ قاضی کے حکم سے رجم کیا گیا ہے۔ اس لئے زنا کرنے والے کو زانی کہنے میں کوئی تہمت نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن جب اس گواہ کے پھر جانے سے زنا کا ثبوت نہیں ہو سکا تو وہ شخص حقیقتاً زانی نہیں ہوا مگر قاضی کے حکم لگادینے کی وجہ سے ایک شبہ ضرور پیدا ہو گیا اس بناء پر گواہ سے حد قذف بھی ساقط ہو گئی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قاضی نے رجم کا حکم اس وقت دیا تھا جب کہ اسے پوری گواہی مل چکی تھی اور جب ایک گواہ پھر گیا تو اس کے پھر جانے کی وجہ سے گواہ کے بارے میں قاضی کا حکم بھی ختم ہو گیا۔ پس گواہ اپنے کہنے کے مطابق ایسے شخص کو تہمت لگانے والا ہوا جس کے بارے میں قاضی کی طرف سے رجم کا حکم باطل ہے۔ اس لئے کچھ شبہ نہیں ہوگا کہ اس نے ایک ایسے محسن کو جس میں کوئی عیب نہیں ہے زنا کی غلط تہمت لگائی ہے۔ البتہ اگر گواہ کے سوا کوئی دوسرا شخص اسے زنا کی تہمت لگائے تو قاضی کا حکم اس کے حق میں باقی رہے گا۔ اس لئے حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔

مشہود علیہ کو ابھی حد جاری نہیں کی گئی کہ گواہوں میں سے ایک نے رجوع کر لیا
سب کو حد لگائی جائے گی

فَإِنْ لَمْ يُحَدِّ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ حَتَّى رَجَعَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ حُدُّوْا جَمِيعًا وَسَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ حُدُّ الرَّاجِعِ خَاصَّةً لِأَنَّ الشَّهَادَةَ تَأْكُثُ بِالْقَضَاءِ فَلَا يَنْفَسُخُ إِلَّا فِي حَقِّ الرَّاجِعِ كَمَا إِذَا رَجَعَ بَعْدَ الْإِمْضَاءِ وَلَهُمَا أَنَّ الْإِمْضَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فَصَارَ كَمَا إِذَا رَجَعَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَلِهَذَا سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ وَلَوْ رَجَعَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قَبْلَ الْقَضَاءِ حُدُّوْا جَمِيعًا وَقَالَ زُفَرٌ يُحَدُّ الرَّاجِعُ خَاصَّةً لِأَنَّهُ لَا يُصَدِّقُ عَلَى غَيْرِهِ وَلَنَا أَنَّ كَلَامَهُمْ قَذَفَ فِي الْأَصْلِ وَإِنَّمَا يَصِيرُ شَهَادَةٌ بِاتِّصَالِ الْقَضَاءِ بِهِ فَإِذَا لَمْ يَتَّصِلْ بَقِيَ قَذْفًا فَيُحَدُّونَ

ترجمہ..... پس اگر مکمل گواہی کے بعد بھی اس ملزم (جس کے خلاف گواہی دی گئی) کو حد نہیں لگائی گئی ہو کہ ان میں سے کوئی ایک گواہ بھی اپنے دعویٰ سے پھر گیا ہو تو ان تمام گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی اور اس ملزم سے وہ حد قذف ختم ہو جائے گی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تمام گواہوں پر نہیں بلکہ صرف رجوع کرنے والے پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ہی ان لوگوں کی گواہی پختہ اور مضبوط ہو گئی ہے۔ اس لئے مکمل گواہی نسخ نہیں ہوگی۔ البتہ صرف اسی کے حق میں نسخ ہوگی۔ جس نے اب رجوع کر لیا ہے۔ جیسے کہ ملزم (مشہود علیہ) پر حد جاری کئے جانے کے بعد کسی گواہ نے رجوع کر لیا ہو تو فقط اسی کو حد قذف لگائی جاتی ہے اور اس کی ذمہ داری میں سے ہے۔ اس لئے یہ ایسا ہو گیا جیسے قاضی کے فیصلہ سے پہلے ہی کسی نے رجوع کر لیا ہو۔ اسی وجہ سے اس مشہود علیہ سے حد ساقط ہو گئی اور اگر قاضی کے حکم سے پہلے کسی ایک گواہ نے بھی رجوع کر لیا تو ان تمام گواہوں کو حد ماری جائے گی اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ صرف رجوع کرنے والے کو حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ اس کے قول کی تصدیق دوسرے گواہوں پر نہ ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہوں کا کلام اصل میں ایک بہتان اور الزام ہے مگر جب اس کے بعد قاضی کا فیصلہ بھی صادر ہو جائے تو وہی بہتان گواہی سے بدل جاتا ہے اور موجودہ صورت میں جب قاضی کا حکم اس کے ساتھ نہیں ہوا تو وہ اپنی حالت پر

باب الشهادة على الزنا والرجوع عنها ۱۸۲ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
بہتان ہی باقی رہا۔ اسی لئے سب کو حد لگائی جائے گی۔

تشریح فَإِنْ لَمْ يَحْذَ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ حَتَّى رَجَعَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ حُذُوا أَجْمَعًا وَسَقَطَ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر پانچ گواہوں میں سے ایک یا دو گواہوں نے رجوع کر لیا تو حکم

فَإِنْ كَانُوا خَمْسَةً فَرَجَعَ أَحَدُهُمْ فَلَا شَيْ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُ بَقِيَ مَنْ يَبْقَى بِشَهَادَتِهِ كُلُّ الْحَقِّ وَهُوَ شَهَادَةُ الْأَرْبَعِ فَإِنْ رَجَعَ آخَرُ حُذَا وَغَيْرِ مَارُبَعِ الدِّيَةِ أَمَّا الْحَدُّ فَلَمَّا ذَكَّرْنَا وَأَمَّا الْغَرَامَةُ فَلِأَنَّهُ بَقِيَ مَنْ يَبْقَى بِشَهَادَتِهِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْحَقِّ وَالْمُعْتَبَرُ بَقَاءُ مَنْ بَقِيَ لَا رُجُوعُ مِنْ رَجَعَ عَلَى مَا عُرِفَ

ترجمہ اور اگر گواہ پانچ ہوں ان میں سے ایک نے گواہی سے رجوع کر لیا تو باقی لوگوں پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا اور حکم میں فرق نہیں آئے گا۔ کیونکہ اس وقت بھی مکمل چار گواہ باقی ہیں جس سے دعویٰ صحیح ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد ایک اور گواہ نے بھی رجوع کر لیا تو ان دونوں پر حد قذف لگائی جائے گی اور یہ دونوں چوتھائی دیت کے ذمہ دار ہوں گے۔ کیونکہ حد تو اسی وجہ سے واجب ہوگی جو ہم نے ابھی بیان کر دی ہے (یعنی جب پانچ میں سے دو گواہوں نے بھی رجوع کر لیا تو ان سب کی بات تہمت سے بدل گئی کیونکہ اب ان کی بات قاضی کے فیصلہ جاری کرنے کے لائق نہیں رہی کہ وہ گواہی میں کمی جاسکے)۔ اور چوتھائی دیت کے ضامن وہ دونوں اس لئے ہوں گے کہ باقی تینوں پر تین چوتھائی حق باقی رہ گیا ہے اور جو گواہ اپنی گواہی پر باقی رہے اسی کے باقی رہنے کا اعتبار ہوتا ہے اور جو گواہی سے نکل گیا اس کے نکلنے کا اعتبار نہیں ہوتا ہے جیسا کہ کتاب الشہادات میں ذکر کیا گیا ہے۔

تشریح فَإِنْ كَانُوا خَمْسَةً فَرَجَعَ أَحَدُهُمْ فَلَا شَيْ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُ بَقِيَ مَنْ يَبْقَى بِشَهَادَتِهِ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چار آدمیوں نے کسی مرد پر زنا کی گواہی دی گواہوں کا تزکیہ بھی ہو گیا پھر رجم بھی کر دیا گیا

اس کے بعد معلوم ہوا کہ گواہ غلام یا مجوسی تھے تو دیت کس پر لازم ہے، اقوال فقہاء

رَأَى شَهِدَ أَرْبَعَةً عَلَى رَجُلٍ بِالزَّانَاءِ فَرُكُوا فَرَجَمَ فَإِذَا الشُّهُودُ مَجُوسٌ أَوْ عِبِيدٌ فَلِلدِّيَةِ عَلَى الْمُزَكَّيْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ مَعْنَاهُ إِذَا رَجَعُوا عَنِ التَّزْكِيَةِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ هُوَ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ وَقِيلَ هَذَا إِذَا قَالُوا تَعَمَّدْنَا التَّزْكِيَةَ مَعَ عَلَمِنَا بِحَالِهِمْ لَهُمَا أَنَّهُمْ أَثْنَوْا عَلَى الشُّهُودِ خَيْرًا أَفْصَارَ كَمَا إِذَا أَثْنَوْا عَلَى الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ خَيْرًا أَبَانَهُ شَهِدُوا عَلَى أَحْصَانِهِ وَلَهُ أَنَّ الشَّهَادَةَ إِنَّمَا تَصِيرُ حُجَّةً عَامِلَةً بِالتَّزْكِيَةِ فَكَانَتْ التَّزْكِيَةُ فِي مَعْنَى عِلَّةِ الْعِلَّةِ فَيُضَافُ الْحُكْمُ إِلَيْهَا بِخِلَافِ شُهُودِ الْأَحْصَانِ لِأَنَّهُ مَحْضُ الشَّرْطِ وَلَا يَفْرُقُ بَيْنَهُمَا إِذَا شَهِدَا وَابْلَغَظَةَ الشَّهَادَةِ أَوْ أَخْبَرُوا وَهَذَا إِذَا خَبَرُوا بِالْحَرِيَّةِ وَالْإِسْلَامِ أَمَّا إِذَا قَالُوا هُمْ عُدُولٌ وَظَهَرُوا عِبِيدًا لَا يَضْمَنُونَ لِأَنَّ الْعَبْدَ قَدْ يَكُونُ عَدْلًا وَلَا ضَمَانَ عَلَى الشُّهُودِ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ كَلَامُهُمْ شَهَادَةً وَلَا يَحْدُونُ حَدًّا لَقَدْ ذُفِّ لَانَّهُمْ قَذَفُوا أَحْيًا وَقَدْ مَاتَ فَلَا يَوْرَثُ عَنْهُ

ترجمہ اگر چار آدمیوں نے کسی ایک کے خلاف زنا کرنے کی گواہی دی۔ پھر تزکیہ کرنے والوں (جانچنے والوں) نے ان سبہوں کو عادل اور شہادت دینے کے قابل مان لیا۔ اس کے بعد اس ملزم کو رجم کر دیا گیا تب ان کے متعلق اچانک یہ تحقیق ہوئی کہ وہ سب مجوس (غیر مسلم) یا غلام ہیں۔ تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس شخص کی دیت ان کی تحقیق اور تزکیہ کرنے والوں پر لازم آئے گی۔ گواہوں کو عادل بتلانے کے معنی یہ ہیں کہ

انہوں نے گواہوں کو عادل بتانے سے رجوع کر لیا اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے کہ اس کی دیت بیت المال پر لازم آئے گی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ ان مزکین نے یہ کہہ دیا ہو کہ ہم نے گواہوں کا حال جان کر قصد ان کو عادل کہا تھا۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ مزکین نے ان گواہوں کے عادل ہونے کی تعریف کی تو ایسا ہو گیا۔ جیسے ان مزکین نے خود ملزم کے بارے میں بھلائی بیان کی ہو مثلاً یہ کہا ہو کہ یہ شخص مخلص ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ گواہی اس وقت معتبر اور کارآمد ہوگی۔ جب کہ وہ مزکین ان گواہوں کے بارے میں عادل ہونا بیان کر دیں۔ اب جب کہ انہوں نے ان کے بارے میں عادل ہونا بیان کر دیا جو علت کی علت ہوئی تو اس کے نتیجہ کا حکم اسی کی طرف منسوب ہوگا۔ برخلاف احسان کے گواہوں کے کیونکہ احسان ہونا شرط محض (اور حکم زنا کے پچانے کی ایک علامت) ہے۔ یعنی حکم کی نسبت اپنی علت کی طرف ہوتی ہے اور صرف شرط کی طرف نہیں ہوتی پھر اگر مزکین نے لفظ شہادت سے کہا ہو یا لفظ خبر سے بیان کیا ہو تو کچھ فرق نہیں ہوتا ہے۔ (یعنی اگر مزکین نے یہ کہا کہ ہم خبر دیتے ہیں کہ یہ تمام گواہ آزاد مسلمان اور عادل ہیں یا یوں کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ تمام گواہ آزاد مسلمان اور عادل ہیں تو دونوں صورتوں میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر وہ مجس یا غلام ظاہر ہوئے تو یہ مزکین اس کے ضامن ہوں گے۔ پھر ضامن ہونا اسی صورت میں لازم آئے گا جب کہ ان مزکین نے ان کے آزاد اور مسلمان ہونے کی بھی خبر دی ہو۔ کیونکہ اگر انہوں نے فقط یہ کہا ہو کہ یہ لوگ عادل گواہ ہیں پھر وہ غلام ظاہر ہوئے تو وہ مزکین ضامن نہیں ہوں گے کیونکہ غلام بھی عادل ہو سکتا ہے اور گواہوں پر ضمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ صرف ان کا کلام گواہی اور شہادت نہیں ہوئی تھی۔ یعنی جب قاضی کا حکم باطل قرار پایا تو ان گواہوں کا کلام بھی گواہی نہیں بلکہ الزام تراشی اور بہتان ہو گیا۔ لیکن ان کو حد قذف اس لئے نہیں لگائی جائے گی کہ انہوں نے ایک زندہ شخص کو زنا کی تہمت لگائی تھی۔ جو مر گیا۔ تو حد قذف اس سے میراث نہیں چھوٹے گی۔

تشریح..... وان شهدا اربعة علی رجل بالزناء فزکو افرجم فاذا الشهود مجوس او عبيد فالدية علی المزکين..... الخ جب کسی آدمی کے سنگسار ہونے کا فیصلہ ہو گیا اور حکم نافذ ہو گیا بعد میں گواہ مجوسی یا غلام نکلے تو اب سنگسار شدہ شخص کی دیت (خون بہا) کس پر ہے؟ اول صورت یہ کہ اگر مزکین نے گواہوں کے عادل ہونے کی شہادت دی اور بعد میں وہ غلام نکلے تو بالاتفاق کسی پر دیت نہ ہوگی اور اگر مزکین نے کسی غلط فہمی کی بناء پر گواہوں کے حریت و اسلام کی گواہی دی تو اس صورت میں دیت بیت المال پر ہے اور جب مزکین نے عمد اپنے علم کے خلاف گواہوں کا تزکیہ بیان کیا تو اس صورت میں مزکین پر امام صاحب کے ہاں دیت ہے اور صاحبین کے ہاں بیت المال پر دیت ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ گواہوں کی شہادت مزکین کی تصدیق سے قبول کی گئی تھی اب جب کہ گواہ مجوسی یا غلام نکلے تو یہ درحقیقت مزکین کا رجوع متصور کیا جائے گا۔ صاحبین کہتے ہیں کہ مزکین نے گواہوں کی خیر اور فضیلت پر گواہی دی ہے اور جس طرح زانی کے محسن ہونے پر سنگسار ہونے کے بعد محسن ہونے کی گواہی دینے والے اپنی گواہی سے رجوع کریں تو دیت بیت المال پر ہوتی ہے اس طرح یہاں بھی ہوگا۔

لیکن امام صاحب فرماتے ہیں تزکیہ کی حیثیت علت العلة کے معنی میں ہے اور حکم کی نسبت جس طرح علت کی طرف ہوتی ہے اس طرح علت العلة کی طرف بھی ہوتی ہے بخلاف زانی کے محسن ہونے کے صفت احسان کا حکم شرط ہے علت نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام صاحب کا مسلک اس فرق کی بنیاد پر رائج ہے۔

چار آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی قاضی نے رجم کا حکم دے دیا کسی نے

مجرم کی گردن اڑادی پھر معلوم ہوا گواہ غلام تھے تو قاتل پر دیت ہے

اِذَا شَهِدَ اَرْبَعَةٌ عَلٰی رَجُلٍ بِالزِّنَا فَاَمَرَ الْقَاضِي بِرَجْمِهِ فَضَرَبَ رَجُلٌ عُنُقَهُ ثُمَّ وَجَدَ الشُّهُودَ عُبَيْدًا فَعَلٰی

الْقَاتِلِ الدِّيَّةَ وَفِي الْقِيَّاسِ يَجِبُ الْقَصَاصُ لِأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومَةً بغيرِ حَقٍّ وَجَهَ الْإِسْتِحْسَانَ أَنَّ الْقَضَاءَ صَحِيحٌ ظَاهِرًا وَقَتْلُ الْقَاتِلِ فَأَوْرَثَ شُبْهَةً بِخِلَافِ مَا إِذَا قَتَلَهُ قَبْلَ الْقَضَاءِ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ لَمْ تَصِرْ حُجَّةً بَعْدَ وَلَأنَّهُ ظَنَّهُ مُبَاحَ الدَّمِ مُعْتَمِدًا أَعْلَى دَلِيلٍ مُبِيحٍ فَصَارَ كَمَا إِذَا ظَنَّهُ حَرْبِيًّا وَعَلَيْهِ عِلَامَتُهُمْ وَيَجِبُ الدِّيَّةُ فِي مَالِهِ لِأَنَّهُ عَمَدٌ وَالْعَوَاقِلُ لَا تَعْقِلُ الْعَمَدَ وَيَجِبُ ذَالِكُ فِي ثَلَاثِ سِنِينَ لِأَنَّهُ وَجِبَ بِنَفْسِ الْقَتْلِ

ترجمہ..... اگر چار مردوں نے ایک شخص پر زنا کرنے کی گواہی دی اس پر قاضی نے اس شخص کو رجم کرنے کا حکم دیا۔ پھر ایک شخص نے اس کی گردن اڑادی اس وقت اتفاق سے وہ گواہ غلام ثابت ہو گئے تو اس قتل کرنے والے شخص پر استحسانا دیت لازم آئے گی۔ اگر چہ قیاس یہ چاہتا ہے۔ کہ اس پر قصاص واجب ہو۔ کیونکہ اس نے ایک بے قصور شخص کو بغیر کسی حق کے قتل کیا ہے۔ اس استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اس کے قتل کے وقت قاضی کا فیصلہ صحیح ہے۔ اس لئے اس نے قصاص واجب کرنے میں شبہ پیدا کر دیا۔ بخلاف اس کے اگر قاضی کے فیصلہ سے پہلے قتل کر دیتا تو کسی شبہ کے بغیر اس پر قصاص لازم آتا کیونکہ اس وقت تک گواہی قابلِ جہت نہیں ہوئی تھی اور استحسان کی دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ قاتل نے اس کے خون کو مباح سمجھ لیا تھا کیونکہ مباح کرنے والی دلیل موجود تھی۔ تو یہ مسئلہ ایسا ہو گیا کہ گویا قاتل نے اسے حربی گمان کر لیا تھا جب کہ اس پر حربیوں کی علامت بھی موجود ہو اور یہ دیت اس قاتل ہی کے مال پر واجب ہوگی کیونکہ یہ قتل عمد ہے اور برادری والے مددگار قتل عمد کی صورت میں اس کا تاوان برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتے ہیں اور یہ دیت تین سالوں میں ادا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ یہ دیت قتل محض سے واجب ہوئی ہے۔

تشریح..... و اذا شهد اربعة على رجل بالزناء فامر القاضي برجمه فضر ب رجل عنقه ثم وجد الشهود الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مجرم کو رجم کیا گیا اور گواہ غلام تھے تو دیت بیت المال پر ہے

وَإِنْ رُجِمَ ثُمَّ وَجِدُوا عَيْدًا فَالدِّيَّةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّهُ امْتَلَأَ أَمْرَ الْإِمَامِ فَنَقِلَ فَعَلُهُ إِلَيْهِ وَلَوْ بَاشَرَهُ بِنَفْسِهِ يَجِبُ الدِّيَّةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ لِمَا ذَكَرْنَا كَذَلِكَ هَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا ضُرِبَ عَنْقُهُ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْتِ بِأَمْرِهِ

ترجمہ..... اور اگر وہ شخص رجم کر دیا گیا اس کے بعد یہ تحقیق ہوئی کہ اس کے سارے گواہ غلام تھے۔ تو اس صورت میں اس کی دیت بیت المال پر لازم ہوگی۔ کیونکہ امام کے حکم کی فرماں برداری کرتے ہوئے اسے رجم کیا گیا تھا۔ اس لئے رجم کرنے والے تمام لوگوں کا عمل امام ہی کی طرف منسوب ہوگا اور بالفرض اگر امام خود تنہا اسے رجم کر دیتا تو یقیناً اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جاتی اسی طرح اس صورت میں بھی دیت بیت المال پر ہی واجب ہوگی اس کے برخلاف اگر کسی نے اس کی گردن ماردی ہو۔ تو اس کا یہ فعل امام کی طرف منسوب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے امام کے حکم کی فرماں برداری نہیں کی۔

تشریح..... و ان رجم ثم وجد واعبيد افا الدية على بيت المال بانه امثل امر الامام فنقل فعله اليه الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

گواہوں نے ایک مرد کے خلاف زنا کی گواہی دی اور کہا کہ ہم نے قصد اَدُونوں کی شرم گاہ کو

بھی دیکھا ہے تب بھی ان کی گواہی مقبول ہوگی

وَإِذَا شَهِدُوا عَلَى رَجُلٍ بِالزِّنَاءِ وَقَالُوا تَعَمَّدْنَا النَّظْرَ قَبْلَتْ شَهَادَتُهُمْ لِأَنَّهُ يُبَاحُ النَّظَرُ لَهُمْ ضُرُورَةً تَحْمِلُ

الشَّهَادَةُ فَاشْبَهَ الطَّيِّبَ وَالْقَابِلَةَ

ترجمہ..... اگر گواہوں نے ایک مرد کے خلاف زنا کرنے کی گواہی دی اور کہا کہ ہم نے قصداً دونوں کی شرمگاہوں کو بھی دیکھا ہے تب بھی ان کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ گواہی دینے کے لئے ضرورتاً ان کی طرف دیکھنا گواہوں کو جائز ہے۔ جیسا کہ طیب اور دانی جنائی کے لئے دیکھنا جائز ہوتا ہے (ف۔ لیکن اگر انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنی وابستگی کے لئے قصداً دیکھا ہے تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ فاسق ہو گئے ہیں۔ الفتح)۔
تشریح..... واذا شهدوا علی رجل بالزنا وقالوا تعمدنا النظر قبلت شهادتهم لانه..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چار آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی وہ احسان کا انکار کرتا ہے حالانکہ

اس کی بیوی ہے اور اسے بچہ ہے اس کو رجم کیا جائے گا

وَإِذَا شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّانِءِ فَإِنْ كَرَّ الْإِحْصَانُ وَلَهُ امْرَأَةٌ قَدْ وَلَدَتْ مِنْهُ فَإِنَّهُ يُرْجَمُ مَعَهَا أَنْ يُنْكَرَ الدُّخُولُ بَعْدَ وَجُودِ سَائِرِ الشَّرَاطِطِ لِأَنَّ الْحُكْمَ بِنَبَاتِ النَّسَبِ مِنْهُ حُكْمٌ بِالدُّخُولِ عَلَيْهِ وَلِهَذَا لَوْ طَلَّقَهَا يُعَقَّبُ الرَّجْعَةُ وَالْإِحْصَانُ يُثَبَّتُ بِمِثْلِهِ

ترجمہ..... اگر چار آدمیوں نے کسی کے خلاف زنا کرنے کی گواہی دی لیکن اس مرد نے اپنے محسن ہونے کا انکار کر دیا حالانکہ اس کی بیوی بھی موجود ہے اور اس مرد سے اسے ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے۔ تو اس مرد کو رجم کر دیا جائے گا۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اس مرد نے اپنے اندر احسان کی ساری شرطیں پائی جانے کے باوجود دخول کرنے کا انکار کیا ہے۔ پس اس بچہ کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ جب اس سے بچہ کے نسب ثابت ہونے کا حکم ہو چکا ہے تو خود بخود اس عورت سے دخول کرنے کا بھی حکم ہو گیا۔ اسی لئے اگر عورت کو وہ طلاق دے دے تو اس کے بعد اس سے رجعت کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔ اور اس جیسی دلیل سے اس کا احسان ثابت ہو جائے گا۔

تشریح..... واذا شهد اربعة على رجل بالزنا فانكر الاحصان وله امرأة قد ولدت منه..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر مجرم کا عورت سے بچہ نہ ہو لیکن ایک مرد اور دو عورتوں نے محسن ہونے کی

گواہی دی رجم کیا جائے گا

فَإِنْ لَمْ تَكُنْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَشَهِدَ عَلَيْهِ بِالْإِحْصَانِ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ رُجِمَ خِلَافًا لِزُفَرٍ وَالشَّافِعِيُّ فَالشَّافِعِيُّ مَرَّ عَلَى أَصْلِهِ أَنَّ شَهَادَتَهُنَّ غَيْرُ مَقْبُولَةٍ فِي غَيْرِ الْأَمْوَالِ وَزُفَرٌ يَقُولُ إِنَّهُ شَرَطَ فِي مَعْنَى الْعِلَّةِ لِأَنَّ الْحِجَابَةَ يَتَغَلَّظُ عَنْهُ فَيُصَافُ الْحُكْمُ إِلَيْهِ فَاشْبَهَ حَقِيقَةَ الْعِلَّةِ فَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْيَسَاءِ فِيهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدَ ذِمِّيَانِ عَلَى ذِمِّيِّ زَنَى عَبْدُهُ الْمُسْلِمَ إِنَّهُ اعْتَقَهُ قَبْلَ الزَّانِءِ فَلَا تُقْبَلُ لِمَا ذَكَرْنَا وَلَنَا أَنَّ الْإِحْصَانَ عِبَارَةٌ عَنِ الْخِصَالِ الْحَمِيدَةِ وَإِنَّهَا مَانِعَةٌ مِنَ الزَّانِءِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا فَلَا يَكُونُ فِي مَعْنَى الْعِلَّةِ وَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدَ وَابِهِ فِي غَيْرِ هَذِهِ الْحَالَةِ بِخِلَافِ مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ الْعِتْقَ يُثَبَّتُ بِشَهَادَتِهِمَا وَإِنَّمَا لَا يُثَبَّتُ بِسَبْقِ التَّارِيخِ لِأَنَّهُ يُنْكَرُهُ الْمُسْلِمُ أَوْ يَتَضَرَّرُ بِهِ الْمُسْلِمُ فَإِنْ رَجَعَ شُهُودُ الْإِحْصَانِ لَا يَضْمَنُونَ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرٍ وَهُوَ فَرَعٌ مَا تَقَدَّمَ

ترجمہ..... اور اگر اس مرد سے کوئی بچہ موجود نہ ہو پھر بھی اس کے خلاف محسن ہونے کی ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دے دی جب بھی اسے رجم کر دیا جائے گا۔ اس میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔ اس اختلاف کرنے میں امام شافعی رحمۃ اللہ تو اپنی اصل پر قائم ہیں کہ اموال کے علاوہ کسی معاملہ میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہوتی ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احصان جو شرط ہے وہ علت کے معنی میں ہے۔ یعنی گویا احصان رجم کرنے کی علت ہے۔ کیونکہ احصان پائے جانے کے بعد زنا کرنا بہت سخت اور بڑا جرم ہو جاتا ہے۔ اس لئے رجم کی نسبت اسی احصان کی طرف ہوتی ہے۔ اس لئے وہ حقیقی علت کے مشابہ ہو گیا۔ اور جس طرح زنا کے معاملہ میں عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح احصان کے معاملہ میں بھی عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی۔ اب مسئلہ ایسا ہو گیا جیسے کسی ذمی سے ایک مسلمان غلام نے زنا کیا اور دو ذمیوں نے اس ذمی کے خلاف یہ گواہی دی کہ اس شخص نے اپنے اس غلام کو اس کے زنا سے پہلے ہی آزاد کر دیا ہے تو یہ گواہی مقبول نہ ہوگی اسی مذکورہ وجہ کے بناء پر اور ہماری دلیل یہ ہے کہ احصان کچھ عمدہ خصلتوں کے مجموعہ کا نام ہے اور یہ عمدہ خصلتیں اس شخص کو زنا کرنے سے روکتی ہیں لہذا احصان علت کے معنی میں نہیں ہوا۔ اب اس کی مثال ایسی ہو جائے گی جیسے ان گواہوں نے اس حالت کے علاوہ دوسری حالت کی گواہی دی ہو۔ یعنی زنا کی حالت کے سوا ایک مرد اور دو عورتوں نے کسی مرد کے خلاف یہ گواہی دی کہ اس شخص نے ایک عورت سے نکاح کر کے اس سے دخول کر لیا ہے اور یہ گواہی قبول کر لی جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی گواہی قبول ہو جائے گی۔ بخلاف اسی مسلمان غلام کے مسئلہ کے جسے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وہاں انہیں دونوں گواہوں سے آزادی ثابت ہوگی۔ البتہ زنا سے پہلے آزاد ہونا اس لئے ثابت نہ ہوگا کہ وہ مسلمان اس سے انکار کرے گا یا اس سے نقصان برداشت کرے گا۔ (اسے نقصان یہ ہوگا کہ ایک آزادی کی اسے پوری حد لگائی جائے گی اور کافر کی وہ گواہی جو اس طرح مسلمان کے حق میں ہو کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان برداشت کرنا ہو وہ مقبول نہیں ہوتی ہے۔ یا انکار کرے تو ثابت نہیں ہوتی ہے۔ ع) اور اگر احصان ثابت کرنے والے گواہوں نے رجوع کر لیا تو ہمارے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوں گے۔ لیکن امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوں گے۔ درحقیقت یہ اختلاف پہلے اختلاف کا نتیجہ ہے۔

تشریح..... فان لم تکن ولدت منه وشهد عليه بالاحصان رجل وامرأتان رجم..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

باب حد الشرب

ترجمہ..... باب، نشہ شراب وغیرہ کے پینے کی حد میں۔

حد شراب کب جاری کی جائے گی

وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَأَخَذَ وَرَيْحُهَا مَوْجُودَةٌ أَوْ جَاؤَاهُ سَكْرَانٌ فَشَهِدَ الشُّهُودُ عَلَيْهِ بِذَلِكَ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ وَكَذَلِكَ إِذَا اقْرَوَ رَيْحُهَا مَوْجُودَةٌ لِأَنَّ جِنَايَةَ الشُّرْبِ قَدْ ظَهَرَتْ وَلَمْ يَتَقَادَمِ الْعَهْدُ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَأَجْلَدُوهُ فَإِنْ عَادَ فَأَجْلَدُوهُ

ترجمہ..... جس شخص نے شراب پی۔ (یعنی وہ خمر جس کا قرآن پاک میں ذکر ہے)۔ پھر وہ پکڑا گیا اس حال میں کہ اس کی بد بویاب تک (منہ میں) موجود ہے یا لوگ اسے نشہ کی حالت میں پکڑ کر لے آئے پھر گواہوں نے اس کے شراب پینے کی گواہی دی تو اس پر شراب پینے کی حد یعنی اتنی درے لگائے جائیں گے۔

تشریح..... ومن شرب الخمر فاخذ وريحها موجودة او جاءه سكران فشهد الشهود عليه..... الخ اسی طرح اگر اس نے خود

اقرار کر لیا ہو اور منہ میں بد بو بھی موجود ہو تو بھی یہی حکم ہوگا۔ کیونکہ اس سے شراب پینے کا جرم ثابت ہو گیا۔ اور وقت میں تاخیر بھی نہیں ہوئی ہے۔ (شراب خمر میں بے ہوشی طاری ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ اگر ایک قطرہ بھی کوئی پی لے تو بھی اسے حد لگائی جائے گی۔) اس حد مارنے کے بارے میں اصل یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شراب (خمر) پئے اس کو درے مارو پھر اگر دو بارہ پئے تو دو بارہ درے مارو۔ اگر تیسری بار بھی پئے تو پھر درے مارو۔ اب اگر چوتھی بار پئے تو اسے قتل کر دو۔ اس کی روایت ابن حبان و حاکم و شافعی و دارمی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ نے کی ہے۔ اس میں چوتھی بار میں قتل کرنا اس بات پر محمول ہوگا کہ وہ اس شراب کے حرام ہونے کا ہی قائل نہ ہو۔ یعنی اسے حلال سمجھتا ہو۔ جیسا کہ ابن حبان کی روایت میں اس کی تصریح ہے اور اسی کے مانند معاویہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے۔ اس کی روایت احمد اور سنن اربعہ نے کی ہے۔ اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ابن حبان اور ابن ابی شیبہ کی روایت سے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو ابو داؤد اور نسائی کی روایت سے ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے چوتھی بار شراب پی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے حد لگائی اور قتل نہیں کیا۔ نسائی اور بزار نے اس کی روایت کی ہے اور یہی بات حضرت قبیصہ بن ذویب کی حدیث میں مذکور ہے۔ (رواہ ابو داؤد)

خلاصہ یہ ہوا کہ علمائے سلف اور خلف سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ چوتھی بار شراب پینے میں کوئی قتل نہیں کیا جائے گا سوائے اس شخص کے جو اسے حلال سمجھ کر پئے۔ تو اسے مرتد ہونے کی بناء پر قتل کیا جائے گا۔ پھر یہ بات معلوم ہونا چاہئے کہ شراب پینے کی حد مسلمان ہی کو لگائی جائے گی جب کہ وہ عاقل اور بالغ ہو اور گونگانہ ہو۔ اور اضطراری حالت کے بغیر اس نے اپنی خوشی سے پی ہو اگرچہ ایک قطرہ ہی پیا ہو یا اس کے علاوہ دوسری شرابوں میں سے جس کے حرام ہونے پر تمام علمائے کرام کا اتفاق ہو چکا ہو۔ اتنی شراب پی ہو جس سے نشہ طاری ہو گیا ہو بشرطیکہ وہ اس کے حرام ہونے کو جانتا ہو خواہ قرآن و حدیث کے پڑھنے سے ہو یا اس طرح سے کہ وہ دارالاسلام میں موجود ہو۔ تو اسے حد لگائی جائے گی۔ بشرطیکہ بہت تاخیر نہ ہو گئی ہو اور اس شراب پینے میں دیر ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی بد بو ختم ہو چکی ہو۔ ف۔ ت۔ د۔ مگر میں مترجم کہتا ہوں کہ ایک قطرہ پینے سے بد بو کا آنا مشکل ہے۔ اس لئے عند طلب اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

منہ سے بو ختم ہونے کے بعد اقرار کیا تب بھی حد نہیں لگائی جائے گی

فَإِنْ أَقْرَبَعَدَ ذَهَابَ رَائِحَتُهَا لَمْ يُحَدِّثْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُحَدِّثُ وَكَذَلِكَ إِذَا شَهِدُوا عَلَيْهِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رَائِحَتُهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُحَدِّثُ فَالتَّقَادُّمُ يَمْنَعُ قُبُولَ الشَّهَادَةِ بِإِلْتِفَاقٍ غَيْرِ أَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِالزَّمَانِ عِنْدَهُ اعْتِبَارُ ابْحَدِّ الزَّوْنِ وَهَذَا لِأَنَّ التَّأخِيرَ يَتَحَقَّقُ بِمُضِيِّ الزَّمَانِ وَالرَّائِحَةُ قَدْ تَكُونُ مِنْ غَيْرِهِ كَمَا قِيلَ شَعْرِيْقُولُونَ لِي إِنَّكَ شَرِبْتَ مُدَامَةً فَقُلْتُ لَهُمْ لَا بَلْ أَكَلْتُ السَّفَرَجَلَا وَعِنْدَهُمَا يَقْدَرُ بِزَوَالِ الرَّائِحَةِ لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ فِيهِ فَإِنْ وَجَدْتُمْ رَائِحَةَ الْخَمْرِ فَاجْلِدُوهُ وَإِلَّا قِيَامَ الْآثَرِ مِنْ أَقْوَى دَلَالَةٍ عَلَى الشُّرْبِ وَإِنَّمَا بَصَارُ إِلَى التَّقْدِيرِ بِالزَّمَانِ عِنْدَ تَعَدُّرِ اعْتِبَارِهِ وَالتَّوْضِيحُ بَيْنَ الرُّوَاجِحِ مُمَكِّنٌ لِلْمُسْتَدِلِّ وَإِنَّمَا يَشْتَبِهُ عَلَى الْجُهَالِ وَأَمَّا الْإِقْرَارُ فَالتَّقَادُّمُ لَا يَبْطُلُهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ كَمَا فِي حَدِّ الزَّوْنِ عَلَى مَامَرٍ تَقْرِيرُهُ وَعِنْدَهُمَا لَا يَقَامُ لِحَدِّ إِلَّا عِنْدَ قِيَامِ الرَّائِحَةِ لِأَنَّ حَدَّ الشُّرْبِ ثَبَتَ بِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ وَلَا إِجْمَاعِ الْإِبْرَائِي ابْنِ مَسْعُودٍ وَقَدْ شَرَطَ قِيَامَ الرَّائِحَةِ عَلَى مَا رَوَيْنَا

ترجمہ..... اور اگر منہ سے بد بو ختم ہو جانے کے بعد اس نے اقرار کیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اور ابو یوسف رحمۃ اللہ کے نزدیک اسے حد نہیں لگائی جائے گی اور امام محمد رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ حد لگائی جائے گی۔ اسی طرح اگر گواہوں نے بد بو ختم ہو جانے کے بعد کے خلاف گواہی دی تو ہم امام

حنیفہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہی حکم ہے کہ حد نہیں لگائی جائے گی اور امام محمدؒ کے نزدیک حد لگائی جائے گی۔ پس یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دیر ہونے سے بالاتفاق گواہی قبول نہیں ہوتی ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک دیر ہو جانے کا زمانہ حد زنا پر قیاس کرتے ہوئے ایک ماہ ہے۔ کیونکہ زمانہ گزرنے سے ہی تاخیر ہوتی ہے اور بدبو تو شراب کے سوا کسی دوسری چیز سے بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔ شعر۔ مجھ سے کہتے ہیں تو نے پی شراب۔ میں یہ کہتا ہوں بلکہ سبب ناب۔ اور امام ابو حنیفہ و ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دیر ہونے کا اندازہ صرف بدبو زائل ہونے سے ہے۔ اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر تم شراب کی بدبو پاؤ تو اسے درے مارو (اس کی روایت اخیوطی و طبرانی و عبدالرزاق اور ابو یعلیٰ نے بھی اس کے مثل کی ہے اور یہی مفہوم صحیحین کی روایت میں بھی ہے) اور اس لئے بھی کہ شراب کا اثر یعنی بدبو باقی ہونا شراب پینے کی سب سے بڑی دلیل ہے اور زمانہ کے ساتھ اسی وقت اندازہ ہوگا جب کہ اس کے اثر سے اندازہ ممکن نہ ہو اور سبب و شراب وغیرہ کی بویں فرق کرنا پہچاننے والے کے لئے ممکن ہے البتہ جاہلوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے اور یہ بات کہ شراب پینے کا اگر خود اقرار کیا ہو تو اس میں تاخیر ہو جانے سے امام محمدؒ کے نزدیک حد باطل نہیں ہوتی ہے۔ جیسے کہ حد زنا میں ہے (جیسا کہ اس کی توفیق اوپر بیان کی جا چکی ہے) اور امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک حد قائم نہیں کی جائے گی مگر اس صورت میں کہ بدبو موجود ہو۔ کیونکہ شراب پینے پر حد جاری ہونے کے حکم کا ثبوت صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ہے اور اجماع اسی وقت مکمل ہوگا کہ اس میں حلیل القدر صحابی یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی رائے بھی شامل ہو اور جیسا کہ ہم نے اوپر میں یہ روایت کر دی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدبو کے موجود ہونے کو حد قائم کرانے کے لئے شرط کیا ہے۔

تشریح..... ”وقد شرط قیام الرائحة على ما روينا“۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوا ہے کہ شراب پینے والے پر حد جاری کرنے کے لئے اس کے منہ سے شراب کی بو کا نکلنا شرط ہے۔ ف۔ واضح ہو کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے آثار سے بدبو کے موجود ہونے کی شرط میں کلام کیا ہے۔ چنانچہ ان روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک شخص سے شراب کی بدبو پا کر فرمایا کہ کیا تم شراب پیتے ہو اور قرآن الہی کو جھٹلاتے ہو (اس کی نافرمانی کرتے ہو) یہ کہہ کر اسے حد ماری۔ (رواہ البخاری و مسلم)

اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے بھتیجے کو نشہ کی حالت میں حضرت ابن مسعودؓ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو سوگھو۔ تب لوگوں نے اسے سوگھ کر منہ سے بدبو پائی۔ پس آپ نے اسے قید خانہ میں بھیج دیا۔ دوسرے دن نکلوا کر اسے درے مارے۔ حالانکہ اس کی سند میں یحییٰ الجابر ہیں جن کے بارے میں کلام کیا گیا ہے لیکن ترمذیؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے اور دوسرے راوی ابو ماجد اٹھتی ہیں۔ جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ مجہول ہیں یعنی ان کا کوئی حال معلوم نہیں ہے۔ چنانچہ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ یحییٰ الجابر سے پوچھا گیا کہ ابو ماجد کون شخص ہیں تو فرمایا کہ ایک چیز یا تھی جو اڑ گئی۔ لوگوں نے اس جملہ کے یہ معنی لئے ہیں کہ ان کا کچھ حال معلوم نہیں ہے۔ لیکن جو اہر مدینہ میں حارث کی سند سے بالاسناد نقل کیا ہے کہ سفیان ابن عیینہ نے یحییٰ الجابر سے پوچھا کہ ابو ماجد کون شخص ہیں تو فرمایا کہ یمن سے ایک اعرابی ہمارے یہاں آئے تھے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جو عبارت نقل کی ہے۔ ایک چڑیا تھی جو اڑ گئی (یہ برائی کے طور پر نہیں تھی بلکہ مدح کے طور پر تھی۔ یعنی ہمارے یہاں ایک بزرگ آئے تھے ٹھہرے نہیں۔ بلکہ بہت جلد چلے گئے۔

شعر یقولون لی انکھ شربت مدامہ فقلت لہم لابل اکلث السفر جلا

انکھ الفتح سے امر کے وزن پر نہ کے سمع اور فتح سے امر کا صیغہ ہے۔ کسی کا منہ سوگھنا۔ مدامہ بضم میم۔ انگوری شراب۔ مقصد شاعر کا یہ ہے کہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ منہ سوگھ کر دیکھو کہ اس نے انگوری شراب پی رکھی ہے یا نہیں تو میں نے کہا کہ میں نے وہ شراب نہیں پی ہے بلکہ میں نے ایک پھل کھایا ہے بھی (جو سب کی مانند ہوتا ہے کابل و کشمیر میں ہوتا ہے)۔ (انوار الحق قاسمی، اکتوبر ۱۹۹۹ء)

اور ایک دوسرے نسخہ میں بجائے انکھ کے انک ہے تو مطلب یہ نہ ہوگا کہ تم نے شراب انگوری پی رکھی ہے تو میں نے کہا کہ نہیں بلکہ ایک پھل

گواہوں نے منہ سے بوائے کی حالت میں پکڑا یا نشہ کی حالت میں پکڑا پھر امام کے شہر کی طرف لے کر بڑھے دوری کی وجہ سے بوز اکل ہو گئی تو حد لگائی جائے گی

فَإِنْ أَخَذَهُ الشَّهْوُ دَوْرِيحَهَا يُوجَدُ مِنْهُ أَوْ هُوَ سَكْرَانٌ فَذَهَبُوا بِهِ مِنْ مِصْرَ إِلَى مِصْرَ فِيهِ الْإِمَامُ فَانْقَطَعَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يَنْتَهُوا بِهِ حَدٌّ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا لِأَنَّ هَذَا عَذْرٌ كَبَعْدِ الْمَسَافَةِ فِي حَدِّ الزَّوْنِ وَالشَّاهِدُ لَا يَتَّهَمُ بِهِ فِي مِثْلِهِ وَمَنْ سَكَّرَ مِنَ النَّبِيدِ حَدٌّ لِمَا رَوَى أَنَّ عُمَرَ أَقَامَ الْحَدَّ عَلَى أَعْرَابِيٍّ سَكَّرَ مِنَ النَّبِيدِ وَبَيَّنَّ الْكَلَامَ فِي حَدِّ السَّكْرِ وَمُقْدَارِ حَدِّهِ الْمُسْتَحَقِّ عَلَيْهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ..... اگر پینے والے کو گواہوں نے اس حال میں پکڑا کہ اس کے منہ سے بد بو پائی جا رہی تھی۔ یا نشہ میں مست تھا۔ پھر وہ لوگ اسے لے کر اس شہر سے لے کر اس دوسرے شہر میں گئے، جہاں امام موجود ہے اور وہاں پہنچنے تک اس کے منہ کی بد بو ختم ہو گئی (یا اس کا نشہ ختم ہو گیا) تو بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک اسے حد لگائی جائے گی۔ اس لئے کہ یہ تاخیر عذر کے ساتھ ہے۔ جیسے حد زنا کی صورت میں راستہ کے دوری کی وجہ سے گواہی میں دیر ہو جانے کی بناء پر کہ اس جیسی صورت میں گواہوں کو متہم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ شخص جو نبیز پینے کی وجہ سے نشہ میں مست ہو جائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک ایسے شخص کو حد لگائی جو نبیز پینے کی وجہ سے نشہ میں تھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ نشہ کی حد اور کتنی مقدار پینے سے آدمی حد کا مستحق ہوتا ہے بیان کریں گے۔

تشریح..... فَإِنْ أَخَذَهُ الشَّهْوُ دَوْرِيحَهَا يُوجَدُ مِنْهُ أَوْ هُوَ سَكْرَانٌ فَذَهَبُوا بِهِ مِنْ مِصْرَ إِلَى مِصْرَ الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ”گواہان“ گرفتار کر کے لے آئے اس حال میں کہ اس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو یا وہ نشہ کی حالت میں ہو۔ پھر اسے ایک شہر سے دوسرے میں اس لئے منتقل کیا جائے کہ قاضی وہاں (دوسرے شہر میں) رہتا ہے چنانچہ مسافت کی دوری کے باعث اس (شرابی) کے منہ سے شراب کی بو یا شراب کا نشہ کافور ہو گیا تو اس صورت میں تمام ائمہ کے قول کے مطابق (بالاجماع) حد جاری ہوگی۔ کیونکہ فاصلہ دور ہونے کی وجہ سے عذر موجود ہے۔ جیسا کہ حد زنا میں فاصلہ دور ہونے کی وجہ سے گواہی میں تاخیر سے گواہوں کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاتا۔ اسی طرح فاصلہ میں بعد (دوری) بھی بوکے زوال یا انقطاع نشہ کو قابل عذر قرار دیتے ہوئے اقامت حد کو برقرار رکھا جائے گا۔ اقامت حد کے حوالے سے ”تاخیر“ کا اصول یہ ہے کہ وہ (تاخیر) بلا عذر ہو۔ اگر اس (تاخیر) میں کوئی معقول عذر پایا گیا تو اس صورت میں ”تاخیر“ سقوط حد کا موجب ہوگی۔ اور تاخیر کے لئے معقول عذر سے مراد ”مرض“ راستے کا خوف، طویل مسافت وغیرہ ہے۔ پس اس عذر کے ماسوا کوئی دوسرا عذر معقول متصور نہ ہوگا۔ چنانچہ اس دعویٰ کی دلیل۔

۱۔ خود ائمہ فقہاء کا اجماع ہے جسے ”فی قولہم جمیعاً“ (ان تمام کے قول میں) کے الفاظ میں متن کے اندر بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ فتح القدیر میں الاصل کا لفظ استعمال کر کے عقبہ کی شراب نوشی کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ کچھ لوگوں نے عقبہ کی شراب نوشی پر گواہی دی پھر اسے خلیفہ ثالث سیدنا عثمانؓ ذی النورین کے پاس کوفہ سے مدینہ کی طرف اٹھا کر لے گئے۔ اسی اثناء میں عقبہ کے منہ سے شراب کی بوز اکل ہو گئی (یا نشہ کافور ہو گیا) چنانچہ اس (عقبہ) پر حد جاری کی گئی۔ کیونکہ یہاں بعد مسافت (دوری) کا معقول عذر موجود ہے۔ معقول عذر کے ہوتے ہوئے گواہی کی تاخیر قابل اعتبار ہوگی جیسا کہ حد زنا میں طویل فاصلہ کی بناء پر گواہی میں تاخیر مقبول ہوتی ہے۔ چنانچہ شراب نوشی کے گواہوں کو بھی فاصلے کی طوالت وغیرہ کے باعث مورد الزام نہیں ٹھہرایا جائے گا۔ یعنی مان پر حد زنا جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ فاصلے کی طوالت

گواہوں کے حق میں معقول عذر ہے۔ جو شراب نوشی کے گواہوں پر اتہام (تہمت) مانع ہے۔ کیونکہ کسی قابل حد جرم پر اقامت حد کے لئے ”تاخیر“ مانع حد ہے اگر کسی شخص نے نبیذنی کر نشہ حاصل کیا تو اس پر بھی ”حد“ جاری ہوگی۔ کیونکہ سنن دارقطنی میں مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس اعرابی (دیہاتی) پر حد جاری کی تھی جس نے نبیذ سے نشہ حاصل کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ”نشہ“ والا آدمی لایا گیا اسے کہا وقت سے میں مکے میں بنایا گیا نبیذ (جوس) نہیں پیتا۔ اس شخص (نشہ والا) نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے شراب نہیں پی میں نے کدو کے برتن میں کھجور اور کشکش کا جوس (نبیذ) پیا ہے۔ رسول علیہ السلام نے حکم دیا تو اسے زد و کوب کیا گیا۔ ایک دوسری سند سے حضرت ابوہریرہؓ کے واسطے سے رسول علیہ السلام سے اس کی مثل مروی ہے۔ (طحاوی مترجم جلد سوم) ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نشہ آور نبیذ بھی موجب حد ہے۔

نبیذ..... ہر چیز سے تیار ہوتی ہے۔ جس چیز کا نبیذ تیار کیا جائے تو اس کو پکایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ (نبیذ) تھوڑا سا گاڑھا ہو جائے۔ اسی کا پینا جائز ہے۔ مثال کے طور پر نبیذ کا شربت کھجور گندم شہد جو چاول جوار باجرہ انگور وغیرہ سے نبیذ تیار ہوتا ہے۔

جس کے منہ سے شراب کی بو آرہی ہو یا شراب کی قیء کی ہو لیکن پیتے ہوئے نہیں دیکھا حد جاری نہیں ہوگی

وَلَا حَدَّ عَلَى مَنْ وَجَدَ مِنْهُ رَائِحَةُ الْخَمْرِ أَوْ تَقْيًا هَالًا أَلَّا الرَّائِحَةَ مُحْتَمَلَةً وَ كَذَا الشَّرْبُ قَدْ يَقَعُ عَنْ إِكْرَاهٍ وَ اضْطِرَّارٍ فَلَا يُحَدُّ السَّكَرَانُ حَتَّى يُعْلَمَ أَنَّهُ سَكْرَمِنَ النَّبِيذِ وَ شَرِبَهُ طَوْعًا لِأَنَّ السَّكَرَمِنَ الْمُبَاحِ لَا يُوجِبُ الْحَدَّ كَالْبَنَجِ وَ لَبَنِ الرَّمَامِ وَ كَذَا شُرْبُ الْمَكْرَهِ لَا يُوجِبُ الْحَدَّ

ترجمہ..... اور اگر گواہوں نے ایک شخص کو شراب پیتے ہوئے تو نہیں دیکھا مگر اس کے منہ سے بو آرہی ہو یا اس نے شراب کی قیء کی تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اس بدو میں احتمال ہے (یعنی وہ شراب ہی کی بو ہے یا کسی اور چیز کی ہے) اسی طرح پینا بھی کبھی دباؤ اور کسی مجبور کی وجہ سے ہو سکتا ہے اس لئے کسی نشہ میں مست کو حد نہیں لگائی جائے گی۔ یہاں تک کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص نبیذ کے پینے سے ہی نشہ میں ہے اور اس نے اسے خوشی کے ساتھ پیا ہے۔ کیونکہ مباح چیز سے نشہ ہو جانے سے حد واجب نہیں ہوتی ہے جیسے خراسانی اجوائن یا گھوڑی کے دودھ پینے سے نشہ ہو جانے سے۔ اسی طرح وہ شخص جسے دباؤ ڈال کر پلایا گیا ہو کہ یہ چیزیں حد واجب نہیں کرتی ہیں۔

تشریح..... ولاحد علی من وجد منه رائحة الخمر او تقیاً ہالان الا الرائحة محتملة..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مدرہوشی کی حالت میں حد نہیں لگائی جائے گی

وَلَا يُحَدُّ حَتَّى يَزُولَ عَنْهُ السَّكْرُ تَحْصِيلاً لِمَقْصُودِ الْإِنْزِجَارِ وَ حَدُّ الْخَمْرِ وَ السَّكَرِ فِي الْحُرِّمَا نُونَ سَوَ طًا لِاجْمَاعِ الصَّحَابَةِ يُفَرِّقُ عَلَى بَدَنِهِ كَمَا فِي حَدِّ الزَّانَا عَلَى مَآرِئِهِمْ يُجَرِّدُ فِي الْمَشْهُورِ مِنَ الرَّوَايَةِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا يُجَرِّدُ أَظْهَارًا لِلتَّخْفِيفِ لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ بِهِ نَصٌّ وَ وَجْهُ الْمَشْهُورِ أَنَا أَظْهَرْنَا التَّخْفِيفَ مَرَّةً فَلَا يُعْتَبَرُ ثَانِيًا

ترجمہ..... پھر نشہ میں مدرہوش کو اسی حالت میں حد نہیں لگائی جائے گی کہ اس سے نشہ اتر جائے۔ تاکہ آئندہ کے لئے وہ ڈر جائے اور دھمکی کو قبول کر لے اور غیر اور نشہ کی حد آزاد آدمی کے لئے اسی درجہ میں کیونکہ اس پر صحابہ کا مآرئہ زانیہ لایا گیا ہے اور کڑے اس کے بدن کے مختلف

جگہوں پر مارے جائیں جیسا کہ حدزنا میں بتایا جا چکا ہے اور روایت مشہورہ کے مطابق مارنے سے پہلے اس کے کپڑے اتار لئے جائیں لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نو اور روایت ہے کہ کپڑے نہیں اتارے جائیں تاکہ یہ ظاہر ہو کہ اس حد میں کچھ تخفیف ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں صراحۃً کوئی حکم قاطع نہیں ہے اور روایت مشہورہ کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ایک بار اس میں تخفیف کر دی ہے۔ (زنا کی طرح سودے نہیں لگائے بلکہ اس سے کم صرف اسی لگاتے ہیں) اور دوبارہ تخفیف کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (حاصل کلام یہ ہوا کہ خرچہ کرنے سے اگرچہ نشہ نہ ہو یعنی صرف ایک دو قطرے ہی پئے ہوں تو بھی حد کا مستحق ہوگا۔ اور نیز وغیرہ دوسری چیزوں سے حد کے لئے نشہ کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ اسی لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حد خمر اور حد نشہ ازاد مرد کے لئے اسی کوڑے ہیں اور کپڑے اتارنے سے مراد یہ ہے کہ ستر پوشی کی ضرورت سے زائد کپڑے اتار لئے جائیں۔ تشریح..... ولا یحد حتی یزول عنہ السكر تحصیلاً لمقصود الانزجار وحد الخمر و السكر..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

غلام کی حد شرب کی مقدار

وَإِنْ كَانَ عَبْدًا فَحَدُّهُ أَرْبَعُونَ لَآنَ الرِّقِّ مُنْصَفٌ عَلَى مَا عُرِفَ وَمَنْ أَقْرَبُ شَرْبِ الْخَمْرِ أَوْ السُّكْرِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يُحَدِّ لِأَنَّهُ خَالِصٌ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى وَيَثْبُتُ الشُّرْبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَيَثْبُتُ بِالْإِقْرَارِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ الْإِقْرَارُ مَرَّتَيْنِ وَهُوَ نَظِيرُ الْإِخْتِلَافِ فِي السَّرْقَةِ وَسَنَبِّهَا هُنَاكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ..... اور اگر پینے والا غلام ہو تو اس کی حد چالیس درے ہیں۔ کیونکہ غلامی سزا کو آدھا کر دیتی ہے اور جس شخص نے شراب پینے یا نشہ آور چیز سے نشہ میں ہونے کا اقرار کیا پھر وہ اپنے اقرار سے کمر گیا۔ (پھر گیا) تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ یہ خالص حق الہی ہے اور شراب پینا یعنی خمر یا کسی نشہ والی چیز کا پینا دو گواہوں کی گواہی سے یا صرف ایک بار اقرار کر لینے سے ثابت ہو جاتا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ وہ دو مجلسوں میں ایک ایک بار اقرار کرنا شرط ہے اور یہ اختلاف اس اختلاف کی نظیر ہے جو چوری کے اقرار میں ہے اس مسئلہ کو ہم انشاء اللہ تعالیٰ چوری کرنے کے باب میں بیان کریں گے۔

تشریح..... و ان كان عبداً فحدّه اربعون لان الرق منصف على ما عرف ومن اقرب شرب و الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

حد شرب میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں

وَلَا يُقْبَلُ فِيهِ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ لِأَنَّ فِيهَا شُبُهَةَ الْبَذْلِيَّةِ وَتُهْمَةُ الضَّلَالِ وَالنِّسْيَانِ

ترجمہ..... اور شراب خوری کی حد جاری کرنے کے سلسلے میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ عورتوں کی گواہی میں تغیر و تبدل ہونے کا شبہ اور بھول بھنگ ہو جانے کی تہمت کا امکان ہوتا ہے۔

تشریح..... ولا يقبل فيه شهادة النساء مع الرجال لان فيها شبهة..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

نشہ میں مست شخص کو حد لگانے کا حکم

وَالسُّكَرَانُ الَّذِي يُحَدُّهُوَ الَّذِي لَا يَعْقِلُ مَنْطِقًا لَّاقِلِيلًا وَلَا كَثِيرًا وَلَا يَعْقِلُ الرَّجُلُ مِنَ الْمَرَأَةِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ هَذَا عِنْدَ خَيْفَةٍ وَأَمَّا هُوَ الَّذِي يَهْذُلُ وَيَخْلَطُ كَلَامُهُ لَأَنَّ هُوَ السُّكَرَانُ الَّذِي يُعْرَفُ وَالْيَهُ

مَا لَ أَكْثَرَ الْمَشَايِخِ وَلَهُ أَنَّهُ يُؤْخَذُ فِيْ أَسْبَابِ الْحُدُودِ بِأَقْصَاهَا دَرَاءَ اللَّحْدِ وَنَهَايَةِ السُّكْرَانِ يَغْلِبُ السُّرُورُ عَلَى الْعَقْلِ فَيَسْلُبُهُ التَّمْيِيزُ بَيْنَ شَيْءٍ وَشَيْءٍ وَمَادُونُ ذَلِكَ لَا يَعْرِى عَنْ شُبْهَةِ الصُّخْرِ وَالْمُعْتَبِرُ فِي الْقَدَحِ الْمُسْكِرِ فِي حَقِّ الْحُرْمَةِ مَا قَالَاهُ بِالْإِجْمَاعِ أَخْذًا بِالْإِحْتِيَاظِ وَالشَّافِعِيُّ يُعْتَبِرُ ظُهُورَ اتِّهِ فِي مَشْيِيَّتِهِ وَحَرَكَاتِهِ وَأَطْرَافِهِ وَهَذَا مِمَّا يَتَفَاوَتْ فَلَا مَعْنَى لِإِعْتِبَارِهِ

ترجمہ..... اور نشہ کا ایسا مست آدمی جسے حد لگائی جائے وہ شخص ہے جو آپس کی گفتگو کو نہ سمجھے نہ تھوڑی نہ بہت اور مرد و عورت کے درمیان تمیز نہ کر سکے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا ہے مست نشہ وہ شخص ہے جو ہذیان کرے (بکواس کرے) اور جس کی اکثر باتیں مخلط ہوں (کوئی سر پیر نہ ہو) کیونکہ عرف میں اسی کو مست کہتے ہیں اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی کی طرف اکثر مشائخ کا میلان ہے (اور فتویٰ دینے کے لئے یہی قول مناسب اور مختار ہے کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ضعیف ہے)۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حدود قائم کرنے کے اسباب میں اسی سبب کا اعتبار کیا جاتا ہے جو کامل مرتبہ کا ہو۔ تاکہ کسی بھی طرح حدود مل سکیں اور نشہ کی انتہا (آخری درجہ کا نشہ جسے کہا جاتا ہے) یہ ہے کہ سرور عقل پر اتنا غالب ہو جائے کہ اس کو کسی بھی دو چیز کے درمیان امتیاز ختم ہو جائے اور جب اس سے کم نشہ ہو تو وہ ہوش کے شبہ سے خالی نہیں ہوتا ہے (یعنی اسے کچھ نہ کچھ ہوش بھی رہتا ہے)۔ اور شراب کے سوا دوسری نشہ آور چیزوں کے حرام ہونے میں (جس پیالہ یا گلاس سے پی جا رہی ہو) وہی گلاس اور پیالہ حرام ہوگا جس کے پینے سے ہذیان (بکواس) اور اختلاط (بے سرو پیر) کی باتیں ہونے لگیں۔ اسی کو تینوں اماموں نے احتیاطاً اختیار کیا ہے۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نشہ کے بارے میں اثر ظاہر ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ یعنی اس کے ہاتھوں پیر اور دوسری حرکتوں سے اس کے نشہ میں ہونے کی علامت ظاہر ہونے لگیں۔ حالانکہ ان باتوں کے ہونے میں لوگوں کے درمیان بہت فرق ہوتا ہے۔ تو اس کے اعتبار کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

تشریح..... ”وہذا یتفادت فلا معنی لا اعتبارہ“۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نشہ کے بارہ میں اثر ظاہر ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ یعنی نشہ کا اثر اس کی رفتار و حرکات اور ہاتھ و پاؤں میں ظاہر ہو حالانکہ یہ باتیں لوگوں میں مختلف طور سے پائی جاتی ہیں۔ اس لئے اس کے اعتبار کرنے کے کچھ معنی نہیں ہیں۔ (کیونکہ کوئی آدمی قوی ہوتا ہے کہ نشہ کی چیز پینے کے باوجود اس کی حرکتوں میں کوئی فرق نہیں آتا ہے اور کوئی ایسا کمزور ہوتا ہے کہ نشہ کے بغیر بھی جھومتا اور لڑکھڑاتا رہتا ہے۔)

اور واضح ہو کہ شراب کے سوا دوسری نشہ آور چیزوں میں جب تک نشہ نہ آجائے اس وقت تک اس کا پینا حرام نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کسی کو تین پیالے پی لینے کے باوجود نشہ نہ آیا تو وہ اس کے لئے جائز ہے اور اگر چوتھے پیالہ پر نشہ آ گیا تو یہی آخری پیالہ اس کے لئے حرام ہوگا۔ اس جگہ نشہ ہونے سے بالاتفاق یہ مراد ہے کہ اس کا کلام ہذیان اور مخلط (بکواس اور بے تکا) ہو لیکن ایسا کلام اس کے کلام میں نصف سے زائد ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر نصف کلام سے بھی اس کا بلبھکا ہوا ہو تو وہ نشہ میں مست نہیں ہوگا۔ البخر، بھنگ، چرس اور افیون حرام ہے لیکن خمر سے ان کی حرکت کم ہے اب اگر ان چیزوں کے استعمال سے نشہ آجائے تو اسے حد نہیں ماری جائے گی۔ بلکہ اس کی تغیر (مناسب سزا) دی جائے گی۔ البجورہ۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ بھنگ مباح ہے۔ کیونکہ وہ گھاس ہے لیکن اس سے نشہ میں ہونا حرام ہے۔ (المنہج النعمانیہ)

اور اب میں مترجم یہ کہتا ہوں کہ یہ چیزیں مسکر نہیں ہیں۔ کیونکہ مسکر و نشہ کا مادہ گرم تر ہے۔ جب کہ افیون اور چرس سرد و خشک ہیں۔ پھر بھی ان کے حرام ہونے کی وجہ تنجید یعنی اعضا کو بے حس کر دینا تغیر اور حواس میں کمزوری اور فتور پیدا کرنا ہے۔ جس کی دلیل حضرت ام سلمہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر مفتر اور مفتر سے منع فرمایا ہے۔ اسناد حسن کے ساتھ ابوداؤد نے اس کی روایت کی ہے۔ اور شامی نے شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے جس شخص کو افیون کھانے کی عادت ہو تو بھی اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ اس کی عادت پر قائم رہے۔ البتہ اگر ایک

ساتھ مکمل طور پر چھوڑنے میں ہلاکت یا بیماری کا خطرہ ہو تو اسے آہستہ آہستہ کم کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اسے بالکل چھوڑ دے۔ اگر کسی مجنون کے بنانے میں انہوں کا حصہ دوسرے حصوں کے مقابلہ میں کم ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اسی ترکیب سے بچوں کو دینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نشر کا اقرار کرنے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی

وَلَا يُحَدُّ السَّكَرَانُ بِإِقْرَارِهِ عَلَى نَفْسِهِ لِيَزَادَةَ احْتِمَالِ الْكِذْبِ فِي إِقْرَارِهِ فَيُحْتَالُ لِدَرْئِهِ لِأَنَّهُ خَالِصٌ حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى بِخِلَافِ حَدِّ الْقَذْفِ لِأَنَّ فِيهِ حَقَّ الْعَبْدِ وَالسَّكَرَانُ فِيهِ كَالصَّاحِي عُقُوبَةٌ عَلَيْهِ كَمَا فِي سَائِرِ تَصَرُّفَاتِهِ وَلِوَارْتِدِ السَّكَرَانُ لَا تَبَيَّنَ مِنْهُ أَمْرَاتُهُ لِأَنَّ الْكُفْرَ مِنْ بَابِ الْإِعْتِقَادِ فَلَا يَتَحَقَّقُ مَعَ الشُّكْرِ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَفِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ تَكُونُ رَدَّةٌ

ترجمہ..... اگر نشر میں مست شخص نے اپنے اوپر شراب کے پینے وغیرہ کا اعتراف کر لیا تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس کے اس اقرار میں جھوٹ کا زیادہ احتمال رہتا ہے۔ اس لئے اس پر سے حد کو دور کرنے کے لئے صلہ معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ حد تو خالص حق الہی ہے۔ بخلاف حد قذف کے کیونکہ اس سے بندہ کا حق متعلق ہوتا ہے اور ایسے حقوق عبد میں وہ سب برابر ہوتے ہیں جو نشر میں مست ہوں یا جو ہوش و حواس سب میں ہوں۔ تاکہ نشر میں مست اپنی پوری سزا پائے۔ جیسے کہ اس کے دوسرے تصرفات اور معاملات طلاق و اعتاق وغیرہ اس پر نافذ کر دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا شخص یعنی نشر میں مست مرتد ہو جائے تو اس کی بیوی اس سے مطلقہ نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ تو ایک اعتقادی معاملہ ہے۔ اس لئے نشر کے ساتھ اس کا تحقق نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے لیکن ظاہر الروایۃ میں وہ مرتد ہو جائے گا۔ (لیکن ظاہر الروایۃ کو چھوڑ کر قول اول ہی مختار ہے)۔

نشر تح..... وَلَا يُحَدُّ السَّكَرَانُ بِإِقْرَارِهِ عَلَى نَفْسِهِ لِيَزَادَةَ احْتِمَالِ الْكِذْبِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

باب حد القذف

ترجمہ..... باب، زنا کا بہتان لگانا

حد قذف کا حکم

وَإِذَا قَذَفَ الرَّجُلُ رَجُلًا مُخَصَّنًا أَوْ امْرَأَةً مُخَصَّنَةً بِصَرِيحِ الزَّوْنِ وَطَالَبَ الْمُقَذَّفُ بِالْحَدِّ حَدَّهُ الْحَاكِمُ ثَمَانِينَ سَوْطًا إِنْ كَانَ خَرُّ الْقَوْلِ تَعَالَى وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ إِلَى أَنْ قَالَ فَاجْلِدْهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً أَلَا يَأْتِيهِمْ وَالْمُرَادُ الرَّمْيُ بِالزَّوْنِ بِالْإِجْمَاعِ وَفِي النَّصِّ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ وَهُوَ اشْتِرَاطُ أَرْبَعَةِ مِنَ الشُّهَدَاءِ إِذَا هُوَ مُخْتَصَّ بِالزَّوْنِ وَيُسْتَرْطُ مَطَالِبَةُ الْمُقَذَّفِ لِأَنَّ فِيهِ حَقَّةً مِنْ حَيْثُ دَفَعَ الْعَارَ وَاحْصَانُ الْمُقَذَّفِ لِمَا تَلَوْنَا

ترجمہ..... زنا کا بہتان لگانا بالا جماع گناہ کبیرہ ہے۔ (الفح) اور اگر کسی نے غیر محسن کو تہمت لگائی۔ جیسے کسی چھوٹی لڑکی یا باندی کو یا کسی ایسی آزاد عورت کو جو خود اپنی بے حرمتی کرتی ہو تو یہ گناہ صغیرہ ہے۔ (انہر) اگر کسی شخص نے کسی مرد محسن یا عورت محسنہ کو صراحتہ زنا کی تہمت لگائی یعنی حقیقت میں وہ شرعاً زانی نہیں ہے اس کے باوجود اس پر اس کا الزام لگادیا۔ اور مقذوف (جسے تہمت لگائی گئی ہو) اس نے اپنے جہک عزت کی بناء پر اس کو حد

لگانے کا مطالبہ بھی کیا تو حاکم اسے اس الزام تراشی کی بناء پر اگر وہ آزاد ہو تو اسی درجے لگائے گا۔ اس دلیل سے کہ فرمان باری تعالیٰ والذین یرمون المحصنات فاجلدوہم ثمانین جلد یعنی جو لوگ محصنہ عورتوں (رمی کرتے ہیں) پر زنا کا الزام لگاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے قول پر چار گواہ نہیں لائے تو ان کو اسی درجے مارا اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ آخر آیت تک۔ بالاتفاق اس آیت میں رمی سے مراد زنا ہے اور نص میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے۔ وہ اسی طرح سے کہ اس میں چار گواہوں کی شرط لگائی گئی ہے کیونکہ چار گواہ کا شرط ہونا صرف زنا کے ساتھ مخصوص ہے اور یہاں دو شرطیں لگائی گئی ہیں وہ خود بھی اس گواہ پر حد قذف لگانے کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ اسے جو عاود و شرمندگی ہو گئی ہے اس کے دور کرنے کے اعتبار سے اسی کا حق ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ محصن ہو کیونکہ اس آیت پاک میں محصنات کی قید ہے۔

تشریح..... (جب حضرت بلال بن امیہ نے شریک بن حواء پر اپنی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کا دعویٰ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے دعویٰ پر گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری ہوگی۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المؤمنین عائشہ کی قرآن پاک میں برائت فرمائی تو رسول اللہ ﷺ نے ممبر پر آ کر وہ آیتیں سنائیں اور ممبر سے اتر کر حضرت حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ و حمنہ بنت جحش کو حد قذف لگانے کا حکم دیا۔ جیسا کہ احمد، ابوداؤد، الترمذی والتسائی اور ابن ماجہ نے اس کی روایت کی ہے۔ الحاصل۔ تہمت لگائے جانے والے پر حکم قرآنی کے مطابق تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی۔

حد جاری کرنے کی کیفیت

قَالَ وَ يُفَرَّقُ عَلَى أَعْضَائِهِ لِإِمَارَةٍ فِي حَدِّ الزَّانِءِ وَلَا يَجْرُدُ مِنْ فِتْيَانِهِ لِأَنَّهُ سَبَبٌ غَيْرُ مُقْطُوعٍ بِهِ فَلَا يَقَامُ عَلَى الشَّيْءِ بِخِلَافِ حَدِّ الزَّانِءِ غَيْرَ أَنَّهُ يُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرُّ وَالْحَشْوُ لِأَنَّ ذَلِكَ يَمْنَعُ إِبْصَالَ لَا لِمِ بِهِ

ترجمہ..... اور تہمت لگانے والے کو اس کے مختلف اور متفرق اعضاء بدن پر درجے لگائے جائیں گے جیسا کہ حد زنا میں گزر چکا ہے اور درجے لگاتے وقت اس کے بدن کے کپڑے نہیں اتارے جائیں گے۔ کیونکہ حد قذف کا سبب یقینی اور قطعی نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ حد سختی کے ساتھ قائم نہیں کی جائے گی۔ بخلاف حد زنا کے البتہ اس کے بدن سے اس کی پوشیدہ اور لبادہ وغیرہ موٹے کپڑے اتار لئے جائیں گے۔ کیونکہ اسے کپڑوں سے اس کو مار کی چوٹ نہیں پہنچے گی۔

تشریح..... قَالَ وَ يُفَرَّقُ عَلَى أَعْضَائِهِ لِإِمَارَةٍ فِي حَدِّ الزَّانِءِ وَلَا يَجْرُدُ مِنْ فِتْيَانِهِ لِأَنَّهُ سَبَبٌ غَيْرُ مُقْطُوعٍ بِهِ فَلَا يَقَامُ عَلَى الشَّيْءِ بِخِلَافِ حَدِّ الزَّانِءِ غَيْرَ أَنَّهُ يُنْزَعُ عَنْهُ الْفَرُّ وَالْحَشْوُ لِأَنَّ ذَلِكَ يَمْنَعُ إِبْصَالَ لَا لِمِ بِهِ

غلام کی حد قذف

وَ إِنْ كَانَ الْقَاضِ عِبْدًا جُلِدَ أَرْبَعِينَ سَوَ طَائِلِ الْمَكَانِ الرِّقِّ وَالْإِحْصَانُ أَنْ يَكُونَ الْمَقْدُوفُ حُرًّا عَاقِلًا بَالِغًا مُسْلِمًا عَقِيْقًا عَنْ فِعْلِ الزَّانِءِ أَمَّا الْحَرِيَّةُ فَلِأَنَّهُ يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ الْإِحْصَانِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ أَيْ الْحَوَائِرِ وَالْعُقُلُ وَالْبُلُوْغُ لِأَنَّ الْعَارَ لَا يَلْحَقُ بِالصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ لِعَدَمِ تَحَقُّقِ فِعْلِ الزَّانِءِ مِنْهُمَا وَالْإِسْلَامُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ فَلَيْسَ بِمُحْصِنٍ وَالْعَقَّةُ لِأَنَّ غَيْرَ الْعَقِيْفِ لَا يَلْحَقُهُ الْعَارُ وَ كَذَا الْقَاضِ صَادِقٌ فِيهِ

ترجمہ..... اور اگر تہمت لگانے والا کوئی غلام ہو تو اس کی غلامی کی وجہ سے اسے چالیس درجے لگائے جائیں گے۔ اس جگہ محصن ہونے کے معنی یہ

ہیں کہ وہ آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور زنا کے کام سے پاک دامن ہو۔ اس میں آزادی کی قید اس لئے ہے کہ اسی کو احسان کا نام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے فعلیہن نصف ماعلیٰ المحصنات من العذاب اس سے محصنات سے آزاد و عورتیں مراد ہیں۔ اور عقل و بلوغ کی قید اس لئے ہے کہ نابالغ اور دیوانہ سے زنا کا وجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کو عار بھی لاحق نہیں ہوتا ہے اور اسلام کی قید اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ محسن نہیں ہے۔ (رداواہن)

اور عفت (پاک دامن) کی قید اس لئے ہے کہ جو عقیف نہ ہو اس کو شرم لاحق نہیں ہوتی ہے اور تہمت لگانے والا بھی اپنی بات میں سچا ہو جاتا ہے۔
تشریح..... و ان كان القاذف عبدا جلد اربعین سوطا لکان الرق والاحسان ان يكون المقدوف..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

دوسرے کے نسب کا انکار کرنے کی حد

وَمَنْ نَفَى نَسْبَ غَيْرِهِ وَقَالَ لَسْتُ لِأَبِيكَ فَإِنَّهُ يُحَدِّثُ هَذَا إِذَا كَانَتْ أُمَّةٌ حُرَّةً مُسْلِمَةً لِأَنَّهُ فِي الْحَقِيقَةِ قَذْفٌ لِأَمِّهِ لِأَنَّ النِّسْبَ إِنَّمَا يُنْفَى عَنِ الزَّانِي لَا عَنْ غَيْرِهِ

ترجمہ..... اور: نے دوسرے کے نسب کی نفی کی اور یہ کہا کہ تم اپنے باپ کے نہیں ہو تو سے حد لگائی جائے گی۔ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جب کہ تہمت لگائے گئے شخص کی ماں آزاد اور مسلمان ہو۔ کیونکہ نسب کے انکار کے معنی اس کی ماں پر زنا کی تہمت لگانا ہیں۔ کیونکہ نسب کا انکار صرف زنا کرنے والے سے ہوتا ہے کسی دوسرے سے نہیں۔ ف۔ اگر اس کی ماں کسی غیر کی باندی ہو جس سے بچہ کے باپ نے نکاح کیا ہو تو یہ شخص اپنی ماں کے مالک کا غلام ہے۔ اس لئے اس تہمت لگانے والے کے کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ تم اپنے باپ کے نہیں بلکہ اپنے مولیٰ کے ہو۔ اس طرح اس سے نسب کی نفی لازم نہیں آتی ہے اور اگر یہ کہا کہ تم اپنے باپ کے نہیں ہو تو اسے حد نہیں ماری جائے گی۔

تشریح..... و من نفى نسب غيره وقال لست لابيك فانه يحده هذا اذا كانت..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی سے کہا تم اپنے باپ کے بیٹے نہیں حد جاری ہوگی یا نہیں

وَمَنْ قَالَ لَغَيْرِهِ فِي غَضَبٍ لَسْتُ بِابْنِ فُلَانٍ لِأَبِيهِ الَّذِي يَدْعِي لَهُ يُحَدِّثُ وَلَوْ قَالَ فِي غَيْرِ غَضَبٍ لَا يُحَدِّثُ لَأَنَّ عِنْدَ الْغَضَبِ يُرَادُّ بِهِ حَقِيقَةُ سِبَالِهِ وَفِي غَيْرِهِ يُرَادُّ بِهِ الْمُعَاتَبَةُ بِنَفْيِ مُشَابَهَتِهِ أَبَاهُ فِي أَسْبَابِ الْمَرْوَةِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے دوسرے سے غصہ کی حالت میں کہا کہ تم فلاں کے بیٹے نہیں ہو۔ یعنی جس باپ سے وہ پکارا جاتا ہے اس سے نفی کر دی تو اسے حد قذف لگائی جائے گی اور اگر یہ بات غصہ کی حالت میں نہیں کہی ہو تو حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ غصہ کی حالت میں گالی دینے سے اس سے حقیقی معنی گالی کے ہی مراد ہوں گے اور غصہ نہ ہونے کی صورت میں اس لفظ سے نفرت اور غصہ کا اظہار ہوتا ہے کہ گویا یوں کہا کہ تم اپنے اخلاق اور مروت میں اپنے باپ کے مشابہ نہیں ہو۔

تشریح..... و من قال لغيره في غضب لست بابن فلان لابيہ الذي يدعي له يحد ولو قال في غير غضب لا يحد..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی سے کہا تم اپنے دادا کے بیٹے نہیں حد جاری نہیں ہوگی

وَلَوْ قَالَ لَسْتُ بِابْنِ فُلَانٍ يَعْنِي جَدَّهُ لَمْ يُحَدِّثْ لِأَنَّهُ صَادِقٌ فِي كَلَامِهِ وَلَوْ نَسَبَهُ إِلَى جَدِّهِ لَا يُحَدِّثُ أَيْضًا لِأَنَّهُ

ترجمہ..... اور اگر یوں کہا کہ تم فلاں یعنی اپنے دادا کے بیٹا نہیں ہو تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ وہ تو اپنے کہنے میں سچا ہے اور اگر یہ کہا کہ تم اپنے دادا کے بیٹے ہو تو بھی حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ کبھی دادا کی طرف مجاز نسبت کر دیتے ہیں۔

تشریح..... و لو قال لست بابن فلان یعنی جدہ لم یحد لانه صادق فی کلامہ و لو نسبہ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی نے دوسرے سے کہا اے زانیہ کے بیٹے حالانکہ اس کی ماں مرچکی ہے حد جاری ہوگی یا نہیں

وَلَوْ قَالَ لَهُ يَا ابْنَ الزَّانِيَةِ وَأُمُّهُ مَيَّةٌ مُحْصَنَةٌ فَطَالَبَ ابْنَ بَحْدِهِ حَدَّ الْقَذْفِ لِأَنَّهُ قَذَفَ مُحْصَنَةً بَعْدَ مَوْتِهَا وَلَا يُطَالَبُ بِحَدِّ الْقَذْفِ لِلْمَيِّتِ الْأَمَّنْ يَقَعُ الْقَذْحُ فِي نَسَبِهِ بِقَذْفِهِ وَهُوَ الْوَالِدُ وَالْوَلَدُ لِأَنَّ الْعَارَ يَلْتَحِقُ بِهِ لِمَكَانِ الْحُزْنِيَّةِ فَيَكُونُ الْقَذْفُ مُتَسَاوِلًا لَهُ مَعْنَى وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَثْبُتُ حَقُّ الْمُطَالَبَةِ لِكُلِّ وَارِثٍ لِأَنَّ حَدَّ الْقَذْفِ يُورِثُ عَنْهُ عَلَى مَا نَبَّيْنُ وَعِنْدَ نَاوِلَايَةَ الْمُطَالَبَةِ لَيْسَ بِطَرِيقِ الْإِرْثِ بَلْ لِمَا ذَكَرْنَا وَلِهَذَا يَثْبُتُ عِنْدَنَا لِلْمَحْرُومِ عَنِ الْمِيرَاثِ بِالْقَتْلِ وَيَثْبُتُ لَوْلَدِ الْبَنَاتِ كَمَا يَثْبُتُ لَوْلَدِ الْإِبْنِ خِلَافًا لِلْمُحَمَّدِيِّ وَيَثْبُتُ لَوْلَدِ الْوَلَدِ حَالِ قِيَامِ الْوَلَدِ خِلَافًا لِلزُّفَرِيِّ

ترجمہ..... اور اگر کسی مرد سے کہا اے زانیہ کے بیٹے حالانکہ اس کی محصنہ ماں مرچکی ہے اس پر بیٹے نے اس کے خلاف قذف کا دعویٰ کیا تو قاذف کو حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ اس نے ایک محصنہ عورت کو اس کے مرنے کے بعد زنا کاری کی تہمت لگائی ہے۔ بخلاف اس کے اگر وہ عورت زندہ ہوتی اور تہمت کے بعد مر جاتی وہ حد ساقط ہو جاتی ہے۔ العنایہ۔ اور مردہ کے واسطے حد قذف کا مطالبہ کوئی بھی نہیں کر سکتا ہے سوائے اس شخص کے جس کے نسب میں اس مردہ کے قذف سے عیب و عار لاحق ہوا ہو اور وہ اس مردہ کا باپ یا بیٹا ہی ہو سکتا ہے۔ یعنی نسب میں اوپر کی جانب باپ اور دادا وغیرہ ہو یا نیچے کی جانب بیٹا اور پوتا اور ان کی اولاد ہو نیچے تک ہو۔ کیونکہ والد یا نیچے کی اولاد کو مردہ سے جزئیت کی وجہ سے اس قذف سے عار اور شرمندگی ہوگی۔ اس بناء پر بظاہر صرف مردہ پر قذف کرنا حقیقت میں ان تمام کو قذف کرنا اور عار دلانا ہوگا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس مطالبہ کا حق اس کے تمام وارثوں کو ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک حد قذف بھی ایک میراث ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ اسے بیان کریں گے اور ہمارے نزدیک مطالبہ کرنے کا حق میراث کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے اس کا الزام و قذف میں یہ لوگ بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے جو شخص میراث سے محروم ہو مثلاً اس نے مردہ کو قتل کر دیا ہو اس کو بھی ہمارے نزدیک حد قذف کے مطالبہ کا اختیار ہوتا ہے۔ جس طرح بیٹے کی اولاد کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اسی طرح بیٹی کی اولاد بھی حد قذف لگانے کا مطالبہ کر سکتی ہے اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اور اگر لڑکا موجود ہو تو بھی اس کی موجودگی میں اس لڑکے کی اولاد کو اپنے مردہ دادا یا نانا کے قذف کے مطالبہ کا حق ہوتا ہے اور اس مسئلہ میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

تشریح..... و لو قال له يا ابن الزانية و امه ميتة محصنة فطالب الابن بحده حد القذف..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

محسن پر زنا کی تہمت لگائی گئی تو اس کے بیٹے کو حد کے مطالبے کا حق ہے یا نہیں

وَإِذَا كَانَ الْمَقْدُوفُ مُحْصَنًا جَازَ لِابْنِهِ الْكَافِرِ الْعَبْدَانِ يُطَالَبُ بِالْحَدِّ خِلَافًا لِزُفَرٍ هُوَ يَقُولُ الْقَذْفُ يَتَنَا وَلَهُ

مَعْنَى لِرُجُوعِ الْعَارِ إِلَيْهِ وَ لَيْسَ طَرِيقُهُ الْإِرْثَ عِنْدَنَا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ مُتَنَاوِلًا لَهُ صُورَةٌ وَمَعْنَى وَلَنَا أَنَّهُ غَيْرُهُ بِقَذْفٍ مُحْصَنٍ فَيَأْخُذُهُ بِالْحَدِّ وَهَذَا لِأَنَّ الْإِحْصَانَ فِي الَّذِي يُنْسَبُ إِلَى الزَّانِءِ شَرْطٌ لِيَقَعَ تَغْيِيرُ أَعْلَى الْكَمَالِ ثُمَّ يَرْجِعُ هَذَا التَّغْيِيرُ الْكَامِلَ إِلَى وَلَدِهِ وَالْكَفْرُ لَا يُنَا فِي أَهْلِيَّةِ الْإِسْتِحْقَاقِ بِخِلَافِ مَا إِذَا تَنَاوَلَهُ الْقَذْفُ نَفْسَهُ لِأَنَّهُ لَمْ يُوْجَدْ التَّغْيِيرُ عَلَى الْكَمَالِ لِفَقْدِ الْإِحْصَانِ فِي الْمُنْسُوبِ إِلَى الزَّانِءِ

ترجمہ..... اور جس شخص کو زنا کی تہمت لگائی گئی اگر وہ محسن ہو تو اس کے بیٹے کو حد کے مطالبہ کا اختیار ہوگا۔ اگر چہ وہ بیٹا کافر یا کسی دوسرے کا غلام ہو اس میں امام زفر رحمۃ اللہ کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ معنی کے اعتبار سے یہ تہمت اس کے بیٹے کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ اس تہمت سے خود اس لڑکے سے بھی الحاق عار ہوا ہے اور ہمارے نزدیک یہ بات میراث کے طور پر نہیں ہے۔ اس لئے یہ ایسا ہو گیا کہ گویا یہ تہمت ظاہری و باطنی طور پر اسے شامل ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تہمت لگانے والے نے جسے تہمت لگائی گئی ہے اس کے بیٹے کو اس طرح عار دلائی کہ اس کے محسن باپ کو تہمت لگائی ہے اس لئے بیٹا حد قذف جاری کرنے کے لئے اس کے قازق کو پکڑے گا۔ کیونکہ جس شخص کو زنا کی طرف منسوب کیا جائے اس کا محسن ہونا شرط ہے۔ تاکہ پورے طور پر یہ کہا جاسکے کہ اس نے عار دلائی اور شرمندہ کیا ہے۔ پھر اس کی شرمندگی اور رسوائی اس کے بیٹے کی طرف منسوب ہو جائے گی اور لڑکا حد لگوانے کا مطالبہ کر سکے گا اور ایسے استحقاق میں کافر ہونے سے اس کی لیاقت ختم نہیں ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر خود اس کافر یا غلام کو قذف کیا گیا تو وہ اپنا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں پورے طور پر عار دلا نا نہیں پایا جاتا ہے۔ اگر زنا کی طرف اس کی نسبت کی گئی ہو۔

تشریح..... و اذا كان المقذوف محضا جاز لابنه الكافرو العبدان يطالب بالحد خلافا لزفر هو يقول..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

غلام کی آزاد ماں پر آقا نے زنا کی تہمت لگائی یا اپنے بیٹے کی آزاد مسلمان ماں پر تہمت لگائی تو غلام اور بیٹے کو حد کے مطالبہ کا حق ہے یا نہیں

وَلَيْسَ لِلْعَبْدَانِ يُطَالِبُ مَوْلَاهُ بِقَذْفِ أُمِّهِ الْحُرَّةِ وَلَا لِلْإِبْنِ أَنْ يُطَالِبَ أَبَاهُ بِقَذْفِ أُمِّهِ الْحُرَّةِ الْمُسْلِمَةِ لِأَنَّ الْمَوْلَى لَا يُعَاقَبُ بِسَبِّ عَبْدِهِ وَكَذَا الْآبُ بِسَبِّ ابْنِهِ وَلِهَذَا لَا يُقَادُّ الْوَالِدُ وَلَا السَّيِّدُ بِعَبْدِهِ وَلَوْ كَانَ لَهَا ابْنٌ مِنْ غَيْرِهِ لَهُ أَنْ يُطَالِبَ لِتَحْقِيقِ السَّبِّ وَانْعِدَامِ الْمَانِعِ

ترجمہ..... اگر غلام کے مولیٰ نے غلام کی آزاد ماں کو قذف کیا یا اپنے بیٹے کی آزاد مسلمان ماں کو قذف کیا تو غلام یا بیٹے کو حد قذف کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہے کیونکہ مولیٰ کو اس کے اپنے غلام کی وجہ سے سزا نہیں دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح باپ کو بھی اس کے بیٹے کی وجہ سے عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اسی بناء پر بیٹے کو قتل کر دینے کی بناء پر قصاص میں قتل نہیں کیا جاتا ہے اور غلام کو قتل کر دینے سے بھی اس کے مولیٰ کو قتل نہیں کیا جاتا ہے۔ البتہ اگر اس عورت کا کوئی لڑکا دوسرے شوہر سے ہو تو اس کو مطالبہ کا اختیار ہے۔ کیونکہ سبب یعنی قذف موجود ہے اور اس میں رکاوٹ ڈالنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔ ف۔ لیکن یہ حکم دنیاوی ہے اور اگر جھوٹی تہمت لگائی پھر توبہ کے بغیر مر گیا تو آخرت میں عذاب ہوگا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے جس نے اپنے غلام کو زنا کی تہمت لگائی تو قیامت کے دن اس پر حد قائم کی جائے گی۔ البتہ اس صورت میں جب کہ مولیٰ نے جیسا کہا دیا

ہی ہو۔ (رواہ البخاری و مسلم)

تشریح..... وليس للعبدان يطالب مولاه بقذف امه الحرة ولا للابن ان يطالب..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

جس پر تہمت لگائی گئی وہ مقذوف مرگیا حد باطل ہوگی یا نہیں، اقوال فقہاء

وَمَنْ قَذَفَ غَيْرَهُ فَمَاتَ الْمَقْذُوفُ بَطَلَ الْحَدُّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَبْطُلُ وَلَوْ مَاتَ بَعْدَ مَا أَقِيمَ بَعْضُ الْحَدِّ يَبْطُلُ الْبَاقِي عِنْدَنَا خِلَافًا لَهُ بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ يُورَثُ عِنْدَهُ وَعِنْدَنَا لَا يُورَثُ وَلَا خِلَافٌ أَنَّ فِيهِ حَقَّ الشَّرْعِ وَحَقَّ الْعَبْدِ فَإِنَّهُ شَرِعٌ لِدَفْعِ الْعَارِ عَنِ الْمَقْذُوفِ وَهُوَ الَّذِي يُنْتَفَعُ بِهِ عَلَى الْخُصُوصِ فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ حَقُّ الْعَبْدِ ثُمَّ أَنَّهُ شَرِعٌ زَاجِرٌ أَوْ مِنْهُ سُمِّيَ حَدًّا أَوِ الْمَقْصُودُ مِنْ شَرْعِ الزَّاجِرِ إِخْلَاءُ الْعَالَمِ عَنِ الْفُسَادِ وَهَذَا آيَةُ حَقِّ الشَّرْعِ وَبِكُلِّ ذَلِكَ تَشْهَدُ الْأَحْكَامُ وَإِذَا تَعَارَضَتِ الْجِهَتَانِ فَالشَّافِعِيُّ مَالَ إِلَى تَغْلِيْبِ حَقِّ الْعَبْدِ تَقْدِيمًا لِحَقِّ الْعَبْدِ بِاعْتِبَارِ حَاجَتِهِ وَغِنَاءِ الشَّرْعِ وَنَحْنُ صِرْنَا إِلَى تَغْلِيْبِ حَقِّ الشَّرْعِ لِأَنَّ مَالَ الْعَبْدِ مِنَ الْحَقِّ يَتَوَلَّاهُ مَوْلَاهُ فَيَصِيرُ حَقُّ الْعَبْدِ مَرْعِيًّا بِهِ وَلَا كَذَلِكَ عَكْسُهُ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَتَهُ لِلْعَبْدِ فِي اسْتِيفَاءِ حُقُوقِ الشَّرْعِ الْأَنْبِيَاءَةِ وَهَذَا هُوَ لَا ضِلُّ الْمَشْهُورُ الَّذِي يَخْرُجُ عَلَيْهِ الْفُرُوعُ الْمُخْتَلَفُ فِيهَا مِنْهَا الْإِرْثُ إِذَا لَرِثَ يَجْرِي فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ لَا فِي حُقُوقِ الشَّرْعِ وَمِنْهَا الْعُقُوفُ فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ عَقْفُ الْمَقْذُوفِ عِنْدَنَا وَيَصِحُّ عِنْدَهُ وَمِنْهَا أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْأَعْتِيَاظُ عَنْهُ وَيَجْرِي فِيهِ التَّدَاخُلُ وَعِنْدَهُ لَا يَجْرِي وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الْعُقُوفِ مِثْلُ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ وَمِنْ أَصْحَابِنَا مَنْ قَالَ إِنَّ الْغَالِبَ حَقُّ الْعَبْدِ وَخَرَجَ الْأَحْكَامُ وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ

ترجمہ..... اگر زید نے خالد کو تہمت لگائی پھر خالد مر گیا تو اس سلسلہ کی حد قذف باطل ہوگئی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ باطل نہیں ہوگی اور اگر تہمت لگانے والے زید کو تھوڑی حد لگنی تھی کہ خالد مر گیا۔ تو ہمارے نزدیک باقی حد باطل ہو جائے گی برخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کے۔ اس بناء پر کہ حد قذف ان کے نزدیک میراث ہو جاتی ہے۔ جب کہ ہمارے نزدیک میراث نہیں ہوتی ہے۔ (اس اختلاف کی بنیادی بات یہ ہے) بلاشبہ اس حد قذف کے جاری کرنے کے دو پہلو اور دو حقوق ہیں۔ ایک حق الشرع اور دوسرا حق العبد۔ حق العبد اس طرح ہے کہ حد قذف جاری کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ اس شخص سے شرمندگی اور عار کو ختم کر دیا جائے جس کو تہمت لگائی گئی ہے اور اس کا نفع خاص کراہی کو حاصل ہوتا ہے۔ اسی بناء پر اس میں بندہ کا حق ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی اس حد کے قائم کرنے کو جائز کہا گیا ہے کہ دوسرے تمام افراد ایسی بات کہنے سے ڈر جائیں اور آئندہ کسی کو اس طرح کہنے کی کچھ ہمت نہ ہو۔ اسی لئے اس کا نام حد رکھا گیا ہو اور ایسی عبرت ناک حد کے شروع کرنے سے مقصد ہوتا ہے کہ یہ عالم شرف و فساد سے خالی ہو اور یہی بات حق شرع ہونے کی پہچان ہے اور ان دونوں حقوق میں سے ہر ایک حق کے کچھ احکام اس دعویٰ کے مشاہد ہیں۔ اب جب کہ دونوں کے درمیان تعارض پیدا ہوا تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو ترجیح دی کہ اس میں بندہ کا حق غالب ہے اس لئے بندہ کا حق ہی مقدم رکھا جائے کیونکہ بندہ محتاج ہوتا ہے مگر شریعت محتاج نہیں ہے اور ہم احناف نے اس بات کو ترجیح دی کہ اس میں شریعت کا حق غالب ہے۔ کیونکہ بندہ کا جو کچھ حق ہے اس کا متولی اور نگہبان ہے۔ خود اسی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے بندہ کی طرح اس حق کی بھی حفاظت ہوگی اور اس کے برعکس نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی بھی بندہ کو یہ حق نہیں ہے۔ کہ کسی بھی حق شرع کا حقدار اور مالک بن جائے۔ اگر کچھ ہے تو وہ مالک حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے نائب کی حیثیت سے ہے۔ یہی اصل مشہور ہے جس کی بناء پر ہمارے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان جزوی مسائل احکام مختلف ہو جاتے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ ۱۔ بندوں کے حقوق میں میراث جاری ہوتی ہے اور حقوق شرع میں جاری نہیں ہوتی ہے۔ یعنی حد قذف میں بھی ان کے نزدیک میراث ہوگی اور ہمارے نزدیک نہیں ہوگی۔ ۲۔ ان میں سے معاف اور درگزر کرنا

ہے کہ جس پر قذف لگائی گئی ہے اگر وہ خود معاف کر دے تو ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہوگا یعنی حق شرع ہونے کی بناء پر اس پر حد جاری ہو کر رہے گی۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک معاف کرنا صحیح ہوگا۔ ۳۔ یہ کہ قذف کا عوض لے لینا جائز نہیں ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں حق الہی غالب ہے اور اس میں داخل جاری ہوگا۔ یعنی اگر کسی نے کئی آدمیوں پر تہمت لگائی تو سب کے لئے ایک ہی حد لگائی جائے گی۔ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس طرح داخل نہیں ہوگا (بلکہ ہر ایک کے لئے علیحدہ حد جاری کی جائے گی)۔ اس معاف ردینے کی صورت میں ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مثل منقول ہے اور ہمارے اصحاب حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے بعضوں نے کہا ہے کہ اس صورت میں بندہ کا حق غالب ہے اور مثل امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مثل احکام بیان کئے ہیں۔ لیکن قول اول یہی اظہر ہے۔ ف۔ اور عامہ مشائخ نے اس کو اختیار فرمایا ہے۔ (الانہایہ)

تشریح و من قذف غیرہ فمات المَقْدُوف بطل الحدوقال الشافعی لا یطلل ولو مات الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

قذف کے اقرار سے رجوع کا حکم

وَمَنْ أَقْرَبَ بِالْقَذْفِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يَقْبَلْ رُجُوعُهُ لِأَنَّ لِلْمَقْدُوفِ فِيهِ حَقًّا فَيَكْذِبُهُ فِي الرُّجُوعِ بِخِلَافِ مَا هُوَ خَالِصٌ حَقِّي اللَّهِ لِأَنَّهُ لَا مَكْذُوبَ لَهُ فِيهِ

ترجمہ اور جس شخص نے دوسرے پر زنا کا الزام لگایا پھر اپنے الزام سے رجوع کر لیا تو اس کا رجوع کرنا قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس الزام کی وجہ سے جس پر الزام لگایا گیا ہے اس کا حق بھی متعلق ہو گیا ہے تو وہ اس کے رجوع میں اس کی تکذیب کرے گا۔ بخلاف اس صورت کے جو خالص حق الہی ہو کیونکہ الزام اس کے رجوع کرنے پر کوئی انسان کی تکذیب کرنے والا نہ ہوگا۔

تشریح و من اقر بالقذف ثم رجع لم يقبل رجوعه لان للمقدوف فيه حقا فيكذبه الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

عربی کو نبی کہنے سے حد جاری ہوگی یا نہیں

وَمَنْ قَالَ لِلْعَرَبِيِّ يَا نَبِيَّ لَمْ يُحْدِثْ لِأَنَّهُ يُرَادُّ بِهِ التَّشْبِيهُ فِي الْإِخْلَافِ أَوْ عَدَمُ الْفَصَاحَةِ وَكَذَا إِذَا قَالَ لَسْتُ بِعَرَبِيٍّ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ اور اگر کسی نے کسی عربی شخص سے کہا اے غلطی (عراق کے باشندوں کی ایک قوم) تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ اس خطاب سے بد اخلاقی میں یا فصیح نہ ہونے میں تشبیہ و یا مزاد ہوتا ہے۔ یعنی زنا کا بہتان لگانا مقصود نہیں۔ اسی طرح اگر عربی سے کسی نے یہ کہہ دیا کہ تم عربی نہیں ہو تو بھی یہی حکم ہوگا۔ اسی مذکورہ وجہ سے کہ اس سے اصل مقصد بد اخلاقی میں تشبیہ ہے۔

کسی کو ابن ماء السماء کہنے سے حد کا حکم

وَمَنْ قَالَ لِرَجُلٍ يَا ابْنَ مَاءِ السَّمَاءِ فَلَيْسَ بِقَاذِفٍ لِأَنَّهُ يُرَادُّ بِهِ التَّشْبِيهُ فِي الْجُودِ وَالْبِسْمَا حَةِ وَالصَّفَاءِ لِأَنَّ مَاءَ السَّمَاءِ لِقَبٍّ بِهِ لِصَفَائِهِ وَسَخَائِهِ

ترجمہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا ادا آسانی پانی کے بچے تو اس سے تہمت لگانا ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ اس لفظ سے مقصود اس کی تعریف یعنی بخشش و جوان مردی و صفائی میں تشبیہ مقصود ہوتی ہے کہ آسان پانی کا لقب صفائی و سخاوت کی وجہ سے ہے (ف۔ یعنی جیسے آسانی پانی گندگی اور میل و

باب حد القذف ۲۰۰ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
 کجیل سے صاف اور بہت زیادہ برستا ہے اسی طرح اس شخص کا نطفہ خالص ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ کی حدیث جو حضرت
 اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہاجرہ کے بارے میں نقل کی ہے۔ کہ فہذہ امکم یا نبی ماء السماء یعنی اے آسمانی پانی کی اولاد یہی تمہاری والدہ
 ہیں۔ (رواہ البخاری)

اس سے ظاہر ہے کہ یہ لفظ تعریف کے طور پر ہے۔ برائی کے طور پر نہیں۔

تشریح..... و من قال للعربی یا نبطی لم یحدلانیہ یو ادبہ التشبیہ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی کو ماموں، چچا یا سوتیلے باپ کی طرف منسوب کرنے سے حد کا حکم

وَأَنَّ نَسَبَهُ إِلَى عَمِّهِ أَوْ خَالَهِ أَوْ إِلَى زَوْجِ أُمِّهِ فَلَيْسَ بِقَافِظٍ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْ هَؤُلَاءِ يُسَمَّى أَبًا أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِقَوْلِهِ
 تَعَالَى نَعْبُدُكَ إِلَهًا وَاللَّهُ آبَاءُكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ كَانَ عَمَلُهُ وَالثَّانِي لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 الْخَالَ أَبٌ وَالثَّلَاثُ لِلتَّوْبَةِ

ترجمہ..... اگر کسی نے کسی کو اس کے چچا یا ماموں یا ماں کے شوہر کی طرف منسوب کیا۔ یعنی اس کو اس کے چچا یا ماموں یا سوتیلے باپ کا لڑکا بتایا تو وہ
 تہمت لگانے والا نہیں کہا جائے گا۔ کیونکہ ان لوگوں میں سے ہر ایک کو باپ بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت پاک ”نَعْبُدُكَ إِلَهًا وَاللَّهُ آبَاءُكَ“
 ابراہیم و اسماعیل و اسحاق“ میں ہے یعنی حضرت یعقوب و اسماعیل و اسحاق کے پروردگار کی عبادت کریں گے۔ حالانکہ اسماعیل علیہ السلام
 حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے اور ماموں کو باپ کہنا اس دلیل سے ہے کہ حدیث میں مذکور ہے کہ ماموں باپ ہے۔ (لیکن یہ حدیث
 غریب ہے۔ البتہ مسند الفردوس میں یہ روایت ہے کہ جس کے والد زندہ نہ ہوں تو اس کے ماموں اس کے والد ہیں۔ الریلعی) اور سوتیلے باپ تربیت
 کی بناء پر باپ کہلاتا ہے۔

تشریح..... و ان نسبہ الی عمہ او خالہ او الی زوج امہ فلیس بقاذف لان کل واحد..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی کو زناات فی الجبل یا زناات علی الجبل یا زانی کہا حد جاری ہوگی یا نہیں

وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ زَنَاتٌ فِي الْجَبَلِ وَقَالَ غَيْرُهُ صُعُودُ الْجَبَلِ حَدُّوْهُذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ
 مُحَمَّدٌ لَا يَحْدُلَانِ الْمَهْمُوزُ مِنْهُ لِلصُّعُودِ حَقِيقَةٌ قَالَتْ امْرَأَةٌ مِنَ الْعَرَبِ ع وَارَقَ إِلَى الْخَيْرَاتِ زَنَاءٌ فِي الْجَبَلِ
 وَذَكَرَ الْجَبَلُ يُقَرَّرُهُ مُرَادًا وَلَهُمَا أَنَّهُ يُسْتَعْمَلُ فِي الْفَاحِشَةِ مَهْمُوزًا أَيْضًا لِأَنَّ مِنَ الْعَرَبِ مَنْ يَهْمُزُ الْمَلِكِينَ
 كَمَا يَلِيْنُ الْمَهْمُوزُ وَحَالَةَ الْغَضَبِ وَالسَّبَابِ تَعِيْنُ الْفَاحِشَةَ مُرَادًا بِمَنْزِلَةِ مَا إِذَا قَالَ يَا زَانِي أَوْ قَالَ زَنَاتٌ
 وَذَكَرَ الْجَبَلُ إِنَّمَا يُعَيِّنُ الصُّعُودَ مُرَادًا إِذَا كَانَ مَقْرُونًا بِكَلِمَةٍ عَلَى إِذْهُوَ الْمُسْتَعْمَلُ فِيهِ وَلَوْ قَالَ زَنَاتٌ عَلَى
 الْجَبَلِ قِيلَ لَا يَحْدُلَانِ لِمَا قُلْنَا وَقِيلَ يَحْدُلُ لِمَعْنَى الَّذِي ذَكَرْنَاهُ

ترجمہ..... اگر کسی نے دوسرے سے کہا زناات فی الجبل۔ پھر یہ دعویٰ کیا کہ اس سے میری مراد یہ تھی کہ تم پہاڑ پر چڑھے تو یہ بات مقبول نہ ہوگی اور
 اس کہنے پر اسے حد قذف لگائی جائے گی یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ و ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اسے
 حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ لفظ زنا جو ہمزہ کے ساتھ ہو وہ حقیقت میں اوپر چڑھائی کرنے کے حق میں آتا ہے۔ اور زنا کاری کے معنی میں مجازاً

ہے۔ جیسا کہ عرب کی ایک عورت نے اپنے لڑکے کو مخاطب کر کے کہا ہے۔ ع۔ وارق الی الخیسات زنا فی الجبل۔ یعنی پہاڑ پر چڑھنے کی طرح خویوں کی طرح چڑھ جا۔ اور یہاں پر پہاڑوں کا ذکر کرنا اس معنی کو متعین کرتا ہے۔ کہ پہاڑ پر چڑھنا ہی مراد ہے اور پہاڑ میں زنا کرنا مراد نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ والیوسف رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ زنا (الف کے ساتھ) کی طرح زنا (ہمزہ کے ساتھ) بھی بد فعلی اور فاحشہ حرکت کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ کیونکہ کچھ عرب ایسے بھی ہیں جو خفیف الف کو ہمزہ سے بدل لیتے ہیں۔ جیسے ہمزہ کو الف کی آواز سے ادا کرتے ہیں اور غصہ و گالی و گھوج کی حالت اسی خراب اور فاحشہ عمل (زنا) مراد ہونے کو متعین کرتی ہے اور اگر اس کے عوض یوں کہا یا زانی یا یوں کہا زانائت تو بھی یہی مقصود ہوگا۔ اور جبل (پہاڑ) کا ذکر کرنا اسی وقت چڑھائی کے معنی میں مراد ہونا متعین ہوگا جب فی الجبل کے عوض الجبل کہے۔ یعنی تم پہاڑ پر چڑھنا۔ کیونکہ یہی محاورہ مستعمل ہے اور اگر یوں کہا زنا بت علی الجبل تو بعضوں نے کہا ہے کہ حد نہیں لگائی جائے گی کیونکہ حرف علی کے ساتھ ہونے سے چڑھنے ہی کے معنی متعین ہیں۔ پہاڑ پر چڑھے اور بعضوں نے کہا ہے کہ حد قذف لگائی جائے گی کیونکہ غصہ کی حالت میں ہونے سے بدکاری ہی کے معنی متعین ہیں۔ اس لئے اس کی مراد ہوگی کہ تم نے پہاڑ میں زنا کیا ہے۔

تشریح..... ومن قال لغيره زنا فی الجبل وقال عتیت صعود الجبل حدوہذا عند ابی حنیفہ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ایک نے دوسرے کو کہا یا زانی دوسرے نے جواب کہا لا بل انت کس کو حد جاری کی جائے گی

وَمَنْ قَالَ لِأَخِي يَزَانِي فَقَالَ لَا بِلْ أَنْتَ فَإِنَّهُمَا يُحَدِّانِ لِأَنَّ مَعْنَاهُ لَا بِلْ أَنْتَ زَانٍ إِذْ هِيَ كَلِمَةٌ عَطْفٌ يُسْتَدْرَكُ بِهَا الْغَلَطُ فَيَصِيرُ الْخَبَرُ الْمَذْكُورُ فِي الْأَوَّلِ مَذْكُورًا فِي الثَّانِي

ترجمہ..... اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ یا زانی۔ تب اس نے جواب میں کہہ دیا نہیں بلکہ تم ہو۔ تو ان دونوں کو حد قذف لگائی جائے گی۔ کیونکہ دوسرے کے کہنے کے معنی ہیں کہ نہیں بلکہ تم زانی ہو۔ کیونکہ کلمہ، عطف کے لئے آتا ہے۔ جس سے پہلے جملہ کی غلطی دور کی جاتی ہے۔ اس طرح پہلے جملہ میں جو خبر مذکور تھی وہی دوسرے جملہ میں مذکور ہو جائے گی۔

تشریح..... ومن قال لِأَخِي يَزَانِي فَقَالَ لَا بِلْ أَنْتَ فَإِنَّهُمَا يُحَدِّانِ لِأَنَّ مَعْنَاهُ لَا بِلْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

شوہر نے بیوی سے کہا یا زانیہ بیوی نے جواب میں کہا بل انت کس کو حد جاری ہوگی

وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ يَزَانِي فَقَالَتْ لَا بِلْ أَنْتَ حَدَّتِ الْمَرْأَةُ وَلَا لِعَانَ لِأَنَّهُمَا قَادِفَانِ وَقَدْ هُجِبَ اللَّعَانُ وَقَدْ هُجِبَ الْحَدُّ وَفِي الْبِدَايَةِ بِالْحَدِّ ابْطَالُ اللَّعَانِ لِأَنَّ الْمَحْذُودَ فِي الْقَذْفِ لَيْسَ بِأَهْلٍ لَهُ وَلَا ابْطَالٌ فِي عَكْسِهِ أَصْلًا فَيَحْتَالُ لِلدَّرَاءِ إِذَا اللَّعَانُ فِي مَعْنَى الْحَدِّ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا یا زانیہ اور اس پر بیوی نے کہہ دیا نہیں بلکہ تم ہو تو عورت کو حد قذف لگائی جائے گی اور دونوں میں لعان نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں ایک دوسرے پر تہمت لگانے والے ہو گئے اور شوہر کے قذف کرنے سے لعان واجب ہوتا ہے اور عورت کے قذف کرنے سے حد واجب ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں عورت پر پہلے حد جاری کر دینے سے لعان کی صورت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ جس پر حد قذف پہلے جاری کر دی گئی ہو وہ لعان کرنے کے قابل نہیں رہتا ہے اور پہلے لعان کرنے میں حد قذف باطل نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے لعان کو دور کرنے کے لئے یہی حیلہ ہوگا کیونکہ لعان تو حد زنا کے معنی میں ہے۔

تشریح..... ومن قال لِامْرَأَتِهِ يَزَانِي فَقَالَتْ لَا بِلْ أَنْتَ حَدَّتِ الْمَرْأَةُ وَلَا لِعَانَ..... الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو

مخاطب کرتے ہوئے کہا ”اے زانیہ“ جب کہ بیوی نے جواباً کہا کہ نہیں بلکہ تو ہے ”یعنی میں زانیہ نہیں بلکہ تو زانی ہے۔ تو اس صورت میں بیوی پر حد قذف جاری ہوگی۔ کیونکہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے پر زنا کا الزام لگانے والے ہیں۔ اصول یہ ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی پر قذف (زنا کا بہتان) کرے تو اس پر ”لعان“ واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ لعان کے بعد ان دونوں (میاں بیوی) کو قاضی الگ کر دے۔ لعان سے ہونے والی تفریق کا حکم ”طلاق بائن“ ہے۔ اگر عورت مرد کو جھٹلانے میں صادقہ ہے تو مرد پر حد قذف جاری ہوگی۔ اور دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔ اگر لعان کرنے والے مرد نے نکاح کے بعد دخول کیا ہے تو ملاعنہ بیوی سے مہر واپس نہیں لے گا۔ اگر دخول نہیں کیا تو امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے نزدیک نصف مہر لے گا۔ اگر بیوی اپنے شوہر پر قذف (زنا کا الزام) کہے تو اس صورت میں بیوی پر حد قذف جاری ہوگی۔ اگر شوہر اپنی بیوی پر قذف (زنا کا بہتان) کرے تو اس صورت میں مرد پر ”لعان“ واجب ہوگا۔

شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جب دو حدیں جمع ہو جائیں تو اس وقت ایک خاص حد (قذف یا لعان) کو مقدم کرنے سے دوسری حد (قذف یا لعان) ساقط ہو جائے گی۔ چنانچہ دوسری حد کے سقوط کے لئے بطور حیلہ واجب ہے کہ اس خاص حد کو مقدم کیا جائے۔ چنانچہ جب شوہر نے اپنی بیوی کو ”یزانیہ“ کہہ کر مخاطب کیا اور بیوی نے جواباً کہا کہ ”نہیں بلکہ تو ہے (لا ابل انت) (یعنی میں زانیہ نہیں بلکہ تو زانی ہے تو اس صورت میں دونوں نے ایک دوسرے پر قذف (زنا کا الزام) کیا۔ پس وہ (میاں بیوی) دونوں قاذف ہو گئے۔ لہذا بیوی پر ”حد قذف“ اور خاوند پر ”لعان“ ہونا چاہئے۔ اب اگر پہلے لعان ہو تو بیوی پر حد قذف کا وجوب برقرار رہتا ہے۔ اگر بیوی پر حد قذف واجب ہو تو لعان باطل ہو جاتا ہے چنانچہ بیوی پر حد قذف جاری کی گئی تو اس میں لعان کی صلاحیت باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ لعان بھی ایک شہادت ہے۔

واضح رہے کہ کتب فقہ میں وضاحت موجود ہے کہ لعان کرنے والے خاوند کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہل شہادت ہو۔ اور جو شخص (عورت یا مرد) قذف میں حد میں مارا جاتا ہے وہ گواہی کے قابل نہیں ہوتا۔ لہذا ایک حد کو ساقط کرنے کا حیلہ یہی ہوگا کہ بیوی پر حد قذف کو واجب کیا جائے گا۔ تاکہ ان (میاں بیوی) میں لعان نہ ہو۔ کیونکہ اگر عورت پر حد قذف کو مقدم کیا جائے تو وہ لعان کے لائق تو ہے۔ بایں وجہ کہ محدثی القذف (قذف میں حد جاری کیا گیا) لعان کے قابل نہیں۔ جب کہ لعان کو مقدم کرنے میں حد کا بطلان لازم نہیں آتا۔ لہذا عورت پر حد قذف جاری کرنا مقدم ہوا۔

بیوی نے شوہر کے جواب میں کہا میں نے تیرے ساتھ زنا کیا حد اور لعان ہے یا نہیں

وَلَوْ قَالَتْ زَنَيْتُ بِكَ فَلَا حُدَّ وَلَا لِعَانَ وَمَعْنَاهُ قَالَتْ بَعْدَ مَا قَالَتْ لَهَا يَا زَانِيَةً لَوْ قُوعَ الشُّكِّ فِي كُفْلٍ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهَا أَرَادَتْ الزَّانَاءَ قَبْلَ النِّكَاحِ فَيَجِبُ الْحُدُّ دُونَ اللَّعَانِ لِتَصْدِيقِهَا إِيَّاهُ وَإِنْعِدَامِهِ مِنْهُ وَيَحْتَمِلُ أَنَّهَا أَرَادَتْ زَانِيَتِي مَا كَانَ مَعَكَ بَعْدَ النِّكَاحِ لِأَنِّي مَا مَكُنْتُ أَحَدًا غَيْرَكَ وَهُوَ الْمُرَادُ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ وَعَلَى هَذَا الْإِغْتِبَارِ يَجِبُ اللَّعَانُ دُونَ الْحَدِّ عَلَى الْمَرْأَةِ لَوْ جُودَ الْقَذْفُ مِنْهُ وَعَذِمَ مِنْهَا فَجَاءَ مَا قُلْنَا

ترجمہ..... اور اگر بیوی نے شوہر کے (اور زانیہ کے) جواب میں کہا کہ ہاں میں نے تمہارے ساتھ ہی تو زنا کیا ہے۔ تو حد واجب نہ ہوگی اور نہ لعان واجب ہوگا۔ یعنی شوہر نے بیوی سے کہا یا زانیہ تو اس نے اس کے جواب میں کہا میں نے تمہارے ساتھ زنا کیا ہے۔ تو حد لعان میں سے کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک میں شک پیدا ہو گیا۔ کیونکہ شاید عورت کی مراد یہ ہو کہ میں نے نکاح سے پہلے تم سے زنا کیا ہے۔ تو ایسا ہونے سے حد واجب ہوگی اور لعان واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ عورت نے شوہر کے قول کی تصدیق کی مگر شوہر کی طرف سے اسکی تصدیق نہیں پائی گئی اور

شاید عورت کی یہ مراد ہو کہ میرا زنا تو وہی وہی ہے جو تمہارے ساتھ نکاح کے بعد ہوئی ہے کیونکہ میں نے تمہارے علاوہ کسی دوسرے مرد کو خود پر قدرت جماع نہیں دی ہے اور ایسی حالت میں یہی مراد ہوتی ہے اور اس اعتبار پر لعان واجب ہوگا اور عورت پر حد قذف واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ شوہر کی طرف سے زنا کا بہتان پایا گیا ہے۔ لیکن بیوی کی طرف سے نہیں پایا گیا ہے اور جب دونوں احتمال ہیں تو نتیجہ وہی نکلا جو پہلے بیان کر دیا ہے کہ شرک کی وجہ سے نہ حد قذف واجب ہوگی اور نہ لعان واجب ہوگا۔

تشریح..... و لو قالت زنی بک فلا حد و لا لعان و معناہ قالت بعد ما قال لہا یا زانیۃ لوقوع..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

بچے کا اقرار کیا پھر نفی کی اس پر لعان ہے یا نہیں

وَمَنْ أَقْرَبُ لِدُّ ثُمَّ نَفَاهُ فَإِنَّهُ يُلَاعِنُ لِأَنَّ النَّسَبَ لَزِمَهُ بِأَقْرَبِهِ وَبِالنَّفْيِ بَعْدَهُ صَارَ قَاضِيًا لِإِلَاعِنُ وَإِنْ نَفَاهُ ثُمَّ أَقْرَبَهُ حَدًّا لَا نَهَ لَمَّا كَذَبَ نَفْسَهُ بَطَلَ اللَّعَانُ لِأَنَّهُ جَدَّ ضَرُورَتِي ضَيْرَ إِلَيْهِ ضَرُورَةُ التَّكَادُبِ وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدُّ الْقَذْفِ فَإِذَا بَطَلَ التَّكَادُبُ يُصَارُ إِلَى الْأَصْلِ وَالْوَلَدُ وَلِذَلِكَ فِي الْوَجْهِينِ لَا اقْرَارِهِ بِهِ سَابِقًا أَوْ لَا حَقًّا وَاللَّعَانُ يَصِحُّ بِدُونِ قَطْعِ النَّسَبِ كَمَا يَصِحُّ بِدُونِ الْوَلَدِ

ترجمہ..... اور اگر شوہر نے پہلے تو اپنے لڑکے کے نسب کا اقرار کیا بعد میں اس کی نفی کر دی تو اس پر لعان واجب ہوگا۔ کیونکہ پہلے اس کے اقرار سے نسب لازم ہو گیا۔ پھر جب نسب کی نفی کی تو اس طرح بیوی پر زنا کی تہمت لگانے والا ہو گیا اس لئے لعان کرے گا اور اگر شوہر نے پہلے بچے کے نسب کا انکار کیا بعد میں اقرار کر لیا کہ یہ بچہ میرا ہی ہے۔ تو شوہر کو حد قذف لگائی جائے گی۔ کیونکہ جب اس نے خود کو جھوٹا ہونا مان لیا تو لعان باطل ہو گیا۔ کیونکہ ایک مجبور کی بنا پر لعان کا حکم دیا جاتا ہے۔ کیونکہ میاں اور بیوی دونوں ہی ایک دوسرے کو جھٹلاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ایک بھی گواہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں ضرور لعان لیا جائے گا اور اس میں اصل حکم حد قذف کا واجب ہونا ہے اور شوہر نے خود کو جھٹلا کر دونوں طرف کے اختلاف کو ختم کر دیا تو اب اصل حکم یعنی حد قذف پر عمل کرنا ہوگا اور دونوں صورتوں میں ہی وہ بچہ اسی مرد کا ہوگا۔ کیونکہ اس نے بچہ کا اقرار کر لیا ہے خواہ پہلے کیا ہو یا بعد میں کیا ہو۔ اور قطع نسب کے بغیر بھی لعان کا واقع ہونا صحیح ہے۔ جیسے کہ لڑکے کے بغیر بھی صحیح ہے۔

تشریح..... و مَنْ أَقْرَبُ لِدُّ ثُمَّ نَفَاهُ فَإِنَّهُ يُلَاعِنُ لِأَنَّ النَّسَبَ لَزِمَهُ بِأَقْرَبِهِ وَبِالنَّفْيِ بَعْدَهُ صَارَ قَاضِيًا لِإِلَاعِنُ الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے پہلے یہ اقرار کیا کہ فلاں پیدا ہونے والا بچہ میرا ہے۔ بعد ازاں اس (مقر) نے انکار کر دیا تو اس صورت میں اس پر لعان واجب ہوگا۔ کیونکہ گو کہ اقرار سے نسب کے تحقق کا لزوم ہو گیا۔ لیکن بچے کی نفی کرنے سے قاذف متصور ہو گیا۔ لہذا اس پر لعان کا وجوب تحقق ہوگا۔ اگر شوہر نے پہلے ولادت پانے والے بچے کی نفی کی اور بعد میں اقرار کر لیا تو اس صورت میں حد قذف جاری ہوگی۔ اس لئے کہ نفی کے بعد اقرار کرنے سے خود کو جھٹلانے کے باعث ”لعان“ باطل ہو جائے گا۔ جب کہ حد لازم ہو جائے گی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لعان کی طرف ایک ضرورت کی تحت رجوع کیا جاتا ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں جس کی وجہ سے معاملہ کا رخ صحیح سمت نہیں ہوتا۔ لہذا از روئے ضرورت لعان کی طرف رجوع کر کے معاملے کی صحیح جہت معلوم کی جاتی ہے۔ جب خاوند نے نفی کے بعد اقرار کر کے باہم تکذیب کی صورت کو ختم کر دیا تو اصل (قذف) باقی رہ جائے گی۔ چنانچہ اسی اصل کے باعث اس (ثانی و مقر) پر حد قذف لازم ہوگی۔ زوجہ کے خاوند نے پہلے اقرار کیا اور بعد میں نفی کر دی یا پہلے نفی کی اور بعد میں اقرار کر لیا تو ان دونوں صورتوں میں ”وَلَدٌ“ (بچے) کا نسب شوہر کے نسب میں سے ہوگا۔ کیونکہ نفی و اقرار یا اقرار و نفی ہر صورت میں وَلَدٌ (بچے) کے نسب کا تحقق (ثبوت) خاوند کے نسب سے ہوگا۔ کیونکہ لعان کا وجوب نسب کی نفی کے بغیر بھی صحیح ہے۔ جیسا کہ بیٹے کی ولادت کے ماسوا صحیح ہوتا ہے۔

شوہر نے کہا لیس بابنی ولا بابنک حد اور لعان ہے یا نہیں

وَاِنْ قَالَ لَيْسَ بِبَابِنِي وَلَا بِابْنِكَ فَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ لِأَنَّهُ أَنْكَرَ الْوِلَادَةَ وَبِهِ لَا يَصِيرُ قَاضِيًا

ترجمہ..... اور اگر بیوی سے یہ کہا کہ یہ لڑکا نہ میرا ہے نہ تمہارا ہے تو اس سے نہ حد واجب ہوگی نہ لعان واجب ہوگا۔ کیونکہ اس نے ولادت کا انکار کیا ہے اور اس طرح کہنے سے تہمت لگانے والا نہیں ہوتا ہے۔

تشریح..... و ان قال لیس بابنی ولا بابنک..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی نے ایسی عورت پر الزام لگایا جس کے ساتھ بچے ہیں جن کا باپ معلوم نہیں یا جس

عورت نے اپنے شوہر سے اپنے بچے کے متعلق لعان کیا حد کا حکم

وَمَنْ قَذَفَ امْرَأَةً وَمَعَهَا أَوْلَادٌ لَا يُعْرَفُ لَهُمْ أَبٌ أَوْ قَذَفَ الْمَلَاعِنَةَ بِوَلَدٍ وَالْوَلَدَ حَتَّى أَوْ قَذَفَهَا بَعْدَ مَوْتِ الْوَلَدِ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ لِقِيَامِ أَمَارَةِ الزَّيْنَاءِ مِنْهَا وَهِيَ وَلَا ذُؤْلٌ لِأَبٍ لَهُ فَفَاتَتْ الْعِقَّةَ نَظَرًا إِلَيْهَا وَهِيَ شَرْطُ الْإِخْصَانِ وَلَوْ قَذَفَ امْرَأَةً لَا عَنَتَ بِغَيْرٍ وَلَيْدٌ عَلَيْهِ الْحَدُّ لَا نَعْدَامِ أَمَارَةِ الزَّيْنَاءِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے ایسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی جس کے ساتھ ایسے کئی بچے ہوں جن کے باپ کا پتہ نہ ہو۔ یا اس نے ایسی عورت پر الزام لگایا جس نے اپنے شوہر سے اپنے بچے سے متعلق لعان کیا تھا اور وہ بچہ اب بھی زندہ ہو یا اس بچے کے مرنے کے بعد اس عورت کو تہمت لگائی ہو تو ان میں سے کسی صورت میں تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں ہوگی کیونکہ عورت سے اب بھی زنا کے آثار موجود ہیں۔ یعنی ایسے بچے کا اس کے پاس ہونا جس کا باپ نہ ہو۔ اس لئے ان نشانیوں کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی عفت جاتی رہی۔ حالانکہ احصان کی شرط ہے کہ اس میں عفت موجود ہو اور اگر ایسی عورت پر کسی نے تہمت لگائی جس نے کسی بچہ کے بغیر لعان کیا تو اسے حد قذف لگائی جائے گی۔ کیونکہ وہاں زنا کی کوئی علامت نہیں ہے (ف۔) اگر یہ کہا جائے کہ عورت کے حق میں حد زنا لگانے کے عوض لعان ہوتا ہے اور جس کو حد زنا لگائی جا چکی ہو۔ اس پر تہمت لگانے والے کو سزا نہیں دی جاتی ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ عورت کے حق میں زنا کے بجائے لعان کا ہونا صرف شوہر کے بارے میں ہوتا ہے۔ ہر ایک کے بارے میں نہیں ہوتا ہے۔

تشریح..... و من قذف امرأة ومعها اولاد لا يعرف لهم اب او قذف..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

غیر ملک میں وطی کرنے والے کے قاذف کو حد لگائی جائے گی یا نہیں

قَالَ وَمَنْ وَطِئَ وَطِئًا حَرَامًا فِي غَيْرِ مَلِكِهِ لَمْ يَحْدُ قَاضِيًا لِقَوَاتِ الْعِقَّةِ وَهِيَ شَرْطُ الْإِخْصَانِ وَلَا نَ الْقَاضِي صَادِقٌ وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ مَنْ وَطِئَ وَطِئًا حَرَامًا لِعَيْنِهِ لَا يَجِبُ الْحَدُّ بِقَذْفِهِ لِأَنَّ الزَّيْنَاءَ هُوَ الْوَطِئُ الْمَحْرَمُ لِعَيْنِهِ وَإِنْ كَانَ مُحْرَمًا لِغَيْرِهِ يَحْدُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِزَنَّا فَالْوَطِئُ فِي غَيْرِ الْمَلِكِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ أَوْ مِنْ وَجْهِ حَرَامٍ لِعَيْنِهِ وَكَذَلِكَ الْوَطِئُ فِي الْمَلِكِ وَالْحُرْمَةُ مُؤَبَّدَةٌ فَإِنْ كَانَتْ الْحُرْمَةُ مُؤَقَّتَةً فَالْحُرْمَةُ لِغَيْرِهِ وَأَبُو حَنِيفَةَ يَشْتَرِطُ أَنْ يَكُونَ الْحُرْمَةُ الْمَوْبُودَةُ ثَابِتَةً بِالْإِجْمَاعِ أَوْ بِالْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ لِيَكُونَ ثَابِتَةً مِنْ غَيْرِ تَرُدُّ دَبَائِهُ أَنْ مَنْ قَذَفَ رَجُلًا

وَطَى جَارِيَةً مُشْتَرَكَةً بَيْنَهُ وَبَيْنَ آخَرَ فَلَا حُدَّ عَلَيْهِ لِإِنْعَادِ الْمَلِكِ مِنْ وَجْهِ

ترجمہ..... جس نے اپنے غیر ملک میں حرام وطی کی تو اس پر تہمت لگانے والے کسی کو حد نہیں لگائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی پاکدامنی ختم ہوگئی۔ حالانکہ احسان کی شرط پاکدامن اور عقیفہ ہونا ہے اور اس لئے بھی کہ اس صورت میں الزام لگانے والا سچا ہے۔ اس باب میں اصل یہ ہے کہ جس نے کوئی ایسی وطی کی جو اپنی ذات سے حرام ہو تو اس کے تہمت لگانے والے کو حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ زنا ایسی ہی وطی کو کہتے ہیں جو اپنی ذات میں حرام ہو تو اس کے تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ حقیقت میں یہ زنا نہیں ہے اب اگر کسی ایسی عورت سے وطی کی جو کسی بھی وجہ سے یا کسی ایک وجہ سے ملک میں نہیں ہے وطی اپنی ذات سے حرام ہوگی۔ اسی طرح اگر ملک نکاح یا ملک رقبہ موجود ہونے کے ساتھ وطی کی۔ لیکن یہ عورت اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو تو بھی یہ اپنی ذات سے حرام ہوگی اور اگر وطی کا حرام ہونا کسی مخصوص وقت کے لئے ہو جیسے حیض کی حالت میں وطی حرام ہوتی ہے۔ تو یہ حرمت کسی خارجی وجہ سے ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دائمی حرمت میں یہ شرط لگاتے ہیں کہ اس کا ثبوت اجماع یا کسی مشہور حدیث سے ہوتا کہ کسی تردد کے بغیر اس کا ثبوت ہو۔ اس اصل کے مسائل آئندہ بیان کئے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جس نے ایسی کسی باندی سے وطی کی جو اس کے اور دوسرے کے درمیان مشترک تھی۔ پس کسی نے اس کو زانی کہا تو اس کی وجہ سے اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ وہ ایک اعتبار سے ملکیت میں نہیں ہے۔

تشریح..... قَالَ وَمَنْ وَطَى وَطِيًا حَرَامًا غَيْرَ مَلَكَهٖ لَمْ يُعَدَّ فَادِّئُهُ لِفَوَاتِ الْعُقَّةِ..... الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی غیر مملوکہ عورت سے حرام وطی کی اور اس پر کسی نے زنا کی تہمت لگائی تو اس صورت میں حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ مقذوف میں (وطی حرام کا مرتکب) صفت عفت نہیں پائی جاتی جو کہ احسان کے لئے مشروط ہے۔

غرض حرمت وطی کے وجود کے باعث مقذوف (زنا کی تہمت یافتہ) کی صفت عقیفہ (پاکدامن) کے فقدان کی بنا پر قاذف پر حد قذف جاری نہ ہوگی۔ بایں وجہ کہ قاذف پر حد قذف کی اقامت کے لئے یہ شرط ہے کہ مقذوف میں قذف کے احسان کی پانچوں شرائط پائی جائیں۔ لیکن مقذوف نے جب وطی حرام کا ارتکاب کر لیا تو اس سے صفت عفت زائل ہوگی۔ لہذا اگر کسی نے وطی حرام کے مرتکب پر قذف (زنا کی تہمت) کیا تو مقذوف کے محسن و عقیفہ نہ ہونے کی وجہ سے اس (قاذف) پر حد قذف جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ مقذوف کے محسن نہ ہونے کی صورت میں قاذف کا قول مبنی بصدق ہوتا ہے۔

مذکورہ صورت کے زیر بحث مسئلہ میں اصل یہ ہے کہ جس نے ایسی وطی کی جس کی حرمت لعینہ ہے تو اس کے قذف پر حد واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ حرام لعینہ دراصل خالص زنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زانی یا زانیہ پر تہمت لگانا موجب حد نہیں۔

جاننا چاہئے کہ اصل کے اعتبار سے وطی حرام دو قسم ہے۔ ا۔ وطی حرام لعینہ۔ ایسی وطی جس کی حرمت ذاتی طور پر موجود ہو۔ جیسے ایسی عورت سے وطی کرنا جو بالکل غیر مملوکہ ہو یا بالواسطہ غیر مملوکہ ہو یا ملک نکاح و ملک رقبہ کے پائے جانے پر وطی کی جائے۔ جب کہ وہ عورت ابدی حرمت کی حامل ہو تو اس صورت میں وطی حرام لعینہ قرار پائے گی۔ جو کہ درحقیقت زنا ہے۔ لہذا اس (وطی حرام لعینہ کا قذف موجب ”حد“ نہ ہوگا۔

۲۔ وطی حرام لغیرہ۔ ایسی وطی جو اپنی ذات سے کسی امر خارج کے باعث حرام ہو۔ جیسا کہ حالت حیض و نفاس وغیرہ کی وجہ سے حرمت وقتی تو اس صورت میں وطی حرام لغیرہ قرار پائے گی۔ جو کہ دراصل زنا نہیں ہے۔

لہذا صفت احسان کے عدم سقوط کی بناء پر اس (وطی حرام لغیرہ) کا قذف موجب ہوگا۔ اگر کسی شخص نے ایسی لونڈی خریدی جس سے خریدار کا باپ وطی کر چکا ہے یا خریدار اپنی ماں کی لونڈی سے وطی کر چکا تو ان دونوں صورتوں میں خریدار نے اس لونڈی سے وطی (ہبستری) کی پھر کسی

دوسرے شخص نے اسے (خریدار کو) قذف کیا تو اس صورت میں ”بالاجماع“ قاذف پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ دلی حرام لغیرہ کے زمرے میں ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ ابدی حرمت میں شرط لازمی قرار دیتے ہیں۔ کہ اس (ابدی حرمت) کا تحقق (ثبوت) اجماع امت یا حدیث مشہورہ سے تحقیق (ثابت) ہو۔ تاکہ اس (ابدی حرمت) کے تحقق میں کسی قسم کا تردد نہ پایا جائے۔ جیسا کہ مذکورہ صورت (خریدار کی وہ لونڈی جس سے اس کا باپ دلی کرچکا یا خریدار نے اپنی ماں کی لونڈی سے دلی کی) کی ابدی حرمت بالاجماع ثابت ہے یا دائمی حرمت حدیث مشہورہ سے ثابت ہو۔ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے ”لانسکاح الابشہود“ (گواہوں کے سوا نکاح نہیں) چنانچہ اس حدیث کی رو سے بلا تردد دائمی حرمت ثابت ہو جاتی ہے یعنی کسی آدمی نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو اس پر ابدی حرام ہے۔ چنانچہ اس سے دلی کرنے کی صورت میں احصان ساقط ہو گیا لہذا قاذف کے لئے یہ صورت موجب حد نہ ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے بقول دائمی حرمت میں ”بالاجماع“ یا حدیث مشہورہ پر مبنی بلا تردد ثبوت کی (اصل پر مشتمل مسائل) کے بیان میں یہ ہے کہ ایک شخص نے ایسی لونڈی سے دلی کی جو دلی اور غیر کے درمیان باہم مشترک ہے۔ چنانچہ اگر کسی نے مشترکہ لونڈی سے دلی (مہسٹری) کرنے والے کو قذف کرتے ہوئے ”یا زانی“ کہا تو اس پر حد قذف واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ بوجہ اشتراک ایک طرف سے وہ (لونڈی) اس (دلی) کی بھی غیر ملوکہ ہے بایں وجہ کہ اس (موطوہ لونڈی) میں غیر کی ملکیت بھی موجود ہے۔

ایسی عورت پر تہمت لگائی جو نصرانیت یا حالت کفر میں زنا کر چکی ہے اس کے قاذف کو حد نہیں جاری کی جائے گی

وَ كَذًا إِذَا قَذَفَ امْرَأَةً زَنَتْ فِي نَصْرَانِيَّتِهَا لِتَحْقُقَ الزِّنَاءُ مِنْهَا شَرْعًا لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ وَلِهَذَا وَجَبَ عَلَيْهَا الْحَدُّ وَلَوْ قَذَفَ رَجُلًا اتَى امته وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ أَوْ امْرَأَتُهُ وَهِيَ حَانِئٌ أَوْ مُكَاتِبَةٌ لَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ مَعَ قِيَامِ الْمِلْكِ وَهِيَ مُوقِفَةٌ فَكَانَ الْحُرْمَةُ لِغَيْرِهِ فَلَمْ يَكُنْ زِنَاءً وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ وَطِئَ الْمُكَاتِبَةَ يُسْقِطُ الْإِحْصَانَ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ لِأَنَّ الْمِلْكَ زَائِلٌ فِي حَقِّ الْوُطْئِ وَلِهَذَا يَلْزِمُهُ الْعُقُوبَةُ بِالْوُطْئِ وَنَحْنُ نَقُولُ مِلْكُ الذَّاتِ بَاقٍ وَالْحُرْمَةُ بِغَيْرِهِ إِذْ هِيَ مُوقِفَةٌ

ترجمہ..... اسی طرح اگر کسی ایسی عورت کو زنا کی تہمت لگائی جو اپنی نصرانیت کے یا اپنے کفر کے زمانہ میں زنا کر چکی ہو۔ تو اس تہمت لگانے والے کو حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ اس سے زنا شرعاً ثابت ہو چکا ہے۔ کیونکہ اس پر اس کی ملکیت ثابت نہیں تھی۔ اسی لئے اس عورت پر حد واجب ہوئی اور اگر کسی نے ایسے شخص کو تہمت لگائی جس نے اپنی مجوسیہ باندی۔ یا اپنی بیوی سے حالت حیض میں یا اپنی مکاتبہ سے دلی کی تو اس پر تہمت لگانے والے پر حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ یہ سب اس کی ملک میں موجود ہیں۔ اگرچہ ایک مخصوص وقت کے لئے وہ حرام بھی ہیں۔ اس لئے یہ حرمت ذاتی نہیں ہوئی بلکہ خارجی حرمت ہے۔ لہذا یہ زنا نہ ہوا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت ہے کہ اپنی مکاتبہ سے دلی کرنے میں احصان ختم ہو جاتا ہے اور یہی زفر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ کیونکہ وہ اگرچہ ملوکہ ہے لیکن اس سے دلی کرنے کا حق نہیں ہے۔ اسی لئے اس سے دلی کرنے سے مولیٰ پر عقر لازم آتا ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کی ذات اپنے مولیٰ کی ملکیت میں ہے اور اس کا مولیٰ پر حرام ہونا بہ خارجی حرمت ہے۔ کیونکہ یہ حرمت ایک محدود وقت تک کے لئے ہے کہ (وہ کسی وقت اس کے لئے حلال بھی ہو سکتی ہے، یعنی اگر کتابت کو وہ خود بخود کر دے تو اس کے ساتھ دلی کرنا حلال ہو جائے گا۔

تشریح..... وَ كَذًا إِذَا قَذَفَ امْرَأَةً زَنَتْ فِي نَصْرَانِيَّتِهَا لِتَحْقُقَ الزِّنَاءُ مِنْهَا شَرْعًا لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ..... الخ مطلب ترجمہ

ایسے آدمی پر تہمت لگائی جس نے ایسی باندی سے جو اس کی رضاعی بہن ہے، وطی کی حد نہیں جاری ہوگی
وَلَوْ قَذَفَ رَجُلًا وَطِئَ امْتَهُ وَهِيَ اخْتَهُ مِنَ الرِّضَاعَةِ لَا يَحْدُثُ لِأَنَّ الْحُرْمَةَ مُؤَبَّدَةٌ وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ
 ترجمہ..... اگر کسی شخص نے اپنی ایسی باندی سے وطی کی جو اس کی رضاعی بہن ہے۔ اس پر کسی نے تہمت لگائی تو اس تہمت لگانے والے پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ یہ باندی اس کی مملوکہ ہونے کے باوجود اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ یہی حکم صحیح ہے۔
 تشریح..... وَلَوْ قَذَفَ رَجُلًا وَطِئَ امْتَهُ وَهِيَ اخْتَهُ مِنَ الرِّضَاعَةِ لَا يَحْدُثُ لِأَنَّ..... الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایسے آدمی پر تہمت لگائی جس نے اپنی ایسی لونڈی سے وطی (ہبستری) کی جو کہ اس (وطی) کی رضاعی بہن تھی تو اس صورت میں قاذف پر حد قذف جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ابدی حرمت ہے اور اس کا یہی حکم صحیح ہے۔

واضح رہے کہ مذکورہ صورت میں ایسے وطی پر قذف کرنے کی صورت میں قاذف کے لئے ”حد قذف“ کو ساقط کرنے کا ذکر کیا گیا ہے جس نے اپنی رضاعی بہن (گوکہ وہ لونڈی ہی کیوں نہیں) سے وطی (ہبستری) کی اس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ رضاعت کا حکم حرہ (آزاد عورت) یا مملوکہ (لونڈی) پر تحقق (جابت) ہو۔ بہر حال وہاں حرمت ابدی کا تحقق (ثبوت) ہوگا۔ جس طرح رضاعی بہن (جب کہ وہ حرہ یعنی آزاد ہو) کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح مملوکہ (لونڈی) کے ساتھ وطی کا جواز بھی موجود نہیں۔ کیونکہ بوجہ تحقق رضاعت ”حرمت ابدی“ کے حکم میں دونوں کی (حرہ مملوکہ) کی یکساں حیثیت ہے۔

اس لئے جب حرہ (آزاد عورت) اور مملوکہ (لونڈی) رضاعی بہن ہو تو حرہ سے نکاح اور مملوکہ سے وطی کا جواز نہیں پایا جاتا چنانچہ اگر کسی شخص نے ایسے مرد پر قذف کیا جس نے مملوکہ رضاعی بہن سے وطی کی تو اس (قاذف) پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ رضاعی بہن خواہ مملوکہ (لونڈی) ہی کیوں نہ ہو اس سے وطی کرنا ”زنا کو ثابت کرتا ہے۔ لہذا اس صورت میں قاذف (تہمت زنا کا بہتان طراز) کا قول بنی برصدق ہوگا۔ جو کہ قاذف کے حق میں سقوط حد کا موجب ہے۔

ایسے مکاتب پر تہمت لگائی جو بدل کتابت چھوڑ کر مر گیا حد کا حکم

وَلَوْ قَذَفَ مُكَاتِبًا وَمَاتَ وَتَرَكَ وَفَاءً لَأَحْدَعُ عَلَيْهِ لِمَتَمَكَّنِ الشُّبْهَةُ فِي الْحُرِّيَةِ لِمَكَانِ اخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ
 ترجمہ..... اگر کسی نے ایسے مکاتب پر زنا کی تہمت لگائی۔ جو بدل کتابت کی ادائیگی کے لائق مال چھوڑ کر مر گیا تو اس کے تہمت لگانے والے پر حد واجب نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس کی آزادی میں شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ صحابہ کا اس میں اختلاف ہے۔
 تشریح..... وَلَوْ قَذَفَ مُكَاتِبًا وَمَاتَ وَتَرَكَ وَفَاءً لَأَحْدَعُ عَلَيْهِ لِمَتَمَكَّنِ الشُّبْهَةُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ایسے مجوسی کو زانی کہہ کر پکارا جس نے اسلام سے پہلے اپنی ماں سے نکاح کر کے وطی کر لی حد کا حکم

وَلَوْ قَذَفَ مَجُوسِيًّا تَزَوَّجَ بِأَمِّهِ ثُمَّ أَسْلَمَ يُحْدِثُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا حَدَّ عَلَيْهِ وَهَذَا بِنَاءً عَلَى أَنَّ تَزَوُّجَ الْمَجُوسِيِّ بِالْمَحَارِمِ لَهُ حُكْمُ الصَّحَّةِ فِيمَا بَيْنَهُمْ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا وَقَدْ مَرَّ فِي النِّكَاحِ

ترجمہ..... اگر کسی نے ایسے مجوسی کو زانی کہہ کر پکارا جس نے اپنے اسلام قبول کرنے سے پہلے اپنی ماں سے نکاح کر کے وطن بھی کر لی تھی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما نے کہا ہے اس پر کچھ بھی حد لازم نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اگر مجوسی نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان مجوسیوں میں یہ نکاح صحیح ہوگا۔ لیکن صاحبین رحمۃ اللہ کے نزدیک صحیح نہ ہوگا۔ چنانچہ اہل شرک کے نکاح کے بیان میں پہلے گزر گیا ہے۔

تشریح..... وَلَوْ قَذَفَ مَجُوسِيًّا تَزَوَّجَ بِأَمْرِهِ ثُمَّ أَسْلَمَ يَحُدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

حربی ویزا لے کر دارالاسلام آیا کسی مسلمان کو زنا کا رکبہ کر الزام لگایا حد جاری ہوگی یا نہیں

وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَقَذَفَ مُسْلِمًا حَدًّا لِأَنَّهُ فِيهِ حَقُّ الْعَبْدِ وَقَدْ انْتَرَمَ إِنْقَاءُ حُقُوقِ الْعِبَادِ وَلِأَنَّهُ طَمَعَ فِي أَنْ لَا يُؤْذَى فَيَكُونُ مُلْتَزِمًا أَنْ لَا يُؤْذَى وَمُوجِبٌ إِذَا هُوَ

ترجمہ..... اگر کوئی حربی امان لے کر دارالاسلام میں آیا اور اس نے کسی مسلمان کو زنا کا رکبہ کر الزام لگایا تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ اس میں بندہ کا حق ہے اور اس حربی نے بندوں کا حق ادا کرنے کا التزام کیا تھا۔ اس امید پر کہ اس کو کوئی شخص تکلیف نہ پہنچائے اسی لئے اس نے خود پر بھی یہ لازم کر لیا تھا کہ وہ یہاں کسی کو تکلیف نہ دے گا اور نہ ایسا کام یا ایسی بات کرے گا جس سے یہاں کے لوگوں کو تکلیف پہنچے۔

تشریح..... وَإِذَا دَخَلَ الْحَرْبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَقَذَفَ مُسْلِمًا حَدًّا لِأَنَّهُ فِيهِ حَقُّ الْعَبْدِ..... الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اہل حرب کفار میں جو شخص بھی ہمارے (مسلمانوں کے) دارالاسلام میں متامن کی حیثیت سے داخل ہوا ہو۔ اور پھر کسی مسلمان کو قذف کیا تو اس صورت میں اس (متامن) پر حد قذف جاری ہوگی۔ کیونکہ اس (متامن) کے داخل ہونے کا مقصد یہی تھا کہ مجھے دارالاسلام میں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ عدم ضرر پر مبنی مقصد کا تقاضی یہی ہے کہ متامن کے ذمہ بھی یہ لازم ہو کہ وہ بھی کسی مسلمان کے لئے ایذا رسانی کا سامان مہیا نہ کرے۔ چونکہ مسلمان کو قذف کرنا ”عار“ کا موجب ہے جس سے ذہنی و قلبی اور نفسیاتی ایذا کا تحقق (ثبوت) ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متامن پر حد قذف بالا جماع واجب ہے۔ کیونکہ ”قذف“ موجب ایذا ہونے کی وجہ سے حقوق العباد کے زمرے میں آتا ہے اور حقوق العباد پر مبنی حد کی اقامت لازمی امر ہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ انسان سے سرزد ہونے والے جرائم کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

حقوق چونکہ دو طرح کے ہیں اور جو سزائیں حقوق اللہ سے متعلق ہیں ان میں حقوق اللہ کے غلبہ کی بناء پر حد بعض اوقات ساقط ہو بھی ہو جاتی ہے لیکن حقوق العباد میں اس طرح نہیں، اس لئے لازمی امر ہے کہ متامن پر حد جاری کی جائے تاکہ مسلمانوں کو عار سے بچایا جائے اور یہ حد قذف کی اقامت کے سوا ممکن نہیں بخلاف حد زنا اور حد سرقة کے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ حد زنا متامن پر جاری ہوگی۔ باقی آئمہ نے کہا کہ اس میں حق اللہ غالب ہے اس لئے جاری نہ ہوگی۔

مسلمان پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد لگائی گئی اس کی گواہی ناقابل قبول ہے

وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمُسْلِمُ فِي قَذْفٍ سَقَطَتْ شَهَادَتُهُ وَإِنْ تَابَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَقْبَلُ إِذَا تَابَ وَهِيَ تُعْرَفُ فِي الشَّهَادَاتِ

ترجمہ..... اور جب کسی کو کسی مسلمان پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد لگائی گئی تو اس کی گواہی بھی نامقبول ہوگی۔ اگرچہ اس نے بعد میں توبہ بھی کر لی ہو اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ توبہ کر لینے سے اس کی گواہی مقبول ہوگی۔ یہ مسائل کتاب الشہادات میں معلوم ہوں گے۔

تشریح..... وَإِذَا اخَذَ الْمُسْلِمُ فِي قَذْفٍ مَقَطَتَ شَهَادَتَهُ وَإِنْ تَابَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ..... الخ محدود فی القذف مسلمان نے جب توبہ کر لی تو امام شافعیؒ کے ہاں اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ الا الذین تابوا سے مراد یہ ہے کہ جن نے توبہ کر لی وہ فاسق نہیں۔ احناف لا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا سے استدل ل کرتے ہیں اور الا الذین تابوا، فالنک ہم الفاسقون کے مضمون سے استثناء ہے۔ اور قاضی کے سامنے اداے شہادت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ گواہ محدود فی القذف نہ ہوں لہذا امام شافعیؒ کا قول محل نظر ہے۔

کافر محدود فی القذف کی گواہی ذمی کافر کے حق میں ناقابل قبول ہے

وَإِذَا اخَذَ الْكَافِرُ فِي قَذْفٍ لَمْ يَجْزِ شَهَادَتُهُ عَلَى أَهْلِ الدِّمَةِ لِأَنَّ لَهُ الشَّهَادَةَ عَلَى جَنْسِهِ فَتُرَدُّ تَبَتُّهُ لِحَدِّهِ فَإِنْ أَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ عَلَيْهِمْ وَعَلَى الْمُسْلِمِينَ لِأَنَّ هَذِهِ شَهَادَةٌ إِسْتِفَادَهَا بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَلَمْ تَدْخُلْ تَحْتَ الرَّدِّ بِخِلَافِ الْعَبْدِ إِذَا اخَذَ حَدَّ الْقَذْفِ ثُمَّ أُعْتِقَ حَيْثُ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لِأَنَّهُ لَا شَهَادَةَ لَهُ أَصْلًا فِي حَالِ الرِّقِّ فَكَانَ رَدُّ شَهَادَتِهِ بَعْدَ الْعِتْقِ مِنْ تَمَامِ حَدِّهِ

ترجمہ..... اور اگر کافر کو حد قذف لگائی گئی تو اس کی گواہی ذمی کافروں میں بھی مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی گواہی اس کے ہم جنس یعنی دوسرے کافروں پر اگر چہ مقبول ہوتی ہے۔ مگر حد کے پورا کرنے یا نتیجہ کے طور پر تہمت لگانے والے کی گواہی رد کر دی جائے گی۔ اس کے بعد اگر وہ اسلام لے آیا تو اس کی گواہی ذمیوں اور مسلمانوں سب پر مقبول ہوگی۔ کیونکہ اس کی گواہی کو اس نے اسلام لانے کے بعد پایا ہے تو یہ رد ہونے میں داخل نہ ہوگی۔ بخلاف مسلمان غلام کے کہ اگر اسے حد قذف لگائی گئی پھر وہ آزاد کر دیا گیا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ غلامی کی حالت میں اس کو گواہی کا مطلقا حق نہیں تھا۔ اس لئے اس کی آزادی کے بعد اس کی گواہی تہمتہ حد کے طور پر رد کر دی جائے گی۔ (اور کافر کو کافروں پر گواہی دینے کا حق باقی تھا جو حد لگائے جانے کی وجہ سے بطور تہمتہ حد کے رد ہو چکی تھی۔ پھر اسلام لانے کے بعد جو اس نے گواہی کا پورا حق حاصل کیا وہ دوبارہ رد نہ ہوگا۔ البتہ اگر اسلام میں تہمت کی وجہ سے حد لگائی جائے تو اس کی گواہی رد ہو جائے گی)۔

تشریح..... وَإِذَا اخَذَ الْكَافِرُ فِي قَذْفٍ لَمْ يَجْزِ شَهَادَتُهُ عَلَى أَهْلِ الدِّمَةِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کافر قاذف کو ایک درہ مارا گیا پھر مسلمان ہو گیا اور بقیہ درے مارے گئے اس کی گواہی

قابل قبول ہوگی

فَإِنْ ضَرَبَ سَوْطًا فِي قَذْفٍ ثُمَّ أَسْلَمَ ثُمَّ ضُرِبَ مَا بَقِيَ جَازَتْ شَهَادَتُهُ لِأَنَّ رَدَّ الشَّهَادَةِ مُتِمَّمٌ لِلْحَدِّ فَيَكُونُ صِفَةً لَهُ وَالْمَقَامُ بَعْدَ الْإِسْلَامِ بَعْضُ الْحَدِّ فَلَا يَكُونُ رَدُّ الشَّهَادَةِ صِفَةً لَهُ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ تُرَدُّ شَهَادَتُهُ إِذَا قُلَّ تَابِعٌ لِلْأَكْثَرِ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ترجمہ..... اگر تہمت لگانے کی بناء پر کسی کافر کو ایک درہ مارا گیا اس کے بعد وہ اسلام لے آیا۔ اس کے بعد اسے بقیہ درے لگا دیئے گئے تو اس کی گواہی جائز ہوگی۔ کیونکہ اس کی گواہی کو رد کر دینا اس کی حد کا تہمتہ ہے۔ اس لئے اس کی گواہی کا رد ہونا اس کی صفت نہ ہوگی اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اس کی گواہی رد کر دی جائے گی۔ کیونکہ کم عدد کو زیادہ عدد کے تابع کر دیا جاتا ہے قول اول ہی واضح ہے (اور اگر مسلمان ہونے کے بعد اسے پوری حد لگا دی گئی تو بالا اتفاق گواہی مقبول نہ ہوگی)۔

تشریح..... فَإِنْ ضُرِبَ سَوْطًا فِی قَذْفٍ ثُمَّ أَسْلَمَ ثُمَّ ضُرِبَ مَابَقِیَ جَازَتْ شَہَادَتُهُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ایک حد کئی جرم سے کافی ہوگی یا نہیں

قَالَ وَمَنْ قَذَفَ أَوْ زَنَى أَوْ شَرِبَ غَيْرَ مَرَّةٍ فَحَدُّهُ لِدَالِكَ كُلِّهِ أَمَّا الْآخَرَانِ فَلِإِنَّ الْمُقْصِدَ مِنْ إِقَامَةِ الْحَدِّ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى الْإِنْزِجَارُ وَاحْتِمَالُ حُصُولِهِ بِالْأَوَّلِ فَإِنَّهُ فَيَتِمَّ كُنْ شُبْهَةُ قَوَاتِ الْمُقْصُودِ فِي الثَّانِي هَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا زَنَى وَقَذَفَ وَسَرَقَ وَشَرِبَ لِأَنَّ الْمُقْصُودَ مِنْ كُلِّ جَنْسٍ غَيْرِ الْمُقْصُودِ مِنَ الْآخَرِ فَلَا يَتَدَاخَلُ وَأَمَّا الْقَذْفُ فَالْمُغْلَبُ فِيهِ عِنْدَنَا حَقُّ اللَّهِ فَيَكُونُ مُلْحَقًا بِهِمَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ إِنْ اخْتَلَفَ الْمُقْذُوفُ أَوْ الْمُقْذُوفُ بِهِ وَهُوَ الزَّنَاءُ لَا يَتَدَاخَلُ لِأَنَّ الْمُغْلَبَ فِيهِ حَقُّ الْعَبْدِ عِنْدَهُ

ترجمہ..... کہا اگر کسی نے بار بار تہمت لگائی۔ یا خود زنا کیا یا شراب پی بعد میں اسے ایک بار حد لگائی گئی تو وہی حد سب کے لئے کافی ہوگی۔ اور دوسرے دونوں یعنی زنا اور شراب خوری کی صورت میں حق الہی کے واسطے حد قائم کرنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ زانی اور شراب خور کو تنبیہ ہو۔ پس ایک بار ہی حد جاری کرنے سے اس مقصد کے حاصل ہو جانے کا احتمال ہے اور دوسری بار حد جاری کرنے میں اس مقصد کے فوت ہو جانے کا شبہ ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اگر پہلی بار اسے تنبیہ حاصل ہو گئی تھی تو دوسری بار حد کا کیا مقصد تھا۔ بخلاف اس صورت کے اگر زنا کیا اور چوری کی اور شراب بھی پی لی پھر ایک بار حد لگائی گئی تو یہ ایک حد کافی نہ ہوگی۔ کیونکہ ہر جنس کی حد سے علیحدہ مقصد ہوتا ہے۔ اس لئے حدود میں تداعل نہ ہوگا اور تہمت لگانے کی صورت میں ہمارے نزدیک حق اللہ عزوجل کو ترجیح حاصل ہے۔ اس لئے یہ بھی حد زنا اور شراب خوری سے ملحق ہوگی اور امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ جن کو تہمت لگائی گئی یا جس کے ساتھ قذف کیا یعنی زنا کی تہمت الگ الگ ہو تو تداعل نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس میں بندہ کا حق غالب ہے۔

تشریح..... قَالَ وَمَنْ قَذَفَ أَوْ زَنَى أَوْ شَرِبَ غَيْرَ مَرَّةٍ فَحَدُّهُ لِدَالِكَ كُلِّهِ أَمَّا الْآخَرَانِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

فصل فی التعزیر

ترجمہ..... فصل تعزیر کے بیان میں

غلام، باندی، ام ولد یا کافر کو زنا کی تہمت لگائی اسے تعزیر لگائی جائے گی

وَمَنْ قَذَفَ عَبْدًا أَوْ أَمَةً أَوْ كَافِرًا بِالزَّنَاءِ عُزِّرَ لِأَنَّهُ جَنَایَةُ قَذْفٍ وَقَدْ اِمْتَنَعَ وَجُوبُ الْحَدِّ لِقَوْلِهِ الْإِحْصَانِ فَوَجَبَ التَّعْزِيرُ

ترجمہ..... جس نے کسی غلام یا باندی یا ام ولد یا کافر کو زنا کا رکی تہمت لگائی تو اس کو تعزیر کی جائے گی۔ کیونکہ یہ سب جرم قذف کا ہے۔ مگر حد قذف اس لئے نہیں لگائی جاسکتی ہے کہ وہ محسن نہیں ہے اس لئے تعزیر واجب ہوئی۔

تشریح..... وَمَنْ قَذَفَ عَبْدًا أَوْ أَمَةً أَوْ كَافِرًا بِالزَّنَاءِ عُزِّرَ لِأَنَّهُ جَنَایَةُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مسلمانوں کو یا فاسق یا کافر یا خبیث یا سارق کہنے کا حکم

وَكَذَا إِذَا قَذَفَ مُسْلِمًا بِغَيْرِ الزَّنَاءِ فَقَالَ يَا فَاسِقُ أَوْ يَا كَافِرُ أَوْ يَا خَبِيثُ أَوْ يَا سَارِقٌ لِأَنَّهُ إِذَا هُوَ وَالْحَقُّ الشَّيْنُ بِهِ وَلَا

مَدْخَلَ لِلْقِيَاسِ فِي الْحُدُودِ فَوَجَبَ التَّعْزِيرُ لِأَنَّهُ يَبْلُغُ بِالتَّعْزِيرِ غَايَتَهُ فِي الْجَنَائَةِ الْأُولَى لِأَنَّهُ مِنْ جَنْسٍ مَا يَجِبُ بِهِ الْحُدُودُ فِي الْوَجْهِ الثَّانِيَةِ الرَّأْيُ إِلَى الْإِمَامِ

ترجمہ..... اسی طرح اگر کسی مسلمان کو زنا کے علاوہ دوسرا کوئی برالفاظ کہا ہو۔ اس لئے اگر یوں کہا اے فاسق یا اے کافر یا اے خبیث یا اے چورتو بھی اس کو تعزیر کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے مسلمان کو تکلیف دی ہے اور اس کے ساتھ اسے عیب بھی لگایا۔ جب کہ حدود کے مسائل میں قیاس کو کچھ دخل نہیں ہوتا ہے۔ اسی لئے تعزیر واجب ہوئی۔ لیکن پہلی صورت میں جب کہ غیر محسن کو زنا کی تہمت ہے سخت قسم کی تعزیر کی جائے گی۔ کیونکہ یہ اسی جنس سے ہے جس کے بارے میں حدود واجب ہوتی ہے اور دوسری صورت میں جب کہ اے فاسق وغیرہ کہا ہوا امام کی رائے پر موقوف رہے گا (جتنی بھی ضرورت سمجھے تعزیر کرے)۔

تشریح..... وَكَذَا إِذَا قَذَفَ مُسْلِمًا بِغَيْرِ الزِّنَاءِ فَقَالَ يَا فَاسِقُ أَوْ يَا كَافِرًا أَوْ يَا خَبِيثًا الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

یا حمار یا خنزیر کہنے کا حکم

وَلَوْ قَالَ يَا حِمَارًا أَوْ يَا خَنْزِيرًا لَمْ يُعْزَرْ لِأَنَّهُ مَا لَحَقَ الشَّيْنُ بِهِ لِلتَّيَقُّنِ بِنَفْسِهِ وَقِيلَ فِي عُرْفِنَا يُعْزَرُ لِأَنَّهُ يُعَذُّ سَبًّا وَقِيلَ إِنْ كَانَ الْمَسْبُوبُ مِنَ الْأَشْرَافِ كَالْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ يُعْزَرُ لِأَنَّهُ يُلْحِقُهُمُ الْوَحْشَةُ بِذَلِكَ وَإِنْ كَانَ مِنَ الْعَامَةِ لَا يُعْزَرُ وَهَذَا أَحْسَنُ

ترجمہ..... اور اگر کسی کو اس طرح کہا اے گدھے اے سورتو اسے تعزیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ کہنے والے نے اس کو عیب نہیں لگایا۔ اس لئے کہ اس کا یہ کہنا سراسر اغلاط ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ ہمارے عرف میں اسے تعزیر کی جائے گی کیونکہ یہ جملے گالی کے سمجھے جاتے ہیں۔ اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ جس شخص کو یہ جملے کہے گئے اگر وہ معززین اور اشراف میں سے ہو جیسے علماء کرام اور اولاد علی کرم اللہ وجہہ (سادات) تو کہنے والے کو تعزیر کی جائے گی۔ کیونکہ ان الفاظ کے کہنے اور سننے سے انہیں انتہائی تکلیف اور ناپسندیدگی ہوتی ہے اور اگر وہ عوام میں سے ہوتو کہنے والے کو تعزیر نہیں کی جائے گی یہ قول اس تفصیل کے ساتھ بہتر ہے۔ یعنی اسی پر فتویٰ دیا جائے گا۔ تعزیر کی زیادہ سے زیادہ مقدار انتالیس درے ہیں اور کم سے کم تین درے ہوتے ہیں۔

تشریح..... وَلَوْ قَالَ يَا حِمَارًا أَوْ يَا خَنْزِيرًا لَمْ يُعْزَرْ لِأَنَّهُ مَا لَحَقَ الشَّيْنُ بِهِ لِلتَّيَقُّنِ بِنَفْسِهِ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

تعزیر کی مقدار

وَالْتَّعْزِيرُ أَكْثَرُهُ تِسْعَةٌ وَثَلَاثُونَ سَوْطًا وَأَقَلُّهُ ثَلَاثُ جَلْدَاتٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَبْلُغُ التَّعْزِيرُ خَمْسًا وَسَبْعِينَ سَوْطًا وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ بَلَغَ حَدًّا فِي غَيْرِ حَدِّ فَهُوَ مِنَ الْمُعْتَدِينَ وَإِذَا تَعَدَّرَ تَبْلِيغُهُ حَدًّا فَأَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ نَظَرَا إِلَى أَذْنَى الْحَدِّ وَهُوَ حَدُّ الْعَبْدِ فِي الْقَذْفِ فَصَرَفَاهُ إِلَيْهِ وَذَلِكَ أَرْبَعُونَ فَسَقَصَامْنَهُ سَوْطًا وَأَبُو يُوسُفَ اعْتَبَرَ أَقْلَ الْحَدِّ فِي الْأَحْرَارِ إِذَا لَاضِلٌ هُوَ الْحُرِّيَّةُ ثُمَّ نَقَصَ سَوْطًا فِي رَوَايَةٍ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍّ وَهُوَ الْقِيَاسُ وَفِي هَذِهِ الرِّوَايَةِ نَقَصَ خَمْسَةً وَهُوَ مَأْثُورٌ عَنْ عَلِيٍّ فَقَلَّدَهُ ثُمَّ قَدَّرَ الْأَذْنَى فِي الْكِتَابِ بِثَلَاثِ جَلْدَاتٍ لِأَنَّ مَا دُونَهَا يَقَعُ بِهِ الزُّجُورُ وَذَكَرَ مَشَايخُنَا أَنَّ أَذْنَاهُ عَلَى مَا يَرَاهُ الْإِمَامُ يُقَدَّرُ بِقَدْرِ

مَا يَعْلَمُ أَنَّهُ يَنْزُجُ لَأَنَّهُ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ النَّاسِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَأَنَّهُ عَلَى قَدْرِ عَظَمِ الْجُرْمِ وَصِغَرِهِ وَ
عَنْهُ أَنَّهُ يُقَرَّبُ كُلُّ نَوْعٍ مِنْ بَابِهِ فَيُقَرَّبُ اللَّكْسُ وَالْقُبْلَةُ مِنْ حَدِّ الزِّنَاءِ وَالْقَذْفُ بِغَيْرِ الزِّنَاءِ مِنْ
حَدِّ الْقَذْفِ

ترجمہ..... تعزیر کی اکثر مقدار انا لیس کوڑے ہیں اور اقل مقدار تین کوڑے ہیں لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اکثر مقدار چھتر درے ہیں۔ اس باب میں اصل رسول ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ جس نے غیر حد میں حد کی مقدار پہنچا دی وہ راہ اعتدال سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اس کی روایت یہ بھی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اور محمد نے بھی اسے سرسلا روایت کیا ہے اور جب تعزیر کو حد تک پہنچانا جائز نہ ہو تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حد کی کم سے کم مقدار کو دیکھا جو قذف کی صورت میں غلام کی حد ہے اس لئے تعزیر سے وہی مقدار مراد لی چونکہ اس میں چالیس درے ہوتے ہیں اور تعزیر کی سزا حد سے کم ہوتی ہے اس لئے ایک درہ اس سے کم کر دیا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے آزاد شخص کی کم از کم حد یعنی اسی درے کو دیکھا کیونکہ انسان میں اصل آزادی ہے۔ پھر ایک روایت یہ بھی ہے کہ ان میں سے ایک درہ کم کر کے اناسی درے رکھے۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور قیاس بھی یہی ہے۔ مگر دوسری روایت جو کتاب میں مذکور ہے۔ ان میں سے پانچ درے کم کر دیئے ہیں۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہی منقول ہے۔ اس لئے انہیں کی تقلید کی ہے (بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی لیلہ سے شرح السنۃ میں یہی ذکر کیا ہے)۔ پھر کتاب میں تعزیر کم از کم مقدار تین درے بیان کئے ہیں۔ کیونکہ اس سے کم ایک دو دروں سے تنبیہ کا مقصد حاصل نہیں ہوتا ہے ہمارے مشائخ اور اہل انہر نے بیان کیا ہے کہ تعزیر کی کم از کم مقدار امام کی رائے پر موقوف ہے۔ یعنی اس کے خیال میں جتنی مقدار سے تنبیہ حاصل ہو جائے جاری کرے کیونکہ تنبیہ مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے (یعنی بعضوں کو صرف ایک دو دروں سے جو تنبیہ ہو جاتی ہے۔ وہ دوسرے کو دس دروں سے ہو سکتی ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جرم کے چھوٹے اور بڑے ہونے کے اندازہ پر مقدار مقرر کی ہے اور ان سے یہ روایت بھی ہے کہ ہر قسم کے جرم کو اپنی جنس سے متعلق کیا جائے۔ اس لئے اگر اجنبیہ عورت کو ہاتھوں سے چھوایا بوسہ لیا تو اسے زنا سے قریب کیا جائے اور اگر تہمت لگائی ہو یعنی زانی کے علاوہ دوسرے الفاظ فسق وغیرہ سے تو قذف کیا تو اسے حد قذف سے قریب کرے (ف، معلوم ہونا چاہئے کہ ایک حدیث میں ہے کہ حد دوالہی کے سوا میں دس درے سے زیادہ نہ مارے جائیں۔ رواہ البخاری و مسلم۔ لیکن امام ابو حنیفہ و مالک، شافعی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے دس درے سے بھی زیادہ مارنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہؓ نے اس سے بھی زیادہ سزا دی ہے اور خود حضرت علی و عمرؓ سے بھی زیادہ سزا ثابت ہے، پس اگر ان کا یہ عمل حدیث کے مخالف ہوتا ہے تو صحابہ اس کا انکار فرماتے ہیں)۔

تشریح..... وَالتَّعْزِيرُ خُمْسًا وَسَبْعِينَ سَوْطًا وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

تعزیر کے ساتھ جس کا حکم

قَالَ وَإِنْ رَأَى الْإِمَامُ أَنَّ يَضُمُّ إِلَى الضَّرْبِ فِي التَّعْزِيرِ الْحَبْسَ فَعَلَّ لِأَنَّهُ صَلَحَ تَعْزِيرٌ أَوْ قَدُورَ الشَّرْعِ بِهِ فِي الْجُمْلَةِ حَتَّى جَازَ أَنْ يَكْتَفَى بِهِ فَجَازَ أَنْ يَضُمَّ إِلَيْهِ وَلِهَذَا لَمْ يَشْرَعْ فِي التَّعْزِيرِ بِالثُّمَّةِ قَبْلَ ثُبُوتِهِ كَمَا شَرَعَ فِي الْحَدِّ لِأَنَّهُ مِنَ التَّعْزِيرِ

ترجمہ..... اور اگر امام یہ مناسب سمجھے کہ مجرم کو مار کے ساتھ جیل کی بھی سزا دے تو اسے اس کا بھی حق ہے۔ کیونکہ قید خانہ میں ڈال دینا تعزیر کے مناسب ہے اور کسی حد تک شریعت میں یہ ثابت بھی ہے۔ یہاں تک کہ جب صرف قید کی سزا دینا بھی جائز ہے تو اسے دوسرے کے ساتھ ملانا بھی

جائز ہوگا۔ اسی لئے تعزیر کی صورت میں تہمت ثابت ہونے سے پہلے میں قید میں ڈالنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ حد کی صورت میں جائز ہے۔ کیونکہ یہ تعزیر میں سے ہے (یعنی اگر کسی شخص پر کسی حد کی گواہی دی گئی۔ مثلاً زنا یا شراب خوری کے۔ تو اس کے ثابت ہونے سے پہلے اسے قید میں رکھا جائے۔ پھر جب ثابت ہو جائے تو اسے سزا دی جائے)۔

تشریح..... قَالَ وَإِنْ رَأَى الْإِمَامُ أَنَّ يَضْمُ إِلَى الضَّرْبِ فِي التَّعْزِيرِ الْحَبْسَ فَعَلَّ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

سزائیں سختی کی ترتیب

قَالَ وَأَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيرُ لِأَنَّهُ جَرَى التَّخْفِيفُ فِيهِ مِنْ حَيْثُ الْعَدَدُ فَلَا يُخَفَّفُ مِنْ حَيْثُ الْوَصْفُ كَيْلًا يُؤَدَّى إِلَى فَوَاتِ الْمَقْصُودِ وَلِهَذَا لَمْ يُخَفَّفْ مِنْ حَيْثُ التَّفْرِيقِ عَلَى الْأَعْضَاءِ

ترجمہ..... کہا سخت ترین مار تعزیر ہے (تعزیر کرتے وقت سختی سے کوڑے لگائے جائیں۔ کیونکہ اس میں ایک بار کوڑوں کی مقدار کے اعتبار سے نرمی کر دی گئی ہے تو دوبارہ وصف کے اعتبار سے نرمی نہیں کی جائے گی۔ تاکہ اصل مقصود (ایزاء رسائی اور تنبیہ) فوت نہ ہو جائے۔ اسی لئے متفرق اعضاء پر مارنے کی رعایت بھی نہ ہوگی۔

تشریح..... قَالَ وَأَشَدُّ الضَّرْبِ التَّعْزِيرُ لِأَنَّهُ جَرَى التَّخْفِيفُ فِيهِ مِنْ حَيْثُ الْعَدَدُ فَلَا يُخَفَّفُ..... الخ تعزیر میں چونکہ عدد کے اعتبار سے تخفیف آگئی ہے لہذا تعزیر کے وصف (یعنی شدید یا حقیق ضرب) میں تخفیف نہ کریں گے کہ اس سے مقصد فوت ہو جاتا ہے عدد کے اعتبار سے تعزیر میں قاضی کی رائے کو دخل ہے لیکن تعزیر کے وصف میں قاضی کو دخل نہیں ہے۔

حد زنا میں کس قدر سختی ہو

قَالَ ثُمَّ حَدُّ الزَّانِ لِأَنَّهُ ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ وَحَدُّ الشُّرْبِ ثَبَتَ بِقَوْلِ الصَّحَابَةِ وَلِأَنَّهُ أَعْظَمُ جُنَايَةٍ حَتَّى شُرِعَ فِيهِ الرَّجْمُ ثُمَّ حَدُّ الشُّرْبِ لِأَنَّ سَبَبَهُ مُتَقَيَّنٌ بِهِ ثُمَّ حَدُّ الْقَذْفِ لِأَنَّ سَبَبَهُ مُحْتَمَلٌ لِاحْتِمَالِ كَوْنِهِ صَادِقًا وَلِأَنَّهُ جَرَى فِيهِ التَّغْلِيطُ مِنْ حَيْثُ رَدُّ الشَّهَادَةِ فَلَا يُغْلَظُ مِنْ حَيْثُ الْوَصْفِ

ترجمہ..... کہا، تعزیر کے بعد زنا کی حد میں سختی کا لحاظ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا ثبوت قرآن مجید سے ہوتا ہے اور شراب خوری کی حد صحابہ کرام کے قول (اجماع) سے ہوئی ہے اور اس لئے بھی کہ حد زنا کا جرم بہت بڑا ہے یہاں تک کہ اس میں سنگسار کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ پھر زنا کی حد کے بعد شراب پینے کی سختی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس حد کا سبب یعنی شراب پینا یقینی سبب ہے۔ اس کے بعد تہمت کی حد ہے کیونکہ اس کے سبب (تہمت لگانے) میں احتمال ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ تہمت لگانے والا سچا ہو اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اس حد کے لگ جانے کے بعد جسے لگائی گئی ہے اس کی گواہی آئندہ کبھی مردود ہو جانے کے اعتبار سے اس میں پہلے ہی سختی کر دی گئی ہے۔ اسی لئے اب وصف یعنی مار میں سختی نہیں کی جائے گی۔

تشریح..... قَالَ ثُمَّ حَدُّ الزَّانِ لِأَنَّهُ ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ وَحَدُّ الشُّرْبِ ثَبَتَ بِقَوْلِ الصَّحَابَةِ..... الخ وصف کے اعتبار سے سزاؤں کے بارے میں بتانا مقصود ہے کہ جس سزا کی دلیل پختہ یعنی دلیل جتنی زیادہ مضبوط ہے اس کے وصف میں سختی کریں گے اور پھر جس میں دلیل اتنی زیادہ مضبوط نہیں جیسے حد زنا کہ قرآن سے ثابت ہے اور اس میں سنگسار بھی کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد حد شراب ہے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجماع سے ثابت ہے اور یہ یقینی جرم ہے، پھر حد قذف ہے کہ تہمت لگانے والے کے بارے میں احتمال ہے کہ سچا ہو یا جھوٹا ہو لہذا اس اعتبار سے

اس کی مار میں اتنی سختی نہ کریں گے۔

جس کو امام نے حد یا تعزیر لگائی اور وہ مر گیا اس کا خون ہدر ہے

وَمَنْ حَدَّهُ الْإِمَامُ أَوْ عَزَّرَهُ فَمَاتَ قَدَمُهُ هَدْرٌ لِأَنَّهُ فَعَلَ مَا فَعَلَ بِأَمْرِ الشَّرْعِ وَفَعَلَ الْمَأْمُورُ لَا يَفْقِدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ كَالْفَصَادِ وَالْبَزَاغِ بِخِلَافِ الزَّوْجِ إِذَا عَزَّرَ زَوْجَتَهُ لِأَنَّهُ مُطْلَقٌ فِيهِ وَالْإِطْلَاقَاتُ يَتَّقِدُ بِشَرْطِ السَّلَامَةِ كَالْمُرُورِ فِي الطَّرِيقِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَجِبُ الدِّيَّةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّ الْإِتْلَافَ خَطَأٌ فِيهِ إِذَا تَعَزَّرَ لِلتَّادِيبِ غَيْرَ أَنَّهُ تَجِبُ الدِّيَّةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّ نَفْعَ عَمَلِهِ يَرْجِعُ إِلَى عَامَةِ الْمُسْلِمِينَ فَيَكُونُ الْغَرْمُ فِي مَالِهِمْ فَلَنَا لَمَّا اسْتَوْفَى حَقَّ اللَّهِ تَعَالَى بِأَمْرِهِ صَارَ كَأَنَّ اللَّهَ أَمَاتَهُ مِنْ غَيْرِ وَاسْطَةِ فَلَا يَجِبُ الضَّمَانُ .

ترجمہ..... اور جس پر کسی امام نے حد لگائی یا تعزیر کی وجہ سے وہ شخص مر گیا تو اس کا خون باطل (اس کا کوئی عوض اور قصاص نہیں ہے)۔ اس لئے اس امام نے جو کچھ بھی کیا ہے۔ وہ شریعت کے حکم کی بناء پر کیا ہے اور جس کو کسی کام پر مقرر کر دیا جاتا ہے۔ اس کے سالم رہنے کی شرط کی قید نہیں ہوتی ہے۔ جیسے آدمیوں کی فصد لینے والا یا جانوروں کو نشتر لگانے والا۔ بخلاف شوہر کے جب کہ اس نے اپنی بیوی کو کسی بناء پر تعزیر کی کہ اس بیوی کے نقصان عضو یا موت کا وہ ذمہ دار ہوگا۔ کیونکہ اسے اس کی اپنی بیوی کو تعزیر کرنے کا اگرچہ اختیار ہے۔ مگر اسے مارنے پر مجبور نہیں کیا گیا ہے اور اجازتوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ مارنے کی صورت میں کسی قسم کا نقصان نہ ہو جیسے کہ راستہ پر سے گزرنے میں۔ یعنی راستہ پر سے گزرنے کی اگرچہ اجازت دی گئی ہے۔ لیکن اس کے گزرنے سے کسی کا کوئی نقصان نہ ہو اس لئے کہ اگر کسی کا کچھ نقصان ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر امام کی تعزیر کرنے سے وہ شخص ہلاک ہو گیا تو اس کی دیت امام کے مال سے نہیں بلکہ بیت المال سے دی جائے گی۔ کیونکہ تعزیر سے کسی کو نقصان پہنچنا اگرچہ غلطی ہے۔ لیکن یہ تعزیر تو صرف ادب دینے (اور اس باقی رکھنے) کے لئے ہے اور کام کا نفع تمام مسلمانوں کو ہوتا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ کا اگر تاوان ہو تو وہ بھی سارے مسلمانوں کے مال (بیت المال) سے بھی ہو۔ اس دلیل کا جواب ہماری طرف سے یہ ہوتا ہے کہ امام نے اللہ کے حق کو اسی کے حکم سے حاصل کیا ہے۔ تو گویا ایسا ہو گیا کہ جیسے سزا دی گئی اور حد جاری کی گئی اسے خود بلا واسطہ اللہ تعالیٰ نے موت دی ہے۔ اس لئے تاوان لازم نہیں آئے گا۔ (حاصل مسئلہ یہ ہوا کہ امام اللہ کا مامور ہوتا ہے اس لئے اس کا کام اور نتیجہ شریعت کی طرف منتقل ہوتا ہے)۔

تشریح..... وَمَنْ حَدَّهُ الْإِمَامُ أَوْ عَزَّرَهُ فَمَاتَ قَدَمُهُ هَدْرٌ لِأَنَّهُ فَعَلَ مَا فَعَلَ بِأَمْرِ الشَّرْعِ وَفَعَلَ الْمَأْمُورُ..... الخ حاصل یہ کہ قاضی حکم شرعی کے مطابق فیصلہ کرتا ہے لہذا اگر قاضی کے حکم سے جاری شدہ سزا یا تعزیر سے اگر کوئی ہلاک ہو گیا تو اس کا خون ہدر ہوگا۔ قاضی پر اس کا تاوان نہ ہوگا اس لئے کہ جو آدمی حکم شرعی سے کسی پر مامور ہو تو وہ دوسرے شخص کے سلامت رہنے کا پابند نہیں ورنہ عہدہ قضاء کے لئے کوئی تیار نہ ہوگا جو کہ دینی و شرعی نقصان ہے۔ جیسے فصد لگانے سے اگر جانور ہلاک ہو گیا تو فصد لگانے والے پر تاوان نہیں۔

امام شافعی کے ہاں قاضی کی طرف سے بیت المال یہ تاوان ادا کرے گا چونکہ سزا یا تعزیر سے مقصود ادب سکھانا تھا جب وہ ہلاک ہو گیا تو اس مجرم کو سزا دینا عوام کے فائدے کیلئے تھا لہذا قاضی کی طرف بیت المال میں سے تاوان ادا کیا جائے گا۔

احناف نے کہا کہ قاضی کو یہ فیصلہ کرنے کا حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد تھا اب جبکہ مجرم کی ہلاکت ہو گئی گویا یہ موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گئی۔



کتاب السرقة

ترجمہ..... چوری کے احکام میں

سرقہ کا لغوی و شرعی معنی

السَّرْقَةُ فِي اللُّغَةِ اخْذُ الشَّيْءِ مِنَ الْغَيْرِ عَلَى سَبِيلِ الْخُفْيَةِ وَالْإِسْتِسْرَارِ وَمِنْهُ اسْتِرَاقُ السَّمْعِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى
الْأَمِنْ اسْتَرْقَ السَّمْعَ وَقَدْ زِيدَتْ عَلَيْهِ أَوْصَافٌ فِي الشَّرِيعَةِ عَلَى مَا يَأْتِيكَ بَيَانُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَالْمَعْنَى
الْغَوِيُّ مُرَاعَى فِيهَا إِبْتِدَاءً وَانْتِهَاءً أَوْ إِبْتِدَاءً لَا غَيْرَ كَمَا إِذَا نَقَبَ الْجِدَارُ عَلَى الْإِسْتِسْرَارِ وَأَخَذَ الْمَالُ مِنَ
الْمَالِكِ مَكَابَرَةً عَلَى الْجَهَارِ وَفِي الْكُبْرَى أَعْنَى قَطْعِ الطَّرِيقِ مُسَارَقَةً عَيْنِ الْإِمَامِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَصَدِّقُ لِحِفْظِ
الطَّرِيقِ بِأَعْوَانِهِ وَفِي الصُّغْرَى مُسَارَقَةً عَيْنِ الْمَالِكِ وَمَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ

ترجمہ..... چوری کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کو دوسرے سے آہستگی کے ساتھ اور چھپا کر لینا۔ اسی معنی کے اعتبار سے استراق السمع نکلا ہے۔ چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ (الْأَمِنْ اسْتَرْقَ السَّمْعَ) سوائے اس شیطان کے جو خفیہ سن کر کان لگا کر بھاگے اور اس لغوی معنی پر کچھ اور اوصاف
شریعت میں بڑھائے گئے ہیں۔ جن کا بیان انشاء اللہ عن قریب آئے گا۔ یعنی شریعت میں جسے سرقہ کہا جاتا ہے کچھ اور زائد اوصاف ہیں۔ واضح ہو
کہ شرعی سرقہ میں لغوی معنی ابتداء و انتہاء دونوں میں معتبر ہیں یا فقط ابتداء میں معتبر ہیں۔ جیسے کسی کی دیوار میں کسی نے چھپ کر نقب لگائی۔ لیکن
وہاں داخل ہو کر وہاں کا مال اس کے مالکوں سے کھلم کھلا لے کر بھاگ کر ساتھ لے گیا اور بڑی چوری یعنی ذکیتی میں امام کی آنکھ سے چوری ہے۔ کیونکہ وہی
اپنی فوج کے ذریعہ راستوں اور باشندوں کی حفاظت کرتا ہے اور چھوٹی چوری یعنی عام قسم کی چوری میں آنکھ بچانا معتبر ہے۔ اب اگر مالک کی آنکھ
بچائی یا مالک کے قائم مقام کی آنکھ بچائی مثلاً مالک نے کسی کے پاس کچھ چیز امانت رکھی تھی۔ یا کوئی اس سے مانگ کر لے گیا تھا یا غصب کر کے
لے گیا تھا اور وہاں سے چوری کر لی یا راستہ میں بادشاہ (اور اس کی فوج) سے آنکھ بچا کر مسافروں کا مال لوٹ لیا تو یہ سب چوری میں داخل ہے۔

تشریح..... السَّرْقَةُ فِي اللُّغَةِ اخْذُ الشَّيْءِ مِنَ الْغَيْرِ عَلَى سَبِيلِ الْخُفْيَةِ وَالْإِسْتِسْرَارِ وَمِنْهُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

قطع ید کیلئے سرقہ کی مقدار

قَالَ وَ إِذَا سَرَقَ الْعَاقِلُ الْبَالِغُ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ أَوْ مَا يَبْلُغُ قِيمَتُهُ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ مَضْرُوبَةً مِنْ حَرَزٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ وَجَبَ
عَلَيْهِ الْقَطْعُ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا آيَةً وَلَا بُدَّ مِنْ إِعْتِبَارِ الْعَقْلِ
وَالْبُلُوغِ لِأَنَّ الْجَنَايَةَ لَا يَتَحَقَّقُ دُونَهُمَا وَالْقَطْعُ جَزَاءُ الْجَنَايَةِ وَلَا بُدَّ مِنَ التَّقْدِيرِ بِالْمَالِ الْخَطِيرِ لِأَنَّ الرِّغَبَاتِ
تَفْتَرِئُ فِي الْحَقِيرِ وَكَذَا اخْذُهُ لَا يَخْفَى فَلَا يَتَحَقَّقُ رُكْنُهُ وَلَا حِكْمَةُ الزَّجْرِ لِأَنَّهَا فِيمَا يَغْلِبُ وَالتَّقْدِيرُ بِعَشْرَةِ
دَرَاهِمَ مَذْهَبُنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ التَّقْدِيرُ بِرُبْعِ دِينَارٍ وَعِنْدَ مَالِكٍ بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ لَهُمَا أَنَّ الْقَطْعَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ
عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنَكَانٌ الْإِفْئِي تَمَنَّى الْمَجْنُ وَأَقْلَ مَا نَقِلَ فِي تَقْدِيرِهِ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ وَالْأَخْذُ بِالْأَقْلَ وَهُوَ الْمُتَقَنُّ بِهِ

أُولَىٰ غَيْرَ أَنَّ الشَّافِعِيَّ يَقُولُ كَانَتْ قِيَمَةُ الدِّينَارِ عَلَىٰ عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اثْنِي عَشَرَ دِرْهَمًا وَالثَّلَاثَةُ رُبْعُهَا وَلَنَا أَنَّ الْأَخْذَ لَا كَثْرَ فِي هَذِهِ الْبَابِ أُولَىٰ إِحْتِيَالًا لِدَرْءِ الْحَدِّ وَهَذَا لِأَنَّ فِي الْأَقْلِ شُبْهَةً عَدَمَ الْجَنَائِيَّةِ وَهِيَ دَارِئَةٌ لِلْحَدِّ وَقَدْ تَأَيَّدَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا قَطْعَ إِلَّا فِي دِينَارٍ أَوْ عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ وَإِسْمُ الدَّرَاهِمِ يُطْلَقُ عَلَى الْمَضْرُوبَةِ عُرْفًا فَهَذَا يَبَيِّنُ لَكَ إِشْتِرَاطَ الْمَضْرُوبِ كَمَا قَالِ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ ظَاهِرُ الرَّوَايَةِ وَهُوَ الْأَصَحُّ رِعَايَةً لِكِمَالِ الْجَنَائِيَّةِ حَتَّىٰ لَوْ سَرَقَ عَشْرَةَ تَبَرَأَ قِيَمَتُهَا أَنْقُصَ مِنْ عَشْرَةِ مَضْرُوبَةٍ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ وَالْمُصْتَبَرُ وَزُنْ سَبْعَةٍ مَثَاقِيلَ لِأَنَّهُ الْمُتَعَارَفُ فِي عَامَّةِ الْبِلَادِ وَقَوْلُهُ أَوْ مَا يَبْلُغُ قِيَمَتُهُ عَشْرَةَ دَرَاهِمٍ إِيَّاهُ إِنْ كَانَ غَيْرَ الدَّرَاهِمِ يُعْتَبَرُ قِيَمَتُهُ بِهَا وَإِنْ كَانَ ذَهَبًا وَلَا بُدَّ مِنْ حَرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ لِأَنَّ الشُّبْهَةَ دَرِئَةٌ وَسَبْبُهُ مِنْ بَعْدِ انْشَاءِ اللَّهِ تَعَالَى

ترجمہ..... مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ اگر عاقل بالغ کسی کے دس درہم یا ایسی چیز جس کی قیمت دس درہم کے سکہ کے برابر ہو کسی محفوظ مقام سے اس طرح چرائی کہ اس میں شبہ نہ ہو تو یہ واجب ہوگا کہ اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اس حکم کی اصل یہ آیت پاک ہے۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا..... (الایہ) یعنی جس مرد نے چوری کی اور جس عورت نے چوری کی تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو آخر آیت تک یعنی اس کا عذاب یہی ہے اور عقل و بلوغ کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ان صفتوں کے بغیر کوئی بھی جرم مکمل اور متحقق نہیں ہوتا ہے۔ (لہذا یوانہ اور بچہ کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا)۔ اور زیادہ یا قیمتی مال کی حد مقرر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ معمولی مال میں چرانے کی رغبت میں کمی آ جاتی ہے۔ نیز محض معمولی مال لیتے وقت لینے والا چھپانے کی کوشش بھی نہیں کرتا ہے۔ اس لئے چوری کرنے کے لئے جو ایک دکن چھپانا ہے محض معمولی سے مال میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح اس تنبیہ کا فائدہ بھی حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ سزا دے کر تنبیہ کرنے کی جو حکمت ہے ایسی صورت میں پائی جاتی ہے جو اکثر واقع ہوتی ہے۔ مال محترم اور زیادہ رقم کی حد مقرر کرنے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ وہ دس درہم ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی دینار ہونا کافی ہے۔ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین درہم ہونا ضروری ہے۔ امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں چمڑے کی ڈھال چرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا اور ایسی ڈھال کی قیمت کا جو اندازہ نقل کیا گیا ہے وہ تین درہم ہیں۔ اس میں کم سے کم مقدار (تین درہم) ہی کو قبول کر لینا اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس مقدار میں بالکل یقین حاصل ہوتا ہے۔

لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا اس طرح چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس باب میں سب سے زیادہ اندازہ کو لینا بہتر ہے تاکہ حدود ہو جانے کا وسیلہ اور بہانہ ہو جائے۔ اس لئے کہ کمتر مقدار میں یہ شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ شاید جرم مکمل نہ ہو اور شبہ کی بات ایسی ہے کہ اس کے ہو جانے سے حد ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے اس شبہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ ایک دینار یا دس درہم میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے پھر عرف میں درہم اسی کو کہا جاتا ہے جو سکہ دار (ڈھلا ہوا) ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سکہ دار ہونا مشروط ہے۔ جیسا کہ کتاب میں ذکر کیا ہے اور یہی ظاہر الروایۃ اور یہی اصح ہے۔ تاکہ جرم کامل کی آخری حد اور انتہا ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے چاندی کا ٹکڑا چرایا جس کی قیمت اچھے اور کھرے دس درہموں سے کم ہو تو اس کا بھی ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہوگا۔) اسی طرح اگر دس کھوٹے سکے ڈھلے ہوئے جو کھرے دس درہم کی قیمت سے کم کے ہوں تو بھی ان کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا۔) پھر درہموں میں سات مثقال کا وزن معتبر ہے۔ کیونکہ تمام ملکوں میں اسی کا رواج ہے۔ اس جگہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ایسی چیز چرائے جس کی قیمت دس درہموں تک پہنچتی ہو تو اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر درہموں کے علاوہ دوسری کوئی چیز ہو تو اس کی قیمت کا اندازہ درہموں

سے ہی کرنے کا اعتبار ہوگا۔ اگرچہ دوسری چیز سونا ہو اور محفوظ جگہ سے چرانے کی بتائی ہوئی قید بلاشبہ ضروری ہے۔ کیونکہ اگر اس کے محفوظ ہونے میں ذرہ برابر بھی شبہ ہوگا تو اس سے حد نہیں لگائی جاسکے گی۔ انشاء اللہ آئندہ وضاحت کے ساتھ اس بحث کو بیان کریں گے۔ (اگر یہ کہا جائے کہ دینار سے اعتبار کیوں نہیں ہوگا حالانکہ جو حدیث بیان کی گئی ہے۔ اس میں ایک دینار کا اندازہ کہا گیا ہے۔ تو جواب یہ ہوگا کہ دینار کی قیمت کبھی دس درہم اور کبھی بڑھ کر چالیس درہم تک ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم نے یہ سمجھ لیا کہ دس درہم کی قیمت مراد ہے۔

اس مسئلہ کی توضیح اسی طرح ہوگی کہ فرمان باری تعالیٰ السارق والسارقة..... الخ میں مال کے کسی انداز اور مقدار کا بیان نہیں ہے۔ کہ وہ کتنا چھوٹا ہو یا بڑا۔ کم ہو یا زیادہ۔ کیونکہ گہوں کا ایک دانہ لے لینا بھی چوری ہوتی ہے اور حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اس لئے اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا جاتا بخاری و مسلم نے اسی طرح روایت کی ہے۔ اسی حدیث کی وجہ سے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ تھوڑا مال ہو یا زیادہ سب کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جواب یہ ہے کہ انڈا اور رسی کا ذکر جس کے طور پر ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ ایک ہی انڈا یا تھوڑی سی رسی سے ہی ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اور صحابہؓ اس بات پر اجماع پایا گیا ہے کہ انہوں نے تھوڑی سی چیز چرانے پر ہاتھ نہیں کاٹا ہے۔ اس لئے کوئی مقدار ضرور متعین ہوگی چنانچہ امام مالک و شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس کی مقدار تین درہم ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کا ہاتھ اس لئے کاٹ دیا تھا کہ اس نے تین درہم کی قیمت کی ڈھال چرائی تھی۔

اس کے مانند حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے۔ دونوں روایتیں بخاری و مسلم نے بیان کی ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ چور کا ہاتھ چوتھائی دینار میں کاٹا جائے۔ اس کی روایت بخاری و مسلم اور احمد نے کی ہے۔ اس وقت میں تین درہم چوتھائی دینار کے برابر ہوتے تھے۔ ترمذی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ بعض علماء کا اسی پر عمل ہے۔ جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ و عثمانؓ و علیؓ ہیں اور حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک دینار یا دس درہم کے بغیر ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے اور امام سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک مرسل روایت بھی حجت ہوتی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے آثار میں کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ و حضرت عمر و عثمان و علی اور ابن مسعودؓ سے دس درہم کی تعین کی روایت موجود ہے۔ پس جب کہ ان کی حدود کے بارے میں اختلاف ہوا تو ہم نے اسی مقدار کو معمول بنالیا جو معتمد ہے۔ یعنی دس درہم کو۔ پھر ابن مسعود رحمۃ اللہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک زمانہ میں دس درہم سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ اتنی اس حدیث کو امام طحاوی و عبد الرزاق وغیرہا نے بھی روایت کیا ہے۔

اور ایمن ابن ام ایمن سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ڈھال کی قیمت ہونے کے بغیر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جب کہ اس زمانہ میں ڈھال کی قیمت ایک دینار تھی۔ اس کی روایت نسائی و طبرانی و طحاوی اور حاکم نے کی ہے اور یہ ایمن جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ یا تو حضرت زبیرؓ کے مولیٰ ہیں یا عبد الواحد کے والد ہیں۔ اور یہی اشدہ و قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ انفریب میں ہے۔ اور ان کے ثقہ ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ حدیث مسند ہے یا مرسل ہے۔ پھر بھی جمہور علماء کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہوتی ہے اور دوسری روایتوں سے بھی اس دعویٰ کی تقویت ہوگی تو بالافتاق حجت ہوگئی اور حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک مرد کا ہاتھ چڑے کی ایک ایسی ڈھال کی چوری کرنے کی وجہ سے کاٹا گیا جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی۔

اس کی روایت ابو داؤد، النسائی اور الحاکم نے کی ہے۔ اس کی اسناد میں محمد ابن اسحق روای ثقہ ہیں۔ اصح قول یہی ہے اور ان کے علاوہ یہاں دوسری روایتیں اور آثار بھی ہیں۔ پھر صحیحین کی حدیث ابن عمرؓ و عمرو عائشہؓ میں اضطراب ہے۔ چنانچہ نسائی نے یہ حدیث ابن عمرؓ میں ڈھال کی قیمت پانچ

درہم روایت کی ہے اور حدیث عائشہؓ میں ایک اسناد سے چوتھائی دینار اور دوسری اسناد سے تین درہم یا نصف دینار یا اس سے زیادہ کی روایت کی ہے۔ اسی لئے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور اسی اضطراب کی وجہ سے اس روایت کو چھوڑ کر ایک دینار اور دس درہم کی روایت اختیار کی گئی اور دوم اس وجہ سے کہ قلیل میں پوری مقدار میں شبہ ہے اور سوم اس وجہ سے کہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے اگر بادشاہ معاف کرنے میں غلطی کر دے تو وہ اس بات سے بہتر ہے کہ حد لگانے میں غلطی کرے۔ یعنی زیادہ سے زیادہ یہی بات ہوگی کہ تھوڑی مقدار میں حد واجب تو ہوئی تھی مگر امام نے چھوڑ دیا یہ اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ حد واجب نہیں ہوئی تھی پھر بھی امام نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔

تشریح..... قَالَ وَ إِذَا سَرَقَ الْعَاقِلُ الْبَالِغُ عَشْرَةَ ذَرَاهِمَ أَوْ مَا يَبْلُغُ قِيَمَتَهُ عَشْرَةَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

غلام اور آزاد، قطع ید میں مساوی ہیں

قَالَ وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فِي الْقَطْعِ سَوَاءٌ لِأَنَّ النَّصَّ لَمْ يَفْصِلْ وَلِأَنَّ التَّنْصِيفَ مُتَعَدِّرٌ قِتْكَامِلُ صِيَانَةٍ لِأَمْوَالِ النَّاسِ

ترجمہ..... کہا غلام اور آزاد دونوں ہاتھ کاٹے جانے کے معاملہ میں برابر ہیں۔ کیونکہ نص قرآنی (السارق والسارقة الآية) میں کوئی تفصیل نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ یہاں آدمی سزا دینا محال ہے۔ یعنی غلام کا آدھا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا ہے۔ اس لئے غلام کو بھی پوری ہی سزا دی جائے گی تاکہ لوگوں کے مال محفوظ رہ سکیں۔

تشریح..... قَالَ وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فِي الْقَطْعِ سَوَاءٌ لِأَنَّ النَّصَّ لَمْ يَفْصِلْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چوری کا کتنی بار اقرار کرنے سے قطع ید واجب ہوتا ہے

وَيَجِبُ الْقَطْعُ بِأَقْرَارِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يُقْطَعُ إِلَّا بِأَقْرَارِ مَرَّتَيْنِ وَيُرْوَى عَنْهُ أَنَّهُمَا فِي مَجْلِسَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ لِأَنَّهُ إِحْدَى الْحُجَّتَيْنِ فَتُعْتَبَرُ بِالْأُخْرَى وَهِيَ الْبَيِّنَةُ كَذَلِكَ إِعْتِبَارُنَا فِي الزَّيْنَاءِ وَلَهُمَا أَنَّ السَّرْقَةَ قَدْ ظَهَرَتْ بِأَقْرَارِ مَرَّةٍ فَيَكْفِي بِهِ كَمَافِي الْقِصَاصِ وَحَدِّ الْقَذْفِ وَلَا إِعْتِبَارَ بِالشَّهَادَةِ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ تُفْسِدُ فِيهَا تَقْلِيلُ تَهْمَةِ الْكُذْبِ وَلَا تُفِيدُ فِي الْإِقْرَارِ شَيْئًا لِأَنَّهُ لَا تَهْمَةَ وَبَابُ الرُّجُوعِ فِي حَقِّ الْحَدِّ لَا يَنْسُدُّ بِالتَّكْرَارِ وَالرُّجُوعُ فِي حَقِّ الْمَالِ لَا يَصِحُّ أَصْلًا لِأَنَّ صَاحِبَ الْمَالِ يُكْذِبُهُ وَاشْتِرَاطُ الزِّيَادَةِ فِي الزَّيْنَاءِ بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ

ترجمہ..... اور چور کے ایک ہی بار چوری کا اقرار لینے سے اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا ہے۔ یہ قول امام ابو حنیفہ و محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے (اور یہی اکثر علماء کا بھی قول ہے اور امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دوسرے سے کم اقرار پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور ان سے ہی ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ دونوں اقرار دو مختلف جلسوں میں ہوں۔ کیونکہ گواہی اور اقرار (دو جوتوں) میں سے اقرار ایک قسم کی حجت ہے۔ اس لئے گواہی پر اسے بھی قیاس کرنا ہوگا۔ زنا میں بھی ہم نے ایسا ہی اعتبار کیا ہے اور امام ابو حنیفہ و محمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ اس کے ایک بار کے اقرار سے چوری ظاہر ہوگئی۔ اس لئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔ جیسا کہ قصاص اور حد قذف میں ہوتا ہے اور گواہی پر اس کا قیاس درست نہ ہوگا کیونکہ گواہی میں ایک گواہ سے زیادہ ہونے میں یہ فائدہ ہے کہ جھوٹے ہونے کی تہمت کا احتمال بہت کم ہو جاتا ہے اور اقرار میں ایک بار سے زیادہ ہونے سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس میں کسی کی تہمت کا موقع نہیں ہے اور اگر کئی اقرار کے بعد بھی کوئی انکار کرنا ہی چاہے تو اسے کوئی روک بھی نہیں سکتا ہے لیکن مال کے بارے میں اقرار سے پھر جانا بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے انکار کے ساتھ ہی مال کا اصل

مالک اسے جھٹلا دے گا اور زنا کے بارے میں اقرار کی زیادتی خلاف قیاس ہے۔ اسلئے شریعت سے جہاں تک ثابت ہوا ہے وہیں تک محدود رکھا جائے گا۔ (یعنی دوسری جگہ پر اس کا قیاس کرنا صحیح نہ ہوگا)۔

تشریح..... وَيَجِبُ الْقَطْعُ بِأَفْرَادِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

قطع ید کیلئے تعدد اشہود

قَالَ وَيَجِبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ لِتَحْقِيقِ الظُّهُورِ كَمَا فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْأَلَ لَهَا الْإِمَامُ عَنْ كَيْفِيَةِ السَّرْقَةِ وَمَاهِيَّتِهَا وَزَمَانِهَا وَمَكَانِهَا لِزِيَادَةِ الْإِحْتِيَاظِ كَمَا مَرَّ فِي الْحُدُودِ وَيَحْبِسُهُ إِلَى أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الشُّهُودِ لِلتَّهْمَةِ

ترجمہ..... اور قدوری رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ دو گواہوں کی گواہی سے ہاتھ کاٹنا واجب ہو جاتا ہے (اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے) کیونکہ چوری خوب ظاہر ہوگئی ہے جیسے دوسرے حقوق میں ہوتا ہے۔ اس موقع پر امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ ان دونوں گواہوں سے اس چوری کی کیفیت اور ماہیت (کہ وہ چیز کیسی اور کیا ہے) اور اس کا زمانہ اور اس جگہ مزید احتیاط کے خیال سے دریافت کر لے جیسے کہ دوسرے حدود کے بیان میں گزرا اور امام کے لئے یہ بات بھی مناسب ہے کہ اس چور کو اس پر چوری کی تہمت لگ جانے کی وجہ سے اس وقت تک قید خانہ میں رکھے کہ اس میں گواہوں کا حال دریافت کر لے۔

تشریح..... قَالَ وَيَجِبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ لِتَحْقِيقِ الظُّهُورِ كَمَا فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چوری میں ایک جماعت شریک ہو کس کس کا ہاتھ کاٹا جائے

قَالَ وَإِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِي سَرِقَةٍ فَاصَابَ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشْرَةُ دَرَاهِمٍ قُطِعَ وَإِنْ أَصَابَهُ أَقْلٌ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّ الْمُؤْجِبَ سَرِقَةَ النَّصَابِ وَيَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِجَنَائَتِهِ فَيُعْتَبَرُ كَمَالُ النَّصَابِ فِي حَقِّهِ

ترجمہ..... اور قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کسی چوری کے معاملہ میں کئی افراد شریک ہوں اور ان میں سے ہر ایک کو دس درہم ملے ہوں تو ان میں سے ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن اگر دس درہم سے کم ملے ہوں تو پھر کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ دس درہم کی چوری ہی سے ہاتھ کاٹنا واجب ہو جاتا ہے اور ہر ایک پر یہ سزا اس کے جرم کی وجہ سے واجب ہوگی اس لئے ہر فرد کے حق میں پورے دس درہم کا ہونا معتبر ہوگا۔ تشریح..... قَالَ وَإِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ..... الخ۔ مسائل کی تفصیل حکم، اختلاف، ائمہ، دلائل، اگر کئی آدمیوں نے مل کر چوری کی اور ہر ایک کے حصہ میں دس درہم آگئے ہوں تو ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر دس درہم سے کم آئے ہوں تو کسی کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (اگر اس جماعت میں کوئی بچہ یا دیوانہ یا مال کے مالک کا ذرہ محرم شریک ہو تو ہاتھ کاٹنا واجب نہ ہوگا)۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ابوامیہ کی حدیث میں ایک چور کے قصہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا اقرار دیا تو تین بار دہرایا اور اس نے بار بار اقرار کیا تب اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہاتھ کاٹا گیا۔ پھر اس کو بلا کر فرمایا کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرو۔ تو اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا اور اس سے توبہ کرتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے خود بھی اس کے واسطے دعا فرمائی۔ کہ الہی اس کی توبہ قبول فرما۔ اس کی روایت احمد والبوداؤ و داہن ماجد والدارمی والحاکم اور ابن عمر نے کی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے پاس ایک حبشی باندی لائی گئی جس نے چوری کی تھی اور اس وقت وہ دمشق کے حاکم تھے تو فرمایا کہ اے سلامہ! کیا تم نے چوری کی ہے۔ تم یہ کہہ دو کہ نہیں تب وہ بولی کہ نہیں (چوری نہیں کی ہے) یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ اے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ! کیا آپ اس کو یہ سکھاتے ہیں۔ فرمایا کہ تم لوگ میرے پاس ایسی ایک عورت کو لائے ہو جس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ تاکہ وہ اقرار

کردے تو اس کا ہاتھ کاٹ دوں اور اس کے مانند ابو مسعود انصاری رحمۃ اللہ سے مروی ہے۔ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایتیں آثار میں بیان کی ہیں۔ اور صفوان بن امیہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چور سے فرمایا کہ کیا تم نے اس شخص کی چادر چرائی ہے۔ اس نے کہا ہاں تو فرمایا کہ اس کو لے جا کر اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ رواہ النسائی۔ پھر چوری کی کیفیت کے بارے میں اس لئے دریافت کیا جائے کہ شاید اس نے نقب لگا کر صرف ہاتھ ڈال کر مال نکال لیا ہو۔ کیونکہ اس صورت میں امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور زمانہ کے بارے میں اس لئے دریافت کیا جائے کہ زیادہ زمانہ گزر گیا ہو تو ایسی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی اور جگہ کے بارے میں اس لئے دریافت کیا جائے کہ شاید اس نے وہ مال غیر محفوظ جگہ سے لیا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

باب ما یقطع فیہ و مالا یقطع

ترجمہ..... باب کس مال کی چوری میں ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور کس میں نہیں کاٹا جاتا ہے۔

کس چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور کس میں نہیں

وَلَا يُقْطَعُ فِيمَا يُوجَدُ تَافِهَا مُبَاحًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ كَالْخَشَبِ وَالْحَشِيشِ وَالْقَضْبِ وَالسَّمَكِ وَالطَّيْرِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرْبِخِ وَالْمَغْرَةِ وَالنُّورَةِ وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدِيثٌ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ الْيَدُ لَا تُقْطَعُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الشَّيْءِ النَّافِئِ أَيْ الْحَقِيرِ وَمَا يُوجَدُ جَنْسُهُ مُبَاحًا فِي الْأَصْلِ بِصُورَتِهِ غَيْرُ مَرْغُوبٍ فِيهِ حَقِيرٌ تَقِلُّ الرِّغْبَاتُ فِيهِ وَالطَّبَاغُ لَا تَضُنُّ بِهِ فَقَلَّمَا يُوجَدُ اخْذُهُ عَلَى كُرْهِهِ مِنَ الْمَالِكِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى شَرْعِ الزَّاجِرِ وَلِهَذَا لَمْ يَجِبِ الْقَطْعُ فِي سَرَقَةِ مَا ذُوْنَ النَّصَابِ وَلَا الْجُرْزَ فِيهَا نَاقِصٌ إِلَّا يُرَى أَنَّ الْخَشَبَ تُلْقَى عَلَى الْأَبْوَابِ وَأَنْمَا يَدْخُلُ فِي الدَّارِ لِلْعِمَارَةِ لَا لِلْأَحْرَازِ وَالطَّيْرِ يُطِيرُ وَالصَّيْدُ يَفِرُّ وَكَذَا الشَّرَكَةُ الْعَامَّةُ الَّتِي كَانَتْ فِيهِ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الصِّفَةِ تَوَرَّثَ الشُّبْهَةُ وَالْحَدِيثُ يَنْدَرِي بِهَا وَيَدْخُلُ فِي السَّمَكِ الْمَالِخِ وَالطَّرِيُّ وَفِي الطَّيْرِ الدَّجَاجُ وَالْبَطُّ وَالْحِمَامُ لِمَا ذَكَرْنَا وَلَا طَلَّاقَ قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَقْطَعُ فِي الطَّيْرِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجِبُ الْقَطْعُ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا الطَّيْنَ وَالْتَرَابَ وَالسَّرَقِينَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَا

ترجمہ..... ہر وہ حقیر سی چیز جو دارالاسلام میں مباح طور پر پائی جاتی ہے جیسے جلانے کی لکڑی، گھاس، نرکل، مچھلی، پرندے اور وہ جانور جو شکار کئے جاتے ہیں اور ہڑتال و گیر اور چونا وغیرہ اس مسئلہ میں اصل حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تافہ یعنی حقیر چیزوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ اس کی روایت ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق نے کی ہے۔ اور ایسی چیز (حقیر سمجھی جاتی ہے) جس کی جنس اپنی اصلی صورت پر مباح پائی جاتی ہو اور اس کی طرف اتنی زیادہ رغبت نہ ہو۔ بلکہ اس کی طرف رغبت بہت تھوڑی ہو اور اس (کے لین دین) میں طبیعت بخل نہ ہو اس لئے ایسا بہت ہی کم ہوتا کہ اس کے لینے میں مالک کو ناگواری ہوتی ہو لہذا اس میں تنبیہ کرنے کے لئے حد مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں مالک کی رضامندی ہوا کرتی ہے۔ اسی واسطے نصاب سے کم چوری کرنے میں ہاتھ کاٹا جانا واجب نہیں ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ان چیزوں کی حفاظت انتہائی ناقص ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جلانے کی لکڑیاں عموماً دروازوں پر ڈال دی جاتی ہیں اور گھر میں صرف اس لئے لے جاتے ہیں کہ تعمیر کے وقت وہ کام آسکے۔ حفاظت کی غرض سے اندر نہیں لے جاتے ہیں اور چڑیاں پرندے اڑ جاتے ہیں۔ شکار بھاگ جاتے ہیں۔ اسی لئے اس سلسلہ میں تنبیہ کرنے والی حد کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح جب یہ چیزیں اپنی اپنی حالت پر ہوں تو عموماً وہاں کے

باب ما یقطع فیہ و ما لا یقطع ۲۲۲ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم
ہے کہ کثر سے مراد وہ پھل ہیں جو خمرہ وغیرہ کے درختوں پر لگے ہوئے ہوں۔ ان کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور کثر سے مراد کھجور کے
درخت کا ہے۔ اس کے چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ حدیث میں ہے لا قطع فی ثمر ولا کثر۔ اور فرمایا کہ ہم اس قول کو قبول
کرتے ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ آٹا ثار میں ہے۔

یہ حدیث صحیح ابن حبان و حاکم و مسند احمد و سنن، ابی داؤد و نسائی و ابن ماجہ اور ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ
اس کی اسناد صحیح ہے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کو علماء نے قبول کیا ہے۔ اور ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر اس میں کسی کا
کچھ کلام ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ الحاصل یہ حدیث صحیح و مشہور ہے۔ لیکن مسئلہ میں یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ
کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے درخت کے لگے ہوئے پھلوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ جو ضرورت مند اس میں سے کچھ کھالے لیکن
اپنی جھولی میں رکھ کر نہ لے جائے تو اس پر کوئی سزا نہیں ہے اور جو اس میں سے کچھ ساتھ لے جائے تو وہ اس کے مثل کا ضامن ہوگا۔ پھر جب یہ پھل
جرین (کھلیان) میں پہنچ جائے اور اس میں سے کوئی اتنا چرائے جو ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو اس کے ہاتھ کا کاٹنا ضروری ہے۔ ابو داؤد
اور نسائی نے اس کی روایت کی ہے اور یہی معنی کچھ زیادتی کے ساتھ احمد اور نسائی میں بھی مذکور ہیں۔ یعنی جو شخص جھولی بھر لے جائے تو اس کی دوگنی
قیمت دے اور اسے کوڑے لگائے جائیں اور جو کھلیان میں سے اتنا لے جائے جس کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو اس کا ہاتھ کاٹنا
جائے۔ اور اس کے مطابق امام ابو یوسف و مالک و شافعی اور احمد رحمہم اللہ نے تازہ پھلوں کی چوری میں ہاتھ کاٹنا جائز رکھا ہے۔

اور مصنف رحمۃ اللہ نے یہ جواب دیا ہے کہ کھلیان میں تو خشک چھوہارے ہی لے جاتے ہیں۔ اس صورت میں تو ہمارے نزدیک بھی ہاتھ کاٹنا
جاتا ہے لیکن شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مغرب میں مذکور ہے کہ جرین وہ جگہ ہے کہ جہاں گدر (ادھ پکے) چھوہارے جمع کئے جاتے ہیں
تاکہ وہ وہاں خشک ہو جائیں۔ اس طرح وہاں پہلے تو تازے چھوہارے ہی جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جرین ایسی محفوظ جگہ بھی نہیں ہوتی ہے
جہاں سے چرانے میں ہاتھ کاٹنا واجب ہو البتہ اس صورت میں کہ خاص طور سے اس میں کوئی محافظ بھی رکھا گیا ہو۔

اس لئے سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ حدیث لا قطع فی ثمر ولا کثر کے معارض ہے اور حدود کے معاملہ میں اسی حدیث کو ترجیح ہوتی ہے
جس سے حدود ختم ہو سکیں۔ اس کے علاوہ جرین کی حدیث میں دو گنے تاوان کا بھی ذکر ہے۔ حالانکہ علماء کی جماعت میں سے کوئی بھی اس کا قائل
نہیں ہے۔ پھر یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ گہوئوں اور شکر کی چوری میں ہاتھ کاٹنا جانا بالاجماع ثابت ہے۔ اس لئے یہ بات لازم آئی کہ طعام سے یا ثمر
سے ایسی چیز مراد لی جائے جو جلد بگڑ جاتی ہو یا اسی کے قریب ہو۔ جیسے فوراً کھالینے والی چیزیں یا جیسے گوشت اور تازہ پھل۔ خواہ وہ کھلیان میں ہو یا
کہیں اور ہوں اور گہوئوں میں ہاتھ کاٹنے جانے پر ایسی صورت میں اجماع ہے کہ قسط سالی نہ ہو۔ کیونکہ قسط سالی اگر ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ خواہ وہ
چیز بگڑ جانے والی ہو یا نہ ہو۔

درختوں پر لگے ہوئے پھل اور لگی ہوئی کھیتی کی چوری میں قطع ید ہے یا نہیں

قَالَ وَلَا يَقْطَعُ فِي الْفَاكِهَةِ عَلَى الشَّجَرِ وَالزَّرْعِ الَّذِي لَمْ يُحْصَدْ لِعَدَمِ الْإِحْرَازِ وَلَا يَقْطَعُ فِي الْأَشْرَبَةِ الْمَطْرَبَةِ
لَاَنَّ السَّارِقَ يَسْأَلُ فِي تَنَاوُلِهَا الْإِرَاقَةَ وَلَاَنَّ بَعْضَهَا لَيْسَ بِمَالٍ وَفِي مَالِيَّتِهِ بَعْضُهَا اخْتِلَافٌ فَيَتَحَقَّقُ شُبْهَةُ عَدَمِ
الْمَالِيَّةِ

ترجمہ..... کہا وہ پھل جو درختوں پر لگے ہوں یا وہ کھیتی جو کاٹی نہ گئی ہو اس کی چوری میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ پورے طور پر محفوظ نہیں ہے اور
پینے کی ایسی چیز جس سے نشہ آتا ہو اس کی چوری میں بھی ہاتھ کاٹنا نہیں ہے۔ کیونکہ جو یہ کہے گا کہ میں نے اسے بہا دیا اور برباد کرنے کی نیت

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم..... ۲۲۳ باب ما یقطع فیہ و مالا یقطع سے لیا تھا۔ اور اس لئے بھی کہ پینے کی کچھ چیز جو نشہ لاتی ہو۔ مثلاً شراب وغیرہ (بالاتفاق) مال ہی نہیں ہوتی ہے اور کچھ چیزوں کے مال ہونے کے بارے میں اختلاف علماء ہے۔ اس لئے اس کے مال ہونے کا شبہ ہو گیا۔

تشریح..... قَالَ وَلَا يَطْلُقُ فِي الْفَاكِهَةِ عَلَى الشَّجَرِ وَالزَّرْعِ الَّذِي لَمْ يُحْصَدْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

طنبور کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

قَالَ وَلَا فِي الطَّنْبُورِ لِأَنَّهُ مِنَ الْمَعَارِفِ وَلَا فِي سُرْقَةِ الْمُصْحَفِ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيَّةٌ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَطْلُقُ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ حَتَّى يَجُوزَ بَيْعُهُ وَعَنْ أَبِي يُونُسَ مِثْلُهُ وَعَنْهُ أَيْضًا أَنَّهُ يُقَطَّعُ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلِيَّةُ نَصَابًا لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنَ الْمُصْحَفِ فَيُعْتَبَرُ بِإِنْفِرَادِهَا وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْأَخْذَ بِنِزْوَلٍ فِي أَخْذِهِ الْقِرَاءَةَ وَالنَّظْرُ فِيهِ وَلِأَنَّهُ لَا مَالِيَّةَ لَهُ عَلَى إغْيَابِ الْمَكْتُوبِ وَاحْرَازُهُ لِأَجَلِهِ لَا لِلْجِلْدِ وَالْأَوْرَاقِ وَالْحُلِيَّةِ وَأَنَّمَا هِيَ تَوَابِعٌ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالتَّبَعِ كَمَنْ سَرَقَ أَيْنَةً فِيهَا خُمْرٌ وَفِيهِمُ الْأَيْنَةُ تَرَبُّو عَلَى النَّصَابِ

ترجمہ..... اور یہ بھی کہا کہ طنبورہ چرانے کے بارے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ لہو و لعب کے طور پر بجانے کا سامان ہے (یعنی شرعاً اس کی ممانعت ہے۔ اس طرح گویا اس کی کوئی مالیت ہی نہیں ہے)۔ اور قرآن مجید کے چرانے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونے یا چاندی کا چڑھاؤ ہو۔ لیکن امام مالک و شافعی رحمہ اللہ علیہ نے کہا ہے اس کے چرانے سے بھی ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تو قیمتی مال ہے اسی بناء پر اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے اور ابو یوسف رحمہ اللہ علیہ سے بھی ایسی ہی روایت ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے دوسری روایت میں ہے کہ اگر قرآن کریم پر سونے کا جڑاؤ دس درہم تک کی قیمت کا ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ یہاں وہ زور قرآن میں سے نہیں ہے اس لئے اس کا تنہا اعتبار کیا جائے گا اور ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کو لئے جانے والا اس وقت یہ تاویل کرنے لگے گا کہ میں نے تو اس کو تلاوت کرنے اور دیکھنے کے لئے لیا ہے اور اس لئے بھی کہ مصحف پاک میں جو کچھ لکھا ہے اس کے اعتبار سے اس جلد کی کوئی مالیت نہیں ہے۔ حالانکہ اس کو محفوظ کرنا اسی اعتبار سے ہے اور اس کی جلد یا اس کے ورقوں یا اس کے جڑاؤ کے اعتبار سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ چیزیں تو اس کے توابع میں سے ہیں۔ جبکہ تابع چیزوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ جیسے کہ ایک شخص نے شراب بھرا ہوا ایک ایسا پیالہ چرایا جس کی قیمت دس درہم سے بھی زائد ہے۔ (اس لئے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت پیالہ تابع ہے اور اصل مقصود جو کہ شراب ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے)۔

تشریح..... قَالَ وَلَا فِي الطَّنْبُورِ لِأَنَّهُ مِنَ الْمَعَارِفِ وَلَا فِي سُرْقَةِ الْمُصْحَفِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مسجد حرام کے دروازے کو چوری کرنے میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں

وَلَا يَطْلُقُ فِي أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لِغَدَمِ الْإِخْرَازِ فَصَارَ كَبَابِ الدَّارِ بَلْ أَوْلَى لِأَنَّهُ يُخْرَزُ بِبَابِ الدَّارِ مَا فِيهَا وَلَا يُخْرَزُ بِبَابِ الْمَسْجِدِ مَا فِيهِ حَتَّى لَا يَجِبَ الْقَطْعُ بِسُرْقَةِ مَتَاعِهِ

ترجمہ..... اور مسجد حرام کا دروازہ چرانے میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ کیونکہ اسے کسی بھی جگہ میں محفوظ کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے یہ دروازہ کسی حاطہ کے پھانک کے حکم میں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہو گیا۔ کیونکہ گھر کے دروازہ سے گھر کا مال و اسباب محفوظ کرنا مقصود ہوتا ہے اور مسجد کے دروازہ سے مسجد کا اسباب محفوظ کرنا مقصود نہیں ہوتا ہے اسی بناء پر مسجد کا اسباب چرانے سے ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

تشریح وَلَا یَقْطَعُ فِی أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ لَعَدَمِ الْإِخْرَازِ فَصَارَ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

سونے کی صلیب، شطرنج اور زردی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

قَالَ وَلَا الصَّلِيبَ مِنَ الذَّهَبِ وَلَا الشَّطْرَنْجَ وَلَا النُّرْدَ لِأَنَّهُ يَتَأَوَّلُ مَنْ أَخَذَهَا الْكُسْرَ نَهْيًا عَنِ الْمُنْكَرِ بِخِلَافِ الدِّرْهِمِ الَّذِي عَلَيْهِ التَّمَثَالُ لِأَنَّهُ مَا أُعِدَّ لِلْعِبَادَةِ فَلَا يَثْبُتُ شُبْهَةُ إِبَاحَةِ الْكُسْرِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِنْ كَانَ الصَّلِيبُ فِي الْمُسَلَّى لَا يُقْطَعُ لَعَدَمِ الْخُرُوزِ وَإِنْ كَانَ فِي بَيْتٍ آخَرَ يُقْطَعُ لِكَمَالِ الْمَالِيَةِ وَالْخُرُوزِ

ترجمہ..... کہا، اگر کسی نے سونے کی صلیب یا شطرنج یا زردنوں اور راء کے فتح کے ساتھ) چرائی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ چور اس کے لینے میں یہ تاویل کر لے گا کہ میں نے لوگوں کو شرعی ممنوع چیز سے روکنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس کے برخلاف اگر ایسا درہم چرایا جس پر کسی کی تصویر بنی ہوئی ہو اور وہ مقدار انصاب ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ یہ تصویر عبادت کے واسطے نہیں بنائی گئی ہے اس لئے اس کے بارے میں یہ شبہ نہ رہا کہ اسے توڑ دینا جائز ہے۔ یعنی اس کے چراتے وقت چور یہ بہانہ نہیں بنا سکتا ہے کہ میں نے اسے توڑنے کے واسطے لیا تھا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر سونے کی صلیب ان کی گر جا گھر میں ہو تو وہاں سے چرانے میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ محفوظ مکان میں نہیں ہے اور اگر کسی نصرانی کے کمرہ میں ہو یعنی محفوظ ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس کی مالیت بھی پوری ہے اور حفاظت بھی پوری موجود ہے۔

تشریح قَالَ وَلَا الصَّلِيبَ مِنَ الذَّهَبِ وَلَا الشَّطْرَنْجَ وَلَا النُّرْدَ لِأَنَّهُ يَتَأَوَّلُ مَنْ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

آزاد بچہ کو چرانے والا اگر چہ بچہ کے بدن پر سونا ہو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

وَلَا قَطْعَ عَلَى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْخُرَوَانِ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ لِأَنَّ الْخُرْلَيْسَ بِمَالٍ وَمَا عَلَيْهِ مِنَ الْحُلِيِّ تَبَعَ لَهُ وَلِأَنَّهُ يَتَأَوَّلُ فِي أَخْذِهِ الصَّبِيِّ اسْكَاثَهُ أَوْ حَمَلَهُ إِلَى مُرْضِعَتِهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُقْطَعُ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ وَهُوَ نَصَبٌ لِأَنَّهُ يَجِبُ الْقَطْعُ بِسَرْقَتِهِ وَحَدُّهُ فَكَذَلِكَ غَيْرُهُ وَعَلَى هَذَا إِذَا سَرَقَ إِنَاءٌ فِصَّةٌ فِيهِ نَبِيذٌ أَوْ ثَرِيدٌ وَالْخِلَافُ فِي صَبِيِّ لَا يَمْنُشِي وَلَا يَتَكَلَّمُ كَيْلَا يَكُونَ فِي يَدِنَا نَفْسِهِ

ترجمہ..... اور آزاد بچہ کے چرانے والے کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگرچہ اس کے بدن پر زیور بھی ہو کیونکہ آزاد آدمی مال نہیں ہوتا ہے اور جو زیور اس پر ہے وہ اس کے تابع ہے اور اس لئے بھی کہ اسے لینے والا یہ تاویل کرے گا کہ میں نے اسے روتا دیکھ کر چپ کرنے کے لئے اٹھالیا ہے۔ یا اس کے دودھ پلائی تک پہنچانے کے لئے اٹھالیا ہے لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر اس کے بدن پر بس درہم کے وزن کا زیور ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ صرف اتنا زیور ہی چرانے میں تو ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا ہے۔ تو دوسری چیزوں کے ساتھ چرانے میں بھی واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر چاندی کا کوئی ایسا برتن چرایا جس میں شراب یا شریہ ہو تو اس میں بھی یہی اختلاف ہوگا۔ یہ اختلاف ایسے لڑکے کے بارے میں ہے جو چلتا اور بولتا نہ ہو۔ کیونکہ وہ اپنے ذاتی اختیار میں نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ..... اگر لڑکا چلتا اور بولتا ہو تو بالا جماع اس کے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لکھنؤ۔ اور اگر اتنے چھوٹے غلام کو چرایا جو بولتا نہ ہو تو بالاتفاق اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح وَلَا قَطْعَ عَلَى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْخُرَوَانِ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ لِأَنَّ الْخُرْلَيْسَ بِمَالٍ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

بڑے اور چھوٹے غلام کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں

وَلَا قَطْعَ فِي سَرَقَةِ الْعَبْدِ الْكَبِيرِ لِأَنَّهُ غَصَبٌ أَوْ خِدَاعٌ وَيُقْطَعُ فِي سَرَقَةِ الْعَبْدِ الصَّغِيرِ لِتَحَقُّقِهَا بِحَدِّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يُعْبَرُ عَنْ نَفْسِهِ لِأَنَّهُ هُوَ الْبَالِغُ سَوَاءٌ فِي إَعْتِبَارِ يَدِهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يُقْطَعُ وَإِنْ كَانَ صَغِيرًا لَا يُعْقَلُ وَلَا يَتَكَلَّمُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ أَدَمِيٌّ مِنْ وَجْهِ مَالٍ مِنْ وَجْهِ وَلَهُمَا أَنَّهُ مَالٌ مُطْلَقٌ لِكُونِهِ مُنْتَفِعًا بِهِ أَوْ بِعَرَضٍ أَنْ يَصِيرَ مُنْتَفِعًا بِهِ إِلَّا أَنَّهُ انْضَمَّ إِلَيْهِ مَعْنَى الْأَدَمِيَّةِ

ترجمہ..... اور بالغ غلام کے چرانے میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں ہے۔ کیونکہ یہ غصب یا دھوکہ ہے۔ لیکن نابالغ کے چرانے میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس میں چوری کی پوری تعریف پائی جاتی ہے۔ لیکن اگر اتنا چھوٹا غلام ہو کہ وہ اپنا نام بتلا سکتا ہو تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ فی الحال اپنے قابو میں ہونے کی وجہ سے وہ اور ایک بالغ دونوں برابر ہوں گے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چھوٹے غلام کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگرچہ وہ اتنا چھوٹا ہو کہ وہ نہ تو کچھ سمجھتا ہو اور نہ باتیں کرتا ہو۔ یہ حکم احتمالی ہے کیونکہ وہ ایک اعتبار سے آدمی ہے تو دوسرے اعتبار سے مال ہے اور امام ابو حنیفہ و محمد رحمہم اللہ کی دلیل یہ ہے کہ وہ نفع اٹھانے کے لائق مال ہے خواہ فی الحال ہو یا آئندہ چل کر ہو۔ اگرچہ اس کے ساتھ آدمی کا نام ملا دیا گیا ہے (تو اس کے ساتھ نام ملا دینے سے مال کی مالیت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اس لئے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا)۔

تشریح..... وَلَا قَطْعَ فِي سَرَقَةِ الْعَبْدِ الْكَبِيرِ لِأَنَّهُ غَصَبٌ أَوْ خِدَاعٌ وَيُقْطَعُ فِي سَرَقَةِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

تمام دفتری رجسٹروں کو چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

وَلَا قَطْعَ فِي الدَّفَاتِرِ كُلِّهَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مَا فِيهَا وَذَلِكَ لَيْسَ بِمَالٍ إِلَّا فِي دَفَاتِرِ الْحِسَابِ لِأَنَّ مَا فِيهَا لَا يُقْصَدُ بِالْأَخْذِ فَكَانَ الْمَقْصُودُ وَهُوَ الْكُؤَاغِذُ

ترجمہ..... اور کل دفاتروں (رجسٹروں اور کاپیوں) کے چرانے سے بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس سے مقصود وہ تحریر ہوتی ہے جو اس میں پائی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ مال نہیں ہے۔ سوائے اہل حساب کے دفتر کے یعنی اس کی چوری سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ جو کچھ اس دفتر اور کاپی میں لکھا گیا ہے اس کا لینا مقصود نہیں ہے تو یہی کاپیاں اور کاغذات ہی مقصود ہوتے۔

تشریح..... وَلَا قَطْعَ فِي الدَّفَاتِرِ كُلِّهَا لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مَا فِيهَا وَذَلِكَ لَيْسَ بِمَالٍ إِلَّا فِي..... الخ کاغذات یا تو مذہبی کتابوں قرآن پاک، حدیث، تصوف، تفسیر وغیرہ کی کتابیں ہوں یا علماء کی اصلاحی تقریریں یا کیسٹیں وغیرہ ان کی چوری پر قطع ید نہیں کہ یہ مال نہیں بلکہ ان کا مقصد تحقیق مطالعہ اور اصلاح ہوتی ہے۔

اس طرح غیر مذہبی کتابیں اخبارات، ناولیں وغیرہ پر بھی قطع ید نہیں ایسے کاغذات جو عدالتوں، کچہریوں میں استعمال ہوتے ہیں یا بطور ریکارڈ ہوتے ہیں جیسے مکانات و دکانوں کی رجسٹریاں وغیرہ یا کسی ملک یا عظیم شخصیت کے رازان کاغذات میں ہوں ایسے کاغذات کی چوری پر حد واجب ہے۔ اس طرح ملکی تعمیر اور اہم کام و منصوبوں کے کاغذات کی چوری پر بھی حد برقہ ہے۔

کتے اور چیتے کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

قَالَ وَلَا فِي سَرَقَةِ كَلْبٍ وَلَا فَهْدٍ لِأَنَّ مِنْ جَنْسِهِمَا يُوجَدُ مُبَاحُ الْأَصْلِ غَيْرَ مَرْغُوبٍ فِيهِ وَلَا أَنَّ الْإِخْتِلَافَ بَيْنَ

الْعُلَمَاءُ ظَاهِرٌ فِي مَالِيَةِ الْكَلْبِ فَأُورَتْ شُبْهَةٌ

ترجمہ..... کہا اور کتے اور چیتے کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ کیونکہ ان ہی دونوں کی جنس سے ایسے اصلی مباح ہوتے ہیں جن کی طرف کسی کی رغبت نہیں ہوتی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ کتے کے مال ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ (چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ مال مقتوم نہیں ہے خنزیر کی طرح اور بعضوں نے اس کے خلاف بھی کہا ہے)۔ اس وجہ سے اس کی مالیت میں شبہ پیدا ہو گیا۔
تشریح..... قَالَ وَلَا فِي سَرَقَةِ كَلْبٍ وَلَا فَهْدٍ لِأَنَّ مِنْ جَنْسِهِمَا يُوجَدُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

آلات لہو کی چوری کا حکم

وَلَا قَطْعَ فِي دَفٍ وَلَا طَبْلِ وَلَا بَرَبِطٍ وَلَا مِزْمَارٍ لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لَا قِيمَةَ لَهَا وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ اخِذُهَا يَتَأَوَّلُ الْكُسْرَ فِيهَا

ترجمہ..... اور دف (دال کے ضمنہ اور فتح اور فا کی تشدید کے ساتھ گانے بجانے کا ایک سامان) اور طبل (طا کے فتح اور با کے سکون کے ساتھ طبلہ) یا بریط (با کے فتح کے ساتھ عود بجانے کا سامان) یا مزمار (میم کے کسرہ کے ساتھ) یعنی بانسری کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ان کی کچھ قیمت نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس قسم کا سامان لینے والا ان کے توڑنے کی تاویل کر لے گا (میں نے تو ان کو توڑ دینے کے لئے لیا ہے)۔

تشریح..... وَلَا قَطْعَ فِي دَفٍ وَلَا طَبْلِ وَلَا بَرَبِطٍ وَلَا مِزْمَارٍ لِأَنَّ عِنْدَهُمَا..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ساج، قنا، انوس اور صندل کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا

وَيُقْطَعُ فِي السَّاجِ وَالْقَنَاوِ الْأَبْنُسِ وَالصَّنْدَلِ لِأَنَّهَا أَمْوَالٌ مُخْرَزَةٌ لِكُونِهَا عَزِيزَةً عِنْدَ النَّاسِ وَلَا تُوجَدُ بِصُورَتِهَا مُبَاحَةً فِي دَارِ الْإِسْلَامِ

ترجمہ..... اور ساج (اس کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہے اصل سوچ ہے ایک بہت ہی لانا اور قیمتی درخت) ساکھو۔ یا نیزے کی چھڑیا، انوس یا صندل کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ یہ سب محفوظ مال ہیں کیونکہ لوگوں کے پاس کیا اب ہیں۔ کیونکہ دارالاسلام میں اپنی اصلی صورت پر مباح نہیں پائے جاتے ہیں۔

تشریح..... وَيُقْطَعُ فِي السَّاجِ وَالْقَنَاوِ الْأَبْنُسِ وَالصَّنْدَلِ لِأَنَّهَا أَمْوَالٌ مُخْرَزَةٌ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

سبز نگیں، یا قوت، زبرجد کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا

قَالَ وَيُقْطَعُ فِي الْفُصُوصِ الْخَضِرِ وَالْيَاقُوتِ وَالزَّبَرْجَدِ لِأَنَّهَا مِنْ أَعَزِّ الْأَمْوَالِ وَأَنْفُسُهَا لَا تُوجَدُ مُبَاحٍ الْأَصْلِ بِصُورَتِهَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ غَيْرُ مَرْغُوبٍ فِيهَا فَصَارَ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

ترجمہ..... کہا، اور سبز نگیں اور یا قوت اور زبرجد کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ یہ کیا اب اور قیمتی اموال ہیں جو دارالاسلام میں اپنی اصلی صورت سے بے رغبتی کے ساتھ مباح نہیں پائے جاتے ہیں۔ لہذا یہ سب بھی سونے اور چاندی کی مانند ہو گئے۔

تشریح..... قَالَ وَیَقْطَعُ فِی الْقُصُورِ الْحُضُرِ وَالْیَاقُوتِ وَالزُّبُرِ جَدِّ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

لکڑی کے بنائے ہوئے برتن اور دروازوں کی چوری کا حکم

وَإِذَا اتَّخَذَ مِنَ الْخَشَبِ أَوَانِي وَأَبْوَابًا قُطِعَ فِيهَا لِأَنَّهُ بِالصَّنْعَةِ التَّحَقُّ بِالْأَمْوَالِ النَّفِيسَةِ الَّتِي تَحْرُزُ بِخِلَافِ الْحَصِيرِ لِأَنَّ الصَّنْعَةَ فِيهِ لَمْ تَغْلِبْ عَلَى الْجَنْسِ حَتَّى يُبْسَطَ فِي غَيْرِ الْحِرْزِ وَفِي الْحَصِيرِ الْبَغْدَادِيَّةِ قَالُوا يَجِبُ الْقَطْعُ فِي سَرَقَتِهَا لِغَلْبَةِ الصَّنْعَةِ عَلَى الْأَصْلِ وَإِنَّمَا يَجِبُ الْقَطْعُ فِي غَيْرِ الْمُرْكَبِ وَإِنَّمَا يَجِبُ إِذَا كَانَ خَفِيفًا لَا يَثْقُلُ عَلَى الْوَاحِدِ حَمْلُهُ لِأَنَّ الثَّقِيلَ مِنْهُ لَا يَرِغَبُ فِي سَرَقَتِهِ

ترجمہ..... اور اگر لکڑی سے برتن یا دروازے وغیرہ بنائے گئے ہوں تو ان کی چوری سے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ بناوٹ اور تراش و تراش کی وجہ سے قیمتی مال کے حکم میں ہو گئے ہیں۔ کیا انہیں دیکھتے ہو کہ ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ بخلاف چٹائی کے کہ اس میں اس کی بنائی اس کی جنس پر غالب نہیں ہے۔ اسی لئے وہ غیر محفوظ اور عامی جگہ میں بھی بچھادی جاتی ہے۔ اب بغدادی چٹائی کے متعلق مشائخ نے کہا ہے کہ اس کی چوری سے ہاتھ کاٹا جائے گا۔ (جیسے مصری چٹائی اور ہندوستان (بالخصوص سلہٹ) کی سیٹل پائی م)۔ کیونکہ ان کی بنائی اور بناوٹ ان کی اصل پر غالب ہے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ہاتھ کاٹنے کا حکم اسی دروازہ وغیرہ کی چوری میں واجب ہے۔ جو دیوار کے ساتھ لگا ہوا نہ ہو۔ کیونکہ بھاری اور وزنی کو بچرانے کی رغبت نہیں ہوتی ہے۔ اس کا اٹھا کر لے جانا ایک شخص کے لئے بھی گراں نہ ہو کیونکہ بھاری اور وزنی کو بچرانے کی رغبت نہیں ہوتی ہے (لیکن جامع صغیر کے شروع میں ہلکے اور بھاری ہونے کے درمیان کوئی فرق اور تفصیل نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ وزنی ہونے کی بناء پر اس کی بے رغبتی سے اس کی مالیت میں نقصان نہیں ہوتا ہے۔)

تشریح..... وَإِذَا اتَّخَذَ مِنَ الْخَشَبِ أَوَانِي وَأَبْوَابًا قُطِعَ فِيهَا لِأَنَّهُ بِالصَّنْعَةِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

خائن مرد و عورت کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

وَلَا قَطْعَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ لِقُصُورٍ فِي الْحِرْزِ وَلَا مُنْتَهَبٍ وَلَا مُخْتَلَسٍ لِأَنَّهُ يُجَاهِرُ بِفِعْلِهِ كَيْفَ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا قَطْعَ فِي مُنْتَهَبٍ وَلَا مُخْتَلَسٍ وَلَا خَائِنٍ

ترجمہ..... اور خائن مرد اور خائنے عورت کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ کیونکہ حفاظت کی کمی ہوتی ہے۔ اور منتہب اور مختلس کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنا کام اعلانیہ سینہ زوری کے ساتھ کرتا ہے اور خود رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ مختلس یا منتہب یا خائن کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔

تشریح..... قَالَ وَیَقْطَعُ فِی وَلَا قَطْعَ عَلَى خَائِنٍ..... الخ۔ خائن۔ منتہب اور مختلس کا ان کی خاص صفات کی بناء پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ خائن وہ مرد اور خائنے وہ عورت ہے جس کو امانت دار سمجھ کر کوئی چیز اس کی حفاظت میں دی گئی مگر اس نے اس مال میں خیانت کر لی اور منتہب وہ شخص ہے جو زبردست اور اعلانیہ کسی گھر میں داخل ہو کر اس میں سے کوئی چیز لے لے اور مختلس وہ شخص جو گھر میں سے کوئی چیز اچک کر لے بھاگے۔ بالاتفاق ان لوگوں کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہے اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جو حدیث ذکر کی ہے وہ امام احمد و ابو داؤد و اور ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و ابن حبان نے روایت کی ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے اور طبرانی معجم اوسط میں ثقہ اسناد کے ساتھ اسے حضرت انسؓ کی سند سے روایت کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے پاس کوئی امانت رکھی گئی یا کوئی عاریۃ کچھ لے گیا۔ پھر اس نے مال کا انکار کر دیا۔ تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

لیکن حضرت عائشہؓ سے صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک مخزومیہ عورت لوگوں سے چیزیں مانگ کر لے جاتی پھر اس کا انکار کر دیتی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے ہاتھ کے کاٹنے کا حکم دیا تھا۔ (رواہ عبد الرزاق)۔ لیکن یہ کسی راوی کا وہم ہے کیونکہ دوسرے ثقہ راویوں نے اس روایت کے بارے میں کہا ہے کہ مخزومیہ عورت نے چوری کی اور یہی بات مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ شاید حضرت عائشہؓ کی حدیث سے یہ مراد ہے کہ یہ عورت مالی عاریتہ مانگ کر لے جانے میں مشہور ہو گئی تھی۔ پھر جب اس نے چوری بھی کی تب اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوا اور شیخ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اس مخزومیہ عورت کا یہ قصہ ایک ہی ہے۔

کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، اقوال فقہاء

وَلَا قَطْعَ عَلَى النَّبَاشِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالشَّافِعِيُّ عَلَيْهِ الْقَطْعُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ نَبَشَ قَطَعْنَاهُ وَلِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ مُحَرَّرٌ بِحُرْزٍ مِثْلِهِ فَيَقْطَعُ فِيهِ وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا قَطْعَ عَلَى الْمُخْتَفِي وَهُوَ النَّبَاشُ بِلُغَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَلِأَنَّ الشُّبْهَةَ تَمَكَّنَتْ فِي الْمَلِكِ لِأَنَّهُ لَا مَلِكَ لِلْمَيْتِ حَقِيقَةً وَلَا لِلْوَارِثِ لِتَقَدُّمِ حَاجَةِ الْمَيْتِ وَقَدْ تَمَكَّنَ الْخُلْلُ فِي الْمَقْصُودِ وَهُوَ لِأَنِّ جَارِلًا الْجَنَائَةِ فِي نَفْسِهَا نَادِرَةٌ الْوُجُودِ وَمَا وَاهُ غَيْرُ مَرْفُوعٍ أَوْ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى السِّيَاسَةِ وَإِنْ كَانَ الْقَبْرُ فِي بَيْتٍ مُقْبِلٍ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ فِي الصَّحِيحِ لِمَا قُلْنَا وَكَذَا إِذَا سَرَقَ مِنْ تَابُوتٍ فِي الْقَافِلَةِ وَفِيهِ الْمَيْتُ لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ..... اور نباش (کفن چور یعنی جو شخص قبر کھود کر مردہ سے کفن نکال کر لے جاتا ہے)۔ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔ اگرچہ کفن کی قیمت دس درہم یا اس سے زیادہ ہو۔ امام ابو حنیفہ و محمد رحمۃ اللہ کا یہی قول ہے اور امام ابو یوسف و شافعی (مالک و احمد) نے فرمایا ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ جس نے قبر کھودی اور کفن چرایا تو اس کا ہاتھ کاٹیں گے اور اس لئے بھی کہ کفن مال تقوم ہے اور ایسی جگہ محفوظ ہے جو ایسی چیز کے واسطے حفاظت کی جگہ ہے۔ اس لئے اس کی چوری سے ہاتھ کاٹا جائے گا (اور مذکور حدیث بیہقی رحمۃ اللہ نے روایت کی ہے) اور امام ابو حنیفہ و محمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ مخفی کا قطع نہیں ہے۔ اہل مدینہ کی زبان میں مخفی کفن چور ہی کو کہتے ہیں (لیکن یہ حدیث نہیں پائی گئی ہے)۔ اور اس لئے بھی کہ ملکیت میں شبہ پیدا ہو گیا ہے کیونکہ حقیقت میں مردہ کی کوئی ملکیت نہیں ہوتی ہے اور خود میت کی حاجت مقدم ہونے کی وجہ سے وارث کی بھی ملکیت نہیں ہے۔ اور ہاتھ کاٹنے کے مقصد یعنی تنبیہ ہونے میں خلل ہو گیا۔ کیونکہ ایسا جرم بھی بہت ہی کم ہوتا ہے اور امام ابو یوسف و شافعی نے جو حدیث روایت کی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کا قول نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو صحابہ کا قول کے مطابق اس کا کفن چرانے میں بھی یہی اختلاف ہے حدیث مذکور اور قیاسی دلیل کی وجہ سے اسی طرح اگر کسی قافلہ کے ساتھ میں کوئی تابوت ہو جس میں وہ مردہ کو کفن دے کر لے جا رہے ہوں تو اس کا کفن چرانے میں بھی اختلاف ہے۔ مذکورہ بالا دلیل کی وجہ سے۔ (اور عینی رحمۃ اللہ نے کہا ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل نہیں ملی ہے اور امام ابو یوسف و شافعی جہما اللہ کی دلیل مرفوع اور قوی ہے)۔

تشریح..... وَلَا قَطْعَ عَلَى النَّبَاشِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

بیت المال کی چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّهُ مَالُ الْعَامَةِ وَهُوَ مِنْهُمْ وَلَا مِنْ مَالٍ لِلْسَّارِقِ فِيهِ شِرْكَةٌ لِمَا قُلْنَا

ترجمہ..... اور بیت المال سے چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ وہ مال عام اور تمام لوگوں کا ہے اور یہ چور بھی عام میں کا ایک فرد ہے اور

ایسے مال کے چرانے والے کا بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ جس مال میں خود اس چور کی بھی شرکت ہو۔ اسی دلیل سے جوہم نے ابھی بیان کی ہے۔
تشریح..... وَلَا يَقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ لِأَنَّهُ مَالُ الْعَامَةِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

جس نے قرض لینا تھا قرض کے برابر درہم چوری کر لئے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

وَمَنْ لَهُ عَلَى آخِرِ دَرَاهِمٍ فَسَرَقَ مِنْهُ مِثْلَهَا لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءٌ لِحَقِّهِ وَالْحَالُ وَالْمَوْجَلُ فِيهِ سَوَاءٌ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ السَّاجِلَ لِتَأْخِيرِ الْمُطَالَبَةِ وَكَذَا إِذَا سَرَقَ زِيَادَةً عَلَى حَقِّهِ لِأَنَّهُ بِمِقْدَارِ حَقِّهِ يَصِيرُ شَرِيكًا فِيهِ

ترجمہ..... اور اگر ایک شخص کے دوسرے پر کچھ درہم لازم ہوں۔ مثلاً زید کے پندرہ درہم خالد کے ذمہ باقی ہوں۔ اور اسی زید نے اس خالد کے مال سے اتنے ہی درہموں کے برابر یعنی پندرہ درہم نکال لئے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس طرح اس نے اپنا حق وصول کیا ہے اور یہ حق خواہ نقدی ہو یا اس کے لئے کچھ وقت مقررہ ہو۔ استحقاقی دلیل کی بناء پر دونوں صورتیں برابر ہیں دونوں کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ سچا وقت مقرر کا ہونا تو صرف مطالبہ میں تاخیر کے لئے ہے۔ یہی حکم ہاتھ نہ کاٹے جانے کا اس صورت میں بھی ہوتا جب کہ اس نے اپنے اصلی حق سے کچھ زیادہ ہی چرایا ہو کیونکہ اس چرائے ہوئے مال میں اپنے حق کے برابر تو وہ بھی شریک ہو جائے گا۔ (یہ حکم اس وقت میں ہے کہ جتنا اس کا حق تھا اتنا ہی اس نے چرایا ہو)۔

تشریح..... وَمَنْ لَهُ عَلَى آخِرِ دَرَاهِمٍ فَسَرَقَ مِنْهُ مِثْلَهَا لَمْ يُقْطَعْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر قرض خواہ نے قرض دار کا سامان چورایا تو ہاتھ کاٹا جائے گا

وَأَنْ سَرَقَ مِنْهُ غُرُوضًا قُطِعَ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ وَلَايَةُ الاسْتِيفَاءِ مِنْهُ إِلَّا بِنِعَابِ التَّرَاضِي وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَقْطَعُ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ عِنْدَ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ قَضَاءٌ مِنْ حَقِّهِ أَوْ رَهْنًا مِنْ حَقِّهِ قُلْنَا هَذَا قَوْلٌ لَا يُسْتَنْدُ إِلَى دَلِيلٍ ظَاهِرٍ فَلَا يَعْتَبَرُ بَدْوُنِ اتِّصَالِ الدَّعْوَى بِهِ حَتَّى لَوْ ادَّعَى ذَلِكَ دُرِّي عَنْهُ الْحَذْلَ لِأَنَّهُ ظَنٌّ فِي مَوْضِعِ الْخِلَافِ وَلَوْ كَانَ حَقُّهُ دَرَاهِمَ فَسَرَقَ مِنْهُ دَنَانِيرٌ قَلِيلٌ يُقْطَعُ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ حَقٌّ الْأَخْذِ وَقِلُّ لَا يَقْطَعُ لِأَنَّ النُّقُودَ جِنْسٌ وَاحِدٌ

ترجمہ..... اور اگر قرض خواہ نے قرض دار کا کوئی مال و سامان چورایا تو اس کا ہاتھ قطع ہوگا۔ کیونکہ اس شخص کو اس بات کا کوئی حق نہیں تھا کہ اس قرض دار کے سامان سے کچھ چرائے۔ البتہ اپنے قرض کے عوض اس کا سامان اسی وقت لے سکتا ہے جب کہ دوسرا شخص (قرض دار) بھی اس کے بچنے سے راضی ہو گیا ہو۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ بعض علماء کے نزدیک قرض خواہ کو اپنے قرض دار کا سامان بطور ادا کے ہو یا بطور رہن کے ہو لینا جائز ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا کہنے والوں کا قول کسی دلیل سے بھی قوی اور مستند نہیں ہے۔ اس لئے جب تک کہ اس دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی نہ ہو یہ قابل قبول نہ ہوگا۔ اب اگر اس کے ساتھ چور نے دلیل کے ساتھ دعویٰ کیا تو اس سے چوری کی حد دور کر دی جائے گی کیونکہ مقام اجتہاد میں ایک ظن ہے اور اگر قرض خواہ کے حق میں کچھ درہم ہوں اور اس نے اس کے کچھ دینار چرائے تو بعضوں نے اس صورت میں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔ کیونکہ اس قرض خواہ کو اس دینار کے لینے کا کوئی حق نہیں ہے اور بعضوں نے اس کا انکار کرتے ہوئے فرمایا ہے دینار درہم دونوں ایک ہی جنس کے ہیں اس لئے درہم کے عوض دینار لینے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (ف اور ایسے محل اختلاف میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے۔

تشریح..... وَأَنْ سَرَقَ مِنْهُ غُرُوضًا قُطِعَ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ وَلَايَةُ الاسْتِيفَاءِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

جس نے چوری کی اس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ مال مالک کو مل گیا دوبارہ چوری کی وت
ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں

وَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا فَقُطِعَ فِيهَا فَرْدُهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَهِيَ بِحَالِهَا لَمْ يُقْطَعْ وَالْقِيَاسُ أَنْ يُقْطَعَ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي
يُوسُفَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنْ عَادَ فَقُطِعَ مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ وَلَا نِ الثَّانِيَّةُ مُتَكَامِلَةٌ كَمَا لَا وُلَى
بَلْ أَقْبَحُ لَتَقْدُمُ الزَّاجِرُ وَصَارَ كَمَا إِذَا بَاعَهُ الْمَالِكُ مِنَ السَّارِقِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ مِنْهُ ثُمَّ كَانَتْ السَّرَقَةُ وَلَنَا أَنَّ الْقُطْعَ
أَوْ جَبَ سُقُوطُ عِصْمَةِ الْمَحَلِّ عَلَى مَا يُعْرَفُ مِنْ بَعْدِ أَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَبِالزَّادِ إِلَى الْمَالِكِ إِنْ عَادَتْ حَقِيقَةُ
الْعِصْمَةِ بَقِيَتْ شُبْهَةُ السُّقُوطِ نَظَرًا إِلَى إِتْحَادِ الْمِلْكِ وَالْمَحَلِّ وَقِيَامِ الْمُوجِبِ وَهُوَ الْقُطْعُ فِيهِ بِخِلَافِ
مَا ذَكَرْنَا لِأَنَّ الْمِلْكَ قَدْ اخْتَلَفَ بِاخْتِلَافِ سَبَبِهِ وَلَا تَكَرَّرَ الْجَنَائِيَّةُ مِنْهُ نَادِرٌ لِتَحْمِلِهِ مُشَقَّةُ الزَّاجِرِ فَيُعْرَى
الْإِقَامَةُ عَنِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ تَقْلِيلُ الْجَنَائِيَّةِ وَصَارَ كَمَا إِذَا قُذِفَ الْمَخْذُودُ فِي الْقَذْفِ الْمَقْدُوفِ الْأَوَّلِ

ترجمہ..... اگر کسی نے کسی کا کوئی مال، سامان چرایا اور پکڑے جانے کی بناء پر اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور وہ مال بھی مالک کو واپس کر دیا گیا پھر اسی چور
نے وہی سامان دوبارہ چرایا۔ مال بھی اپنی جگہ محفوظ مل گیا تو اب دوبارہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اگرچہ قیاس یہی ہے کہ دوبارہ کاٹا جائے یہی
ایک روایت امام ابو یوسف سے بھی ہے اور امام شافعیؒ اور مالکؒ و احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ اگر وہ
دوبارہ چوری کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹو۔ دارقطنی نے اس کی روایت کی ہے۔ حالانکہ اس روایت میں ایسی کوئی بات نہیں بتائی گئی ہے کہ اس مال
میں کوئی تغیر ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور اسلئے بھی کہ یہ پہلی چوری کی طرح مکمل ہے۔ بلکہ اس سے بدتر ہے کیونکہ اس سے پہلے اسے ایک بار اتنی بڑی سزا مل
چکی ہے اور یہ واقعہ ایسا ہوا جیسے مالک نے اس شخص کے ہاتھ اپنا وہی سامان فروخت کیا پھر مالک نے اسے اس سے خرید لیا۔ پھر پہلے خریدار نے اسی
مال کو چرایا تو اس میں کاٹنا لازم آتا ہے۔

اور ہماری دلیل یہ ہے کہ اس چور کا ہاتھ کاٹ دیئے جانے کی وجہ سے وہ مال اتنا پاکیزہ اور معصوم نہیں رہا اس بات کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ بتائی
جائے گی اور مالک کو مال واپس کر دینے کی وجہ سے اگر بظاہر وہ مال معصوم اور پاکیزہ یعنی محترم ہو گیا ہے لیکن اس کے غیر محترم رہ جانے کا شبہ اس بناء
پر باقی بھی رہ گیا ہے کہ مال بھی وہی ہے اس کا مالک بھی وہی ہے اور کاٹنے کی سزا بھی وہی ہے۔ بخلاف اس بیع کی مذکورہ صورت کے کہ اس میں
ملکیت بدل گئی ہے۔ کیونکہ سبب بدل گیا ہے (پہلی مرتبہ میں بیع کی وجہ سے اور دوسری مرتبہ میں خریداری کی وجہ سے) اور ہماری دلیل یہ بھی ہے کہ
ایسے چور سے دوبارہ چوری کرنا کم ہی پیش آتا ہے کیونکہ وہ تو ایک مرتبہ سزا پا چکا ہے۔ (اور جو بات گاہے گاہے پیش آتی ہو اس کے لئے حد جز
قائم نہیں ہوتی ہے) اس وقت دوبارہ حد لگانے سے جو فائدہ حاصل ہونا چاہئے تھا وہ حاصل نہ ہوگا کیونکہ ایسی حد لگانے کا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ جرم
میں کمی ہو اور یہ معاملہ ایسا ہو گیا ہے جیسے ایک نے دوسرے کو زنا کی تہمت لگا کر حد قذف کی سزا پائی پھر اسی کو تہمت لگائی جس کو پہلی بار تہمت لگائی
تھی۔ ف۔ حالانکہ دوبارہ اسے حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔

تشریح..... وَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا فَقُطِعَ فِيهَا فَرْدُهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر مال اپنی حالت سے تبدیل ہو گیا چوری کی ہاتھ کاٹا گیا دوبارہ ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں

قَالَ فَإِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلُ أَنْ يَكُونَ غَزْلًا فَسَرَقَهُ وَقُطِعَ فَرْدُهُ ثُمَّ نَسَجَ فَعَادَ فَسَرَقَهُ قُطِعَ لِأَنَّ الْعَيْنَ

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم ۲۳۱ باب ما یقطع فیہ و مالا یقطع
 قَدْ تَبَدَّلْتُ وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الْغَايِبُ بِهِ وَهَذَا هُوَ عَلَامَةُ التَّبَدُّلِ فِي كُلِّ مَحَلٍّ وَإِذَا تَبَدَّلَ انْتَفَتِ الشُّبُهَةُ النَّاشِئَةُ
 مِنْ اتِّحَادِ الْمَحَلِّ وَالْقَطْعُ فِيهِ فَوَجِبَ الْقَطْعُ ثَانِيًا

ترجمہ..... قدوری نے کہا۔ اب اگر وہ مال جسے ایک مرتبہ چرایا گیا تھا پہلی حالت میں نہیں رہا بلکہ بدل گیا۔ مثلاً کسی نے سوت چرایا اور اس کی وجہ
 سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ پھر وہ سوت بھی مالک کو واپس کر دیا اور مالک نے اس سوت سے کپڑا بنوا لیا جسے اسی پہلے چور نے دوبارہ چرایا تو اب اس کا
 ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ پہلا مال یعنی سوت اپنی حالت پر نہیں رہا بلکہ کپڑے سے بدل گیا ہے۔ اسی بناء پر اگر کوئی شخص کسی سے سوت چھین کر اس کا
 کپڑا بنوالے۔ تو وہ صرف اس سوت کی قیمت کا ضامن ہوگا کپڑے کا ضامن نہ ہوگا۔ اسی طرح ہر جگہ تبدیلی کی یہی علامت ہے اس نے جگہ کے
 ایک ہونے اور سزا ہاتھ کاٹے جانے کے بعد بھی ایک ہی ہونے کی وجہ سے جو شبہ پیدا ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا اسی لئے قطع کی سزا دوبارہ واجب ہو گئی۔
 تشریح..... قَالَ فَإِنْ تَغَيَّرَتْ عَنْ حَالِهَا مِثْلُ أَنْ يَكُونَ غَزْلًا فَسَرْقَةُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

فصل فی الحرز والاخذ منه

ترجمہ..... فصل، حرز یعنی محفوظ جگہ اور اس میں سے لینے کا بیان۔

والدین، اولاد، قریبی رشتہ دار کا مال چوری کرنے سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

وَمَنْ سَرَقَ مِنْ أَبِيهِ أَوْ وَلَدِهِ أَوْ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَمْ يَقْطَعْ فَلَاوُلُّ وَهُوَ الْوَلَدُ لِلْبُسُوطَةِ فِي الْمَالِ وَفِي
 الدُّخُولِ فِي الْحَرِّزِ وَالثَّانِي لِلْمَعْنَى الثَّانِي وَلِهَذَا أَبَاحَ الشَّرْعُ النَّظَرَ إِلَى مَوَاضِعِ الزَّيْنَةِ الظَّاهِرَةِ مِنْهَا بِخِلَافِ
 الصَّدِيقَيْنِ لِأَنَّهُ عَادَاهُ بِالسَّرْقَةِ وَفِي الثَّانِي خِلَافُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ أَحَقَّهَا بِالْقَرَابَةِ الْبَعِيدَةِ وَقَدْ بَيَّنَّا فِي الْعِتَاقِ

ترجمہ..... اگر کسی نے اپنے والدین یا اپنی اولاد یا کسی ذی رحم محرم کے مال سے کوئی چیز چرائی تو اس کا قطع نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ والدین یا اولاد جن
 میں بیدارشی رشتہ داری ہے تو ان میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک کو دوسرے کے مال سے لینے کی شرعاً اجازت بھی ہوتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ
 لوگ آپس میں ایک دوسرے کی محفوظ جگہوں میں آتے جاتے بھی ہیں اور ذی رحم محرم میں بھی یہ دوسری بات پائی جاتی ہے یعنی ایک دوسرے کی محفوظ
 جگہوں میں آمد و رفت رکھتے ہیں اسی بناء پر شریعت نے ان کی محرم عورتوں کی زینت کے ظاہری اعضاء کو دیکھنے کی اجازت بھی دی ہے ان سے پردہ
 نہیں رکھا ہے بخلاف دوستوں کے (کہ اگرچہ یہ دوست ایک دوسرے کے کمرہ میں آتے ہیں لیکن اگر یہ چوری کر لیں تو ان کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے)
 کیونکہ چوری کر لینے سے دوستی کی بجائے دشمنی بڑھا دیتے ہیں۔ پھر ذی رحم محرم قرابت داروں کے معاملہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف
 ہے۔ کیونکہ شافعی نے قرابت محرمہ کو دور کے رشتہ داروں سے ملایا ہے۔ اس بحث کو ہم کتاب العتاق میں بیان کر چکے ہیں۔

تشریح..... وَمَنْ سَرَقَ مِنْ أَبِيهِ أَوْ وَلَدِهِ أَوْ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ لَمْ يَقْطَعْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ذی رحم کے کمرہ سے کسی کا مال چوری کرنے پر قطع ید نہیں ہے

وَلَوْ سَرَقَ مِنْ بَيْتِ ذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مَتَاعَ غَيْرِهِ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَقْطَعْ وَلَوْ سَرَقَ مَالَهُ مِنْ بَيْتِ غَيْرِهِ يَقْطَعْ إِبْتِغَارًا
 لِلْحَرِّزِ وَعَدَمِهِ

کتاب ما یقطع فیہ و مالا یقطع ۲۳۲ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم

ترجمہ..... اگر کسی نے اپنے ذی رحم کے کرہ سے کسی اجنبی کا سامان چرایا تو بھی اس کا ہاتھ نہیں کاٹنا چاہئے (پوری حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے) اور اگر اپنے ذی رحم محرم کا مال کسی غیر کے کرہ سے چرایا تو اس کا ہاتھ کاٹنا چاہئے۔ حفاظت کے ہونے اور نہ ہونے کے اعتبار سے۔ (یعنی ذی رحم محرم کے کرہ میں اس شخص سے حفاظت اور بچاؤ نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ اس کے لئے وہاں جانے سے کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ہے لیکن غیر کے کرہ میں جانے سے رکاوٹ باقی ہے۔)

تشریح..... وَلَوْ سَرَقَ مِنْ بَيْتِ ذِي رَحْمٍ مَحْرُومٍ مَتَاعٌ غَيْرِهِ يَنْبَغِي..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

رضاعی ماں کی چوری کرنے کا حکم

وَإِنْ سَرَقَ مِنْ أُمِّهِ مِنَ الرِّضَاعَةِ قُطِعَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّهُ يَدْخُلُ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ وَحَشْمَةٍ بِخِلَافِ الْأَخْتِ مِنَ الرِّضَاعَةِ لِإِنْعِدَامِ هَذَا الْمَعْنَى فِيهَا عَادَةً وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّهُ لَا قَرَابَةَ وَالْمَحْرَمِيَّةُ بِذُنُوبِهَا لَا تُحْتَرَمُ كَمَا إِذَا ثَبَتَ بِالزَّيْنَاءِ وَالتَّقْيِيلِ عَنْ شَهْوَةٍ وَأَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ الْأَخْتُ مِنَ الرِّضَاعَةِ وَهَذَا لِأَنَّ الرِّضَاعَةَ قَلَمًا يَشْتَهَرُ فَلَا بُسْوَطَةَ تَحَرُّزًا عَنْ مَوْقِفِ التَّهْمَةِ بِخِلَافِ النَّسَبِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے اپنی رضاعی ماں کی کوئی چیز چرائی تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ (یہی ظاہر الروایت ہے) لیکن امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ اس صورت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ آدمی اپنی رضاعی ماں کے پاس اور اس کے گھر میں کسی اجازت اور اطلاع اور بغیر کسی روک ٹوک کے آتا جاتا رہتا ہے بخلاف رضاعی بہن کے کیونکہ عموماً اس کے پاس اتنی آزادی کے ساتھ کوئی نہیں جاتا ہے۔ (لیکن اکثر علماء کا قول وہی ہے جو ظاہر الروایت میں ذکر کیا گیا ہے) اور ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان آپس میں اگرچہ حرمت نکاح ثابت ہے مگر حقیقت میں کوئی رشتہ داری نہیں ہے، اور جہاں کہیں بھی محرمیت کے سوا کوئی قربت نہ ہو وہاں اس کا احترام نہیں ہوتا ہے جیسے کہ کسی نے کسی عورت سے زنا کیا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لیا تو اگرچہ اس عمل کی وجہ سے عورت کی ماں اس مرد پر حرام ہو جاتی ہے لیکن مرد کے دل میں اس کا احترام نہیں ہوتا ہے اور اس سے زیادہ قریب اس کی رضاعی بہن ہے۔ (کیونکہ حرمت رضاعت کے احترام کے باوجود اس عورت کے مال کے چوری کرنے سے بالا جماع اس چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوتا ہے) اس میں بھی یہ ہے کہ رضاعت کے رشتہ عام لوگوں میں کم ہی مشہور ہوتا ہے۔ اس لئے تہمت سے بچنے کے لئے آپس میں زیادہ اختلاط اور آمد و رفت نہیں ہوتی ہے۔ بخلاف نسب کے (ف یعنی رشتہ نسب تو تمام لوگوں میں مشہور ہوتا ہے اس لئے آپس میں زیادہ میل جول ہونے سے بھی کوئی غلط بات اور تہمت نہیں ہوتی ہے۔)

تشریح..... وَإِنْ سَرَقَ مِنْ أُمِّهِ مِنَ الرِّضَاعَةِ قُطِعَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

میاں بیوی کا ایک دوسرے کی چیز، غلام کا آقا کی چیز، آقا کی بیوی کی چیز یا ملکہ کے شوہر کی چیز چوری کرنے پر قطع ید کا حکم

وَإِذَا سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْآخَرِ أَوْ الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهِ أَوْ امْرَأَةٌ مِنْ سَيِّدِهِ أَوْ مِنْ زَوْجِ سَيِّدَتِهِ لَمْ يُقْطَعْ لَوْجُودِ الْإِذْنِ بِاللَّخْوَلِ عَادَةً وَإِنْ سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنْ حِرْزِ الْآخَرِ خَاصَّةً لَا يَسْكُنَانِ فِيهِ فَكَذَلِكَ الْجَوَابُ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ لِبُسْوَطَةِ بَيْنَهُمَا فِي الْأَمْوَالِ عَادَةً وَدِلَالَةِ وَهُوَ نَظِيرُ الْخِلَافِ فِي الشَّهَادَةِ

ترجمہ..... اگر میاں بیوی میں سے ایک نے دوسرے کا مال چوری کر لیا یا غلام نے اپنے آقا کا مال یا بیوی یا اپنی مالکہ کا مال کے شوہر کا

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۲۳۳ باب ما یقطع فیہ و مالا یقطع

مال چرا لیا تو قطع نہیں ہوگا۔ کیونکہ عموماً غلام کو مالکوں اور اپنے لوگوں کے پاس آنے اور جانے کی اجازت ہوا کرتی ہے اور اگر میاں بیوی کا کوئی محفوظ خاص کمرہ ہو جس میں کوئی بھی رہتا نہ ہو۔ یعنی ان میں سے صرف ایک کے لئے مخصوص ہوا اور وہاں سے دوسرے نے مال چرا لیا تو بھی ہمارے نزدیک یہی حکم ہے کیونکہ عموماً اور عاداتاً اور دلائل کچھ تعلقات ہوا کرتے ہیں۔ لیکن امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے اور یہ اس اختلاف کی نظیر ہے جو گواہی میں ہے۔

تَشْرَحُ..... وَإِذَا سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْآخِرِ أَوِ الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهِ أَوْ مِنْ امْرَأَةٍ..... الخ وَإِذَا سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْآخِرِ أَوِ الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهِ أَوْ مِنْ امْرَأَةٍ سَيِّدِهِ أَوْ مِنْ امْرَأَةٍ سَيِّدِهِ..... الخ چوری کے بعد ہاتھ کاٹنے کا حکم اسی صورت میں ہے کہ مال مکمل طور پر محفوظ ہو اسی بناء پر آقا کے مال سے چوری کرنے پر غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ غلام کے لئے عاداتاً گھر میں آمد و رفت کی آزادی رہتی ہے۔ اور اس سے مال محفوظ نہیں رکھا جاتا ہے۔ ف۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ و انھری نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر یہ دعویٰ کیا کہ میرے غلام نے میرا مال چوری کیا ہے اس لئے آپ اس کا ہاتھ کاٹ دیں فرمایا اس نے کیا چوری کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس نے میری بیوی کا ایک آئینہ چرایا ہے جس کی قیمت ساٹھ درہم تھی۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اسے چھوڑ دو۔ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ تمہارے غلام نے تمہارا ہی مال چرایا ہے۔ اس کی روایت مالک شافعیؒ نے کی ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور کسی صحابی سے اس کے مخالف نہیں پایا جاتا ہے لہذا یہ حکم اجماعی طور پر ہوا۔

آقا نے مکاتب کا مال چرایا مال غنیمت کو کسی نے چرایا تو ہاتھ نہ کاٹیں گے

وَلَوْ سَرَقَ الْمَوْلَىٰ مِنْ مَّكَاتِبِهِ لَمْ يُقَطَّعْ لِأَنَّ لَهُ فِي إِكْسَابِهِ حَقًّا وَكَذَلِكَ السَّارِقُ مِنَ الْمَغْنَمِ لِأَنَّ لَهُ فِيهِ نَصِيبًا وَهُوَ مَأْثُورٌ عَلَىٰ ذُرِّهِ وَتَعْلِيلًا

ترجمہ..... اور اگر مولیٰ نے اپنے مکاتب کے مال میں سے چرا لیا تو بھی قطع نہیں ہوگا۔ کیونکہ مولیٰ کو اپنے مکاتب کی کمائی میں حق ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی لشکری نے غنیمت کے مال میں سے چرا لیا تو بھی قطع نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس غنیمت میں اس چرانے والے کا بھی کچھ حق ہوتا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہی منقول بھی ہے اور آپ نے بھی یہی علت بیان کی اور اس پر حد جاری نہیں کی۔

تَشْرَحُ..... (وَكَذَلِكَ السَّارِقُ مِنَ الْمَغْنَمِ اسی طرح اگر غنیمت کے مشترکہ مال میں سے کسی لشکر نے کچھ چرا لیا تو بھی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ غنیمت میں اسی چور کا بھی حصہ ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایسا ہی منقول ہے اور یہی علت بیان کرتے ہوئے آپ نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔) یہ اثر عبدالرزاق نے اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے مال غنیمت میں سے ایک مغز (یعنی میدان جنگ میں سر چھپانے کے لئے لوہے کی ٹوپی (خود) چرائی تھی تو آپ نے فرمایا کہ اس مال میں اس کا بھی تو کچھ حق ہے اس کہنے کے بعد اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ دارقطنی نے اس کی روایت کی ہے۔ اسی کے مانند ابن ماجہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

حفاظت کی اقسام

قَالَ وَالْحِرْزُ عَلَىٰ نَوْعَيْنِ حِرْزٌ لِّمَعْنَىٰ فِيهِ كَالْيُبُوتِ وَالْذُّورِ وَحِرْزٌ بِالْحَافِظِ قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ الْحِرْزُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِأَنَّ الْإِسْتِسْرَارَ لَا يَتَحَقَّقُ دُونَهُ ثُمَّ هُوَ قَدْ يَكُونُ بِالْمَكَانِ وَهُوَ الْمَكَانُ الْمَعْدِلُ لِأَخْرَازِ الْأَمْتَعَةِ كَالْذُّورِ وَالْيُبُوتِ وَالصُّنْدُوقِ وَالْحَانُوتِ وَقَدْ يَكُونُ بِالْحَافِظِ كَمَنْ جَلَسَ فِي الطَّرِيقِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ وَعِنْدَهُ مَتَاعُهُ فَهُوَ

مُحَرَّرٌ بِهِ وَقَدْ قُطِعَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ سَرَقٍ رِذَاءً صَفْوَانٍ مِنْ تَحْتِ رَأْسِهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ

ترجمہ..... اور قدروٹی نے کہا ہے۔ حرز و حفاظت اور مکان محفوظ دو طرح سے ہوتا ہے ایک وہ حفاظت ہے جو اپنے معنی کی وجہ سے محفوظ ہے جیسے کمرے اور گھر (اور صندوق، جانور، گائے اور گھوڑے باندھنے کی جگہیں) اور دوسری قسم کی حفاظت وہ ہوتی ہے جس کی حفاظت کے لئے خاص طور سے کوئی ضرر ہو تو وہ چیز حفظ و امان میں ہوگی اگرچہ وہ میدان میں رکھی ہوئی ہو۔ اوپر میں مصنفؒ نے یہ جو فرمایا ہے کہ حرز و حفاظت ضروری چیز ہے اس لئے کہ اس کے بغیر خفیہ طور سے نکالنا نہیں کیا جاسکتا ہے اور حفاظت کبھی مکان کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے اور محافظ وہی مکان سمجھا جائے گا جو سامان کی حفاظت کے لئے ہی بنایا گیا ہو۔ جیسے گھر، کمرے، صندوق اور دکان وغیرہ اور حفاظت کا تعلق کبھی محافظ کے ساتھ بھی ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص راستہ یا مسجد میں بیٹھ گیا اور اس کے پاس اس کا مال رکھا ہوا ہو تو اسی جگہ کا مال اسی آدمی کی وجہ سے حفاظت میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس نے حضرت صفوانؓ کی چادر ان کے سر کے نیچے سے چرائی تھی۔ اس وقت جبکہ یہ صفوانؓ مسجد میں سو رہے تھے۔

تشریح..... قَالَ وَالْحَرَزُ عَلَى نَوَعَيْنِ حَرَزٌ لِمَعْنَى فِيهِ كَالْيُتُوبِ وَالذُّوْرُ وَحَرَزٌ بِالْحَافِظِ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔ وقد قطع رسول اللہ صلی علیہ وسلم مال کی حفاظت کبھی صرف مخصوص جگہ میں رکھ دینے سے ہوتی ہے۔ اور کبھی محافظ آدمی کے وہاں پر موجود رہنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص راستہ یا مسجد میں بیٹھ گیا اور اپنے پاس مال رکھ لیا تو اس شخص کی وجہ سے حرز و حفاظت میں سمجھا جائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا تھا جس نے صفوانؓ کے سر ہانے سے چادر چرائی تھی جبکہ وہ مسجد میں سو رہے تھے۔ ف۔ صاحب تنقیح نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابوداؤد و نسائی و احمد و حاکم وغیرہم نے یہ حدیث روایت کی ہے پوری حدیث یہ ہے کہ صفوان بن امیہؓ سے مکہ میں کہا گیا کہ جو شخص ہجرت کر کے مدینہ نہیں گیا وہ برباد ہوا اس لئے انہوں نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور مسجد میں پہنچ کر اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں ایک چور نے آ کر ان کی چادر لے لی۔ مگر صفوانؓ نے اس کو پکڑ لیا اور اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تب رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر حضرت صفوانؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور اب میں نے یہ چادر اسے صدقہ کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ اس کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ مالکؒ نے موصول اس کی روایت کی کہ اور ابن عبد البرؒ نے کہا کہ امام مالکؒ کے تمام اصحاب اسے مرسل روایت کرتے ہیں سوائے ابوعاصم النبیل اور شبانہ بن سوار کے انہوں نے موصول کیا ہے اور نسائی کی روایت میں ہے کہ یہ چادر تیس درہم کی تھی۔

مکان میں محفوظ چیز کی حفاظت کے بارے میں حافظ کا اعتبار ہے یا نہیں

وَفِي الْمُحَرَّرِ بِالْمَكَانِ لَا يُعْتَبَرُ إِلَّا حَرَاظُ الْحَافِظِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ مُحَرَّرٌ بِدُونِهِ وَهُوَ الْبَيْتُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَابٌ أَوْ كَانَ وَهُوَ مَفْتُوحٌ حَتَّى يَقْطَعَ السَّارِقُ مِنْهُ لِأَنَّ الْبِنَاءَ لِقَصْدِ الْإِحْرَازِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ إِلَّا بِالْإِخْرَاجِ مِنْهُ لِقِيَامِ يَدِهِ قَبْلَهُ بِخِلَافِ الْمُحَرَّرِ بِالْحَافِظِ حَيْثُ يَجِبُ الْقَطْعُ فِيهِ كَمَا أَخَذَ لِرَوَالِ يَدِ الْمَالِكِ بِمُجَرَّدِ الْأَخْذِ فَيَتِمُّ السَّرَقَةُ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ الْحَافِظُ مُسْتَقِظًا أَوْ نَائِمًا وَالْمَتَاعُ تَحْتَهُ أَوْ عِنْدَهُ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ يُعَدُّ النَّائِمُ عِنْدَ مَتَاعِهِ حَافِظًا لَهُ فِي الْعَادَةِ وَعَلَى هَذَا لَا يَضْمَنُ الْمُودَعُ وَالْمُسْتَعِيرُ بِمِثْلِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتَضْيِيعٍ بِخِلَافِ مَا اخْتَارَهُ فِي الْفَتَاوَى

ترجمہ..... اور جو چیز مکان کے اندر محفوظ ہو اس جگہ کسی محافظ کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ یہی قول صحیح ہے کیونکہ گھر میں ہونے کی وجہ سے کسی محافظ کے بغیر بھی حفاظت میں رکھی ہوئی سمجھی جاتی ہے۔ اگرچہ اس گھر کا کوئی دروازہ نہ ہو۔ یا ہو مگر کھلا ہو یا پھر بھی حرز اور حفاظت میں

ہے۔ اسی بناء پر اس میں سے مال چرانے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ ایسی جگہ میں کوئی چیز حفاظت کی غرض سے ہی رکھی جاتی ہے۔ البتہ وہاں سے چرانے والے کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے گا جبکہ اس جگہ سے مال کال کر باہر لے آیا ہو۔ کیونکہ باہر لانے سے پہلے تک وہ چیز مالک کی حفاظت ہی میں سمجھی جاتی ہے اور اس کا قبضہ باقی رہتا ہے۔ بخلاف اس مال کے جو محافظ کی حفاظت میں ہو کہ اسی میں سے کچھ مال چور کے ہاتھ میں لیتے ہی اس کے ہاتھ کا کاٹنا واجب ہوتا ہے کیونکہ چور کے لیے ہی مالک کا قبضہ ختم ہو گیا۔ اس لئے پورے طور پر چوری پائی گئی۔ پھر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ محافظ جس حال میں بھی ہو خواہ وہ جاگتا ہو یا سوتا ہو اور وہ سامان اس کے نیچے ہو یا اس کے پاس رکھی ہوئی ہو۔ اس سے کچھ فرق نہیں ہوتا ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے سامان کے پاس سوتا ہے عادت کے طور پر اسے مال کا محافظ ہی مانا جاتا ہے۔ اسی بناء پر ایسی صورت میں اپنے پاس امانت رکھنے والا یا رعایت پر لینے والا ضامن نہیں ہوتا ہے۔ یعنی جس کے پاس کوئی مال امانت یا رعایت کے طور پر ہوا اگر وہ اپنے پاس رکھ کر سو گیا اور مال چور لے گیا تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ یہ ضائع کرنے میں شمار نہیں ہے۔ مگر فتاویٰ میں اس کے خلاف کہا گیا ہے۔

ف۔ چنانچہ فتاویٰ ظہیر یہ میں ہے کہ اگر امانت رکھنے والا کھڑا کھڑا سو گیا اور مال امانت اپنے سامنے رکھا ہو تو (اس کے ضائع ہونے سے اس کا) ضامن نہ ہوگا اور اگر کروٹ پر سویا ہو تو ضامن ہوگا۔ یہ حکم حضریا اقامت کی حالت میں رہنے کا ہے۔ اور اگر حالت سفر میں ایسی صورت پیش آجائے تو کسی حال میں ضامن نہ ہوگا یعنی وہ خواہ بیٹھے بیٹھے سویا ہو یا کروٹ پر سویا ہو یا کسی اور حال میں ہو۔

تشریح وَفِي الْمُخْرَزِ بِالْمَكَانِ لَا يُعْتَبَرُ إِلَّا خَوَازِ بِالْحَافِظِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ مُخْرَزٌ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مال محرز یا غیر محرز جس کے مالک اس کی حفاظت کر رہا ہو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا

قَالَ وَمَنْ سَرَقَ شَيْئًا مِنْ حِرْزٍ أَوْ مِنْ غَيْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ يَحْفَظُهُ قُطِعَ لِأَنَّهُ سَرَقَ مَالًا مُخْرَزًا بِأَحَدِ الْحِرْزَيْنِ

ترجمہ اور قدوریؒ نے کہا ہے کہ جس شخص نے مال حرز یا غیر حرز سے چرایا حالانکہ اس کا مالک اس مال کے پاس ہی موجود ہوا اور اس کی حفاظت کر رہا ہو تو اس چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس نے ایسے مال کو چرایا ہے جو حفاظت کے دو طریقوں میں سے ایک طریقہ سے حفاظت میں ہے۔ یعنی مال والے کے پاس ہونا بھی ایک طرح کی حفاظت ہے۔ اس لحاظ سے حقیقت میں اس نے محفوظ مال ہی چرایا ہے۔ اس لئے اس کا قطع واجب ہوگا۔

تشریح قَالَ وَمَنْ سَرَقَ شَيْئًا مِنْ حِرْزٍ أَوْ مِنْ غَيْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

حمام سے چوری کا حکم

وَلَا قُطِعَ عَلَى مَنْ سَرَقَ مَالًا مِنْ حَمَامٍ أَوْ مِنْ بَيْتِ أَذْنٍ لِلنَّاسِ فِي دُخُولِهِ فِيهِ لَوْ جُودَ إِلَّا ذَنْ عَادَةٍ أَوْ حَقِيقَةٍ فِي الدُّخُولِ فَاسْتَحْتَلَّ الْحِرْزُ وَيَدْخُلُ فِي ذَلِكَ حَوَانِيْتُ الثَّجَارَةِ وَالْخَنَائِثُ إِلَّا إِذَا سَرَقَ مِنْهَا لَيْلًا لِأَنَّهُابُ بَيْتِ لَا خَرَازِ الْأَمْوَالِ وَإِنَّمَا الْإِذْنُ يَخْتَصُّ بِالنَّهَارِ

ترجمہ اور اگر کسی نے حمام (غسل خانہ) سے یا ایسے گھریا جگہ سے مال چرایا جہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت دی گئی ہے تو اس پر قطع لازم نہ ہوگا کیونکہ عموماً ہر شخص کو جانے کی اجازت ہوتی ہے اور گھر میں حقیقی اجازت ہے۔ اس لئے حرز و حفاظت مکمل نہیں ہو سکی بلکہ اسے اس میں خلل پڑ گیا اور اسی قسم میں تاجروں کی دکانیں اور سرائیں، مسافر خانے بھی داخل ہیں۔ البتہ اگر ان جگہوں سے رات کے وقت چوری کی تب ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ یہ جگہیں اور عمارتیں مالوں کی حفاظت کی غرض سے بنائی گئی ہیں۔ لیکن ان میں داخل ہونے کی اجازت صرف دن کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔

تشریح..... وَلَا قُطِعَ عَلَى مَنْ سَرَقَ مَالًا مِنْ حَمَامٍ أَوْ مِنْ بَيْتٍ أَذِنَ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مسجد سے ایسی چیز چوری کی جس کا مالک موجود ہو قطع ید ہوگا

وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ لِأَنَّهُ مُخَوَّزٌ بِالْحَافِظِ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا بُنِيَ لِإِخْرَازِ الْأَمْوَالِ فَلَمْ يَكُنِ الْمَالُ مُخَوَّزًا بِالْمَكَانِ بَخْلَافِ الْحَمَامِ وَالْبَيْتِ الَّذِي أَذِنَ لِلنَّاسِ فِي دُخُولِهِ حَيْثُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّهُ بُنِيَ لِلْإِخْرَازِ فَكَانَ الْمَكَانُ حِرْزًا أَفْلَا يُعْتَبَرُ الْإِخْرَازُ بِالْحَافِظِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے مسجد سے کسی ایسے شخص کا سامان چرایا جو اس کے پاس موجود تھا تو اس چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ یہ سامان اپنے محافظ کی حفاظت میں تھا۔ اگرچہ مسجد کی جگہ حفاظت کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہ تو اس کے لئے بنائی جاتی ہے۔ اس لئے ہر شخص کو وہاں آمد و رفت کی اجازت ہوتی ہے لہذا مسجد کے اندر اور سامان کی جگہ کی وجہ سے محفوظ سامان نہیں ہوگا۔ بخلاف حمام اور اس گھر کے جس میں لوگوں کو جانے کی اجازت ہو کر تی ہے اس لئے اگرچہ وہاں مالک موجود ہو پھر بھی چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ یہ مکان اسی لئے بنائے گئے ہیں کہ مالوں کی حفاظت ہو تو وہ مکان خود ہی حرز اور محافظ ہے اس لئے دوسرے محافظ کی حفاظت کا اعتبار نہ ہوگا۔

تشریح..... وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ لِأَنَّهُ مُخَوَّزٌ بِالْحَافِظِ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

مہمان کے چوری کرنے سے قطع ید ہے یا نہیں

وَلَا قُطِعَ عَلَى الضَّيْفِ إِذَا سَرَقَ مِنْ أَصَافِهِ لِأَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يَبْقَ حِرْزًا فِي حَقِّهِ لِكُونِهِ مَادُونًا فِي دُخُولِهِ وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ أَهْلِ الدَّارِ فَيَكُونُ فِعْلُهُ خِيَانَةً لَا سَرِقَةً

ترجمہ..... اگر کسی مہمان نے اپنے کسی میزبان کا کوئی سامان چرایا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (امام مالک وشافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے) کیونکہ وہ مکان اس مہمان کے لئے محفوظ مکان نہیں رہا۔ اس لئے کہ اسے اس گھر میں آنے جانے کی اجازت دی گئی ہے اور اب وہ مہمان بھی گھر کے افراد میں سے ایک فرد کے حکم میں ہوگا ہے۔ لہذا اس کی اس حرکت کو خیانت کرنے سے تعبیر کیا جائے گا اور چوری نہیں کہی جائے گی۔

تشریح..... وَلَا قُطِعَ عَلَى الضَّيْفِ إِذَا سَرَقَ مِنْ أَصَافِهِ لِأَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يَبْقَ حِرْزًا الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چوری کی گھر سے باہر نہیں نکالا تھا تو قطع ید نہیں ہوگا

وَمَنْ سَرَقَ سَرِقَةً فَلَمْ يُخْرِجْهَا مِنَ الدَّارِ لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّ الدَّارَ كُلَّهَا حِرْزٌ وَاحِدٌ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِخْرَاجِ مِنْهَا وَلِأَنَّ الدَّارَ وَمَا فِيهَا فِي يَدِ صَاحِبِهَا مَعْنَى فَيَتِمَّ كُنْ شُبْهَةُ عَدَمِ الْإِخْرَاجِ

ترجمہ..... اگر کسی نے گھر سے کوئی سامان چرایا مگر باہر نہیں نکالا تھا (کہ وہ پکڑا گیا) تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ پورا گھر ہی حرز حفاظت گاہ ہے۔ اس لئے اس مال کو گھر سے باہر نکال لینا ضروری ہوگا اور اس دلیل سے بھی کہ مکان اپنے اندر کے تمام سامان کے ساتھ اس وقت تک مکان والے کے قبضہ میں ہے۔ اس طرح یہ شبہ ہو گیا کہ چور نے مال نہیں لیا ہے (کیونکہ جب تک چور مکان کے اندر موجود ہے تب تک مالک کا قبضہ باقی ہے اور شبہ پائے جانے کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح وَمَنْ سَرَقَ سِرْقَةً فَلَمْ يُخْرِجْهَا مِنَ الدَّارِ لَمْ يَاقُطَعْ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

بڑے احاطہ میں کئی کمرے تھے ان میں سے ایک سے چور چوری کر کے صحن کی طرف نکال کر لے آیا تو کاٹا جائے گا

فَإِنْ كَانَتْ دَارُ فِيهَا مَقَاصِيرٌ فَأَخْرَجَهَا مِنْ مَقْصُورَةٍ إِلَى صَحْنِ الدَّارِ قُطِعَ لِأَنَّ كُلَّ مَقْصُورَةٍ بِإِعْتِبَارِ سَاكِنِهَا حِرْزٌ عَلَى حِدَةٍ وَإِنْ أَغَارَ إِنْسَانٌ مِنْ أَهْلِ الْمَقَاصِيرِ عَلَى مَقْصُورَةٍ فَسَرَقَ مِنْهَا قُطِعَ لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ پس اگر ایک بڑے احاطہ کے اندر چند مقصورے یعنی کئی کمرے اور کوٹھریاں ہوں اور چوران میں سے کسی سے مال نکال کر صحن (آگن) میں لے آیا تب کاٹنا لازم ہو جائے گا کیونکہ ہر مقصورہ اپنے رہنے والے کے اعتبار سے ایک مستقل حرز ہے اور اگر ان مقصوروں کے رہنے والوں میں سے کسی ایک مقصورہ والے نے دوسرے مقصورہ پر دانت لگا کر اس میں سے کچھ یعنی دس درہم یا ان سے زیادہ کا مال چرایا تو اس کا قطع لازم ہوگا۔ کیونکہ ہر مقصورہ اپنے رہنے والے کے لئے علیحدہ حرز ہے۔

تشریح فَإِنْ كَانَتْ دَارُ فِيهَا مَقَاصِيرٌ فَأَخْرَجَهَا مِنْ مَقْصُورَةٍ إِلَى صَحْنِ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چور نے گھر میں سوراخ کیا اور داخل ہو گیا اور مال اٹھا کر باہر کھڑے شخص کو دے دیا قطع یہ کس پر ہے

وَإِذَا نَقَبَ اللَّصُّ الْبَيْتَ فَدَخَلَ وَآخَذَ الْمَالَ وَنَآوَلَهُ آخَرَ خَارِجَ الْبَيْتِ فَلَا قُطْعَ عَلَيْهِمَا لِأَنَّ الْأَوَّلَ لَمْ يَوْجَدْ مِنْهُ الْإِخْرَاجُ لِإِعْتِبَارِ يَدِ مُعْتَبَرَةٍ عَلَى الْمَالِ قَبْلَ خُرُوجِهِ وَالثَّانِي لَمْ يَوْجَدْ مِنْهُ هَتَكَ الْحِرْزِ فَلَمْ يَتِمَّ السَّرْقَةُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ إِنْ أَخْرَجَ الدَّاخِلُ يَدَهُ وَنَآوَلَهَا الْخَارِجُ فَلَا قُطْعَ عَلَى الدَّاخِلِ وَإِنْ أَذْخَلَ الْخَارِجُ يَدَهُ فَتَنَسَّا وَلَهُمَا مِنْ يَدِ الدَّاخِلِ قُطْعٌ وَهِيَ بِنَاءٌ عَلَى مَسْأَلَةٍ تَأْتِي بَعْدَ هَذَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ أَلْقَاهُ فِي الطَّرِيقِ وَخَرَجَ فَأَخَذَهُ قُطِعَ وَقَالَ زُفَرٌ لَا يَقْطَعُ لِأَنَّ الْإِلْقَاءَ غَيْرُ مُوجِبٍ لِلْقُطْعِ كَمَا لَوْ خَرَجَ وَلَمْ يَأْخُذْهُ كَذَا الْأَخْذُ مِنَ السُّكَّةِ كَمَا لَوْ أَخَذَهُ غَيْرُهُ وَلَنَا أَنَّ الرَّمْيَ حِيلَةٌ يَعْتَادُهَا السَّرَّافُ لِيَتَعَذَّرَ الْخُرُوجُ مَعَ السَّمَاعِ أَوْ لِيَتَفَرَّغَ لِقِتَالِ صَاحِبِ الدَّارِ أَوْ لِلْفِرَارِ وَلَمْ تَعْتَرِضْ عَلَيْهِ يَدُ مُعْتَبَرَةٍ فَاعْتَبِرَ الْكُلُّ فِعْلًا وَاحِدًا إِذَا خَرَجَ وَلَمْ يَأْخُذْهُ فَهُوَ مُضَيِّعٌ لِسَارِقٍ

ترجمہ اور اگر کسی چور نے کسی مکان میں کہیں سے سوراخ کر کے اس میں داخل ہو کر اس میں سے کچھ مال لیا اور ہاتھ بڑھا کر اپنے اس ساتھی کو دیدیا جو اس گھر کے باہر کھڑا ہو تو ان دونوں میں سے کسی کا ہاتھ کاٹنا واجب نہیں ہے کیونکہ اس میں داخل ہونے والے مکان کا مال و سامان باہر نکال لینا ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس شخص کے اس گھر سے نکلنے تک پہلے مالک کا معتبر قبضہ ختم نہیں ہوا بلکہ موجود ہے اور باہر سے اس مال کو جس شخص نے لیا ہے اس پر یہ صادق نہیں ہے کہ اس نے مال محفوظ نکالا ہے۔ لہذا ان دونوں میں سے کسی ایک پر بھی چوری کی پوری تعریف نہیں پائی گئی اور امام ابو حنیفہ سے روایت ہے کہ اگر گھر میں گھس جائیو الے شخص نے اپنا ہاتھ نکال کر باہر والے شخص کو دیدیا تو اس گھسنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور اگر باہر والے نے اپنا ہاتھ اندر داخل کر کے مال ہاتھ سے لیا تو دونوں کا قطع واجب ہوگا۔

یہ مسئلہ دراصل اس مسئلہ پر مبنی ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ ابھی بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر گھر میں جانے والے نے مال لے کر باہر راستہ پر ڈال دیا اور

باب ما یقطع فیہ و مالا یقطع ۲۳۸ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم

وہاں سے نکل کر اسے اٹھالیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور امام زفرؒ نے کہا ہے کہ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ باہر پھینک دینا ہاتھ کاٹنے کا سبب نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر وہاں سے نکل کر اس کو وہیں پڑا رہنے دیا اور نہیں اٹھالیا تو بلا تفاق اس کا قطع واجب نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر راستہ اور گلی سے پڑا ہو مال کوئی چوراٹھا لے تو بھی زفرؒ کے نزدیک قطع لازم نہیں آتا ہے۔ جب کہ اگر چور کے ماسوا کوئی دوسرا شخص لے جائے تو بلا تفاق اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ گھر سے مال لے کر باہر پھینک دینا دراصل چوری کا ایک طریقہ اور حیلہ ہے جو چوروں کی عادت ہوتی ہے۔ کیونکہ سامان کے ساتھ گھر سے نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے یا ایسا اس لئے کرتا ہے کہ ہاتھ خالی ہو جانے کے بعد اگر ضرورت پڑی تو گھر کے مالک کے ساتھ مقابلہ کر سکے یا خالی ہاتھ بھاگنے کی سہولت ہو جائے اور جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ گھر میں رہنے تک اس پر مالک کا قبضہ رہتا ہے۔ دراصل اس کا قبضہ اس کے مقابل نہیں ہوتا ہے۔ لہذا چور کا مال کو لے کر پہلے باہر پھینک دینا یا ساتھ لے کر نکلنا برابر ہی سمجھا جائے گا اور اگر مال باہر پھینک کر چور سے یوں ہی پڑا ہوا چھوڑ کر چلا جائے اور نہ اٹھائے تو اسے مال بر باد کرنے والا کہا جائے گا اور وہ چور نہیں ہوگا۔

تشریح..... وَإِذَا نَقَبَ اللَّصُّ النَّيْتُ فَدَخَلَ وَآخَذَ الْمَالَ وَنَاقَلَهُ آخَرَ خَارِجَ النَّيْتِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چوری کے سامان گدھے پر لا دکر اسے ہانکا تو قطع ید ہوگا یا نہیں

قَالَ وَكَذَلِكَ إِنْ حَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ فَسَاقَهُ وَآخَرَجَهُ لِأَنَّ سَيْرَهَا مُضَافٌ إِلَيْهِ لِسَوْقِهِ

ترجمہ..... قدوریؒ نے کہا کہ اور اسی طرح اگر سامان کو ایک گدھے پر لا دکر اسے ہانکا اور باہر نکال دیا جائے تو بھی اس کا قطع واجب ہے۔ کیونکہ گدھے کی رفتار اسی چلانے والے شخص کی طرف منسوب ہے۔ کیونکہ یہی شخص اسے ہانکتا تھا۔

ایک گروہ گھر میں گھسا چوری ایک نے کی تو سب کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں

وَإِذَا دَخَلَ الْجُرُزُ جَمَاعَةً قَتَلُوا بَعْضُهُمُ الْآخَرَ قُطِعُوا جَمِيعًا قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ هَذَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنَّ يُقْطَعَ الْحَامِلُ وَحْدَهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ لِأَنَّ الْإِخْرَاجَ وَجْدَمْنَهُ فَتَمَّتِ السَّرْقَةُ بِهِ وَلَنَا أَنَّ الْإِخْرَاجَ مِنَ الْكُلِّ مَعْنَى لِسَمْعَانٍ كَمَا فِي السَّرْقَةِ الْكُبْرَى وَهَذَا لِأَنَّ الْمُعْتَادَ فِيمَا بَيْنَهُمْ أَنْ يَحْمِلَ الْبَعْضُ الْمَتَاعَ وَيَتَشَمَّرُ الْبَاقُونَ لِلدَّفْعِ فَلَوْ امْتَنَعَ الْقَطْعُ أَذَى إِلَى سِدِّبَابِ الْحَدِّ

ترجمہ..... اگر (کئی افراد) جماعت کسی محفوظ مکان میں آئے اور ان میں سے کسی ایک نے مال لیا تو بھی سب پر قطع ید واجب ہوگا۔ مصنفؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حکم احتسابی ہے لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ فقط لینے والے کا ہاتھ کاٹا جائے۔ امام زفرؒ کا یہی قول ہے۔ کیونکہ مال کو گھر سے باہر کی طرف نکالنا اسی کی طرف سے پایا گیا ہے اس لئے چوری کا کام اسی سے پورا ہوا اور دلیل احتسابی یہ ہے کہ مال گھر سے باہر نکالنا پورے گروہ کی طرف سے پایا گیا کیونکہ سارے افراد اندرونی کے معاون و مددگار تھے۔ اسی لئے یہ کہا جائے گا کہ سبوں نے مل کر مشترکہ طور پر اسے نکالا ہے۔ جیسے چوری کی بکری جو ڈکیتی کی صورت میں ہوتی ہے۔ کہ اگر جماعت میں سے ایک نے بھی ڈکیتی کی اور مال چھین لیا تو اس ڈکیتی کی سزا اس پوری جماعت پر جاری کی جاتی ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ایسے چوروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ دو ایک افراد تو گھر کا سامان اٹھاتے ہیں اور باقی افراد مالک مکان وغیرہ سے مقابلہ کرتے اور ان سے بچاؤ کا انتظام کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے اگر ان کو ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے اور اس سے روک دیا جائے تو سزا دینے کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔

تشریح..... فَلَوْ امْتَنَعَ الْقَطْعُ..... اگر جماعت بنا کر آنے والوں میں سے صرف ایک شخص چوری کرے اور باقی اس کی محافظت کریں۔ ایسی

صورت میں ان کے قطع کی سزا نہ دی جائے تو سزا دینے کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ مشائخ نے فرمایا ہے کہ اسی صورت میں سب کو سزا دینا صحیح ہوگا کہ مال نکالنے والا اس قابل ہو کہ جس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے اگر وہ نابالغ یا دیوانہ ہو تو بالاتفاق اس جماعت کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اگر مال نکالنے والا بالغ ہو مگر اس جماعت میں ایک بھی بچہ یا دیوانہ ہو تو بالاتفاق اس جماعت میں سے کسی کا بھی قطع نہیں ہوگا کیونکہ شبہ پیدا ہو گیا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سوائے بچہ یا دیوانہ کے بقیہ افراد کا قطع ہوگا۔

چور نے نقب لگائی اور کوئی چیز ہاتھ سے اٹھالی قطع ید نہیں ہوگا

وَمَنْ نَقَّبَ الْبَيْتَ وَادْخَلَ يَدَهُ فِيهِ وَاخْذَ شَيْئًا لَمْ يُقْطَعْ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الْإِمْلَاءِ أَنَّهُ يُقْطَعُ لِأَنَّهُ أَخْرَجَ الْمَالَ مِنَ الْحِرْزِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ فَلَا يُشْتَرَطُ الدُّخُولُ فِيهِ كَمَا إِذَا ادْخَلَ يَدَهُ فِي صُنْدُوقِ الصَّيْرِفِيِّ فَأَخْرَجَ الْغَطْرِيْفِي وَلَنَا أَنَّ هُنَاكَ الْحِرْزَ يُشْتَرَطُ فِيهِ الْكَمَالُ تَحَرُّزًا عَنْ شُبُهَةِ الْعَدَمِ وَالْكَمَالُ فِي الدُّخُولِ وَقَدْ امْكَنَ إغْتِبَارُهُ وَالِدُّخُولُ هُوَ الْمُعْتَادُ بِخِلَافِ الصُّنْدُوقِ لِأَنَّ الْمُمْمَكِنَ فِيهِ إِدْخَالَ الْيَدِذَّوْنَ الدُّخُولِ وَبِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ مِنْ حَمْلِ الْبَعْضِ الْمَتَاعِ لِأَنَّ ذَالِكَ هُوَ الْمُعْتَادُ

ترجمہ..... اگر کسی نے کمرہ میں نقب لگا کر باہر سے ہی ہاتھ ڈال کر مال لے لیا تو اس کا قطع نہیں ہوگا۔ لیکن امام ابو یوسفؒ سے اطباء میں روایت ہے کہ قطع کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے محفوظ جگہ سے مال نکالا ہے اور مال لینا ہی مقصود تھا۔ اس لئے اس کمرہ میں اس کے داخل ہونے کی شرط نہیں رکھی جائے گی۔ جیسے کسی صراف (سونے کے زیورات کا کاروباری) یا دوسرے کاروباری کے روپے کے بکس میں ہاتھ ڈال کر روپیہ یا اشرفی نکال لے تو وہاں چوری کا کام ثابت ہو جاتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حفاظت و حرز کے خلاف ہونے میں یہ بات شرط ہے کہ مکمل طور پر خلاف درزی ہو اور یہ بات اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ اپنے جسم کے ساتھ کمرہ اور مکان میں داخل ہو جائے اور اس کا اعتبار کرنا ممکن بھی ہے اور حرز و حفاظت میں عام طریقہ یہی ہے کہ وہ اندر داخل ہو جائے۔ بخلاف صندوق کے کہ اس میں ہاتھ ڈالنا تو ممکن ہوتا ہے لیکن اس میں خود داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہے اور برخلاف گذشتہ مسئلہ کے جب پورے گروہ سے صرف چند یا ایک ہی فرد سے اسباب نکالا ہو۔ کیونکہ وہاں یہی عادت ہے۔

تشریح..... وَمَنْ نَقَّبَ الْبَيْتَ وَادْخَلَ يَدَهُ فِيهِ وَاخْذَ شَيْئًا لَمْ يُقْطَعْ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الْإِمْلَاءِ أَنَّهُ يُقْطَعُ..... الخ صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے گھر میں نقب لگائی اور اس میں خود داخل نہیں ہوا بلکہ ہاتھ ڈال کر کوئی چیز چرائی احتاف کے نزدیک چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا کیونکہ محفوظ مقام میں داخل ہونے کیلئے دخول کا کمال مشروط ہے۔ جبکہ حرز میں محض ہاتھ ڈالنے سے دخول کا کمال متحقق نہیں ہوتا اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حرز میں ہاتھ ڈالنے سے چیز چرانے پر حد سرقہ واجب ہوگی کیونکہ اصل مقصود (حرز) سے مال اخذ کر کے باہر نکالنا ہوتا ہے اور زیر بحث مسئلہ میں اخذ مال اور اخراج مال پر مبنی مقصود اصلی ثابت ہو گیا لہذا تحقق سرقہ موجود ہے۔ چنانچہ چور پر قطع ید کی سزا واجب ہوگی۔ جیسا کہ کسی صراف کے صندوق میں یا کسی شخص کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اخذ و اخراج مال کا تحقق ہوتا ہے۔

احتاف کا مسئلہ یہ ہے کہ حرز میں داخل ہونے کیلئے کمال دخول شرط ہے۔ لیکن زیر بحث صورت میں کمال دخول پر مبنی شرط نہیں پائی جاتی کیونکہ کمال دخول کیلئے حرز میں فرق ہے۔ یعنی اگر حرز میں چور کا داخل ہونا ممکن ہو تو انقطاع حرز میں چور کے دخول و اخذ مال اور خروج مال کا اعتبار ہوگا۔ اگر حرز ایسا ہے کہ اس میں چور کا کمال دخول ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ہاتھ ڈال کر اخذ مال معتبر ہوگا۔ پہلی صورت کا حرز گھریا حرج بنفسہ، حرز بغیرہ، حرز بالمناظر وغیرہ ہے۔ اور دوسری صورت کا حرز صندوق، جیب، بوندہ و پرس وغیرہ ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر چور نے گھریا ایسے مقام میں داخل ہو کر اخذ مال اور اخراج مال کا عمل کیا تو اس صورت میں چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

کیونکہ یہ حرز ایسا ہے جس میں چور کا داخل ہونا ممکن ہے۔ اگر چور گھر وغیرہ کی نقب لگا کر اندر داخل ہوا اور مال نکال کر باہر نکل آیا تو چور پر حد سرقہ واجب ہوگی۔ اگر ”حرز“ صندوق، جیب، آستین، ہسیانی، بیوہ، پرس وغیرہ ہو تو اس میں چور کا مکمل طور پر اندر داخل ہونا ممکن نہیں بلکہ صرف ہاتھ ڈالنے سے مال لینا اور باہر نکالنے کا عمل متحقق ہوتا ہے۔ لہذا صندوق وجیب وغیرہ میں صرف ”ہاتھ ڈالنا“ ہی کمال دخول متصور ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود اخذ مال اور اخراج مال نہیں بلکہ مقصود اصلی حرز میں کمال دخول کا ممکن ہونا ہے۔ اس کا اعتبار حرز کی ممکنہ حالت و کیفیت پر مبنی ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ کا گھر اور صندوق وغیرہ کو بلا تفریق حرز قرار دینے کا موقف محل نظر ہے۔ کیونکہ گھر میں نقب لگا کر ہاتھ ڈالنا ممکن ہے گو کہ کمال دخول نہیں لیکن صندوق میں کمال دخول ناممکن اور خلاف مشاہدہ ہے۔ گھر میں نقب لگا کر ہاتھ ڈالنے سے چیز چرانے کی عمل سے ضروری نہیں کہ مطلوبہ قیمتی چیز عین نقب کی جگہ پر موجود ہو۔ بخلاف جیب و صندوق وغیرہ کے۔ اس لئے احتاف کا موقف قابل ترجیح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زیر بحث مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کی روایت کو ”الماء“ سے نقل کیا گیا ہے۔ الماء سے یا تو امالی امام ابو یوسفؒ مراد ہے یا پھر الماء سے امام ابو یوسفؒ کے بیان کردہ افادات علمیہ مراد ہیں جنہیں ان کے شاگردوں نے تحریر کیا ہے۔ متقدمین کے دور میں فقہاء و محدثین و اہل لغت ”الماء“ کی طرز پر درس دیتے تھے۔ چنانچہ علمائے متقدمین کے مالے ہرفن میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم

یتشمر، شمر الشئ تشمیراً، چیز کو سمیٹنا۔ الغطر لینی۔ غین کے کسرہ کے ساتھ ایک ایسا درہم جو غطریف بن عطاء الکندی امیر خراسان کی طرف منسوب تھا اور وہ درہم اپنے زمانہ میں بخاری کے اہم اور قیمتی سکوں میں سے تھا۔

اچکے نے پیسوں کی تھیلی جو آستین سے باہر ہو یا اندر کاٹ لی قطعید ہوگا یا نہیں

وَ اِنْ طَرَضْرَةً خَارِجَةً مِنَ الْكُمِّ لَمْ يُقْطَعْ وَ اِنْ دَخَلَ يَدُهُ فِي الْكُمِّ يُقْطَعْ لِأَنَّ فِي الْوُجْهِ الْأَوَّلِ الرِّبَاطَ مِنْ خَارِجٍ فَبِالطَّرِ يَتَحَقَّقُ الْأَخْذُ مِنَ الظَّاهِرِ فَلَا يُوجَدُ هَتَكَ الْحِرْزِ وَ فِي الثَّانِي الرِّبَاطُ مِنْ دَاخِلٍ فَبِالطَّرِ يَتَحَقَّقُ الْأَخْذُ مِنَ الْحِرْزِ وَ هُوَ الْكُمُّ وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الطَّرِ حُلُّ الرِّبَاطِ ثُمَّ الْأَخْذُ فِي الْوُجْهِ يَنْعَكِسُ الْجَوَابُ لِأَنَّهُ عَكَسُ الْعِلَّةِ وَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُقْطَعْ عَلَى كُلِّ حَالٍ لِأَنَّهُ مُحَرَّزٌ أَمَّا بِالْكَمِّ أَوْ بِصَاحِبِهِ فَلَنَا الْحِرْزُ هُوَ الْكُمُّ لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُهُ وَ إِنَّمَا قَصْدُهُ قَطْعُ الْمَسَافَةِ أَوْ الْإِسْتِرَاحَةَ فَاشْبَهَ الْجَوَالِقَ

ترجمہ..... اگر اچکے نے ایسی تھیلی کاٹ کر لے لی جو آستین سے باہر تھی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اگر آستین میں سے ہاتھ ڈال کر لی ہو تو کاٹا جائے گا۔ (اسی طرح اگر تھیلی کمر سے باہر لٹک رہی ہو تو قطع نہیں ہوگا اور اگر ہاتھ ڈال کر جیب یا کمر سے کاٹ لے تو ہاتھ کاٹا جائے گا) کیونکہ پہلی صورت میں تھیلی کا بندھن باہر سے ہے تو اس کی گرہ کو باہر سے کاٹنا پایا گیا۔ اس طرح اس نے حفاظت کی ہتک نہیں کی ہے اور دوسری صورت میں چونکہ بندھن اندر سے ہے اس لئے حفاظت کو ختم کر کے کاٹ کر لینا پایا گیا اور اگر گرہ کاٹنے کے بجائے دونوں صورتوں میں باہر سے یا اندر سے گرہ کھول کر مال لے لیا تو حکم برعکس ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی علت برعکس ہوگئی ہے۔ (یعنی اگر باہر سے گرہ کھولی تو ہاتھ کاٹا جائے گا اور اندر سے گرہ کھولی تو نہیں کاٹا جائے گا۔ ن) اور امام ابو یوسفؒ نے روایت کی ہے کہ ہر حال میں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ مال یا تو آستین کے ذریعہ حفاظت اور اس کے حرز میں ہے یا خود صاحب مال کی حفاظت میں ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حفاظت کا سامان اور حرز صرف آستین ہے۔ کیونکہ مالک نے اسی کی حفاظت پر اطمینان و اعتماد کیا ہے۔ اس درہم سے اس کا مقصود سفر طے کرنا اور آرام پانا ہے۔ یعنی اس نے خود کو مال کا محافظ نہیں بنایا ہے۔ پس یہ گون کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح..... وَ اِنْ طَرَضْرَةً خَارِجَةً مِنَ الْكُمِّ لَمْ يُقْطَعْ وَ اِنْ دَخَلَ يَدُهُ فِي الْكُمِّ يُقْطَعْ لِأَنَّ فِي الْوُجْهِ الْأَوَّلِ الخ (حاصل یہ ہے کہ کاروباری یا مسافر نے اپنی رقم کی تھیلی آستین یا کمر میں جہاں رکھی ہو اسی کی حفاظت پر اعتماد کیا اور خود دو حال سے خالی نہیں یا تو کہیں چلا جاتا ہے

تو اس کا مقصود صرف راستہ طے کرنا ہوتا ہے اور چلتا نہ ہو تو آرام کرنا مقصود ہوتا ہے، بہر حال انسان کا مقصود ہی معتبر ہوتا ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اگر جانور پر گونین لدی ہوئی ہوں پھر کسی نے اس گون کو پھاڑ کر مال نکال لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس پر مال لاوے والے نے اسی کو حرز اور حفاظت کا گاہ بنا کر رکھا ہے۔ اور اگر اس نے بھری ہوئی گون چرائی تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ گون کا کوئی محافظ نہیں ہے۔ کیونکہ جانور کو ہانکنے یا کھینچ کر لے جانے والے کا مقصود صرف راستہ طے کرنا ہے اور اس گون کی حفاظت کرنا مقصود نہیں ہے۔

(جوالق، جیم کے ضمہ یا کسرہ کے ساتھ۔ اس کی جمع۔ جوالق یا جوالیق ہے۔ اون یا بالوں کی گون۔ یعنی خرچین گدھوں یا بیلوں وغیرہ پر غلہ وغیرہ بھرنے کا تھیا جوات یا بکری وغیرہ کے بالوں یا رسی وغیرہ سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ انوار الحق قاسمی)

کسی اونٹوں کی قطار سے ایک اونٹ یا اس کا بوجھ اتار لیا قطع ید ہوگا یا نہیں

وَأَنْ سَرَقَ مِنَ الْقَطَارِ بَعِيرًا أَوْ حِمْلًا لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُحْرَزٍ مَقْصُودًا فَيَتِمَّ كُنْ شَهَةُ الْعَدَمِ وَهَذَا لِأَنَّ السَّائِقَ وَالْقَائِدَ وَالرَّاكِبَ يَقْصِدُونَ قَطْعَ الْمَسَافَةِ وَنَقْلَ الْأَمْتَةِ ذَوْنَ الْحِفْظِ حَتَّى لَوْ كَانَ مَعَ الْأَحْمَالِ مَنْ يَتَبَعُهَا لِلْحِفْظِ قَالُوا يُقْطَعْ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے ایک قطار یا لائن میں چلتے ہوئے بہت سے اونٹوں میں سے ایک اونٹ یا اس کے اوپر کا بوجھ چرائیا تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس حالت میں لے جانے والے کا مقصود اونٹوں کی حفاظت نہ تھی اس لئے احراز اور حفاظت نہ ہونے کا شبہ پیدا ہو گیا۔ کیونکہ پیچھے رہ کر جانوروں کو سامنے بڑھانے والا (سائق) یا آگے رہ کر جانور کی نیل یا رسی پکڑ کر لے جانے والا (قائد) یا اس پر وار ہو کر منزل کی طرف پلانے والا صرف راستہ طے کرنے اور سامان کا منتقل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور اس وقت ان جانوروں یا ان کے اوپر کے سامان کی حفاظت کا ارادہ نہیں رکھتا ہے مشائخ نے البتہ اگر ان جانوروں یا سامانوں کی حفاظت کے لئے محافظ بھی ان کے ساتھ ہوں تو مشائخ نے فرمایا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تشریح..... وَأَنْ سَرَقَ مِنَ الْقَطَارِ بَعِيرًا أَوْ حِمْلًا لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُحْرَزٍ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر چور نے بندھے ہوئے گٹھے کو پھاڑ کر اس سے مال لے لیا تو قطع ید ہوگا

وَأَنْ شَقَّ الْحِمْلَ وَأَخَذَ مِنْهُ قُطْعًا لِأَنَّ الْجَوَالِقَ فِي مِثْلِ هَذَا حِرْزٌ لِأَنَّهُ يَقْصِدُ بَوَاضِعَ الْأَمْتَةِ فِيهِ صِبَاغَاتُهَا كَالْكَمِّ فَوَجَدَ الْأَخْذَ مِنَ الْحِرْزِ يَقْطَعْ وَأَنْ سَرَقَ جَوَالِقًا فِيهِ مَتَاعٌ وَصَاحِبُهُ يَحْفَظُهُ أَوْ نَائِمٌ عَلَيْهِ قُطْعًا مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ الْجَوَالِقُ فِي مَوْضِعٍ هُوَ لَيْسَ بِحِرْزٍ كَالطَّرِيقِ وَنَحْوِهِ حَتَّى يَكُونَ مُحْرَزًا بِصَاحِبِهِ لِكُونِهِ مَتَرَصَّدًا لِلْحِفْظِ وَهَذَا لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْحِفْظُ الْمُعْتَادُ وَالْجُلُوسُ عِنْدَهُ وَالنُّومُ عَلَيْهِ يُعَدُّ حِفْظًا عَادَةً أَوْ كَذَا النَّوْمُ بِقُرْبٍ مِنْهُ عَلَى مَا اخْتَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَذُكِرَ فِي بَعْضِ النُّسخِ وَصَاحِبُهُ نَائِمٌ عَلَيْهِ أَوْ حَيْثُ يَكُونُ حَافِظًا لَهُ وَهَذَا يُؤَكِّدُ مَا قَدْ مَنَاهُ مِنَ الْقَوْلِ الْمُخْتَارِ

ترجمہ..... اور اگر چور نے بندھے ہوئے گٹھے یا گون کو پھاڑ کر اس میں سے مال لے لیا تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ جس صورت میں محافظ نہ ہو تو یہ گون ہی حرز و محافظ کا کام دیتی ہے۔ کیونکہ اس گون میں مال رکھنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کی حفاظت ہو۔ جیسے کہ روپے کی تھیلی کے واسطے آستین کا حتم ہے اس بناء پر حرز میں سے لینا پایا گیا چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔..... اور اگر ایسا تھیلہ چرایا جس میں سامان ہے اور مال والا

اس کی حفاظت کر رہا ہے یا اس پر نیند کرنے والا ہے تو ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تھیلا (یا بوری) راستہ میں غیر محفوظ پڑی ہے یہاں تک کہ وہ تھیلا صاحب مال کی حفاظت میں آگیا ہو کیونکہ وہ اس پر نگران ہے اس وجہ سے کہ قابل اعتبار تحفظ بطور عادت ہوتا ہے اور تھیلے پر بیٹھنا یا اس پر نیند کرنا بطور حفاظت شمار ہوتا ہے اس طرح بوری کے قریب نیند کرنا بھی بطور حفاظت ہے جس پہلے بیان ہوا اور جامع صغیر کے بعض نسخوں میں یوں ہے کہ صاحب مال اس پر سو رہا ہے یا کہیں سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور یہ ہمارے قول بخاری کی تائید کرتی ہے۔

تشریح..... وَإِنْ شَقَّ الْحَمْلُ وَآخَذَ مِنْهُ قُطْعٌ لِأَنَّ الْجَوَالِقَ فِي مِثْلِ هَذَا..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

فصل فی کیفیۃ القطع و اثباتہ

ترجمہ..... فصل قطع کی کیفیت اور اس کے ثابت کرنے کے بیان میں

چور کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا

قَالَ وَيُقَطَّعُ يَمِينُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَيُحْسَمُ فَالْقَطْعُ لِمَا تَلَوْنَاهُ مِنْ قَبْلِ وَالْيَمِينُ بِقِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَمِنْ الزَّنْدِ لِأَنَّ الْأِسْمَ يَتَنَاوَلُ الْيَدَ إِلَى الْإِبْطِ وَهَذَا الْمَفْصَلُ أَغْنَى الرَّسْخَ مُتَيَقِّنٌ بِهِ كَيْفَ وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَمَرَ بِقَطْعِ يَدِ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَالْحَسْمِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاقْطَعُوهُ وَأَحْسِمُوهُ وَلِأَنَّهُ لَوْلَمْ يُحْسَمْ يُفْضَى إِلَى التَّلَفِ وَالْحَذَرِ أَجْرًا مُتَلَفٌ

ترجمہ..... مصنفؒ نے فرمایا ہے کہ چور کا دایاں ہاتھ پہنچے کے جوڑ سے کاٹا جائے اور اسے داغ دیا جائے۔ اس میں کاٹنے کا حکم تو اس دلیل سے ہے جس کی ہم پہلے تلاوت کر چکے ہیں۔ (السارق و السارقة فاقطعوا..... الا یہ) اور دایاں ہاتھ ہونے کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تلاوت ہے۔ اور پہنچے (کلائی) پر سے کاٹنے کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ کا لفظ بغل تک شامل ہے اور یہ جوڑ یعنی پہنچایا کلائی اس میں یقیناً داخل ہے اور یہ بات بھی ہے کہ یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے کلائی کے جوڑ سے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے حکم دیا ہے۔ اور تل دینا (یعنی داغ دینا) یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ثابت ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹو اور اس کو داغ دو اور اس وجہ سے بھی کہ اگر اسے داغ نہیں جائے تو اس سے خون نکلتے رہنے سے اس کی موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ حالانکہ یہ حد صرف تنبیہ کرنے کے لئے ہوتی ہے ہلاک کرنے کے لئے نہیں ہوتی ہے۔

تشریح..... فائدہ..... قطع ید کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ فرمان خداوندی ہے السارق و السارقة قطعوا ای دیہما الا یہ سے معلوم ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے۔ پھر ہم نے یہ دیکھا کہ انگلی سے لے کر بغل تک سب ہاتھ (ید) میں داخل ہے جس میں تین جوڑیں ہوتی ہیں۔ نمبر ۱۔ پہنچا (کلائی) نمبر ۲۔ کہنی نمبر ۳۔ موٹھا۔ لیکن کلائی سے کم نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اتنی مقدار تو یقینی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین وغیرہ سے ہمیشہ اسی کلائی تک کاٹنے کا عمل جاری ہے اور یہ بھی متفقہ طور سے عمل جاری رہا ہے کہ انہوں نے پہلے مرتبہ کی چوری میں دایاں ہاتھ کاٹا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں فاقطعوا ایماں ہما مذکور ہے۔ یعنی ان کا دایاں ہاتھ کاٹو ترجمہ وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کی ہے۔ پھر ہاتھ کاٹنے کے بعد اس کو داغ دینا بھی ہمارے نزدیک واجب ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک مستحب ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے کیونکہ حاکم و دارقطنی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا تھا جس

نے شملہ (عمامہ) پگڑی) چرائی تھی۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یقین نہیں آتا ہے کہ اس نے چرایا ہوگا۔ تو چور نے عرض کیا کہ کیوں نہیں یا رسول اللہ بلکہ میں نے چرایا ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور قطع ید کر دو۔ پھر داغ دو۔ بزار نے اس کی روایت کی ہے۔ اور ابن القطان نے اس کو صحیح کہا ہے اس لئے ہمارے نزدیک آپ کا یہ حکم واجب ہے اس پر قرینہ یہ بھی ہے کہ اگر کاٹنے کے بعد (گرم لوہے سے) داغانہ جائے تو خون بہہ جانے سے اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ حالانکہ حد کرنے کا مقصد محرم کو تنبیہ کرنا ہوتا ہے۔ اسے مار ڈالنا مقصد نہیں ہوتا ہے اسی لئے اگر سخت گری یا انتہائی جاڑا ہو تو چور کو قید خانہ میں رکھتے ہیں اور جب موسم درمیانی ہو جاتا ہے تب قطع کرتے ہیں۔

متعدد بار چوری کرنے والے چور کا حکم

فَإِنْ سَرَقَ ثَانِيًا قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرَى فَإِنْ سَرَقَ ثَالِثًا لَمْ يُقْطَعْ وَخَلِدَ فِي السِّجْنِ حَتَّى يَتُوبَ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَيُعَزَّرُ أَيْضًا ذِكْرُهُ الْمَشَانِخُ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ فِي الثَّالِثِ يُقْطَعُ يَدُهُ الْيُسْرَى وَفِي الرَّابِعَةِ يُقْطَعُ رِجْلُهُ الْيُمْنَى لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوهُ فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوهُ فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوهُ وَيُرْوَى مُفَسَّرًا كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ وَلَا يَلِيقُ الثَّالِثَةُ مِثْلُ الْأُولَى فِي كَوْنِهَا جَنَائِيَّةً بَلْ فَوْقَهَا فَتَكُونُ أَدْعَى إِلَى شَرْعِ الْحَدِّ وَلَنَا قَوْلٌ عَلَيْهِ فِيهِ إِنِّي لَا اسْتَحْيِي مِنَ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ لَا أَدْعَ لَهُ يَدًا يَأْكُلُ بِهِ وَيَسْتَنْجِي بِهَا وَرَجُلًا يَمْسُحُ عَلَيْهِ وَهَذَا حَاجٌّ بَقِيَّةُ الصَّحَابَةِ فَحَجَّجَهُمْ فَأَنْعَقَدَ أَجْمَاعًا وَلِأَنَّهُ أَهْلًا كَ مَعْنَى لِمَا فِيهِ مِنْ تَقْوِيَةِ جَنْسِ الْمَنْفَعَةِ وَالْحَذَرُ أَجْرٌ وَلِأَنَّهُ نَادِرُ الْوُجُودِ وَالزَّجْرُ فِيمَا يَغْلِبُ بِخِلَافِ الْقِصَاصِ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَبْدِ فَيَسْتَوْفَى مَا مَكَّنَ جَبْرًا لِحَقِّهِ وَالْحَدِيثُ طَعَنَ فِيهِ الطَّحَاوِيُّ أَوْ نَحْمِلُهُ عَلَى السِّيَاسَةِ

ترجمہ..... اگر چور نے دوسری مرتبہ بھی چوری کی تو اس کا بائیں پاؤں کاٹا جائے گا پھر اگر تیسری بار بھی چوری کی تو اب ہاتھ پائوں کچھ نہیں کاٹا جائے گا البتہ اسے قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ آئندہ کے لئے چوری سے توبہ کرے۔ یہ حکم احتسابی ہے اور مشائخ نے فرمایا ہے کہ اسے مناسب سزا (تعزیر) بھی دی جائے گی اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر اس کا بائیں ہاتھ کاٹا جائے گا اور چوتھی مرتبہ میں اس کا دایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چوری کرے تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دو پھر اگر دوبارہ کرے تو دوبارہ بھی قطع کرو اور اگر تیسری بار بھی کرے تو تیسری بار بھی قطع کرو (رواہ ابو داؤد) اور یہ حدیث اسی طرح تفسیر کے ساتھ روایت کی گئی ہے۔ جو کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ دارقطنی اور طبرانی نے اس کی روایت کی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ تیسری بار کا جرم بھی پہلی مرتبہ کے جرم ہی کی طرح ہے بلکہ بار بار سزا بھگتنے کے بعد بھی جرم کرنا پہلے کے مقابلہ میں جرم زیادہ ہی ہے۔ اس لئے بعد از اولیٰ اس کی سزا ہونی چاہئے اور ہماری دلیل حضرت علیؓ کا یہ قول ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ میں اس کا ایک ہاتھ بھی نہ چھوڑوں کہ جس سے وہ کھا سکے اور استنجا کر سکے اور ایک پاؤں بھی نہ چھوڑوں کہ جس سے وہ چل سکے۔

ابن ابی شیبہ اور محمدؒ نے اس کی روایت کی ہے اور جب دوسرے صحابہ کرام نے اس مسئلہ میں ان سے گفتگو کی تو آپ نے اسی دلیل سے ان کو مطمئن کر دیا۔ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہو گیا اور اس دلیل سے کہ چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنا مار ڈالنے کے حکم میں ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں اس سے کسی قسم کے آرام و نفع حاصل کرنے کی صلاحیت کو ختم کرنا لازم آتا ہے۔ حالانکہ حد تو صرف تنبیہ کے لئے ہوتی ہے اسے مار ڈالنا ہی مقصود نہیں ہوتا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ایسی حرکت یعنی تیسری بار اور چوتھی بار بھی کوئی چوری کرتا رہے بالکل نادار اور قلیل الوقوع ہوتا ہے۔ حالانکہ تنبیہ کی سزا ایسے ہی جرم میں دی جاتی ہے جو اکثر ہوتا ہوتا کہ ایک شخص کی تنبیہ کو دیکھ کر دوسرے سب گھبرا کر ایسا کام نہ کریں

برخلاف قصاص کے کہ وہ تو ایک بندے کا حق ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے حق کو دلوانے کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکے اس کا بدلہ یا قصاص لیا جائے گا۔ یعنی اگر کسی کا ہاتھ ظلماً کاٹ ڈالا ہو تو اس کا ہاتھ بھی قصاص کے طور پر کاٹ دیا جائے گا۔ پھر اگر کسی دوسرے شخص کا بھی ہاتھ کاٹا تو اس کا بھی دوسرا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ پھر اگر کسی کا پاؤں کاٹا تو اس کا بھی پاؤں کاٹا جائے گا پھر اگر دوسرے کا پاؤں کاٹا تو اس کا بھی دوسرا پاؤں کاٹا جائے گا کیونکہ جہاں تک ممکن ہو سکے مظلوم شخص کا اس سے قصاص لیا جائے اور جس حدیث سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے اس کی اسناد میں امام طحاویؒ نے طعن کیا ہے۔ بالفرض اگر وہ حدیث ثابت بھی ہو جائے جب بھی ہم اس کو سیاست اور مصلحت پر محمول کریں گے۔

تشریح..... اور حملہ علی السیاسة۔ احناف صرف پہلی اور دوسری چوری پر دبا ہوا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنے کا حکم دیتے ہیں اس کے بعد بھی اگر وہ چوری کرے تو صدق دل کے ساتھ توبہ نہ کر لینے تک جیل خانہ میں ڈالنے کا حکم دیتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعد کے صحابہ کرام کے کہنے اور کرنے کو دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ جبکہ امام شافعیؒ چار مرتبہ بھی چوری کرنے پر ہر بار ایک ہاتھ یا ایک پاؤں کاٹنے کا حکم دیتے ہیں اس طرح چار بار چوری کرتے رہنے سے اس کے چاروں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دینے کا حکم دیتے ہیں۔ دلیل میں ایک حدیث فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کرتے ہیں۔

مگر احناف کی طرف سے اس پر جرح کیا گیا ہے یا یہ کہ اگر وہ حدیث صحیح بھی ہو تو اسے سیاست یا وقتی ضرورت پر احناف محمول کرتے ہیں۔ (اور محمول کرنے کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع اس کے خلاف ہے اور یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت علی اور باقی صحابہ کسی حدیث کے خلاف پر اجماع کر لیں۔ حالانکہ پانچویں مرتبہ کی چوری پر قتل کرنے کی روایت بالاتفاق سیاست ہی پر محمول ہے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دوسری مرتبہ میں ہمارے نزدیک اور اکثر علماء کے نزدیک پاؤں کوٹھنہ پر سے کاٹنے کا حکم ہے اور تیسری اور چوتھی مرتبہ میں توبہ کا اظہار یا اس پر اس وقت کے نیک اور صالح مسلمان ہونے کی علامتیں باقی پائی جانے لگی ہوں اور امام شافعیؒ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے قتل کر دو۔ اس پر لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس نے تو صرف چوری کی ہے توبہ فرمایا کہ کاٹ ڈالو چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر دوبارہ اسے لایا گیا تو فرمایا کہ اسے قتل کر دو۔ صحابہ کرام نے پھر عرض کیا کہ اس نے صرف چوری کی ہے۔ فرمایا کہ قطع کر دو۔ اسی طرح تیسری اور چوتھی بار میں بھی ہوا۔ پھر اسے پانچویں مرتبہ بھی چوری کے الزام میں لایا گیا تو فرمایا کہ اسے قتل کر دو چنانچہ ہم نے اسے قتل کر دیا۔ رواہ ابو داؤد اس کے اسناد میں ایک راوی معصب بن ثابت ہیں جو ضعیف ہیں اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اور عبد اللہ بن احمد وابن معین والبو حاتم وابن سعد ودارقطنی قسماً فی وجہی القطن وابن حبان سب نے انہیں ضعیف کہا ہے۔ اور ابن عبد البرؒ نے کہا ہے کہ قتل کرنے کی حدیث منکر ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے اور خطابی نے کہا ہے کہ میں نے ایک بھی ایسے فقیہ کو نہیں جانتا ہوں جس نے چور کا خون حلال کیا ہو اگرچہ وہ بار بار چوری کرے اور نسائی نے فرمایا ہے کہ میں اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں جانتا ہوں اور امام مالکؒ نے قاسم بن محمد سے روایت کی ہے یمن کے عامل نے چوری میں ایک شخص کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا پھر وہ چور یمن سے مدینہ میں آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرا اور شکایت کی کہ آپ کے عامل یمن نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ یہ شخص رات کے وقت نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (اس کی تحسین کے خیال سے) فرمایا کہ تمہاری رات تو چوروں کی سی رات نہیں ہے۔ (بظاہر چور نہیں معلوم ہوتے ہو۔) ایک دن حضرت اسماء بنت عمیس کا ایک زیور گم ہو گیا تو لوگ اس زیور کی تلاش میں نکلے اور خود وہ (نگرا) شخص بھی ان لوگوں کے ساتھ ڈھونڈھتا جاتا تھا۔ اور یہ کہتا تھا کہ الہی جس کسی نے ان لوگوں کے یہاں چوری کی ہے اسے اپنے عذاب میں گرفتار کر۔ بالآخر وہ زیور ایک سار کے پاس پایا گیا۔ اس کے بارے میں پوچھنے پر اس سار نے کہا کہ مجھے یہ زیور ہاتھ پاؤں کٹا یہ شخص دے گیا ہے۔ جب اسے سامنے لایا گیا تو لوگوں نے اس بات کی گواہی دی یا خود اس نے اقرار کر لیا تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا بایاں پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور

فرمایا کہ واللہ اس نے جو بدو عالم اپنے اوپر کی ہے وہ اس کی چوری سے زیادہ مجھے خوفناک معلوم ہوتی ہے اس کی روایت عبدالرزاق و دارقطنی و سعید بن منصور نے کی ہے۔ لیکن امام محمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ جس شخص نے اسماء بنت عمیس کا زیور چرایا تھا اس کا صرف دایاں ہاتھ کٹا ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کا بایاں پاؤں کاٹنے کا حکم دیا۔ لیکن عبدالرزاق نے اسناد صحیح سے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔

میں مترجم کہتا ہوں کہ بہتر جواب یہ ہے کہ اجماع ہونے سے پہلے یہ واقعہ ہوا۔ کیونکہ اجماع صحابہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا ہے۔ جیسا کہ سعید بن منصور کی روایت سے ظاہر ہے اور یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں صحیح اسناد سے کوئی حدیث بھی ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع پر ہی اعتماد ہے کہ پہلی چوری میں دایاں ہاتھ کاٹا جائے اور دوسری چوری میں اس کا بایاں پاؤں کاٹا جائے۔ چنانچہ امام محمد نے کتاب الاآثار میں روایت کی ہے حدثنا ابو حنیفہ عن عمرو وابن مرة عن عبد اللہ بن سلمہ عن علی قال الخ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب کسی نے چوری کی تو میں اس کا دایاں ہاتھ کاٹوں گا۔ اگر وہ دوبارہ چوری کرے گا تو اس کا بایاں پاؤں کاٹوں گا اگر تیسری بار بھی وہ چوری کرے گا تو اسے قید خانے میں ڈال دوں گا یہاں تک کہ اس کی نیک چلتی اور بھلائی بیان کی جائے۔ یعنی اس کی توبہ اور نیک کاری بیان کی جائے۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس کو ایسا کر ڈالوں کہ اسے کوئی ہاتھ نہ ہو کہ جس سے وہ کھا سکے یا استنجاء کرے اور کوئی پاؤں نہیں کہ وہ اس پر چل سکے۔ رواہ الدارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے حاتم بن اسماعیل سے روایت کی کہ جعفر بن محمد نے اپنے والد محمد باقر سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ چور کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹنے سے زیادہ نہیں فرماتے تھے۔ اگر اس کے بعد بھی اسے لایا جاتا تو فرماتے کہ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ اس کو ایسا کر کے چھوڑ دوں کہ نماز کے لئے طہارت نہ کر سکے۔ البتہ اسے قید خانہ میں ڈال دو۔ (رواہ البیہقی)

میں مترجم کہتا ہوں کہ یہ حدیث مرسل ہے کہ حضرت محمد باقر نے یعنی محمد بن علی بن الحسین نے اپنے پردادا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نہیں پایا۔ لیکن مرسل روایت ہمارے نزدیک حجت ہے اور ابوسعید المقبری نے روایت کی کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے پاس ایک چور ہاتھ پاؤں کٹا لایا گیا۔ تو آپ نے اپنے حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ اس کے بارہ میں کیا حکم جانتے ہو۔ انہوں نے کہا یا امیر المؤمنین آپ اس کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم فرمائیں۔ تو فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں تو گویا میں نے اسے قتل کر دیا حالانکہ وہ قتل کا مستحق نہیں ہے۔ وہ کس ہاتھ سے کھانا کھائے گا اور کس چیز سے نماز کے لئے وضو کرے گا اور کس چیز سے جنابت کا غسل کرے گا اور کس چیز سے اپنی ضروریات کے لئے کھڑا ہوگا۔ پھر اسے کچھ دن کے لئے قید خانہ میں بھیج دیا۔ اس کے بعد وہاں سے نکلوا کر سخت درے مار کر چھوڑ دیا۔ سعید بن منصور نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کی اسناد ضعیف ہے۔ لیکن دوسری قوی سند کے ملنے کی وجہ سے یہ بھی قوی ہو گئی ہے۔

چور کا بایاں ہاتھ شل ہو یا کٹا ہوا ہو یا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو اس کے قطع ید کا حکم

وَإِذَا كَانَ السَّارِقُ أَشَلَّ الْيَدِ الْيُسْرَى أَوْ أَقْطَعَ أَوْ مَقْطُوعَ الرَّجُلِ الْيُمْنَى لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّهُ فِيهِ تَقَرُّبُ جَنْسِ الْمَنْفَعَةِ بَطْشًا أَوْ مَشْيًا وَكَذَا إِذَا كَانَتْ رِجْلُهُ الْيُمْنَى شَلًّا لِمَا قُلْنَا وَكَذَا إِنْ كَانَ إِنْهَامُهُ الْيُسْرَى مَقْطُوعَةً أَوْ شَلًّا أَوْ الْإِصْبَعَانِ مِنْهَا سِوَى الْإِنْهَامِ لِأَنَّ قِيَامَ الْبَطْشِ بِالْإِنْهَامِ فَإِنْ كَانَتْ إِصْبَعٌ وَاحِدَةٌ سِوَى الْإِنْهَامِ مَقْطُوعَةً أَوْ شَلًّا قُطِعَ لِأَنَّ قُوَّةَ الْوَاحِدَةِ لَا يُوجِبُ خِلَلًا ظَاهِرًا فِي الْبَطْشِ بِخِلَافِ قُوَّةِ الْإِصْبَعَيْنِ لِأَنَّهُمَا يَنْتَزِلَانِ مَنَزَلَةَ الْإِنْهَامِ فِي نَقْصَانِ الْبَطْشِ

باب ما یقطع فیہ و مالا یقطع ۲۳۶ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم

ترجمہ..... اور اگر ایسا چور ہو کہ اس کا بایاں ہاتھ شل (بے کار) ہو یا کٹا ہوا ہو۔ یا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو تو اس کو قطع کی سزا نہیں دی جائے گی۔ یعنی چوری کرنے کی صورت میں اسے دایاں ہاتھ یا بایاں پاؤں کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ ایسا کرنے سے اس کے چل کر یا پکڑ کر کچھ بھی نفع حاصل کرنے کی صلاحیت کو بالکل ختم کر دینا لازم آتا ہے۔ اسی طرح اگر اس کا دایاں پاؤں شل ہو تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ چل کر نفع حاصل کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس کے ہاتھ کا بایاں انگوٹھا کٹا ہوا ہو یا شل ہو یا انگوٹھے کے علاوہ دوا انگلیاں کٹی ہوئی یا شل ہوں تو بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ پورے طور پر کسی چیز کو پکڑنے کی قوت انگوٹھے سے ہی ہوتی ہے اور اگر انگوٹھے کے سوا ایک انگلی کٹی ہوئی ہو یا شل ہو تو اسے کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ یعنی اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ بائیں ہاتھ کی ایک انگلی نہ ہونے سے کوئی بڑی خرابی نہیں ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے جبکہ دوا انگلیاں نہ ہوں تو خرابی واضح طور سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ پکڑنے کی قوت کم ہو جانے میں دوا انگلیاں انگوٹھے کے برابر ہیں۔

تشریح..... وَإِذَا كَانَ السَّارِقُ أَشَلَّ الْيَدِ الْيُسْرَى أَوْ أَفْطَعَ أَوْ مَقْطُوعَ الرَّجْلِ الْيُمْنَى لَمْ يُقَطَّعْ..... الخ ترجمہ سے مطلب واضح ہے۔

فائدہ..... چند ضروری مسائل،

نمبر ۱..... حدودہ شخص ہے جو حد جاری کرنے کے واسطے مقرر ہو۔

نمبر ۲..... حداد کی مزدوری اور تیل کی قیمت چور کے ذمہ ہے اور جو شخص گواہوں کو اکٹھا کر کے لائے گا اس کی اجرت بیت المال سے دی جائے گی اور بعضوں نے کہا ہے کہ جس نے سرکشی کی ہے اس پر واجب ہوگی۔ یعنی مدعی اور مدعی علیہ میں سے جس شخص پر ناحق ہونا ثابت ہو جائے یہ خرچ اسی کے ذمہ ہوگا۔ اور یہی حکم صحیح ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ مدعی پر ہوگا۔ اور یہی حکم اصح ہے۔ (الہمزازیہ)

الحاصل..... جس تیل میں چور کا ہاتھ کاٹنے ہی ڈالا جائے گا اور کاٹنے والے کی اجرت ہمارے نزدیک چور کے ذمہ ہے اور اگر گواہوں سے چوری ثابت ہو جائے تو گواہوں کا خرچ قاضی خان کی روایت کے مطابق چور کے ذمہ اور بزازہ کی روایت کے مطابق مدعی کے ذمہ ہوگا۔

حاکم نے حداد کو دایاں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اس نے قصداً یا خطاء بایاں کا ثا حداد

پر کچھ لازم ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

قَالَ وَإِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِلْحَدَّادِ اقْطَعْ يَمِينَهُ هَذَا فِي سَرَقَةٍ سَرَقَهَا فَقَطَّعَ يَسَارَهُ عَمْدًا أَوْ خَطَأً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا لَأَشْيَءَ عَلَيْهِ فِي الْخَطَأِ وَيُضْمَنُ فِي الْعَمْدِ وَقَالَ زُفَرِيُّ يَضْمَنُ فِي الْخَطَأِ أَيْضًا وَهُوَ الْقِيَاسُ وَالْمُرَادُ بِالْخَطَأِ هُوَ الْخَطَأُ فِي الْاجْتِهَادِ أَمَّا الْخَطَأُ فِي مَعْرِفَةِ السَّمِينِ وَالْيَسَارِ لَا يُجْعَلُ عَفْوًا وَقِيلَ يُجْعَلُ عُذْرًا أَيْضَالَهُ أَنَّهُ قَطَّعَ يَدًا مَعْصُومَةً وَالْخَطَأُ فِي حَقِّ الْعِبَادِ غَيْرُ مَوْضُوعٍ فَيُضْمَنُهَا قُلْنَا إِنَّهُ أَخْطَأَ فِي اجْتِهَادِهِ إِذْ لَيْسَ فِي الْأَمْرِ تَعِينُ الْيَمِينِ وَالْخَطَأُ فِي الْاجْتِهَادِ مَوْضِعٌ وَلَهُمَا أَنَّهُ قَطَّعَ طَرَفًا مَعْصُومًا بِغَيْرِ حَقٍّ وَلَا تَأْوِيلَ لِأَنَّهُ تَعَمَّدَ الظُّلْمَ فَلَا يُعْفَى وَإِنْ كَانَ فِي الْمُجْتَهِدَاتِ وَكَانَ يُبْغَى أَنْ يَجِبَ الْقِصَاصُ إِلَّا أَنَّهُ امْتَنَعَ لِلشُّبْهِةِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ أَتْلَفَ وَأَخْلَفَ مِنْ جَنْبِهِ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَلَا يُعَدُّ اتِّلَافًا كَمَنْ شَهِدَ عَلَى غَيْرِهِ بَيْعَ مَالِهِ بِمِثْلِ قِيَمَتِهِ ثُمَّ رَجَعَ وَعَلَى هَذَا لَوْ قَطَّعَهُ غَيْرُ الْحَدَّادِ لَا يَضْمَنُ أَيْضًا هُوَ الصَّحِيحُ وَلَوْ أَخْرَجَ السَّارِقُ يَسَارَهُ وَقَالَ هَذَا يُمْنَى لَا يَضْمَنُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّهُ قَطَّعَهُ بِأَمْرِهِ ثُمَّ فِي الْعَمْدِ عِنْدَهُ عَلَيْهِ أَيْ السَّارِقُ ضَمَانُ الْمَالِ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ حَدًّا فِي الْخَطَأِ كَذَا لَكَ عَلَى هَذِهِ الطَّرِيقَةِ وَعَلَى طَرِيقَةِ الْاجْتِهَادِ لَا يَضْمَنُ

ترجمہ..... اگر حاکم نے حداد سے کہا کہ تم اس شخص کا جس نے چوری کی ہے۔ اس کی سزا میں اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دو۔ لیکن اس حداد نے قصداً غلطی سے اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حداد پر کوئی جرم نہ ہوگا (لیکن ادب کے طور پر اسے تعزیر کی جائے گی۔ امام احمدؒ کا یہی قول ہے) اور صاحبینؒ نے فرمایا ہے کہ اگر بھول چوک سے ایسا ہوا ہو تو اس پر کچھ نہیں ہے اور اگر ایسا قصداً کیا ہو تو وہ ضامن ہوگا (اور امام ابوحنیفہؒ کا قول صحیح یہ ہے کہ حداد ضامن نہ ہوگا۔) (انہر)

کیونکہ اس نے بہتر چھوڑ دیا ہے۔ اور اگر حداد کے سوا کسی اور نے ایسا کیا تو وہ بھی خود اس کا حق تلف کر دے گا۔ اور زفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چوک ہونے کی صورت میں بھی ضامن ہوگا اور یہی قصاص ہے یہاں پر خطا اور چوک سے مراد یہ ہے کہ وہ اجتہاد میں چوک گیا ہو یعنی اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ نص قرآنی میں ہاتھ کاٹنے سے مراد بایاں ہاتھ کاٹنا ہے اور اگر اس نے یہ جان کر بھی کہ داہنا ہاتھ کاٹنا ہے صرف پہچاننے میں غلطی کر کے بایاں کاٹ دیا تو یہ غلطی معاف نہیں ہوگی اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ غلطی بھی معاف ہوگی اور اسے معذور سمجھ لیا جائے گا اور زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسا ہاتھ کاٹ دیا جو بے گناہ اور قابل احترام تھا اور چونکہ اس نے ایک بندہ کا حق تلف کیا ہے جو معاف نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے وہ شخص اس ہاتھ کا ضامن ہوگا۔ یعنی وہ اس ہاتھ کی دیت ادا کرے گا اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اجتہاد میں خطا کی ہے کیونکہ نص قرآن میں دائیں ہاتھ کی تصریح نہیں ہے اور اجتہاد میں جو خطا واقع ہو وہ شرعاً معاف ہوا کرتی ہے یعنی کرنے والا اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ایک بے گناہ عضو کو ناحق کاٹ دیا ہے۔ یعنی عمداً کاٹا ہے۔ یہاں اجتہادی تاویل نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس نے عمداً ظلم کیا ہے۔ اس لئے معاف نہیں کیا جائے گا۔ اگرچہ اجتہادی باتوں میں معاف ہوتا ہے۔ پھر اس مسئلہ میں عمداً ہونے کی وجہ سے اگرچہ قصاص واجب ہونا چاہئے تھا۔ لیکن اس شبہ کے پیدا ہو جانے کی وجہ سے قصاص واجب نہیں ہوا کہ شاید بایاں ہاتھ کاٹنا بھی جائز ہو اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ اس نے ایک عضو (بایاں ہاتھ) پر باضرر کیا ہے۔ لیکن اس کے عوض دوسرا اور پہلے سے بہتر عضو (دایاں ہاتھ) چھوڑ دیا (کہ اب وہ قطع نہیں کیا جائے گا) اس لئے اس کا عمل برباد کرنے میں شمار نہیں ہوگا۔ جیسے کسی شخص نے دوسرے کے خلاف یہ گواہی دی کہ اس نے اپنا مال اتنی قیمت میں بیچا ہے جو اس کی عام قیمت ہے۔ پھر اپنی گواہی سے پھر گیا تو وہ ضامن نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر حداد کے سوا کسی دوسرے نے اسی طرح ہاتھ کاٹا تو وہ بھی ضامن نہ ہوگا یہی صحیح ہے۔ اگرچہ چور نے خود اپنا بایاں ہاتھ نکال کر کہا کہ یہ میرا دایاں ہاتھ ہے تو اس کے کاٹنے سے بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس حداد نے خود چور کے بتانے پر اور اس کے حکم سے کاٹا ہے۔ پھر عمداً کاٹنے کی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی چور پر چوری کے مال کی ضمانت واجب ہے۔ کیونکہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹنے سے اس کی چوری کی جو سزا مقرر تھی وہ پوری ادا نہیں ہوئی۔ اور خطا کاٹنے کی صورت میں بھی اسی طریقہ پر چوری کے مال کا ضامن ہوگا۔ یعنی چونکہ حد واقع نہیں ہوئی اس لئے اس چوری کے مال کی ضمانت واجب ہوگی لیکن طریقہ اجتہاد پر ضمانت لازم نہیں آئے گی۔ یعنی اگر حداد نے اجتہاد میں غلطی کر کے بجائے دائیں ہاتھ کے بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کی بجائے بطور حد کے واقع ہوگا۔ اس لئے مال مسروقہ کا ضامن نہ ہوگا۔

تشریح..... قَالَ وَإِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِلْحَدَّادِ اقْطَعْ يَمِينَهُ هَذَا فِي سَرَقَةٍ سَرَفَهَا..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چور کا ہاتھ مسروق منہ کے مطالبہ کے بعد کاٹا جائے گا

وَلَا يَقْطَعُ السَّارِقُ إِلَّا أَنْ يَحْضُرَ الْمَسْرُوقُ مِنْهُ فَيُطَالَبُ بِالسَّرَقَةِ لِأَنَّ الْخُصُومَةَ شَرْطٌ لظُهُورِهَا وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الشَّهَادَةِ وَالْإِقْرَارِ عِنْدَنَا خِلَافَ لِلشَّافِعِيِّ فِي الْإِقْرَارِ لِأَنَّ الْجَنَابَةَ عَلَى مَالِ الْغَيْرِ لَا تَظْهَرُ إِلَّا بِخُصُومَتِهِ وَكَذَا إِذَا غَابَ عِنْدَ الْقَطْعِ عِنْدَنَا لِأَنَّ الْإِسْتِيفَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فِي بَابِ الْحُدُودِ

ترجمہ..... پھر یہ واضح ہو کہ چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے گا کہ جس کا مال چرایا ہے وہ خود حاضر ہو کر چوری کا مطالبہ کرے کیونکہ چوری ظاہر ہونے کیلئے نالاش کرنا شرط ہے۔ خواہ خود چور نے اقرار کیا ہو یا اسکے خلاف گواہ پیش ہوئے ہوں۔ ہمارے نزدیک کسی صورت میں فرق نہیں ہوگا لیکن اقرار کی صورت میں امام شافعیؒ نے اختلاف کیا ہے) (کیونکہ غیر کے مال میں کوئی جرم کرنا اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جب کہ وہ غیر خصومت اور نالاش کرے۔ اسی طرح اگر ہاتھ کاٹے جانے کے وقت جس کا مال چرایا ہے وہ غائب ہو جائے تو بھی ہمارے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ حدود کے باب میں حد کو پورا کر دینا بھی قاضی کی ذمہ داری اور اس کے حکم قضا میں داخل ہے۔

فائدہ..... یعنی قاضی کا حکم اسی وقت پورا ہوتا ہے جب پوری حد لگادی جائے۔ اس لئے اگر ہاتھ کاٹنے وقت مدعی خود موجود نہ ہو تو قاضی کا حکم پورا نہ ہوگا۔ اس لئے چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

تشریح..... اصح یہ ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ہمارے مذہب کی طرح گواہی اور اقرار کا ایک یہی حکم ہے۔

مستودع، غاصب اور صاحب ودیعت چور کا ہاتھ کٹوا سکتے ہیں یا نہیں

وَلِلْمُسْتَوْدِعِ وَالْغَاصِبِ وَصَاحِبِ الرِّبَا أَنْ يَقْطَعُوا السَّارِقَ مِنْهُمْ وَلِزَبِّ الْوَدِيعَةِ أَنْ يَقْطَعَهُ أَيْضًا وَكَذَا الْمَغْضُوبُ مِنْهُ وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ لَا يَقْطَعُ بِخُصُومَةِ الْغَاصِبِ وَالْمُسْتَوْدِعِ وَ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْمُسْتَعِيرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ وَالْمُضَارِبُ وَالْمُسْتَبْضِعُ وَالْقَابِضُ عَلَى سُومِ الشِّرَاءِ وَالْمُرْتَهِنُ وَكُلُّ مَنْ لَهُ يَدٌ حَافِظَةٌ سِوَى الْمَالِكِ وَيَقْطَعُ بِخُصُومَةِ الْمَالِكِ فِي السَّرْقَةِ مِنْ هُلُولِ الْأَنْ الرَّهْنِ إِنَّمَا يَقْطَعُ بِخُصُومَتِهِ حَالَ قِيَامِ الرَّهْنِ بَعْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهُ فِي الْمَطْلَبَةِ بِالْعَيْنِ بِدُونِهِ وَالشَّافِعِيُّ بَنَاهُ عَلَى أَصْلِهِ إِذْ لَا خُصُومَةَ لَهُلُولِ فِي الْإِسْتِرْدَادِ عِنْدَهُ وَ زُفَرٌ يَقُولُ وَلَا يَةُ الْخُصُومَةِ فِي حَقِّ الْإِسْتِرْدَادِ ضَرُورَةُ الْحِفْظِ فَلَا تَظْهَرُ فِي حَقِّ الْقَطْعِ لِأَنَّهُ فِيهِ تَفْوِیْتُ الصِّيَانَةِ وَلَنَا أَنَّ السَّرْقَةَ مُوجِبَةٌ لِلْقَطْعِ فِي نَفْسِهَا وَقَدْ ظَهَرَتْ عِنْدَ الْقَاضِي بِحُجَّةٍ شَرْعِيَّةٍ وَهِيَ شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ عَقِيبِ خُصُومَةٍ مُعْتَبَرَةٍ مُطْلَقًا إِذَا إِبْتِغَاءَ لِحَاجَتِهِمْ إِلَى الْإِسْتِرْدَادِ فَيَسْتَوْفِي الْقَطْعَ وَالْمَقْضُودُ مِنَ الْخُصُومَةِ أَحْيَاءُ حَقِّهِ وَسَقُوطُ الْعِصْمَةِ ضَرُورَةُ الْإِسْتِيفَاءِ فَلَمْ يُعْتَبَرْ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِشَبْهَةِ مَوْهُومَةِ الْإِعْتِرَاضِ كَمَا إِذَا حَضَرَ الْمَالِكُ وَغَابَ الْمُؤْتَمَنُ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ بِخُصُومَتِهِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَإِنْ كَانَتْ شَبْهَةُ الْإِذْنِ فِي دُخُولِ الْحِرْزِ ثَابِتَةً

ترجمہ..... اور مستودع اور غاصب اور سوداے کو یہ اختیار ہے کہ جو کوئی ان کے پاس سے مال چرائے اس کا ہاتھ کٹوا دیں اور مالک ودیعت کو بھی یہ اختیار ہے کہ اس کا ہاتھ کٹوا دے اسی طرح مغضوب منہ کو بھی اختیار ہے اور امام زفر و شافعی رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ غاصب اور مستودع کی نالاش اور شکایت سے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہی اختلاف مستعیر اور مستاجر و مضارب و مستبضع اور کسی چیز کو خریدنے کے طور پر قبضہ کرنے والے میں اور مرتہن اور ہر ایسے شخص میں جو اصل مالک کے سوا ہو اور اس کا کسی چیز پر قبضہ حفاظت کی غرض سے ہو ان سب کے بارے میں اختلاف ہے اور اگر چور نے ان لوگوں سے چرایا تو اصلی مالک کی شکایت اور نالاش سے بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن راہن کی نالاش سے اسی وقت کاٹا جائے گا کہ جب قرض ادا کر لینے کے بعد مرتہن کے پاس مرہون مال باقی ہو۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی کے بغیر راہن کو مرہون کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔

امام شافعیؒ کا یہ قول ان کی اپنی اس اصل کی بناء پر ہے کہ ان کے نزدیک ان لوگوں کو ایسے مال واپس لینے کیلئے نالاش کرنے کا اختیار نہیں ہوتا

شرح الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم ۲۳۹ باب ما یقطع فیہ و ما لا یقطع ہے۔ یعنی اگر مالک حاضر نہ ہو تو جس کے پاس مال ہے اس سے مال واپس لینے میں یہ لوگ ناش نہیں کر سکتے ہیں۔

اور امام زفر کے نزدیک وہ واپس لے سکتے ہیں۔ ساتھ ہی امام زفر فرماتے ہیں کہ واپس لینے میں ناش کا اختیار حفاظت کی ضرورت سے ہے۔ لیکن یہ اختیار چور کا ہاتھ کٹوانے کے بارے میں ظاہر نہیں ہوگا کیونکہ ہاتھ کٹوانے میں اس مال کی ذاتی نوعیت اور عصمت اور اس کا احترام ہو جاتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ خود چوری ہی ہاتھ یا پاؤں کٹوانے کا سبب ہے اور قاضی کے نزدیک شرعی دلائل اور حجت سے یہ چوری ثابت ہوگئی ہے حجت یہ ہے کہ مطلقاً خصومت معتبرہ کے بعد دو گواہوں نے اس کی گواہی بھی دے دی ہے۔ اس لئے کہ اعتبار یہ ہے کہ ان لوگوں کو اس چوری کئے ہوئے مال کو واپس لینے کا اختیار ہے۔ اس طرح چوری ثابت ہو جائے گی اور ہاتھ کاٹنے کی سزا بھی پوری کر لی جائے گی۔ ان لوگوں کی طرف سے ناش کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ مالک کا حق باقی رکھا جائے اور چونکہ مال کی چوری کی وجہ سے اس کی عصمت ختم ہو چکی ہے اس لئے حد کی سزا پوری کر لی جائے گی۔ اس طرح اس کی عصمت کا ساقط ہونا معتبر نہ ہوا اور کسی ایسے شبہ کا کچھ اعتبار نہ ہوگا جس کے پیش آنے کا صرف وہم ہو مثلاً مالک آگیا مگر امانت دار غائب ہو گیا۔ پس ظاہر الروایت کے مطابق مالک کی ناش سے قطع لازم آئے گا۔ اگرچہ وہی شبہ موجود ہے کہ شاید امانت دار نے خود ہی چور کو محفوظ مکان میں آنے کی اجازت دے دی ہو۔

تشریح لِمُسْتَوْدِعٍ وَالْغَاصِبِ وَالرَّابُو اَنْ يَّقْطَعُوا السَّارِقَ مِنْهُمْ وَلِزَبْوَةِ الْوَدِيعَةِ اَنْ يَّقْطَعَهُ اَيْضًا وَكَذَا الْمَغْصُوبُ السَّخ گذشتہ مسئلہ میں بتایا گیا تھا کہ چور کے ہاتھ کاٹنے یعنی حد جاری کرنے کیلئے مسروق منہ کا دعویٰ اور موجود ہونا ضروری ہے اسلئے کہ یہ حق خصومت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اب اس مسئلہ میں بتایا جا رہا ہے کہ خصومت کا حق کن کو ہے۔ صورت یہ ہے کہ اگر کسی نے ایسے شخص کا مال چرایا جس کے پاس مال بطور امانت رکھا ہوا تھا یا غصب شدہ تھا یا ”سود“ کا مال تھا یا وہ مال کسی سے مانگ کر لایا تھا یا کرایہ پر مال کو حاصل کیا تھا یا خریدنے کیلئے مال پر قبضہ کیا ہوا تھا یا ہر وہ شخص جو مسروقہ (چوری شدہ) مال کا اصل مالک نہیں بلکہ بغرض حفاظت مال پر قابض ہے تو ان تمام صورتوں میں متعلقہ شیء پر قابض آدمی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ چور پر حد سرقہ (قطعید) نافذ کرنے کیلئے مسروقہ مال کے اصل مالک کی طرف سے چور پر سرقہ کا مقدمہ دائر کرنے کی صورت میں خصومت کریں کیونکہ مال اخذ کرنے کا فعل اس وقت تک سرقہ تصور نہیں ہوتا جب تک یہ متحقق نہ ہو جائے کہ مال مسروق چور کے غیر کی ملک ہے۔ یہ بات خصومت و مطالبہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ لہذا گواہی کے ذریعے ثبوت سرقہ کیلئے خصومت شرط ہے اور امانت دار، غاصب، سودخور، مستاجر وغیرہ کی خصومت سے ”شہادت“ سرقہ کو متحقق کر دیتی ہے۔ بایں وجہ کہ امانت دار، غاصب، سودخور، مستاجر وغیرہ سے مال چرانا چور کے حق میں غیر کی ملکیت کا وجود ثابت کرتا ہے اور اثبات سرقہ کیلئے یہی (چور کیلئے غیر کی ملکیت کا ہونا) کافی ہے۔ جب سرقہ ثابت ہو جائے تو حد سرقہ (قطعید) کی اقامت کا نفاذ بھی متحقق ہو جائے گا۔

زیر بحث مسئلہ کے ضمن میں ”اصول“ یہ ہے کہ مسروقہ شیء پر صحیح قبضہ کا استحقاق جس شخص کے پاس ہے اسے خصومت کا استحقاق بھی ہے اور شیء پر جس شخص کا قبضہ صحیح نہیں۔ وہ خصومت کا استحقاق نہیں رکھتا۔ مذکورہ صورت میں استحقاق خصومت کی دو صورتیں ہیں۔

- ۱۔ اگر چیز کو اصل مالک کے ہاں سے چرایا گیا تو مالک کو یہ حق ہے کہ وہ خصومت کرے۔ کیونکہ مسروقہ چیز پر مالک کا صحیح قبضہ متحقق ہے۔
- ۲۔ اگر مستودع (امانت دار)، مستعیر، غاصب، مستاجر وغیرہ کے ہاں چوری ہوئی تو ”مسروقہ شیء“ کا چور کے حق میں غیر کی ملکیت ہونے کے باعث ائمہ اور فقہائے احناف کے ہاں بلا اختلاف رائے ان صاحب کو چور کے خلاف خصومت کا استحقاق ہے کیونکہ مال کی واپسی کے حوالے سے دلالت کے حق کی بنا پر ان (امانت دار مستاجر، مستعیر وغیرہ) کی خصومت معتبر ہوگی۔

یہاں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ آیا مستعیر، مستاجر، مضارب وغیرہ کی خصومت سے چور پر قطعید کی سزا واجب ہوگی یا نہیں تو اس بارے میں ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمدؒ) کے نزدیک ان (مضارب، مستعیر، مستاجر، غاصب وغیرہ) کی خصومت سے چور پر حد سرقہ (قطعید)

باب ما یقطع فیہ و مالا یقطع ۲۵۰ اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ - جلد ششم

نافذ ہوگی۔ جبکہ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ ان کی خصومت سے قطع ید لا گونہ ہوگی۔ کیونکہ مسروقہ (چوری شدہ) مال پر ان لوگوں کا قبضہ صحیح نہیں ہے۔ بایں وجہ کہ امانت دار کا قبضہ اسلئے صحیح نہیں کہ یہ قبضہ بغرض حفاظت ہے۔ اس کیلئے خصومت کا حق ضرورت کے تحت ہے کہ مال دوبارہ بحفاظت کے قبضہ میں آجائے تاکہ وہ امانت اصل مالک کے حوالے کر سکے۔ جبکہ قیمت طے کر کے قابض ہونے والا خریدار، غاصب، مستعیر، مستاجر وغیرہ کا قبضہ بطور ضمانت کے ہے، بطور خصومت کے نہیں۔ ان کیلئے خصومت کی ولایت اسلئے ہے تاکہ وہ ”مال“ اصل مالک کو واپس کر سکیں۔ چونکہ ان لوگوں کو خصومت کا حق ضرورت کے تحت تھا جب چور سے خصومت کے باعث مال واپس ہو گیا تو ضرورت نہ رہی۔ جب ثبوت حق کی علت (ضرورت) ختم ہو گئی تو قطع کی سزا کے حق میں خصومت کا حق مفقود ہو گیا اور خصومت کے بغیر چور پر قطع واجب نہیں ہوتی۔ لہذا چور کی خصومت سے سزائے قطع عائد نہ ہوگی۔

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ خصومت کا استحقاق صرف اصل مالک کے پاس ہے۔ چنانچہ مال وصول کرنے کی ولایت کا حق ہو یا قطع ید کا۔ کسی کو کسی بھی صورت میں اصل مالک کے مساوی خصومت کا قطعی طور پر حق حاصل نہیں۔ ان حضرات کی اصل یہ ہے کہ امام زفرؒ مالک کے علاوہ کو ضرورتاً حق خصومت دیتے ہیں، لیکن امام شافعیؒ کسی بھی طور پر ان لوگوں کو حق خصومت نہیں دیتے۔

امام شافعیؒ کے دعویٰ اور امام زفرؒ کے دعویٰ و دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ لوگ من وجہ مالک ہیں اصل مالک تو صاحب مال ہے اور یہ لوگ حق خصومت میں مالک کے قائم مقام ہیں دوسری بات یہ کہ شہادت سے یہ بات ثابت ہوگی کہ مال چور کے غیر کا ہے پس اثبات سرقہ ہو گیا اس پر خصومت کرنا درست ہوا۔

فائدہ..... مستودع (دال کے فتح کے ساتھ) وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی چیز ودیعت یا امانت کے طور پر رکھی گئی ہو۔

غاصب..... وہ شخص ہے جس نے کسی کا مال غصب کر لیا ہو یا بغیر حق و بالیا ہو۔ جس کا مال غصب کیا گیا ہو وہ مغضوب منہ کہلاتا ہے اور محیط میں کہا گیا ہے کہ اس جگہ سود والے سے مراد شاید یہ ہے کہ کسی نے ایک درہم کے عوض بیس درہم بیچے ہوں اور خریدار نے بیس پر قبضہ بھی کر لیا ہو اس طرح درہم بیچنے والے کی ملکیت اور قبضہ میں نہ رہے اور اس کے پاس سے کسی چور نے یہ درہم چرا لئے تو یہ بیچ اگر چہ سودی ہے مگر خریدار کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اس چور کا ہاتھ کٹوا دے۔

مستعیر..... کسی کی کسی چیز کو وقتی ضرورت کی بناء پر لینے والے کو کہتے ہیں۔

مستاجر..... کسی سے کوئی چیز اجرت یا کرایہ پر لینے والا شخص۔

مضارب..... (را کے سرہ کے ساتھ) وہ شخص جس نے کسی کا مال نفع میں شرکت کی شرط پر تجارت کے کام میں لگانے کے لئے ہو۔

مستبضع..... (ضاد کو کسرہ اگر صحیح ہے مگر فتح مستعمل ہے) وہ شخص جس نے کسی کا مال احسان کے طور پر اپنے کاروبار میں لگانے کے لئے لیا ہو کہ اس سے جو کچھ نفع حاصل ہو گا وہ پورا مال کے مالک کو دے دے گا۔ راہن وہ شخص جس نے اپنا کوئی سامان دوسرے کے پاس ضمانت کے طور پر رکھ کر نقد روپے لئے ہوں اس شرط پر کہ رقم کی ادائیگی کے بعد اس مال کو واپس لے لیگا۔ مرتہن وہ شخص جس نے نقد رقم دے کر دوسرے کا مال اپنے پاس بطور ضمانت رکھا ہو۔ مرتہن وہ مال جو بطور ضمانت دوسرے کے پاس رکھا گیا ہو۔

چور نے کسی کا مال چرایا جس سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر یہ مال دوسرے شخص نے چرایا تو

پہلا چور یا اصل مالک دوسرے چور کا ہاتھ کٹوا سکتے ہیں یا نہیں؟

وَأِنْ قُطِعَ سَارِقٌ بِسَرْقَةٍ فَسُرِقَتْ مِنْهُ فَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَا لِبَيْتِ السَّرْقَةِ أَنْ يَقْطَعَ السَّارِقَ الثَّانِي لِأَنَّ الْمَالَ غَيْرُ

مَنْ قُتِمَ فِي حَقِّ السَّارِقِ حَتَّى لَا تَجِبَ عَلَيْهِ الضَّمَانُ بِالْهَلَاكِ فَلَمْ تَنْعَقِدْ مُوجِبَةً فِي نَفْسِهَا وَلِلْأَوَّلِ وَلَا يَتَّخِذُ فِي الْإِسْتِرْدَادِ فِي رِوَايَةِ لِحَاجَتِهِ إِذَا الرَّدُّ وَاجِبٌ عَلَيْهِ وَلَوْ سَرَقَ الثَّانِي قَبْلَ أَنْ يُقَطَعَ الْأَوَّلُ أَوْ بَعْدَ مَا دَرَى الْحَدِيثُ بِشَبْهَةِ يَنْقُطِعُ بِخُصُومَةِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ سَقُوطُ التَّقْوِيمِ ضَرْوَةٌ الْقَطْعِ وَلَمْ يَوْجَدْ فَصَارَ كَالْغَاصِبِ

ترجمہ..... اگر کسی چور نے کسی کا مال چرایا جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ پھر یہ مال اس سے دوسرے شخص نے چرایا تو پہلے چور یا اصل مالک کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس دوسرے چور کا ہاتھ کٹوائے۔ کیونکہ پہلے چور کے حق میں یہ مال بے قیمت اور غیر متقوم ہے۔ اسی وجہ سے اگر وہ اب ضائع ہو جائے تو اس پر اس مال کا ضمان لازم نہیں آئے گا۔ لہذا وہ مال اپنی ذات سے اس قابل نہیں رہا کہ اس کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جاسکے۔ لیکن ایک روایت میں پہلے چور کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے چور سے واپس لینے کے لئے قاضی کے پاس معاملہ پیش کرے۔ کیونکہ جب تک یہ مال موجود ہے اس وقت تک اس کے اصل مالک کے پاس واپس لوٹنا سارق پر واجب ہے اور اگر پہلے چور کا ہاتھ کاٹے جانے سے پہلے کسی شبہ کی وجہ سے حد (ہاتھ کاٹنا جانا) ساقط ہو جائے یا دوسرے چور نے اس پہلے چور سے وہی مال چرایا تو پہلے چور کے مطالبہ پر دوسرے کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اس چوری کئے ہوئے مال کی قیمت کا ختم ہونا سزائے قطع پوری کرنے کی مجبوری اور ضرورت سے تھا اور وہ قطع ابھی تک نہیں پایا گیا اس لئے پہلا چور غاصب کے حکم میں ہو گیا۔ (اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چوری کی پوری سزا اور وبال بھی ہاتھ کاٹنا مقرر کیا ہے۔ اس لئے چوری کے مال کی ضمانت ہاتھ کاٹنے جانے کے علاوہ چور پر واجب نہ ہوگی۔ اس لئے یہ مال اس کے لحاظ سے بالکل ہی بے قیمت ہے۔ مگر یہ اسی صورت میں ہوگا کہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہو۔ حالانکہ مسئلہ میں یہ فرض کیا گیا ہے کہ سزا پانے سے پہلے دوسرے چور نے چرایا ہے۔ اس لئے وہ قیمتی اور محترم مال ہے اور چونکہ چور کے قبضہ میں تھا اس لئے اس کے مطالبہ سے دوسرے چور کو قطع کی سزا دی جائے گی۔

تَشْرِكُ وَإِنْ قُطِعَ سَارِقٌ بِسَرَقَةٍ فَسَرَقَتْ مِنْهُ فَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَا لِرَبِّ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چور نے چوری کی اور قاضی کے سامنے معاملہ پیش ہونے سے پہلے مال واپس کر

دیا قطع یہ ہوگا یا نہیں، اقوال فقہاء

وَمَنْ سَرَقَ سَرَقَةً فَرَدَّهَا عَلَى الْمَالِكِ قَبْلَ الْإِزْتِفَاعِ إِلَى الْحَاكِمِ لَمْ يُقَطَعْ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُقَطَّعُ إِعْتِبَارًا بِمَا إِذَا رَدَّ بَعْدَ الْمُرَافَعَةِ وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْخُصُومَةَ شَرْطٌ لظُهُورِ السَّرَقَةِ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ إِنَّمَا جُعِلَتْ حُجَّةً ضَرْوَةً قَطْعِ الْمُنَازَعَةِ وَقَدْ انْقَطَعَتِ الْخُصُومَةُ بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْمُرَافَعَةِ لِانْتِهَاءِ الْخُصُومَةِ لِحُصُولِ مَقْصُودِهَا فَتَبْقَى تَقْدِيرًا

ترجمہ..... اور اگر کسی نے کسی دوسرے کا مال چرایا۔ پھر لیکن حاکم کے پاس معاملہ پیش کرنے سے پہلے ہی مالک کو لوٹا دیا تب اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور امام ابو یوسف سے ایک روایت ہے کہ اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا جس طرح حاکم کے پاس معاملہ پیش کرنے کے بعد لوٹا دینے سے بھی ہاتھ کاٹا جاتا ہے ظاہر الروایت کی وجہ یہ ہے کہ چوری ظاہر ہونے کے لئے مطالبہ یعنی حاکم کے پاس شکایت کرنی شرط ہے کیونکہ جھگڑا ختم ہونے کیلئے ہی گواہی حجت قرار دی گئی ہے۔ جبکہ وہ جھگڑا ختم ہو چکا ہے۔ (کیونکہ مال اصل مالک کو لوٹا یا جا چکا ہے) بخلاف اس صورت کے جبکہ معاملہ حاکم کے سامنے پیش کئے جانے کے بعد مال واپس کیا ہو۔ کہ اس طرح معاملہ پیش کرنے کا اصل مقصود حاصل ہو جانے (مال مل جانے) کے بعد وہ معاملہ

اپنی آخری حد تک پہنچ گیا ہے اور وہ باطل نہیں ہوا ہے۔ اس لئے وہ تقدیر باقی ہے۔ (ظاہر الروایہ ہی صحیح ہے۔ کیونکہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ نہیں چاہا تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے اور اب یہ چار صدقہ کے طور پر میں نے اسے دیدی ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میرے پاس مقدمہ پیش کرنے سے پہلے ہی تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ اس کے بعد اس چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ یہ حدیث صحیح ہے جو صحاح و سنن کتابوں میں مختلف سندوں سے مروی ہے لیکن اگر صدقہ یا نفع یا ہبہ پورا ہو جاتا تب حد ساقط ہو جاتی۔

تشریح وَمَنْ سَرَقَ سَرَقَةً فَرَدَّهَا عَلَى الْمَالِكِ قَبْلَ الْإِرْتِفَاعِ إِلَى الْحَاكِمِ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

قاضی نے چور کے قطع ید کا فیصلہ سنا دیا پھر مالک نے وہ مال چور کو ہبہ کر دیا قطع ید ہو گیا نہیں

وَإِذَا قَضَى عَلَى رَجُلٍ بِالْقَطْعِ فِي سَرَقَةٍ فَوَهَبَتْ لَهُ لَمْ يُقْطَعْ مَعْنَاهُ إِذَا سَلِمَتْ إِلَيْهِ وَكَذَلِكَ إِذَا بَا عَهَا الْمَالِكُ إِيَّاهُ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ يُقْطَعُ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ السَّرَقَةَ قَدْ تَمَّتْ اِنْعِقَادًا وَظُهُورًا وَبِهَذَا الْعَارِضُ لَمْ يَتَيَّنْ قِيَامُ الْمَلِكِ وَقَتِ السَّرَقَةِ فَلَا شُبْهَةَ وَلَنَا أَنَّ الْإِمْضَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فِي هَذَا الْبَابِ لَوْ قُوعِ الْإِسْتِغْنَاءِ عَنْهُ بِالْإِسْتِغْنَاءِ إِذَا الْقَضَاءُ لِلْإِظْهَارِ وَالْقَطْعُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ ظَاهِرٌ عِنْدَهُ وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يُشْتَرَطُ قِيَامُ الْخُصُومَةِ عِنْدَ الْإِسْتِغْنَاءِ وَصَارَ كَمَا إِذَا مَلَكَهَا مِنْهُ قَبْلَ الْقَضَاءِ

ترجمہ..... اگر چوری کی وجہ سے قاضی نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ سنا دیا اس کے بعد مالک نے اپنا مال اس کے چور کو ہبہ کر دیا یعنی اس کے حوالہ کر دیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور اسی طرح اگر مالک نے اپنا مال مسروق اسی چور کے ہاتھ فروخت کر دیا تو بھی قطع ید کا حکم نہیں دیا جائے گا لیکن امام زفر و شافعی (و مالک و احمد) رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے کہ قطع کیا جائے گا اور ایک روایت امام ابو یوسف سے یہ بھی منقول ہے کیونکہ چوری پوری طور پر منعقد بھی ہو چکی ہے اور ظاہر بھی ہو چکی ہے اور ہبہ اور بیع ہو جانے سے چوری کے وقت ملکیت کا قائم ہونا ظاہر نہیں ہوا اس لئے کچھ شبہ نہیں ہو گا۔ یعنی شبہ سے حد ختم نہیں ہوگی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حدود کے باب میں حد جاری کرنا بھی قاضی کے حکم اور اس کی ذمہ داری میں سے ہے۔ کیونکہ حد جاری ہو جانے کے بعد ہی قاضی کے کسی مزید فیصلہ یا کاروائی کی ضرورت نہیں رہتی اس سے بے نیازی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قاضی کا حکم فور فیصلہ تو صرف اظہار حکم کے لئے ہوتا ہے اس کے بعد ہاتھ کاٹ دیا جانا ایک حق الہی ہے اور اس قطع کا ظہور قطع کے وقت ہی ہوتا ہے۔ پس اگر قطع کر لینے کو فیصلہ قضاء میں شامل نہ کیا جائے تو اظہار قضاء کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ بے فائدہ ہوگا۔ اس بناء پر ہاتھ کاٹنے جانے کے وقت تک ساتھ خصوصیت کا قائم رہنا شرط ہے۔ تو مسئلہ ایسا ہو گیا جیسے قاضی کے حکم سے پہلے ہی مالک نے اس چوری کے مال کو چور کے قبضہ میں دے دیا ہو۔

تشریح وَإِذَا قَضَى عَلَى رَجُلٍ بِالْقَطْعِ فِي سَرَقَةٍ فَوَهَبَتْ لَهُ لَمْ يُقْطَعْ مَعْنَاهُ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

قاضی کے فیصلے کے بعد قطع ید سے پہلے نصاب سرقہ کم ہو جائے تو قطع ید ہو گیا نہیں، اقوال فقہاء

قَالَ وَكَذَلِكَ إِذَا انْقَضَتْ فِيمَتَهَا مِنَ النَّصَابِ يَعْنِي قَبْلَ الْإِسْتِغْنَاءِ بَعْدَ الْقَضَاءِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُقْطَعُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ وَالشَّافِعِيِّ اِعْتِبَارًا بِالنَّقْصَانِ فِي الْعَيْنِ وَلَنَا أَنَّ كَمَالَ النَّصَابِ لَمَّا كَانَ شَرْطًا يُشْتَرَطُ قِيَامُهُ عِنْدَ الْإِمْضَاءِ لِمَا ذَكَرْنَا بِخِلَافِ النَّقْصَانِ فِي الْعَيْنِ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ فَكُمُلِ النَّصَابُ عَيْنًا وَدَيْنًا كَمَا إِذَا اسْتَهْلَكَ كُلَّهُ أَمَّا نَقْصَانُ السِّعْرِ غَيْرُ مَضْمُونٍ فَافْتَرَقَا

ترجمہ..... اسی طرح اگر چوری کیے ہوئے مال کی قیمت قاضی کے حکم کے بعد اور چور کا ہاتھ کاٹے جانے سے پہلے کم ہو کر دس درہم ہے کم ہو گئی ہو۔ تو بھی اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ (اور اس مال کی قیمت بھی اسی جگہ کی معتبر سمجھی جائے گی۔ جہاں یہ واقعہ ہوا ہو۔) اور امام شافعی سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔ یہی قول امام زفر شافعی کا بھی ہے۔ اصل مال کے کم ہو جانے پر قیاس کرتے ہوئے مثال کے طور پر کسی نے مقدار نصاب دس درہم چرائے اور بوقت فیصلہ اگر ایک درہم ان میں سے کم ہو جائے یا ضائع ہو جائے تو بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم باقی رہتا ہے۔ اسی طرح چوری شدہ مال کی بازاری قیمت کم ہو جانے سے بھی قطع کا حکم باقی رہتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قطع کے لئے نصاب یعنی پورے درہم کا ہونا شرط ہے تو اس شرط کا ہاتھ کاٹے جانے کے وقت تک باقی رہنا ضروری ہے کیونکہ حد جاری کر دینا بھی قاضی ہی کی ذمہ داری اور حکم قضاء میں سے ہے۔ بخلاف اصل مال کے کم ہو جانے کے کیونکہ وہ تو چور کے ذمہ بطور قرض واجب ہے لہذا حقیقتاً اصل مال میں کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس مال میں سے کچھ ہاتھوں میں موجود اور باقی کم شدہ اس کے ذمہ باقی ہے لہذا پورا نصاب باقی ہے جیسے اگر چور نے اس چوری کا پورا مال ضائع کر دیا اور ہاتھوں میں کچھ بھی بچا کر نہیں رکھا تب بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور بازاری بھاؤ کی کمی میں چور اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے تو بھاؤ کی کمی اور چوری کے اصل مال کے کم ہو جانے میں فرق ظاہر ہو گیا۔

تشریح..... قَالَ وَكَذَلِكَ إِذَا انْقَضَتْ قِيمَتُهُمَا مِنَ النَّصَابِ يَنْعَى قِيلَ الْإِسْتِغْنَاءُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

سارق نے عین مسروقہ کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ اس کی مملوکہ ہے قطع ید ساقط ہو جائے گی

وَإِذَا ادَّعَى السَّارِقُ أَنَّ الْعَيْنَ الْمَسْرُوقَةَ مِلْكُهُ سَقَطَ الْقَطْعُ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَقُمْ بَيِّنَةٌ مَعْنَاهُ بَعْدَ مَا شَهِدَ الشَّاهِدَانِ بِالسَّرِقَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَسْقُطُ بِمَجْرَدِ الدَّعْوَى لِأَنَّهُ لَا يَعْجُزُ عَنْهُ سَارِقٌ فَيُؤْذَى إِلَى سِدِّبَابِ الْحَدِّ وَلِنَا إِنْ الشُّبْهَةُ دَارِنَةٌ وَيَتَحَقَّقُ بِمَجْرَدِ الدَّعْوَى لِلْإِحْتِمَالِ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِمَا قَالَ بِدَلِيلِ صَحَّةِ الرَّجُوعِ بَعْدَ الْإِفْرَارِ

ترجمہ..... اگر چور نے یہ دعویٰ کیا کہ جو مال چرایا گیا ہے (میں نے چرایا ہے) وہ میری ہی ملکیت ہے۔ تو اس سے ہاتھ کاٹنے کی سزا ساقط ہو جائے گی اگرچہ وہ اپنے دعویٰ پر گواہ پیش نہ کرے۔ اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ دو گواہوں نے اس کے خلاف یہ گواہی دی کہ اس نے وہ مال چرایا ہے اس کے بعد اس چور نے دعویٰ کیا کہ وہ مال تو میرا ہی ہے میں اس کا مالک ہوں اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اس کے فقط اس طرح کے دعویٰ کر لینے سے اس کا قطع ید ختم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہر چور ہی ایسی بات کہہ سکتا ہے اور اتنی سی بات کہہ لینے میں کوئی شخص بھی عاجز نہیں ہے یہ بات مان لینے سے چوری پر حد جاری کرنے کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ شبہ سے حد ساقط ہونا تو ایک مسلم بات ہے اور صرف دعویٰ بلا دلیل سے یہ شبہ پیدا ہو جائے گا کہ شاید یہی دعویٰ سچا ہو اور جو کچھ امام شافعی نے فرمایا ہے اس کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ اقرار کر لینے کے بعد بھی انکار کر لینا صحیح ہوتا ہے۔ (یعنی اگر چور چوری کا اقرار کر لینے کے بعد بھی پھر جائے تو بھی اس پر سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ حالانکہ کوئی چور بھی اقرار کے بعد پھر جانے سے عاجز نہیں ہوتا ہے۔) ہر شخص اقرار کے بعد انکار کر سکتا ہے (اور یہی حال دعویٰ کرنے کا بھی ہوتا ہے۔ اور واضح ہو کہ امام شافعی کا یہ قول بعض علماء نے ذکر کیا ہے۔ لیکن خود امام شافعی سے جو تصریح ہے وہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مانند ہے۔ اور مذہب احمد میں بھی یہی راجح قول ہے۔

تشریح..... وَإِذَا ادَّعَى السَّارِقُ أَنَّ الْعَيْنَ الْمَسْرُوقَةَ مِلْكُهُ سَقَطَ الْقَطْعُ عَنْهُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

دو مردوں نے چوری کی ایک نے مسروقہ چیز پر ملک کا دعویٰ کیا دونوں سے قطع ید ساقط ہو جائے گی

وَإِذَا اقْتَرَرَ جُلَانٍ بِسَرِقَةٍ ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا هُوَ مَالِي لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّ الرَّجُوعَ غَائِلٌ فِي حَقِّ الرَّاجِعِ وَمُؤَيَّدٌ

لِلشُّبْهِةِ فِي حَقِّ الْآخِرِ لِأَنَّ السَّرْقَةَ تَثْبُتُ بِإِقْرَارِ هَمَا عَلَى السَّرْكَةِ

ترجمہ..... اگر دو شخصوں نے ایک ہی چوری کا اقرار کیا۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ مال تو میرا ہے۔ تو اس طرح کہنے میں دونوں کا کوئی ہاتھ اس وقت نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اقرار سے پھر جانا اس کے حق میں کارگر اور مفید ہوگا اور اس کی وجہ سے دوسرے کے حق میں شبہ پیدا کر دے گا۔ کیونکہ چوری کرنے میں دونوں کی شرکت دونوں کے اقرار سے ہی ثابت ہوئی تھی۔

تشریح..... وَإِذَا أَقَرَّ جُلَانٍ بِسَرْقَةٍ ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا هُوَ مَالِي لَمْ يَقْطَعْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

دو چوروں نے چوری کی اور ایک غائب ہو گیا اور گواہوں نے دونوں پر چوری

کی گواہی دی تو موجود پر قطع یہ ہو گا یا نہیں

فَإِنْ سَرَقَاتِمَا غَابَ أَحَدُهُمَا وَشَهِدَ الشَّاهِدُ أَنَّ عَلَى سَرَقَتِهِمَا قُطِعَ الْآخِرُ فَيُقُولُ أَبِي حَنِيفَةَ الْآخِرُ وَهُوَ قَوْلُهُمَا وَكَانَ يَقُولُ أَوَّلًا لَا يَقْطَعُ لِأَنَّهُ لَوْ حَضَرَ بَمَا يَدْعِي الشُّبْهَةَ وَجْهٌ قَوْلُهُ الْآخِرُ أَنَّ الْغَيْبَةَ تَمْنَعُ ثُبُوتَ السَّرْقَةِ عَلَى الْغَائِبِ فَيَقْبِي مَعْدُومًا وَالْمَعْدُومُ لَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ وَلَا يُعْتَبَرُ تَوَهُّمُ حَدُوثِ الشُّبْهَةِ عَلَى مَامَرٍّ

ترجمہ..... اگر دو شخصوں نے مل کر چوری کی اور ان میں سے ایک غائب ہو گیا، اور دو گواہوں نے دونوں کی چوری پر گواہی دی تو امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق دوسرا چور جو موجود ہے اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور صاحبین کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ پہلے یہی کہتے تھے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ جو چور غائب ہے اگر وہ بھی موجود ہوتا تو شاید وہ ایسا کوئی دعویٰ کر لیتا جس سے چوری میں شبہ پیدا ہو جاتا اور اس سے دوسرے چور سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے۔ مگر بعد میں امام صاحب نے اپنے اس قول سے رجوع کر کے فرمایا ہے کہ قطع واجب ہے اس دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس دوسرے کے روپوش (چھپے رہنے سے) اس پر چوری ثابت نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے ایسا ہو گیا کہ وہ معدوم انسان ہے اور جو خود معدوم ہو وہ دوسرے کے مسئلہ میں شبہ نہیں ڈال سکتا ہے اس لئے جو شخص موجود ہے سزا دینے میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور شبہ کے وہم ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

تشریح..... فَإِنْ سَرَقَاتِمَا غَابَ أَحَدُهُمَا وَشَهِدَ الشَّاهِدُ أَنَّ عَلَى سَرَقَتِهِمَا قُطِعَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

عبد مجبور نے دس درہم چوری کا اقرار کیا تو قطع یہ ہو گا

وَإِذَا أَقَرَّ الْعَبْدُ الْمَحْجُورُ عَلَيْهِ بِسَرْقَةِ عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ بَعْنِيهَا فَإِنَّهُ يَقْطَعُ وَتَرُدُّ السَّرْقَةُ إِلَى الْمَسْرُوقِ مِنْهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَقْطَعُ وَالْعَشْرَةُ لِلْمَوْلَى وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَقْطَعُ وَالْعَشْرَةُ لِلْمَوْلَى وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍّ وَمَعْنَى هَذَا إِذَا كَذَّبَهُ الْمَوْلَى

ترجمہ..... اور اگر کسی ایسے غلام نے جسے کاروبار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے دس درہم چوری کرنے کا اقرار کر لیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور جس مال (دس درہم متعین) کو اس نے چرایا ہے وہ اس کے مالک کے پاس لوٹا دیا جائے گا یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے۔ لیکن امام ابو یوسف نے کہا ہے کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور وہ چوری کا مال اب اس کے مولیٰ کا ہو جائے گا اور امام محمد نے کہا ہے کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ساتھ ہی یہ مال (درہم) اس کے مولیٰ کا ہو جائے گا امام زفر کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن اس قول کا یہ مطلب ہو گا کہ مولیٰ اپنے غلام کے چوری کرنے کی بابت اقرار کو جھوٹا بتلا

اشرف الہدایہ شرح اردو ہدایہ۔ جلد ششم ۲۵۵ باب ما یقطع فیہ و مالا یقطع
دے۔ یعنی یہ کہہ دے کہ یہ مال میرا ہے اور میرا یہ غلام اپنے اقرار میں جھوٹا ہے۔ ف۔ اور اگر ایسا ہو کہ اسے تجارت کرنے کی اجازت حاصل ہو تو
اس کا اقرار صحیح ہوگا اور بالاتفاق اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اس طرح اگر وہ غلام جسے کاروبار سے منع کر دیا گیا تھا اور غیر معین دس درہم چرانے کا
اقرار کیا تب اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

تشریح..... وَإِذَا أَقْرَأَ الْعَبْدَ الْمَحْجُورَ عَلَيْهِ بِسَرِقَةٍ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ بَعِيْنَهَا..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

غلام مجبور یا ماذون نے ایسے مال کی چوری کا اقرار کیا جو اختیاری یا غیر اختیاری

طور پر ضائع ہو چکا ہو قطع ید ہوگا

وَلَوْ أَقْرَأَ بِسَرِقَةٍ مَالٍ مُسْتَهْلَكٍ قَطَعَتْ يَدُهُ وَلَوْ كَانَ الْعَبْدُ مَآذُونًا لَيُقْطَعُ فِي الْوَجْهِينِ وَقَالَ زُفَرٌ لَا يُقْطَعُ فِي
الْوَجْهِ كَلِّهَا لِأَنَّ الْأَصْلَ عِنْدَهُ أَنَّ إِقْرَارَ الْعَبْدِ عَلَى نَفْسِهِ بِالْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ يُرَدُّ عَلَى نَفْسِهِ
وَطَرَفِهِ وَكُلُّ ذَلِكَ مَالُ الْمَوْلَى وَالْإِقْرَارُ عَلَى الْغَيْرِ غَيْرُ مَقْبُولٍ إِلَّا أَنَّ الْمَآذُونَ لَهُ يُؤَاخِذُ بِالضَّمَانِ وَالْمَالِ
لِصِحَّةِ إِقْرَارِهِ بِهِ لِكُونِهِ مُسَلِّطًا عَلَيْهِ مِنْ جِهَتِهِ وَالْمَحْجُورُ عَلَيْهِ لَا يَصِحُّ إِقْرَارُ بِالْمَالِ أَيْضًا وَنَحْنُ نَقُولُ يَصِحُّ
إِقْرَارُهُ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ أَدْمَى ثُمَّ يَتَعَدَّى إِلَى الْمَالِيَةِ فَيَصِحُّ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ مَالٌ وَلِأَنَّهُ لَا تَهْمَةَ فِي هَذَا الْإِقْرَارِ لِمَا
يَشْتَمِلُ عَلَيْهِ مِنَ الْأَضْرَارِ وَمِثْلُهُ مَقْبُولٌ عَلَى الْغَيْرِ لِمَحْمَدٍ فِي الْمَحْجُورِ عَلَيْهِ أَنَّ إِقْرَارَهُ بِالْمَالِ بَاطِلٌ وَ
لِهَذَا لَا يَصِحُّ مِنْهُ الْإِقْرَارُ بِالغَضَبِ فَيَنْقُيَ مَالُ الْمَوْلَى وَلَا يَقْطَعُ عَلَى الْعَبْدِ فِي سَرِقَةٍ مَالُ الْمَوْلَى يُؤَيِّدُهُ أَنَّ
الْمَالِ أَصْلَ فِيهَا وَالْقَطْعُ تَابِعٌ حَتَّى تُسْمَعَ الْخُصُومَةُ فِيهِ بِدُونِ الْقَطْعِ وَيَثْبُتُ الْمَالُ دُونَهُ وَفِي عَكْسِهِ
لَا تُسْمَعُ وَلَا يَثْبُتُ وَإِذَا بَطَلَ فِيمَا هُوَ الْأَصْلُ بَطَلَ فِي التَّبَعِ بِخِلَافِ الْمَآذُونَ لِأَنَّ إِقْرَارَهُ بِالْمَالِ الَّذِي فِي يَدِهِ
صَحِيحٌ فَيَصِحُّ فِي حَقِّ الْقَطْعِ تَبَعًا لِأَبَى يُوسُفُ أَنَّهُ أَقْرَبُ بَشَائِنِ بِالْقَطْعِ وَهُوَ عَلَى نَفْسِهِ فَيَصِحُّ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ
وَبِالْمَالِ وَهُوَ عَلَى الْمَوْلَى فَلَا يَصِحُّ فِي حَقِّهِ فِيهِ وَالْقَطْعُ يَسْتَحِقُّ بِدُونِهِ كَمَا إِذَا قَالَ الْحُرُّ الثَّوْبُ الَّذِي فِي
يَدِي يَدُ سَرِقَتِهِ مِنْ عَمْرٍو وَزَيْدٌ يَقُولُ هُوَ ثَوْبِي يَقْطَعُ يَدَ الْمُقْرَوَانِ كَانَ لَا يَصْدَقُ فِي تَعْيِينِ الثَّوْبِ حَتَّى لَا يُؤْخَذَ
مِنْ زَيْدٍ وَلَا بِأَبَى حَنِيفَةَ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْقَطْعِ قَدْ صَحَّ مِنْهُ لِمَا بَيَّنَّا فَيَصِحُّ بِالْمَالِ بِنَاءً عَلَيْهِ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ يُلَاقِي حَالَةَ
الْبَقَاءِ وَالْمَالِ فِي حَالَةِ الْبَقَاءِ تَابِعٌ لِلْقَطْعِ حَتَّى تَسْقُطَ عِصْمَةُ الْمَالِ بِإِعْتِبَارِهِ وَيُسْتَوْفَى الْقَطْعُ بَعْدَ اسْتِهْلَاكِهِ
بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الْحُرِّ لِأَنَّ الْقَطْعَ إِنَّمَا تَحِبُّ بِالسَّرِقَةِ مِنَ الْمُؤَدَّعِ أَمَّا لَا يَجِبُ بِسَرِقَةِ الْعَبْدِ مَالُ الْمَوْلَى
فَافْتَرَقَا وَلَوْ صَدَّقَهُ الْمَوْلَى يَقْطَعُ فِي الْفُصُولِ كُلِّهَا لِزَوَالِ الْمَانِعِ

ترجمہ..... اور اگر غلام مجبور (جسے کاروبار کرنے سے منع کر دیا گیا ہو) نے ایسے مال کی چرانے کا اقرار کیا جو اختیاری یا غیر اختیاری طور پر برباد ہو چکا
ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور اگر وہ غلام ماذون ہو (یعنی اسے کاروبار کرنے کی اجازت حاصل ہو) تو دونوں صورتوں میں ہاتھ کاٹا جائے گا یعنی
وہ مال خواہ معین ہو یا ہلاک ہو چکا ہو۔ اور زُفَر نے فرمایا ہے کہ تمام صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا (یعنی خواہ غلام مجبور ہو یا اس طرح چوری کیا ہو مال
موجود ہو یا معدوم ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک اصل یہ ہے کہ غلام کا اپنی ذات پر حدود یا قصاص کا اقرار کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اقرار اس کی اپنی
جان یا اس کے اعضاء پر واقع ہوتا ہے حالانکہ اس کی اپنی جان یا اس کے اپنے تمام اعضاء مولیٰ کا مال ہیں۔ اس لئے اس کا یہ اقرار اس کے مولیٰ کے

مال پر ہوا اور ایسا اقرار جس کا اثر کسی غیر پر واقع ہو وہ مقبول نہیں ہوتا ہے۔ (یہاں تک کہ اگر غلام یہ اقرار کرے کہ میں فلاں شخص کا غلام ہوں یعنی اپنے مولیٰ کے سوا کسی دوسرے کا غلام بنلا دے تو اقرار باطل ہوتا ہے)۔ البتہ جس غلام کو اس کے مولیٰ نے تجارت کرنے کی اجازت دی ہے جب چوری کرنے کا اقرار کرے اور وہ مال ہلاک ہو چکا ہو اس کے تاوان میں اسے پکڑا جائے گا اور اگر مال موجود ہو تو اس کے واپس لوٹانے کے لئے اسے پکڑا جائے گا۔ کیونکہ مال سے متعلق اس کا اقرار صحیح ہے۔

اس لئے کہ خود اس کے مولیٰ نے اسے اس مال کے لین دین پر مسلط کر دیا ہے اور اجازت دے رکھی ہے۔ لیکن مجبور غلام (جسے کاروبار سے منع کر دیا گیا ہو) مال سے متعلق بھی اقرار صحیح نہیں ہوتا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ غلام کا اقرار اس اعتبار سے صحیح ہے کہ وہ بھی ایک آدمی ہے۔ پھر یہ اقرار مال کی طرف منتقل ہو جاتا ہے تو یہ بھی اس اعتبار سے صحیح ہے کہ وہ مال ہے اور اس لئے بھی کہ اس اقرار میں کوئی تہمت بھی لازم نہیں آتی ہے کیونکہ اقرار مذکور کی وجہ سے اس کا نقصان ہی ہوتا ہے (نفع نہیں ہوتا ہے) اور ایسا دوسرے کے حق میں بھی مقبول ہو جاتا ہے اور امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ جو غلام مجبور ہے اس کا مال سے متعلق اقرار باطل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کی طرف سے غصب کا اقرار صحیح نہیں ہوتا ہے۔ (مثلاً مولیٰ کے پاس یہ کہے کہ میں نے یہ مال فلاں شخص کا غصب کیا ہے۔ تو صحیح نہ ہوگا) لہذا مولیٰ کا مال باقی رہ جائے گا اور یہ مال اس کے مولیٰ کا مال رہ جائے گا اور چونکہ اسی مال کے چرانے کا اقرار کرنا تھا اس لئے اس کا ہاتھ کاٹا بھی نہیں جائے گا۔ کیونکہ مولیٰ کا مال چرانے سے غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا ہے اور اس کی تائید اسی طرح سے ہوتی ہے کہ چوری کرنے میں اصل مال ہے اور اس کی وجہ سے چور کا ہاتھ کاٹا جانا اس کے تابع ہے۔ اسی بناء پر ایسی صورت میں بھی مالی شکایت اور خصوصیت ہو سکتی ہے جہاں ہاتھ کاٹنے کی کوئی صورت نہ ہو اور قطع کے بغیر بھی مال ثابت ہوتا ہے اور اگر اس کے برعکس ہو یعنی مال کا مطالبہ نہ ہو بلکہ قطع کا مطالبہ ہو تو ناش کی سماعت نہ ہوگی اور ثبوت نہ ہوگا۔ پس مسئلہ کی جس صورت میں اصل ہی باطل ہو یعنی مال کا ہی ثبوت نہ ہو تو چیز اس مال کے تابع ہوگی یعنی قطع بذریعہ باطل ہوگی۔

مخلاف ایسے غلام کے جس کو تجارت کی اجازت ملی ہوئی ہو۔ کیونکہ ایسے غلام کے قبضہ میں جو مال ہوگا اسکے متعلق اس غلام کا اقرار صحیح ہوگا۔ اسلئے اس کا تابع یعنی قطع بذریعہ کے حق میں بھی یہ اقرار صحیح ہوگا اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ غلام نے دو باتوں کا اقرار کیا ہے ایک تو ہاتھ کاٹنے کی سزا کا حالانکہ اس اقرار کا اثر خود اس کی ذات پر پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کر دیا ہے اور دوسرے مال کا اقرار کیا ہے اور اس مال کے اقرار کا اثر اسکے مولیٰ پر پڑتا ہے اسلئے مولیٰ کے حق میں اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور ہاتھ کاٹنے کے مطالبہ کا حق مال کے بغیر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کسی آزاد شخص نے کہا کہ یہ کپڑا جو زید کے ہاتھ میں ہے میں نے اسے خالد کے گھر سے چرایا ہے اور زید کہتا ہے کہ یہ کپڑا میرا ہے۔ تو اقرار کی چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگرچہ اس کپڑے سے متعلق اس کی بات کی تصدیق نہیں ہوگی اور وہ زید سے نہیں چھینا جائے گا اور امام ابو حنیفہ کی دلیل (اس دعویٰ کی چوری کے مسئلہ میں ہاتھ کاٹا جانا) اصل ہے اور مال اسکے تابع ہے یعنی لئے اگرچہ چور کا مال ضائع کر دیا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دینے کے بعد اب وہ اس مال کا ضامن نہیں ہوگا) پس غلام کی طرف سے قطع کا اقرار صحیح ہو چکا ہے کیونکہ وہ بھی آدمی ہے۔ اسی بناء پر مال کا اقرار بھی صحیح ہے۔ کیونکہ اقرار کا تعلق اسی حالت سے متصل ہوتا ہے جو باقی ہے اور باقی ہونے کی حالت میں مال تابع اور قطع اصل ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی قطع کی بنیاد پر مال کی عصمت (اور ذاتی عزت) ختم ہو جاتی ہے اور اگرچہ چور نے اس مال کو ضائع کر دیا ہو تو بھی قطع بذریعہ کی سزا الوریٰ کر لی جاتی ہے اور مخالف آزاد کے مسئلہ کے یعنی وہ غلام کے مسئلہ کی نظر نہیں ہے کیونکہ امانت دار کے پاس سے بھی مال چرانے پر بھی قطع واجب ہوتا ہے اور اگر غلام اپنے مولیٰ کا مال چرالے تو اس کا ہاتھ کاٹا واجب نہیں ہوتا ہے اس طرح دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا۔ البتہ اگر مولیٰ نے ان دونوں صورتوں میں تصدیق کر دی یعنی یہ کہہ دیا کہ یہ مال میرا نہیں ہے بلکہ یہ غلام کہیں سے چرا کر لایا ہے۔ تو مذکورہ تمام صورتوں میں غلام کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ جو چیز حاکم ہو رہی تھی اب وہ باقی نہیں رہی۔ تشریح وَلَوْ اَقْرَأَ بِسَرِقَةٍ مَالٍ مُسْتَهْلِكٍ قُطِعَتْ يَدُهُ وَلَوْ كُنَّ اَصْبَحًا ذُو نَالَكَ ... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چور کے قطع ید کے بعد مال مسروقہ سارق کے پاس موجود ہو تو مسروق منہ کو لوٹایا

جائے گا اور اگر ہلاک ہو گیا تو سارق پر ضمان نہیں ہوگا

وَإِذَا قُطِعَ السَّارِقُ وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ فِي يَدِهِ رُدَّتْ إِلَى صَاحِبِهَا لِبَقَائِهَا عَلَى مِلْكِهِ وَإِنْ كَانَتْ مُسْتَهْلَكَةً لَمْ يَضْمَنْ وَهَذَا الْإِطْلَاقُ يَشْمُلُ الْهَلَكَ وَالْإِسْتِهْلَاقَ وَهُوَ رَوَايَةُ أَبِي يُونُسَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الْمَشْهُورُ وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ يَضْمَنْ بِالْإِسْتِهْلَاقِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَضْمَنْ فِيهِمَا لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ قَدْ اخْتَلَفَ سَبَبُهُمَا فَلَا يَمْتَنِعَانِ فَالْقَطْعُ حَقُّ الشَّرْعِ وَسَبَبُهُ تَرْكُ الْإِنْتِهَاءِ عَمَّا نَهَى عَنْهُ وَالضَّمَانُ حَقُّ الْعَبْدِ وَسَبَبُهُ اخْذُ الْمَالِ فَصَارَ كَمَا سَتَهْلَاقُ صَيِّدُ مَمْلُوكٍ فِي الْحَرَمِ أَوْ شَرِبَ خَمْرُ مَمْلُوكَةٍ لِلدِّمِيِّ وَلَنَاقُولُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا غَرَمَ عَلَى السَّارِقِ بَعْدَ مَا قُطِعَتْ يَمِينُهُ وَلَا نَ وَجُوبُ الضَّمَانِ يَنَافِي الْقَطْعَ لِأَنَّهُ يَتِمَّلُكُهُ بِإِدَاءِ الضَّمَانِ مُسْتَبَدًّا إِلَى وَقْتِ الْاِخْتِلَافِ أَنَّهُ وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ فَيَنْتَفِي الْقَطْعُ لِلشُّبْهَةِ وَمَا يُؤَدِّي إِلَى انْتِفَائِهِ فَهُوَ الْمُنتَفَى وَلَا نَ الْمَحَلَّ لَا يَبْقَى مَعْصُومًا حَقًّا لِلْعَبْدِ اِذْ لَوْ بَقِيَ لَكَانَ مُبَاحًا فِي نَفْسِهِ فَيَنْتَفِي الْقَطْعُ لِلشُّبْهَةِ فَيَصِيرُ مُحَرَّمًا حَقًّا لِلشَّرْعِ كَالْمَيْتَةِ وَلَا ضَمَانَ فِيهِ إِلَّا أَنَّ الْعِصْمَةَ لَا يَظْهَرُ سُقُوطُهَا فِي حَقِّ الْإِسْتِهْلَاقِ لِأَنَّهُ فَعَلَ آخَرَ غَيْرَ السَّرْقَةِ وَلَا ضَرُورَةَ فِي حَقِّهِ وَكَذَا الشُّبْهَةُ تُعْتَبَرُ فِيمَا هُوَ السَّبَبُ دُونَ غَيْرِهِ وَوَجْهُ الْمَشْهُورِ أَنَّ الْإِسْتِهْلَاقَ اِتِّمَامَ الْمَقْصُودِ فَيُعْتَبَرُ الشُّبْهَةُ فِيهِ وَكَذَا يَظْهَرُ سُقُوطُ الْعِصْمَةِ فِي حَقِّ الضَّمَانِ لِأَنَّهُ مِنْ ضَرُورَاتِ سُقُوطِهَا فِي حَقِّ الْهَلَاقِ لِانْتِفَاءِ الْمُمَاطَلَةِ

ترجمہ..... اور اگر چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور اس وقت تک مال اس کے قبضہ میں موجود ہو تو وہ مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مال ابھی تک اپنے مالک اصلی ہی کی ملکیت ہے اور اگر اس سے پہلے وہ مال کسی طرح برباد ہو چکا ہو یعنی خواہ چور نے خود اسے برباد کر دیا ہو یا وہ خود آفت سماوی یا ارضی سے ضائع ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ چور اس مال کا ضامن نہیں ہوگا اور امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے یہی روایت کی ہے اور یہی قول مشہور بھی ہے اور حسنؒ نے ابو حنیفہؒ سے یہ روایت کی ہے کہ قصداً برباد کر دینے کی صورت میں چور اس مال کا ضامن ہوگا اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ دونوں صورتوں میں ضامن ہوگا کیونکہ ہاتھ کاٹنا جانا اور مال کا ضمان دینا یہ دونوں دو حقوق ہیں اور ان کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ اس لئے ایک کی وجہ سے دوسرے کا انکار نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح سے کہ ہاتھ کاٹنا یہ حق شرع ہے اور اس کا سبب چوری کرنا ہے جس سے پہلے ہی منع کیا گیا تھا۔ لیکن وہ چور نہیں مانتا اور چوری کر لی اور دوسری چیز تاوان دینا ہے جو کہ ایک بندہ کا حق ہے اور اس کا سبب ہے دوسرے کا مال اس کی مرضی کے بغیر لے لینا تو یہ ایسا ہو گیا جیسے حرم کعبہ میں رہ کر کسی دوسرے شخص کے شکار کو ہلاک کر دیا یا ذمی کی ذاتی شراب اٹھا کر پی گیا (یعنی شراب پینا ایک مستقل جرم ہے۔ اور ذمی کی ملکیت سے زبردستی لے کر پی جانا یہ دوسرا جرم ہوا۔ ایسے ہی حرم کعبہ میں شکار کا قتل کرنا ایک جرم ہے اور دوسرے کے شکار کو ضائع کرنا یہ دوسرا جرم ہوا۔) اور ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ چور کا دایاں ہاتھ کاٹے جانے کے بعد تاوان نہیں ہے۔ نسائی اور طبرانی نے اس کی روایت کی ہے اور اس دلیل سے بھی کہ تاوان واجب ہونا ہاتھ کاٹے جانے کے منافی ہے۔ کیونکہ چور تاوان ادا کر کے اس چوری کئے ہوئے مال کا اسی وقت سے مالک ہو جائے گا جس وقت سے کہ اس نے وہ مال لیا ہے۔ اس طرح یہ لازم آئے گا کہ اس نے جو مال لیا (چرایا) ہے اس نے اپنا ہی مال لیا ہے اور شبہ کی وجہ سے ہاتھ کاٹنے کا حکم ختم ہو جائے گا۔ حالانکہ جس بات سے ایسا لازم آیا ہے وہ خود دور ہو گئی یعنی ہاتھ کاٹنا تو بالکل یقینی بات ہے اور اگر ہم ضمان واجب کریں تو اس کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ لہذا ضمان کو واجب کرنا ہی باطل ہوگا اور اس دلیل سے بھی کہ چوری کیا ہو مال بندہ کا حق ہونے کی وجہ سے اب محترم اور معصوم مال باقی نہیں رہا۔ کیونکہ اگر وہ محترم باقی رہ گیا تو وہ خود ہی مباح ہوگا۔ یعنی جو چیز کسی بندہ

کے حق کے پیدا ہو جانے سے حرام ہو جاتی ہے۔ وہ دراصل مباح ہوا کرتی ہے۔ اس لئے اگر ہم اسے ذاتی مباح کہیں تو شبہ کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا مباح ہوگا حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ لہذا وہ بندہ کے حق کی وجہ سے محترم نہ ہوئی بلکہ شرعی حق کی وجہ سے حرام ہوئی ہے۔ جیسے مردار جانور ہوتا ہے اور جو چیز حق شرع کی وجہ سے حرام ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں تاوان لازم نہیں ہوتا ہے۔

اب یہ بات کہ اس کو برباد کر دینے میں بھی تاوان لازم نہ آئے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ برباد کر دینے کی صورت میں اس مال کا احترام ذاتی ختم ہو جانا ظاہر نہیں ہوتا ہے کیونکہ کسی چیز کو برباد کر دینا ایک مستقل فعل ہے جو چوری کے فعل سے علیحدہ ہے اور اس فعل سے متعلق کوئی مجبوری نہیں ہے یعنی ہاتھ کاٹنے کی مجبوری سے چوری کرنے تک اس مال کی حرمت ختم ہوگئی تھی اور اس کے ضائع کر دینے کے لئے اس کی عصمت کو ختم کرنے کی مجبوری نہیں رہی۔ اسی طرح مال ضائع کر دینے میں شبہ کا بھی اعتبار ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ شبہ کا اعتبار تو سبب یعنی چوری کرنے تک باقی رہتا ہے اور سبب کے علاوہ دوسری کسی چیز کی طرف تجاوز نہیں کرتا ہے۔ (لیکن یہ توجیہ اس روایت کی ہے کہ تلف کر دینے کی صورت میں چور ضامن ہوگا۔ حالانکہ مشہور روایت یہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوتا ہے) اور مشہور روایت کی وجہ یہ ہے کہ چوری کے مال کو برباد کرنا دراصل چوری کے مقصد کو پورا کرنا ہوتا ہے اس لئے اس میں شبہ کا بھی اعتبار ہوگا۔ اسی طرح تاوان کے بارے میں بھی عصمت کے ختم ہو جانے کا اعتبار ہوگا کیونکہ مال کی بربادی کے ساتھ ہی اس کی عصمت کا ختم ہونا بھی ضروری ہے اور قصد برباد کرنے میں بھی تو بربادی پائی ہی جاتی ہے۔ کیونکہ چوری کے مال میں اور تاوان میں یکسانیت کے معنی بالکل نہیں پائے جاتے ہیں۔

فائدہ..... اس لئے اگر وہ مال محترم ہو تو برباد ہو جانے کی صورت میں بھی محترم ہی رہے حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ اس لئے مال کے ہلاک ہو جانے اور اسے ہلاک کر دینے کی دونوں حالتوں میں وہ مال قابل احترام نہیں رہا ہے۔ اسی لئے تاوان واجب نہ ہوگا۔

تشریح..... وَإِذَا قُطِعَ السَّارِقُ وَالْغَنِی قَائِمَةً فِیْ یَدِهِ رُدَّتْ اِلَیْ صَاحِبِهَا لِبَقَائِهَا عَلَیْ مِلْکِہِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

سارق کا ہاتھ کئی چوریوں میں سے ایک کی وجہ سے کاٹا گیا تو وہ تمام چوریوں کی طرف سے

کافی ہو جائے گا اور سارق پر تاوان لازم ہوگا یا نہیں، اقوال فقہاء

قَالَ وَمَنْ سَرَقَ سَرَاقَاتٍ فَقُطِعَ فِیْ أَحَدِهَا فَهُوَ لِجَمِیعِہَا وَلَا یَضْمَنُ شَیْئًا عِنْدَ ابْنِ حَنِفَةَ وَقَالَ لَا یَضْمَنُ کُلَّهَا إِلَّا ابْنُ قُطْعٍ لَهَا وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إِذَا حَضَرَ أَحَدُہُمْ فَإِنْ حَضَرُوا جَمِیعًا وَقُطِعَتْ یَدُهُ لِخُصُومَتِہُمْ لَا یَضْمَنُ شَیْئًا بِالِاتِّفَاقِ فِی السَّرَقَاتِ کُلِّہَا لَہُمَا أَنَّ الْحَاضِرَ لَیْسَ بِنَائِبٍ عَنِ الْغَائِبِ وَلَا یُذَمِّنُ الْخُصُومَةَ لِتَظْہَرِ السَّرَقَةُ فَلَمْ تَظْہَرِ السَّرَقَةُ مِنَ الْغَائِبِ فَلَمْ یَقَعْ الْقُطْعُ لَهَا فَبَقِیَتْ أَمْوَالُہُمْ مَغْصُومَةٌ وَلَوْ أَنَّ الْوَاجِبَ بِالْکُلِّ قُطِعَ وَاحِدٌ حَقَّ لِلَّهِ تَعَالٰی لِأَنَّ مَبْنٰی الْحُدُودِ عَلَى التَّدَاخُلِ وَالْخُصُومَةِ شَرْطُ الظُّہُورِ عِنْدَ الْقَاضِیِ أَمَّا الْوُجُوبُ بِالْجَنَایَةِ فَإِذَا اسْتَوْفِیَ فَالْمُسْتَوْفٰی کُلُّ الْوَاجِبِ إِلَّا تَرٰی أَنَّهُ یُرْجَعُ نَفْعُهُ إِلَى الْکُلِّ فِیَقَعُ عَنِ الْکُلِّ وَعَلٰی هَذَا الْخِلَافِ إِذَا کَانَ النَّصْبُ کُلِّہَا لِوَاحِدٍ فَخَاصَمَ فِی الْبَعْضِ

ترجمہ..... اگر کسی نے کئی چوریاں کر لیں اور ان میں سے کسی ایک کے بارے میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو یہی ایک سزا سب کی طرف سے ہو جائے گی یہاں تک تمام آئمہ کا اتفاق ہے۔ لیکن تاوان لازم ہونے کے بارے میں تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک کسی بھی چورنی کئے ہوئے مال کا وہ شخص ضامن نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک وہ شخص چوری کے تمام مال کا ضامن ہوگا۔ سوائے اس مال کی چوری کے جس کے بارے میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔

اس مسئلہ کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے مال چوری ہوئے ان میں سے صرف ایک شخص ہی حاضر ہوتا وہ صاحبین کے نزدیک باقی لوگوں کے مال کا ضامن ہوگا اور اگر وہ سب کے سب حاضر ہو گئے ہوں اور ان سب کی شکایت پر چور کا ہاتھ کاٹا گیا ہو تو بالاتفاق تمام چوریوں میں کسی کا بھی ضامن نہ ہوگا۔ پھر اس اختلافی صورت میں صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مال کا جو مالک حاضر ہو اور دوسرے غائب رہ جانے والوں کی طرف سے نائب نہیں مانا جائے گا حالانکہ شکایت اور مقدمہ پیش کرنا چوری ظاہر ہونے کے لئے ضروری ہے۔ لہذا جو لوگ غائب رہ گئے ان کی طرف سے چوری کا معاملہ پیش نہیں ہوا اس لئے چور کا ہاتھ کاٹا جانا اور ان کی چوریوں کے واسطے نہیں ہوا ہے۔ اس لئے ان کے مال کا احترام باقی رہے گا۔ یعنی یہ چوران کے مال کا ضامن ہوگا اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ تمام چوریوں کی طرف سے ایک ہی بار ہاتھ کاٹا جانا حق الہی کی بناء پر واجب ہے۔ کیونکہ حدود میں داخل ہو جاتا ہے (یعنی کئی حدود کو ایک حد میں داخل کر لیا جاتا ہے) اور نالش کرنا اس لئے شرط ہے کہ قاضی کے نزدیک بھی چوری کا ہونا ثابت ہو اور ہاتھ اس لئے کاٹا جاتا ہے کہ چوری جرم ہے پھر جب ایک بار ہاتھ کاٹ لیا گیا تو سزا پورے طور پر یہی تھی جو پوری کر دی گئی۔ کیا نہیں دیکھتے کہ اس کا نفع کل کو پہنچے گا یعنی چور کو اس کی تمام چوریوں پر سببیہ ہو جائے گی۔ اس لئے یہی سزا سب کی طرف سے واقع ہوئی۔ یعنی وہ اب کسی چوری کا ذمہ دار اور ضامن نہ ہوگا۔ اس طرح اگر ہر بار کی چوری کا مال جو درہم سے کم نہیں ہے۔ سب ایک ہی شخص کی ملک ہوں اور اس نے کسی ایک بار کی چوری کے سلسلہ میں مطالبہ کر کے اس کا ہاتھ کٹوا دیا تو بھی ایسا ہی اختلاف ہوگا۔ یعنی صاحبین کے نزدیک ایک بار کے سوا جس کے بارے میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے باقی چوریوں کا وہ ضامن ہوگا اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا۔

تشریح قَالَ وَمَنْ سَرَقَ سَرَقَاتٍ فَقُطِعَ فِي إِحْدَاهَا فَهُوَ لِجَمِيعِهَا وَلَا يَضْمَنُ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

بَابُ مَا يَحْدُثُ السَّارِقُ فِي السَّرْقَةِ

ترجمہ باب، چوری کے مال میں چور کی رد و بدل کے بیان میں۔

چور نے کپڑا چوری کیا اور گھر ہی میں اس کے دو ٹکڑے کر کے باہر لے آیا اس کی قیمت دس

درہم ہو تو ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں

وَمَنْ سَرَقَ ثَوْبًا فَشَقَّهُ فِي الدَّارِ بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ أَخْرَجَهُ وَهُوَ يَسَاوِي عَشْرَةَ دَرَاهِمٍ قُطِعَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَقْطَعُ لِأَنَّهُ فِيهِ سَبَبُ الْمَلِكِ وَهُوَ الْخَرْقُ الْفَاحِشُ فَإِنَّهُ يُوجِبُ الْقِيَمَةَ وَتَمْلِكُ الْمَضْمُونُ وَصَارَ كَالْمَشْتَرَى إِذَا سَرَقَ مَبِيعَاتِهِ خِيَارَ لِلْبَائِعِ وَلَهُمَا أَنْ الْأَخْذُ وَضَعَ سَبَبًا لِلضَّمَانِ لَا لِلْمَلِكِ وَإِنَّمَا الْمَلِكُ يَثْبُتُ ضَرُورَةً آدَاءِ الضَّمَانِ كَيْلَا يَجْتَمِعَ الْبَدَلَانِ فِي مَلِكٍ وَاحِدٍ وَمِثْلُهُ لَا يُورَثُ الشُّبْهَةُ كَنَفْسِ الْأَخْذِ وَكَمَا إِذَا سَرَقَ الْبَائِعُ مَبِيعًا بَاعَهُ بِخِلَافٍ مَا ذَكَرَ لِأَنَّ الْبَيْعَ مَوْضُوعٌ لِإِقَادَةِ الْمَلِكِ وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا اخْتَارَ تَضْمِينَ النِّقْصَانِ وَأَخَذَ الثُّوبَ فَإِنْ اخْتَارَ تَضْمِينَ الْقِيَمَةِ وَتَرَكَ الثُّوبَ عَلَيْهِ لَا يَقْطَعُ بِالْإِتِّفَاقِ لِأَنَّهُ مَلِكُهُ مُسْتَنَدًا إِلَى وَقْتِ الْأَخْذِ فَصَارَ كَمَا إِذَا مَلَكَهُ بِالْهَبَةِ فَأُورَثَ شُبْهَةُ وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ النِّقْصَانُ فَاحِشًا فَإِنْ كَانَ يَسِيرًا يَقْطَعُ بِالْإِتِّفَاقِ لِإِنْعَادَامِ سَبَبِ الْمَلِكِ إِذْ لَيْسَ لَهُ إِخْتِيَارُ تَضْمِينَ كُلِّ الْقِيَمَةِ

ترجمہ جس نے ایک کپڑا چرایا۔ پھر گھر ہی کے اندر اس کے دو ٹکڑے کر کے باہر لے کر آیا اور وہ دس درہم کی قیمت کا ہو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ چور کا اس کپڑے میں ملکیت کا سبب پایا گیا ہے یعنی اس نے

کپڑے کو بھاڑ کر دو ٹکڑے کر دئے ہیں جس کی وجہ سے اس پر اس کپڑے کی قیمت لازم ہو گئی اس کے بعد وہ خود اس کپڑے کا مالک ہو گیا اور یہ مسئلہ ایسا ہو گیا جیسے مشتری نے وہ مال چرایا جس میں بائع نے اپنے لئے خیار رکھا تھا یعنی اس طرح کہا تھا کہ میں نے یہ کپڑا تم کو اتنے میں بیچا البتہ اس معاملہ کو تین دن میں مکمل کر لوں گا یعنی اس معاملہ کو باقی رکھوں گا یا ختم کر دوں گا۔ مگر مشتری نے اسے اس عرصہ میں چرایا۔ اس کے باوجود اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اسے بھی ملکیت کا سبب حاصل ہو گیا ہے اور امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ مال کو لے لینا تاوان واجب ہونے کا سبب تو ہے مگر ملکیت حاصل ہونے کا سبب نہیں ہے اور اسے اس کی ملکیت اس بناء پر حاصل ہو جاتی ہے کہ اس نے تاوان ادا کر دیا ہے۔ تاکہ اسی ایک شخص کی ملکیت میں دو چیزیں یعنی خود وہ کپڑا اور اس کا تاوان جمع نہ ہو جائیں۔ لہذا اس طرح لینا تاوان کا سبب ہو چوری کی سزا دلانے میں کوئی شبہ پیدا نہیں کرتا ہے۔ جیسے صرف اسے لے لینا شبہ کا سبب نہیں ہوتا ہے اور جب کہ بائع نے اپنی کوئی عیب دار چیز مشتری کو اس کا عیب بتائے بغیر فروخت کی پھر اس کے پاس سے وہ چیز چرائی تو اس چوری کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اگرچہ اس کے عیب دار ہونے کی وجہ سے وہ چیز واپسی کے قابل تھی۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ بائع نے اپنے لئے خیار رکھا ہو۔ جو صورت امام ابو یوسف کے ذکر فرمائی ہے کہ وہ شبہ پیدا کرتی ہے۔ اس لئے کہ بیع ایک ایسا معاملہ ہے جس سے ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ یعنی اسی بیع کی وجہ سے بائع کی چیز پر مشتری کو ملکیت حاصل ہو گئی۔ اگرچہ یہ حکم ابھی نافذ نہیں ہوا ہے۔ پھر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اختلاف ایسی صورت میں ہے کہ کپڑے کے مالک نے چور سے کپڑا اچھاڑنے کا نقصان لینا اور اپنا کپڑا واپس لینا قبول کیا ہو اور اگر اس نے تاوان لے کر کپڑا اسی چور کے پاس چھوڑ دینا قبول کر لیا تو بالاتفاق ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ کپڑے کا تاوان دینے سے چور اس کپڑے کا اسی وقت سے مالک ہو جائے گا۔ جبکہ اس نے کپڑا اس کے پاس سے اپنے پاس لیا ہے۔ تو یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی ہبہ کی وجہ سے کپڑے کا مالک ہوا ہو۔ اس وقت ایک شبہ پیدا ہو گیا لہذا اس سے حد ختم کر دی جائے گی۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے کہ چور نے چوری کے اس مال میں سے کوئی بڑا نقصان کر دیا ہو اور اگر معمول سا نقصان کیا تو بالاتفاق ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس لئے کہ اس مال پر اس صورت میں چور کے مالک بننے کا کوئی سبب نہیں پایا جائے گا۔ کیونکہ اسے کسی طرح یہ اختیار نہیں ہے کہ اس مال کی قیمت بطور تاوان ادا کر دے۔

تشریح..... وَمَنْ سَرَقَ ثَوْبًا فَشَقَّهٖ فِي الدَّارِ بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ أَخْرَجَهُ وَهُوَ سَاوِي عَشْرَةَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی نے بکری چرا کر اسے ذبح کر دیا اس کے بعد اسے باہر لایا تو اس کا حکم

وَإِنْ سَرَقَ شَاةً فَلَمْ يَحْمِلْهَا ثُمَّ أَخْرَجَهَا لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّ السَّرْقَةَ تَمَّتْ عَلَى اللَّحْمِ وَلَا قُطْعَ فِيهِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے بکری چرا کر اسے ذبح کر دیا اس کے بعد اسے باہر لایا تو اس کا قطع نہیں ہوگا کیونکہ اس کی چوری کا کام اسی وقت پورا ہوا جبکہ بکری زندہ جانور سے بدل کر گوشت پوست ہو گئی ہے اور گوشت چرانے سے قطع نہیں ہوتا ہے۔

تشریح..... وَإِنْ سَرَقَ شَاةً فَلَمْ يَحْمِلْهَا ثُمَّ أَخْرَجَهَا لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

چور نے سونا یا چاندی چوری کیا اس کے در اہم یا دنانیر بنائے لئے قطع یہ ہوگا اور

دراہم و دنانیر کا رد بھی لازم ہوگا

وَمَنْ سَرَقَ ذَهَبًا أَوْ فِصْصَةً يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ فَصْنَعَهُ دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ قُطِعَ فِيهِ وَبُرِّدَ الدَّرَاهِمُ وَالذَّنَانِيرُ إِلَى الْمَسْرُوقِ مِنْهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا سَبِيلَ لِلْمَسْرُوقِ مِنْهُ عَلَيْهِمَا وَأَصْلُهُ فِي الْفَصْبِ فَهَذِهِ صُنْعُهُ مُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لَهُ ثُمَّ وَجُوبُ الْحَدِّ لَا يُشْكَلُ عَلَى قَوْلِهِ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ وَقِيلَ عَلَى قَوْلِهِمَا لَا يَجِبُ لِأَنَّهُ

مِلْكُهُ قَبْلَ الْقَطْعِ وَقِيلَ يَجِبُ لِأَنَّهُ صَارَ بِالصَّنْعَةِ شَيْئًا آخَرَ فَلَمْ يَمْلِكْ عَيْنَهُ

ترجمہ..... اگر کسی نے کسی کا سونا یا چاندی اٹا چرایا جس سے قطع واجب ہوتا ہے پھر چور نے اس سے درہم یا چاندی دینا رہنا لئے تو اس کی وجہ سے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور یہ بنے ہوئے درہم یا دینار اسی کو واپس کر دے گا جس سے اس نے چرایا ہے یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے اور صاحبین نے فرمایا ہے کہ اصل مالک کو (جس سے چرایا ہے) اس دینار درہم لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی اصل کتاب الغصب میں ہے (جو آئندہ آئے گی) ان کے نزدیک درہم یا دینار کی شکل میں سونے اور چاندی کو بدل دینا یہ عمل خود ہی بہت قیمتی عمل ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ پھر امام اعظمؒ کے قول کے مطابق کاٹنے کی سزا نافذ کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہے۔ کیونکہ چور اس چوری کے مال کا مالک نہیں ہوگا لیکن صاحبین کے قول کی بناء پر بعضوں نے کہا ہے کہ قطع یہ کی سزا واجب نہ ہوگی کیونکہ قطع کرنے سے پہلے تو اس چور نے سونے اور چاندی کو دینار اور درہم بنالیا ہے اس لئے وہ چور خود اس کا مالک ہو گیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ قطع یہ واجب ہوگا کیونکہ چوری کا یہ مال (چاندی اور سونا) دوسری شکل میں بدل جانے کی وجہ سے اب پہلی چیز باقی نہیں رہی اس لئے یہ چور اس چوری کے ہوئے مال کا مالک نہیں ہو سکا ہے۔

تشریح..... وَمَنْ سَرَقَ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ فَصَنَعَهُ ذَرَاهِمَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کپڑا چوری کیا اور اسے سرخ رنگ کر لیا قطع یہ ہوگا اور کپڑا واپس نہیں لیا جائے گا

اور نہ ہی کپڑے کا ضمان ہوگا

فَإِنْ سَرَقَ ثَوْبًا فَصَنَعَهُ أَحْمَرَ قُطِعَ وَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ الثَّوْبُ وَلَمْ يَضْمَنْ قِيَمَةَ الثَّوْبِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُؤْخَذُ مِنْهُ الثَّوْبُ وَيُعْطَى مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ إِعْتِبَارًا بِالْغَصَبِ وَالْجَمْعُ بَيْنَهُمَا كَوْنُ الثَّوْبِ أَصْلًا قَائِمًا وَكَوْنُ الصَّبْغِ تَابِعًا وَلَهَا أَنَّ الصَّبْغَ قَائِمٌ صُورَةٌ وَمَعْنَى حَتَّى لَوْ أَرَادَ أَخْذَهُ مَضْبُوعًا يَضْمَنْ مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ وَحَقُّ الْمَالِكِ فِي الثَّوْبِ قَائِمٌ صُورَةٌ لَا مَعْنَى الْآتِرَى أَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ عَلَى السَّارِقِ بِالْهَلَاكِ فَرَجَّحْنَا جَانِبَ السَّارِقِ بِخِلَافِ الْغَصَبِ لِأَنَّ حَقَّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ صُورَةٌ وَمَعْنَى فَاسْتَوَيَا مِنْ هَذَا الْوَجْهِ فَرَجَّحْنَا جَانِبَ الْمَالِكِ لِمَا ذَكَرْنَا

ترجمہ..... اگر کسی نے ایک کپڑا چرا کر اسے لال رنگ سے رنگ دیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور وہ کپڑا اس سے نہیں لیا جائے گا۔ ساتھ ہی وہ اس کپڑے کی قیمت کا ضامن بھی نہ ہوگا۔ یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے اور امام محمدؒ نے کہا ہے کہ اس سے کپڑا لے لیا جائے گا اور رنگ دینے سے اس کی قیمت میں جو زیادتی ہوئی ہے وہ اسے دے دی جائے گی۔ اور اس کا قیاس غصب کے مسئلہ پر ہے۔ یعنی جیسے غاصب نے غصب کئے ہوئے کپڑے کو سرخ رنگ سے رنگ دیا ہو تو وہ کپڑا اس کے اصلی مالک یعنی جس سے کپڑا چھینا ہے (مقصوب) کو دلایا جائے گا اور رنگنے کی وجہ سے جو اس کپڑے کی قیمت میں زیادتی ہوئی ہے وہ غاصب کو واپس کر دی جائے گی۔ ان دونوں مسئلوں (چوری اور غصب کی صورتوں) میں یہی ایک علت پائی گئی ہے کہ کپڑا جو اصل ہے اب بھی وہ وہی ہے جو پہلے تھا۔ اس میں اضافہ صرف رنگ کا ہوا ہے جو اس کپڑے کے تابع ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کی دلیل ہے کہ رنگ ظاہر میں تو موجود ہی ہے معنی اور حکم کے اعتبار سے بھی موجود ہے کہ اگر اصل مالک اسی حالت میں اس کپڑے کو واپس لینا چاہے لے لے مگر اس کپڑے میں رنگ کی وجہ سے (قیمت میں) جو زیادتی ہوئی ہے وہ ادا کر دے۔ اور مالک کا حق اس کپڑے میں ظاہری طور سے قائم ہے۔ لیکن معنوی طور سے قائم نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر وہ کپڑا چور کے پاس رہتے ہوئے ضائع ہو

جائے تو چور اس کپڑے کا ضامن نہیں ہوتا ہے اس سے ہم نے یہ سمجھا کہ چور اور مالک میں سے چور کا پلہ بھاری ہے۔ اس کے برخلاف غصب کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ ظاہر اور معنی دونوں اعتبار سے دونوں (مالک اور غاصب) کا حق قائم ہے۔ اس بناء پر حکم میں غاصب اور مالک دونوں برابر ہو گئے۔ پھر بھی چونکہ کپڑا اصل ہے اس لئے ہم نے مالک کے پلہ کو بھاری مانا ہے۔

تشریح..... فَإِنْ سَرَقَ ثَوْبًا فَصَبَّغَهُ أَحْمَرَ قُطِعَ وَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کپڑے کو سیاہ رنگ کر دیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کپڑا واپس لیا جائے گا

وَأِنْ صَبَّغَهُ أَسْوَدًا اخِذَ مِنْهُ فِي الْمَذْهَبَيْنِ يَعْنِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ هَذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ لِأَنَّ السَّوَادَ زِيَادَةٌ عِنْدَهُ كَالْحُمْرَةِ وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ زِيَادَةٌ أَيْضًا كَالْحُمْرَةِ وَلَكِنَّهُ لَا يَقْطَعُ حَقَّ الْمَالِكِ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ السَّوَادُ نَقْصَانٌ فَلَا يُؤْجِبُ انْقِطَاعَ حَقِّ الْمَالِكِ

ترجمہ..... اور اگر چور نے اس کپڑے کو سیاہ رنگ سے رنگ دیا ہو تو دو دھاموں یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے لے لیا جائے گا۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں رنگ یعنی سرخ ہو یا سیاہ کی صورتیں یکساں ہیں۔ کیونکہ ابو یوسفؒ کے نزدیک سیاہ رنگ سے کپڑے میں اسی طرح کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ جس طرح سرخ رنگ کے رنگنے سے ہوتی ہے۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی اگر چہ سیاہی بھی سرخی کی طرح ہی زیادتی ہوتی ہے لیکن رنگ چونکہ کپڑے کے تابع ہوتا ہے۔ اس لئے کپڑے سے اصل مالک کا حق ختم نہیں ہو سکتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سیاہی سے کمی اور نقصان آ جاتا ہے۔ اس لئے یہ رنگ مالک کے حق کو ختم نہیں کر سکتا ہے۔

فائدہ..... محققین نے کہا ہے کہ امام صاحب اور صاحبین کا یہ اختلاف اصلی نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے زمانہ کی حالت ہے کیونکہ امام اعظمؒ کے زمانہ میں بنی امیہ کی حکومت میں سرخ رنگ کی قدر اور اہمیت تھی اور سیاہ رنگ ایک قسم کا عیب شمار ہوتا تھا۔ لیکن صاحبین کے زمانہ میں عباسیہ کی سلطنت میں سیاہ رنگ کی قدر ہو گئی۔ اس لئے یہ اختلاف زمانہ کے اعتبار سے ہے۔

تشریح..... وَإِنْ صَبَّغَهُ أَسْوَدًا اخِذَ مِنْهُ فِي الْمَذْهَبَيْنِ يَعْنِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

بَابُ قَطْعِ الطَّرِيقِ

ترجمہ..... باب ڈاکوؤں کے بیان میں

تشریح..... واضح ہو کہ ڈکیتی کے مسئلہ میں جو شرطیں ہیں۔

اول..... ڈاکو وہ لوگ کہلائیں گے جن کا رعب و دبدبہ اور قوت اتنی زیادہ ہو کہ راستہ چلنے والے ان کا مقابلہ نہ کر سکیں اور وہ لوگ جو ڈکیتی کریں خواہ ہتھیار سے یا لالشیموں سے یا پتھر وغیرہ سے ہو۔

دوم..... یہ کہ ڈکیتی کا مقام شہر سے باہر دور ہو اور شرح طحاوی میں کہا ہے کہ سفر کی مقدار ہو۔

سوم..... یہ کہ ایسا واقعہ دارالاسلام میں ہو۔

چہارم..... کہ ان لوگوں نے اتنا مال لوٹا ہو جس پر چوری کی سزا دی جاسکتی ہو۔ امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہما کا بھی یہی قول ہے اور امام مالکؒ نے کہا

ہے کہ اتنے مال کا ہونا شرط نہیں ہے۔

پنجم..... یہ کہ سارے ڈاکو ان تمام مسافروں کے لئے اجنبی ہوں۔ یہاں تک کہ اگر ڈاکوؤں میں سے کوئی شخص بھی ان مال والوں کا ذورحم محرم ہو یا بچہ ہو یا دیوانہ ہو تو ڈاکوؤں پر قطع کی سزا واجب نہ ہوگی۔

ششم..... یہ ہے کہ وہ ڈاکو توبہ کرنے سے پہلے پکڑے جائیں اس لئے اگر توبہ کر لینے کے بعد پکڑے گئے ہوں تو ان سے حد ختم ہو جائے گی۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انما جزاء الدین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیہم وارجلہم من خلاف او ینفوا من الارض۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ و اس کے رسول ﷺ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد پھیلائیں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف سمت سے کاٹے جائیں۔ یا زمین سے دور کئے جائیں..... الخ

یہ فرمان باری تعالیٰ ڈاکوؤں کے ہی بارہ میں ہے۔ ان کا واقعہ یہ ہوا کہ قبیلہ عربینہ کے کچھ دیہاتی لوگ مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے پھر مدینہ کی آب و ہوا ان کے مزاج کے موافق نہ ہوئی اور ان کو بخار رہنے لگا اور ان کے پیٹ بڑھ گئے تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ جہاں زکوٰۃ کے اونٹ رہا کرتے ہیں وہاں جا کر اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیئیں۔ پس یہ لوگ وہاں گئے اور ایسا ہی کیا بالآخر وہ اچھے ہو گئے مگر اسلام سے پھر گئے اور چرواہوں کو بری طرح سے قتل کر کے تمام جانوروں کو بھگا کر لے گئے۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ نے ان کے پیچھے آدمی روانہ کئے بالآخر وہ گرفتار کر کے لائے گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان میں سے ہر ایک کا دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں کٹوا کر ان کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اور ایک روایت میں ہے کہ کیلیں ٹھوک کر مقام حرہ میں ڈلوادیا جہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔ جیسا کہ صحاح میں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کیلیں اس لئے ٹھوکی گئی تھیں کہ ان لوگوں نے بھی چرواہوں کی آنکھوں میں ببول کے کانٹے چھید کر بڑی تکلیف سے ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کی کہ جس نے قتل کیا اور مال نہ لیا ہو وہ قتل کیا جائے اور جس نے قتل کیا اور مال بھی لیا وہ سولی دیا جائے اور جس نے صرف مال لیا اور قتل نہیں کیا تو اس کے دائیں طرف کا ہاتھ اور بائیں جانب کا پاؤں کاٹا جائے اور جس نے قتل نہیں کیا اور مال بھی نہیں لیا بلکہ دھمکایا تو اسے از زمین سے نفی کیا جاسکتا ہے، میں (مترجم) نے اپنی کتاب تفسیر جامع میں اس آیت کی خاصی وضاحت اور تفسیر کر دی ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ زمین سے نفی کر دینے کے کیا معنی ہیں۔

چنانچہ امام شافعی و احمد اور ایک جماعت کے نزدیک اس سے غرض یہ ہے کہ اس ملک سے دوسرے ملک میں نکال دئے جائیں لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دارالاسلام میں ایسا کرنے سے وہ لوگ دارالاسلام کے ہی دوسرے شہروں اور ملکوں میں فساد پھیلائیں گے۔ اس لئے شاید یہ مراد ہو کہ ایک ایک کو دوسرے سے متفرق کر دیا جائے اور وہ مختلف علاقوں میں نکال دئے جائیں اور امام ابوحنیفہؒ اور ہر ایک جماعت کے نزدیک یہ مراد ہے کہ قید خانہ میں ڈال دئے جائیں۔ کیونکہ اس طرح ملک اور باشندگان ملک سے بالکل کنارے کر دئے جائیں گے اور ملک ان کے فساد سے پاک ہو جائے گا۔

ڈاکو کی سزا کا حکم، ڈاکہ کی تعریف

قَالَ وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُّتَمَتِّعِينَ أَوْ أَحَدٌ يَقْدِرُ عَلَى الْإِمْتِنَاعِ فَقَصَدُوا قَطْعَ الطَّرِيقِ فَأَخَذُوا قَبْلَ أَنْ يَأْخُذُوا مَالًا وَيَقْتُلُوا أَنْفُسًا حَبَسَهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يُحَدِّثُوا تَوْبَةً

ترجمہ..... قدرتی نے کہا ہے کہ اگر ایک جماعت جن کو منع کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ یعنی وہ اپنے مقابلے میں آنے والوں کا بھرپور مقابلہ کر

سکتے ہیں اگر لوٹ مار اور قتل و قتل کی نیت سے اپنے گھروں سے نکلے پھر اس سے پہلے کہ وہ کسی کا مال لیں یا کسی کو قتل کریں پکڑ لئے جائیں تو امام وقت ان کو قید خانہ میں ان کے توبہ کر لینے تک کے لئے ڈال دے۔

تشریح..... قَالَ وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُّتَمِّعِينَ أَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الْإِمْتِنَاعِ فَفَصِّدُوا..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکہ ڈالنے والی جماعت نے مسلمان یا ذمی کا حال لوٹا لیا اس جماعت کو امام وقت کیا سزا دے گا

وَأِنْ أَخَذُوا مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ وَالْمَاخُودُ إِذَا قُسِمَ عَلَى جَمَاعَتِهِمْ أَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ فَصَاعِدًا أَوْ مَاتَبَلَّغَ قِيَمَتُهُ ذَلِكَ قَطَعَ الْإِمَامُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَإِنْ قَتَلُوا وَلَمْ يَأْخُذُوا مَالًا قَتَلَهُمُ الْإِمَامُ حَدًّا أَوْ الْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ الْأَيَّةُ وَالْمُرَادُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ التَّوْزِيعُ عَلَى الْأَحْوَالِ وَهِيَ أَرْبَعَةٌ هَذِهِ الثَّلَاثَةُ الْمَذْكُورَةُ وَالرَّابِعَةُ نَذْكُرُهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَلِأَنَّ الْجَنَائِيَّاتِ تَتَفَاوَتْ عَلَى الْأَحْوَالِ فَالْإِلَاقَةُ تَغْلُظُ الْحَكِيمِ بِتَغْلُظِهَا أَمَّا الْحَبْسُ فِي الْأُولَى فَلِأَنَّهُ الْمُرَادُ بِالنَّفْيِ الْمَذْكُورِ لِأَنَّهُ نَفَى عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ بِدَفْعِ شَرِّهِمْ عَنْ أَهْلِيهَا وَيُعْزِرُونَ أَيْضًا لِمُبَاشَرَتِهِمْ مُنْكَرَ الْأَخَافَةِ وَشَرْطُ الْقُدْرَةِ عَلَى الْإِمْتِنَاعِ لِأَنَّ الْمُحَارِبَةَ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالْمُنْعَةِ وَالْحَالَةُ الثَّانِيَةُ كَمَا بَيَّنَّا هَا لِمَاتَلُونَاهُ

ترجمہ..... اور اگر ان لوگوں نے کسی مسلمان یا ذمی کا مال لے لیا اور یہ مال اتنا ہو کہ اگر اس جماعت پر وہ مال تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کو دس درہم یا اس سے زیادہ مل جائے یا ایسی چیز ہو جس کی قیمت اتنی ہی ہو تب امام وقت ان لوگوں کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کو کاٹ ڈالے اور اگر ان لوگوں نے صرف قتل کیا ہو یعنی مال نہ لیا ہو تو امام ان کو قتل کے قصاص میں قتل کر ڈالے اور اگر مال بھی لیا اور قتل بھی کیا ہو تو یہ چوتھی صورت ہے۔ جس کی تفصیل سامنے آ رہی ہے۔ اس باب میں اصل یہ فرمان باری تعالیٰ ہے انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله الآية ہے (اس میں چار سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹنا یا زمین سے نفی کرنا) اس سے مراد معلوم ہوتی ہے کہ چار حالتوں میں چار قسم کی سزائیں ہیں یعنی ہر حالت کے مناسب ایک سزا ہے۔ ان میں سے تین حالتیں وہی ہیں جو اوپر گزر گئیں۔ اور چوتھی حالت کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ آگے بیان کریں گے۔ مذکورہ ہر حالت کے موافق ہی اس کی سزا بھی بیان کی گئی ہے اور اس اعتبار سے کہ گناہوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے سزائیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔

چنانچہ بھاری جرم میں بھاری سزا ہی مناسب ہوتی ہے۔ اس لئے پہلے جرم میں قید خانہ میں ڈالنے کی سزا اس لئے ہے کہ آیت میں جو زمین سے نفی کرنا بیان کیا گیا ہے اس سے یہی مراد ہے کہ قید خانہ میں ڈالے جائیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے روئے زمین اور باشندگان ملک کو اس کے فتنہ و فساد سے بچانا ممکن ہوگا اور ڈاکوؤں کو تعزیر بھی کی جائے گی کہ انہوں نے لوگوں کو ڈرانے اور دھکے مارنے کا گھناؤنا عمل کیا ہے۔ پھر قدروں نے ڈاکوؤں کے لئے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ ان کو امتناع کی قدرت بھی ہو کیونکہ جب تک ان کو یہ قدرت نہ ہوگی تب تک لڑائی نہیں ہو سکتی ہے اور دوسری حالت یعنی جب کہ ان لوگوں نے مال لیا اور قتل کیا تو اس کا حکم وہی ہے۔ جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ جس کی دلیل وہی آیت ہے۔ جو ہم نے پہلے بیان کر دی ہے۔

تشریح..... وَأِنْ أَخَذُوا مَالَ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ وَالْمَاخُودُ إِذَا قُسِمَ عَلَى جَمَاعَتِهِمْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکہ کب متحقق ہوگا یعنی ڈاکہ کی شرائط

وَشَرْطُ أَنْ يَكُونَ الْمَاخُودُ مَالُ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لِيَكُونَ الْعِصْمَةُ مَوْبَدَّةً وَلِهَذَا لَوْ قُطِعَ الطَّرِيقُ عَلَى الْمُسْتَأْمِنِ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ وَشَرْطُ كَمَالِ النَّصَابِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ كَيْلًا يُسْتَبَاحُ طَرَفُهُ الْإِتِّبَانُ وَلَهُ مَالُهُ خَطَرًا وَالْمُرَادُ

قَطْعُ الْيَدِ الْيُمْنَى وَالرَّجْلِ الْيُسْرَى كَيْلًا يُؤَدِّي إِلَى تَقْوِيَتِ جَنْسِ الْمَنْفَعَةِ وَالْحَالَةِ الثَّالِثَةُ كَمَا بَيَّنَّا هَا لِمَاتْلُوْنَاهُ وَيَقْتُلُوْنَ حَدًّا حَتَّى لَوْ عَفَا الْأَوْلِيَاءُ عَنْهُمْ لَا يَلْتَفِتُ إِلَى عَفْوِهِمْ لِأَنَّهُ حَقُّ الشَّرْعِ

ترجمہ..... اس صورت میں قدوری نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مال کسی مسلم یا ذمی کا ہو۔ یہ شرط اس لئے لگائی ہے تاکہ اس مال کا احترام اور عصمت ہمیشہ کے لئے ہو اسی لئے اگر کوئی حربی امان لے کر آیا اور اس پر ان لوگوں نے ذمہ داری تو اس سے ہاتھ کاٹنا لازم نہیں آئے گا۔ اسی طرح قدوری نے کم از کم دس درہم ہونے کی شرط بھی اور ہر ایک ڈاکو کو ملنے کی شرط کی ہے تاکہ اس کا ہاتھ پاؤں سب کے لئے مباح نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ وہ کوئی اہم چیز لے لے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے عوض دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹا جائے۔ تاکہ وہ ڈاکو ایسا نہ ہو جائے کہ اس کے پاؤں یا ہاتھ اس طرح کاٹ دئے جائیں کہ وہ ان سے ذرہ برابر کسی قسم کا کوئی نفع حاصل نہ کر سکے اور تیسری صورت وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس کی دلیل بھی وہی آیت ہے جو اوپر بیان کر دی ہے اور قتل کرنے والے ڈاکو حد کی سزا کے طور پر قتل کئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ اگر مقتولین کے اولیاء ان کو معاف بھی کر دیں تو بھی ان کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ اس بات پر تمام اماموں کا اجماع ہے۔ کیونکہ یہ قتل شرعی حق ہے۔

تشریح..... وَ شَرَطُ أَنْ يَكُونَ الْمَأْخُوذُ مَالٌ مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لِيَكُونَ الْعِصْمَةُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا اور مال بھی چھینا امام کیا سزا دے گا

وَالرَّابِعَةُ إِذَا قَتَلُوا وَآخَذُوا الْمَالَ فَإِلَّا مِمَّا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطْعُ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافِ وَقْتَلَهُمْ أَوْ صَلَبَهُمْ وَإِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ وَإِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَقْتُلُ أَوْ يَصْلُبُ وَلَا يَقْطَعُ لِأَنَّهُ جَنَابَةٌ وَاحِدَةٌ فَلَا تُوجِبُ حَدَّيْنِ وَلَا أَنْ مَادُونَ النَّفْسِ يَدْخُلُ فِي النَّفْسِ فِي بَابِ الْحَدِّ كَحَدِّ السَّرْقَةِ وَالرَّجْمِ وَلَهُمَا أَنْ هَذِهِ عُقُوبَةٌ وَاحِدَةٌ تَغْلُظُ لِتَغْلُظَ سَبَبُهَا وَهُوَ تَقْوِيَتُ الْأَمْنِ عَلَى النَّهْيِ بِالْقَتْلِ وَآخِذِ الْمَالِ وَلِهَذَا كَانَ قَطْعُ الْيَدِ وَالرَّجْلِ مَعَ فِي الْكِبَرِيِّ حَدًّا وَاحِدًا وَإِنْ كَانَا فِي الصُّغَرَى حَدَّيْنِ وَالتَّدَاخُلُ فِي الْحُدُودِ لَا فِي حَدٍّ وَاحِدٍ ثُمَّ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ التَّخْيِيرَ بَيْنَ الصُّلْبِ وَتَرْكِهِ وَهُوَ ظَاهِرُ الرَّوَايَةِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَتْرُكُهُ لِأَنَّهُ مَنْصُوصٌ عَلَيْهِ وَالْمَقْصُودُ التَّشْهِيرُ لِيُعْتَبَرَ بِهِ غَيْرُهُ وَنَحْنُ نَقُولُ أَصْلُ التَّشْهِيرِ بِالْقَتْلِ وَالْمُبَالَغَةُ فِي الصُّلْبِ فَيُخَيَّرُ فِيهِ

ترجمہ..... اور چوتھی صورت یہ ہے کہ ان ڈاکوؤں نے لوگوں کو قتل بھی کیا اور ان سے مال بھی لیا تو اس صورت میں امام کو اختیار ہوگا کہ اگر چاہے تو ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دے اور ان کو قتل بھی کر دے۔ یا سولی دیدے اور اگر چاہے تو ان کو صرف قتل کرے یا اگر چاہے تو ان کو صرف سولی دے اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف قتل کرے یا صرف سولی دے لیکن ان کے ہاتھ پاؤں نہ کاٹے۔ کیونکہ یہ ذمہ داری ایک ہی جرم ہے اس لئے اس کے بارے میں ان پر دو حدیں لازم نہیں ہوں گی اور اس وجہ سے بھی کہ حدود کے باب میں قتل نفس کی سزا میں اس سے کم جو دوسری سزا ہوگی وہ بھی اسی میں داخل ہو جاتی ہے۔ یعنی باب الحدود میں اگر ایک شخص پر قتل ہونا لازم ہوا اور مثلاً ہاتھ کاٹا جانا بھی لازم ہوا تو یہ قتل کی سزا میں داخل ہو کر صرف قتل کیا جائے گا۔ جیسے اگر کسی پر چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹنا واجب ہوا اور اسی پر زنا کی وجہ سے رجم بھی واجب ہوا تو صرف رجم کر دیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں کاٹ کر قتل کرنا یا سولی دینا مجموعی طور پر ایک ہی سزا شمار کی گئی ہے۔ جو کسی بڑے جرم کی وجہ سے سخت سزا ہو گئی ہے اور سخت اور بڑا جرم یہ ہوا کہ اس نے لوگوں کو قتل کر کے اور ان سے مال لوٹ کر کے بدنامی پھیلادی۔ اسی وجہ سے ذمہ داری میں ہاتھ اور پاؤں کا ایک ساتھ کاٹنا حد کی ایک ہی سزا ہے۔ اگرچہ چوری کی صورت میں یہ دو حدیں ہوتی ہیں اور حدود میں تداعلی اسی صورت میں ہوتا

ہے جبکہ کئی حدیث جمع ہوئی ہوں اور ایک ہی حدیث میں تداخل نہیں ہو سکتا ہے۔ پھر قدوریؒ نے کتاب میں ذکر کیا ہے کہ امام کو یہ اختیار ہے کہ سولی دے یا نہ دے۔ ظاہر الروایۃ یہی ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ سولی دینے کو نہ چھوڑے۔ کیونکہ نص قرآنی میں اس کا بیان ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اسے بہت زیادہ مشہور کیا جائے تاکہ دوسروں کو اس سے عبرت حاصل ہو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اصلی شہرت تو قتل کرنے سے ہی ہوگی۔ لیکن سولی دینے سے شہرت کی زیادتی ہے۔ اس لئے امام کو اس میں اختیار ہے۔

تشریح وَالرَّابِعَةُ إِذَا قُتِلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ فَلَا مَامَ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ آيِدِيهِمْ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

’ڈاکوؤں کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے گا اور ناکے پیٹ نیزے سے چاک کرے گا یہاں تک کہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دے

ثُمَّ قَالَ وَيُصْلَبُ حَيًّا وَيُعْجُ بَطْنُهُ بِرُمَحٍ إِلَى أَنْ يَمُوتَ وَمِثْلُهُ عَنِ الْكُرْجِيِّ وَعَنِ الطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ يُقْتَلُ ثُمَّ يُصْلَبُ تَوْقِيَاعَيْنِ الْمُثَلَّةِ وَجْهَ الْأَوَّلِ وَهُوَ الْأَصْحُ أَنَّ الصُّلْبَ عَلَى هَذَا الزَّوْجِ أَبْلَغُ لِمَا الرَّدْعُ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِهِ

تشریح اس کے بعد قدوریؒ نے فرمایا کہ ایسے ڈاکو کو زندہ سولی پر چڑھایا جائے اور ایک نیزہ سے اس کا پیٹ چاک کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اسی جیسا امام کرخیؒ سے بھی منقول ہے۔ اور طحاویؒ سے روایت ہے کہ قتل کرنے کے بعد سولی دی جائے تاکہ شہرہ کرنے سے بچاؤ ہو اس میں پہلی روایت اصح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح سولی دینے میں زیادہ خوفناک عبرت ہے اور اس سزا کا مقصود بھی یہی ہے۔

تشریح ثُمَّ قَالَ وَيُصْلَبُ حَيًّا وَيُعْجُ بَطْنُهُ بِرُمَحٍ إِلَى أَنْ يَمُوتَ وَمِثْلُهُ الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

سولی پر کتنے دن لٹکایا جائے

قَالَ وَلَا يُصْلَبُ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِأَنَّهُ تَتَغَيَّرُ بَعْدَهَا فَيَتَأَذَّى النَّاسُ بِهِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَتْرُكُ عَلَى خَشَبَةٍ حَتَّى يَنْقَطِعَ وَيَسْقُطَ لِيُغْتَبَرَ بِهِ غَيْرُهُ قُلْنَا حَصَلَ الْإِغْتِبَارُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ وَالنِّهَايَةُ غَيْرُ مَطْلُوبَةٍ

ترجمہ اور یہ کہا کہ اس ڈاکو کو سولی دینے کے بعد اسی حال پر تین دنوں سے زیادہ نہیں چھوڑا جائے۔ کیونکہ تین دنوں کے بعد وہ جسم بگڑ جائے گا تو اس کی بدبو سے لوگوں کو تکلیف ہونے لگے گی۔ ابو یوسفؒ سے یہ بھی ایک روایت ہے کہ اس کو سولی کے تختہ پر ہی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وہ گر پڑے تاکہ دوسروں کو اس سے عبرت حاصل ہو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ تین دن رکھنے سے ہی عبرت حاصل ہوگئی اور اس درجہ تک اسے پہنچانا مطلوب نہیں ہے (بلکہ صرف تنبیہ ہی مقصود ہے)

تشریح قَالَ وَلَا يُصْلَبُ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ لِأَنَّهُ تَتَغَيَّرُ بَعْدَهَا فَيَتَأَذَّى الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکو قتل کر دیا گیا تو سرقہ صغریٰ کا تاوان اس پر نہیں لاداجائے گا

قَالَ وَإِذَا قُتِلَ الْقَاطِعُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِي مَالٍ أَخَذَهُ إغْتِبَارًا بِالسَّرْقَةِ الصَّغْرَى وَقَدْ بَيَّنَّاهُ

ترجمہ اور یہ بھی کہا ہے کہ اگر ڈاکو قتل کر دیا جائے تو جو مال اس نے لوٹا تھا اس کا تاوان اب اس پر واجب نہیں رہا۔ یہ چوری کے مسئلہ پر قیاس کر کے ہے۔ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تشریح..... قَالَ وَإِذَا قُتِلَ الْقَاطِعُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر قتل کا فعل کسی ایک نے انجام دیا تو سب پر حد جاری کی جائے گی

فَإِنْ بَاشَرَ الْقَتْلَ أَحَدُهُمْ أُجْرِيَ الْحَدُّ عَلَيْهِمْ بِاجْتِمَاعِهِمْ لِأَنَّهُ جَزَاءُ الْمُحَارَبَةِ وَهِيَ تَتَحَقَّقُ بِأَنْ يَكُونَ الْبَعْضُ رِذْءًا لِلْبَعْضِ حَتَّى إِذَا زَالَتْ أَقْدَامُهُمْ انْحَاذُوا إِلَيْهِمْ وَأَتَمَّ الشَّرْطُ الْقَتْلُ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَقَدْ تَحَقَّقَ

ترجمہ..... اور اگر ڈاکوؤں کی جماعت میں سے صرف ایک ہی شخص نے قتل کا کام کیا ہو تو بھی قتل کی سزا ان سبھوں پر لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ تو ذکیقتی کی سزا ہے کیونکہ ذکیقتی تو اسی طرح ہوا کرتی ہے کہ کوئی لڑے اور دوسرا کوئی اس کی مدد پر ہو اس طرح سے کہ اگر لڑنے والا ہارنے لگے اور اسے ناکامی کی صورت ہو رہی ہو تو اپنے مددگاروں میں واپس آ کر ان سے مدد لے۔ لیکن اس مسئلہ میں شرط یہی ہے کہ ان میں سے کسی سے بھی قتل کا کام پایا جائے اور وہ پایا گیا۔

تشریح..... فَإِنْ بَاشَرَ الْقَتْلَ أَحَدُهُمْ أُجْرِيَ الْحَدُّ عَلَيْهِمْ بِاجْتِمَاعِهِمْ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

لاٹھی، پتھر اور تلوار سے قتل برابر ہے

قَالَ وَالْقَتْلُ وَإِنْ كَانَ بَعْضًا أَوْ بِحَجَرٍ أَوْ بِسَيْفٍ فَهُوَ سَوَاءٌ لِأَنَّهُ يَقَعُ قَطْعًا لِلطَّرِيقِ بِقَطْعِ الْمَارَةِ

ترجمہ..... اور یہ بھی کہا ہے کہ قتل کا کام خواہ لاٹھی سے ہو یا پتھر سے یا تلوار سے حکم میں سب برابر ہیں۔ کیونکہ مسافروں اور عوام کا راستہ روک دینے سے ہی ذکیقتی ثابت ہو جاتی ہے

تشریح..... قَالَ وَالْقَتْلُ وَإِنْ كَانَ بَعْضًا أَوْ بِحَجَرٍ أَوْ بِسَيْفٍ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکو نے قتل بھی نہیں کیا اور مال بھی نہیں لوٹا فقط زخمی کیا تو اس سے قصاص لیا جائے گا

وَإِنْ لَمْ يَقْتُلِ الْقَاطِعُ وَلَمْ يَأْخُذْ مَالًا وَقَدْ جَرَحَ أَقْتَصَّ مِنْهُ فِيمَا فِيهِ الْقِصَاصُ وَأَخِذَ الْإِرْشُ مِنْهُ مِمَّا فِيهِ الْإِرْشُ وَذَلِكَ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لِأَنَّهُ لَأَحَدٌ فِي هَذِهِ الْجَنَائِيَةِ فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَيَسْتَوْفِيهِ الْوَلِيُّ

ترجمہ..... اور اگر ڈاکوؤں نے کسی کو قتل نہ کیا اور نہ مال لیا بلکہ صرف زخمی کیا ہو تو جن زخموں کا بدلہ لیا جاتا ہے ان میں بدلہ لیا جائے گا اور جن میں صرف مالی جرم مان لیا جاتا ہے ان میں ہی جرم مان لیا جائے گا اور اس کی وصولی کا حق اس زخمی کے اولیاء کو ہوگا۔ کیونکہ اس جرم میں حد کی سزا لازم نہیں آتی ہے اس لئے یہ بندہ ہی کا حق ہوا یعنی اس کے سلسلہ میں بدلہ یا جرم مان لینا ہوگا۔ (یعنی اگر مثلاً ڈاکو نے کسی کا کان کاٹ لیا ہو تو اس کے بدلہ ڈاکو کا کان کاٹا جائے گا اور اگر ان زخمی کردی تو اس پر جرم مان وصول کیا جائے گا۔)

تشریح..... وَإِنْ لَمْ يَقْتُلِ الْقَاطِعُ وَلَمْ يَأْخُذْ مَالًا وَقَدْ جَرَحَ أَقْتَصَّ مِنْهُ فِيمَا فِيهِ الْقِصَاصُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکو نے مال لوٹا اور زخمی کیا تو ہاتھ اور پاؤں خلاف جانب سے کاٹا جائے اور جو

زخم لگائے وہ ساقط ہو جائیں گے

وَإِنْ أَخَذَ مَالًا لَمْ يَجْرَحْ فَطَعَتْ يَدُهُ وَرَجُلُهُ وَبَطَلَتْ الْجَرَاحَاتُ لِأَنَّهُ لِمَا وَجَبَ الْحَدَّ حَقًّا لِلَّهِ بِقَطْعِ عَمَلِهِ

ترجمہ..... اور اگر ڈاکوؤں نے مال لے لیا اس کے بعد زخمی بھی کر دیا تو ڈاکو کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ لیکن زخموں کا عوض باطل ہو جائے گا کیونکہ جب حق الہی کے لئے حد واجب ہوگئی تو نفس کی عصمت جو پہلے سے تھی اب ساقط ہوگئی۔ جیسے مال کی عصمت ختم ہو جاتی ہے۔

تشریح..... وَإِنْ أَخَذَ مَا لَكُمْ جَرَاحٌ فَطَعَنَ يَدَهُ وَرِجْلَهُ وَبَطَلَتِ الْجَرَاحَاتُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکو توبہ کرنے کے بعد پکڑا گیا اور اس نے عداً قتل کیا تھا تو اولیاء مقتول چاہے

قصاص لیں چاہے معاف کر دیں

وَإِنْ أَخَذَ بَعْدَ مَتَابٍ وَقَدْ قُتِلَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْأَوْلِيَاءُ قَتْلُوهُ وَإِنْ شَاءَ وَاعْفَوْا عَنْهُ لِأَنَّ الْحَدَّ فِي هَذِهِ الْجَنَائِيَةِ لَا يُقَامُ بَعْدَ التَّوْبَةِ لِلِاسْتِثْنَاءِ الْمَذْكُورِ فِي النَّصِّ وَلِأَنَّ التَّوْبَةَ يَتَوَقَّفُ عَلَى رَدِّ الْمَالِ وَلَا قَطْعَ فِي مِثْلِهِ فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ فِي النَّفْسِ وَالْمَالِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْوَلِيُّ الْقِصَاصَ أَوْ يَغْفُو أَوْ يَجِبَ الضَّمَانُ إِذَا هَلَكَ فِي هَذِهِ أَوْ اسْتَهْلَكَ

ترجمہ..... اور اگر ڈاکو توبہ کر لینے کے بعد پکڑا گیا ہو حالانکہ اس نے قصداً قتل کیا ہو تو مقتول کے اولیاء کو یہ حق ہوگا کہ اگر وہ متفقہ طور سے اس ڈاکو کو قصاص میں قتل کرنا چاہیں تو قتل کر دیں اور اگر اسے معاف کرنا چاہیں تو معاف بھی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ذکیقت کے جرم میں توبہ کرنے کے بعد حد کی سزا قائم نہیں کی جاتی ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسے صاف لفظوں میں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ صحیح توبہ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجرم نے لئے ہوئے حق یا مال کو واپس کر دیا ہے اور ایسی صورت میں قطع کی سزا نہیں دی جاسکتی ہے۔ لہذا باندہ کا حق نفس اور مال میں ظاہر ہوا اس لئے قصاص کے ولی کو یہ اختیار ہوگا کہ چاہے اپنا حق قصاص وصول کرے یا چاہے تو معاف کر دے اور ڈاکو نے مال برباد کر دیا ہو یا اس سے مال برباد ہو گیا تو اس پر ضمان لازم ہوگا۔

تشریح..... وَإِنْ أَخَذَ بَعْدَ مَتَابٍ وَقَدْ قُتِلَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْأَوْلِيَاءُ قَتْلُوهُ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکوؤں کی جماعت میں کوئی نابالغ، مجنون، مقطوع علیہ کا قریبی رشتہ دار ہو تو باقی

ڈاکوؤں سے حد ساقط ہو جائے گی

وَإِنْ كَانَ مِنَ الْقُطَاعِ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِينَ فَالْمَذْكُورُ فِي الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرٍ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَوْ بَاشَرَ الْعَقْلَاءُ يُحْدِثُ الْبَاقُونَ وَعَلَى هَذَا السَّرَقَةُ الصُّغْرَى لَهُ أَنَّ الْمُبَاشِرَ أَصْلَ وَالرَّدَّ تَابِعٌ وَلَا خَلَلَ فِي مُبَاشَرَةِ الْعَاقِلِ وَلَا إغْتِبَارَ بِالْخَلَلِ فِي التَّبَعِ وَفِي عَكْسِهِ يَنْعَكِسُ الْمَعْنَى وَالْحُكْمُ وَلَهَا أَنَّهُ جَنَائِيَةٌ وَاحِدَةٌ قَامَتْ بِالْكُلِّ فَإِذَا لَمْ يَقَعْ فِعْلُ بَعْضِهِمْ مُوجِبًا كَانَ فِعْلُ الْبَاقِينَ بَعْضُ الْعِلَّةِ وَبِهِ لَا يَنْبُتُ الْحُكْمُ فَصَارَ كَالْخَاطِئِ مَعَ الْعَامِدِ وَأَمَّا ذُو الرَّحِمِ الْمَحْرَمِ فَقَدْ قِيلَ تَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مُشْتَرَكًا بَيْنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِمْ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مُطْلَقٌ لِأَنَّ الْجَنَائِيَةَ وَاحِدَةٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مِتْنَاعَ فِي حَقِّ الْبَعْضِ يُوجِبُ الْإِمْتِنَاعَ فِي حَقِّ الْبَاقِينَ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِمْ مُسْتَمِينٌ لِأَنَّ

الْإِمْتِنَاعُ فِي حَقِّهِ لِيُخْلَلَ فِي الْعَصْمَةِ وَهُوَ يَخْصُهُ أَمَّا هُنَا الْإِمْتِنَاعُ لِيُخْلَلَ فِي الْحِرْزِ وَالْقَافِلَةُ حِرْزٌ وَاحِدٌ

ترجمہ..... اگر ڈاکوؤں کی جماعت میں کوئی نابالغ یا دیوانہ یا کوئی ایسا شخص ہو کہ جن پر حملہ کیا گیا ہے وہ ان کا کوئی ذی رحم محرم ہو تو باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ یہ جانتا چاہئے کہ نابالغ اور دیوانہ کے بارہ میں امام ابوحنیفہ و زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول وہی ہے جو ذکر کیا گیا ہے اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ اگر ذکیۃ کا کام کسی عقل والے نے (نابالغ اور دیوانہ نے نہیں) کیا ہو تو ان نابالغ اور دیوانوں کے ماسوا باقی لوگوں کو حد کی سزا دی جائے گی اور صرف چوری میں بھی یہی حکم ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شخص نے جرم کیا ہے وہی اصل مجرم ہے اور جو اس کے مددگار ہیں وہ اس کے تابع ہیں اور ان میں جو عقل و شعور والے ہیں ان کے کسی کام میں کچھ خلل نہیں ہے اور تابع یعنی نابالغ اور دیوانے کے تابع ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے اگر تابع سے حد ختم ہو جائے تو اس کی وجہ سے اصل مجرموں سے حد ختم نہ ہوگی اور اگر اس کے برعکس ہو تو اس کے معنی اس کا وہ حکم بھی برعکس ہو جائے گا۔ یعنی اگر تابع میں خلل نہ ہو اور اصل مجرموں میں خلل ہو تو حد ختم ہو جائے گی اور امام ابوحنیفہ و زفر رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ ذکیۃ کا کام صرف ایک ہی جرم ہے جو سب کے مل کر کرنے سے پورا اور کامیاب ہوا ہے۔ اور وہ سب سے متعلق ہے۔ پس جب ان میں سے کسی کا کام حد کی سزا پانے کا مستحق نہ ہو یعنی مکمل علت نہ ہو تو باقی لوگوں کا کام ناقص علت رہ گیا اور ناقص یا جزو علت موجود نہ ہونے سے پورا حکم ثابت نہ ہوگا۔ لہذا اس کی صورت ایسی ہوگئی کہ بالقصد ایک کام کرنے والے کے ساتھ ایک دوسرا شخص جو غلطی سے کام کرنے والے کے ساتھ شریک ہو گیا۔ مثلاً ایک شخص نے دوسرے کو آدمی سمجھتے ہوئے اس کی طرف قصد اتیر مارا اور دوسرے شخص نے بھی اسی کو تیر مارا مگر شکار سمجھتے ہوئے نتیجہ میں وہ شخص تیر سے مر گیا۔ اس صورت میں جس نے شکار سمجھ کر مارا ہے وہ تو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ ساتھ ہی اس دوسرے شخص کو بھی قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ وہ بھی چھوٹ جائے گا اور ایسی صورت میں جبکہ ڈاکوؤں کے ساتھ راستہ کے مسافروں کا کوئی ایک ذی رحم محرم بھی ہو تو اس کے بارے میں بھلا صبر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہنا ہے (کہ اس کی وجہ سے باقی ڈاکوؤں سے بھی حد ختم ہو جائے گی) اس کی تاویل یہ ہے کہ جن پر ذکیۃ کی گئی ہے ان کے مال یا ہم مشترک ہوں تب ڈاکوؤں سے حد ختم ہوگی لیکن قول اصح یہ ہے کہ ان کے مال مشترک ہوں یا نہ ہوں۔ ہر حالت میں حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ ذکیۃ کا پورا کام ایک ہی جرم ہوتا ہے جو ان تمام ڈاکوؤں کے مل کر کرنے سے مکمل ہوا ہے۔ اس لئے ان میں سے کسی سے اگر کسی وجہ سے حد ساقط ہوگئی تو باقی شریکوں سے بھی لازماً ساقط ہو جائے گی۔ اس کے برخلاف اگر مسافروں میں ایسا کوئی حربی بھی ہو جو امان لے کر دارالاسلام میں داخل ہوا ہو تو اس کے بارے میں ڈاکوؤں سے حد کی سزا اس لئے ساقط ہوتی ہے کہ اس کے خون حرام ہونے میں خلل ہے اور ایسے ہی شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو امن کے کردار الاسلام آیا ہو اور ایسی جگہ میں حد اس لئے ممنوع قرار دی گئی ہے کہ حرز (مکمل حفظ) نہیں ہے۔ بلکہ اس میں خلل ہے۔ جبکہ یہ حرز مخصوص فرد یا حالت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ مجموع طور پر پورے قافلہ سے ہے اور یہ پورا فاصلہ ایک ہی حرز ہے۔

تشریح..... وَإِنْ كَانَ مِنَ الْقَطَاعِ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُو رَحِمٍ مَحْرَمٌ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

حد ساقط ہوگئی تو قصاص لینے کا حکم اولیاء مقتول کو ہوگا

وَإِذَا سَقَطَ الْحَدُّ صَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لِيُظْهِرَ حَقَّ الْعَبْدِ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَإِنْ شَاءَ وَاقْتُلُوا وَإِنْ شَاءَ وَاعْفُوا

ترجمہ..... اور جب حد ساقط ہو جائے تو قصاص لینے کا حق اولیاء کو ہوگا۔ کیونکہ جب حق الہی نہیں ہو سکا تو بندوں کا حق ظاہر ہوگا اس لئے اس کے اولیاء کو اس طرح کا اختیار ہوگا کہ اگر وہ چاہیں تو قاتل کو بھی قتل کروادیں یا چاہیں تو اسے معاف کر دیں۔

تشریح..... وَإِذَا سَقَطَ الْحَدُّ صَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لِيُظْهِرَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر بعض قافلہ والوں نے بعض دوسرے قافلہ والوں پر ڈاکہ ڈالا تو ڈاکہ کی حد جاری نہیں ہوگی

وَإِذَا قَطَعَ بَعْضُ الْقَافِلَةِ الطَّرِيقَ عَلَى الْبَعْضِ لَمْ يَجِبِ الْحُدُّ لَأَنَّ الْحِرْزَ وَاحِدٌ فَصَارَتْ الْقَافِلَةُ كَذَارٍ وَاحِدَةٍ

ترجمہ..... اور اگر ایک قافلہ میں رہتے ہوئے ان کے درمیان سے کچھ لوگوں نے حصہ پر حملہ کر دیا تو ان پر ڈکیتی کی حد واجب نہ ہوگی کیونکہ وہ تمام مل کر ایک حرتھے اس لئے پورا قافلہ ایک گھر کے حکم میں ہو جائے گا۔

تشریح..... وَإِذَا قَطَعَ بَعْضُ الْقَافِلَةِ الطَّرِيقَ عَلَى..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

ڈاکوؤں نے شہر میں یا شہر کے قریب دن یا رات کو ڈاکہ ڈالا تو ڈاکہ کی حد جاری نہیں ہوگی

وَمَنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي الْمِصْرِ أَوْ بَيْنَ الْكُوفَةِ وَالْحِيرَةِ فَلَيْسَ بِقَاطِعِ الطَّرِيقِ اسْتِحْسَانًا وَفِي الْقِيَاسِ يَكُونُ قَاطِعِ الطَّرِيقِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لَوْ جُودِهِ حَقِيقَةً وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجِبُ الْحُدُّ إِذَا كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ وَإِنْ كَانَ بِقُرْبِهِ لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْتُ وَعَنْهُ إِنْ قَاتَلُوا نَهَارًا أَوِ اللَّيْلَةَ أَوْ بِالْخَشَبِ فَهُمْ قُطَّاعُ الطَّرِيقِ لِأَنَّ السِّلَاحَ لَا يَلْبِثُ وَالْغَوْتُ يُبْطِئُ بِاللَّيَالِي وَنَحْنُ نَقُولُ إِنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ بِقَطْعِ الْمَارَةِ وَلَا يَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي الْمِصْرِ وَبِقُرْبٍ مِنْهُ لِأَنَّ الظَّاهِرَ لِحُوقِ الْغَوْتُ إِلَّا أَنَّهُمْ يُؤْخَذُونَ بِرَدِّ الْمَالِ إِيصَالًا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحِقِّ وَيُؤْذَبُونَ وَيُحْبَسُونَ لِارْتِكَابِهِمُ الْجَنَايَةَ وَلَوْ قَتَلُوا فَا لَا مُرْفِئِهِ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لِمَابَيَّنَّاهُ

ترجمہ..... اور اگر ڈاکوؤں یا شہر کو فہ اور حرہ کے درمیان کہ ان دونوں کے درمیان صرف ایک میل کا فاصلہ ہے رات کے وقت یا دن کے وقت ڈکیتی کی تو استحساناً اسے ڈکیتی نہیں کہا جائے گا۔ اگرچہ قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ اسے بھی ڈکیتی ہی کہا جائے۔ چنانچہ امام شافعی کا قول ہے کیونکہ حقیقت میں ڈکیتی پائی گئی ہے اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ شہر سے باہر ڈکیتی اور لوٹ مار کرنے سے ڈکیتی کی حد واجب ہوگی بشرطیکہ شہر کے باہر ہو اگرچہ شہر کے قریب ہی ہو کیونکہ اس جگہ پر قتل و قتل اور لوٹ مار کرنے پر مدد کے لئے پکارنے پر بھی کسی کا پہنچنا ممکن نہیں ہوتا ہے اور ان سے دوسری روایت یہ بھی ہے کہ اگر دن کے وقت ہتھیار کی یا رات کے وقت ہتھیار یا دن میں لڑائی کی تو وہ لوگ ڈاکو ہی کہلائیں گے کیونکہ ہتھیار ہونے کی صورت میں دوسروں کو اتنا موقع نہیں ملتا ہے اور اتنی دیر نہیں ہوتی کہ وہاں پر شہر والے ان لوگوں کی مدد کو پہنچ سکیں اور رات کو مدد گار پہنچنے میں دیر لگتی ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ راستہ میں مسافروں کو لوٹ مار کرنے سے ہی تو ڈکیتی ہو جاتی ہے اور یہ بات شہر میں یا شہر کے قریب نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ بظاہر اس جگہ پر کبھی مدد گار پہنچ ہی جاتے ہیں۔ لیکن شہر کے پاس ایسا کرنے میں لوگوں کو مال واپس کرنے کے لئے مجرموں کو گرفتار کیا جائے گا اور مجرموں کو تعزیر کی جائے گی اور وہ قید خانہ میں بند کر دیے جائیں گے۔ کیونکہ وہ جرم کے مرتکب ہوئے ہیں اور اگر انہوں نے کسی کو قتل کیا ہو تو مقتول کے اولیاء کو اختیار ہوگا کہ چاہے وہ ان سے قصاص لیں یا ان کو معاف کر دیں۔ (لیکن امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہی فتویٰ ہے)۔

تشریح..... وَمَنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي الْمِصْرِ أَوْ بَيْنَ الْكُوفَةِ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

کسی نے دوسرے کا گلابا کر مار دالا تو دیت قاتل کی عاقبہ پر ہوگی

وَمَنْ خَنَقَ رَجُلًا حَتَّى قَتَلَهُ فَالْدَبَّةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْقَتْلِ بِالْمُثْقَلِ وَسَنِينٌ فِي بَابِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے دوسرے کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقتول کی دیت قاتل کے مددگار برادری پر ہوگی۔ یہ مسئلہ دراصل کسی بھاری اور وزنی چیز سے دوسرے کو مار ڈالنے کا مسئلہ ہے۔ جسے ہم انشاء اللہ باب الدیات میں بیان کریں گے۔
تشریح..... وَمَنْ خَنَقَ رَجُلًا حَتَّى قَتَلَهُ فَالْدِيَّةُ عَلَى عَاقِلِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

اگر شہر میں کئی کو گلا دبا کر موت کی گھاٹ اتار چکا تو قتل کیا جائے گا

وَ اِنْ خَنَقَ فِي الْمَصْرِ غَيْرَ مَرَّةٍ قَتْلَ بِهِ لِاَنَّهُ صَارَ سَاعِيًا فِي الْاَرْضِ بِالْفَسَادِ فَيُدْفَعُ شَرُّهُ بِالْقَتْلِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

ترجمہ..... اور اگر اس شخص نے شہر کے اندر بار بار لوگوں کے گلے گھونٹنے تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ ملک میں فساد پھیلانے والا ہو گیا ہے۔ اس لئے اسے قتل کر کے اس کے شر سے پورے شہر والوں کو بچایا جائے گا۔ واللہ اعلم
تشریح..... وَ اِنْ خَنَقَ فِي الْمَصْرِ غَيْرَ مَرَّةٍ قَتْلَ بِهِ لِاَنَّهُ صَارَ سَاعِيًا..... الخ مطلب ترجمہ سے واضح ہے۔

انتہی کتاب الحدود، و يليه كتاب السير

مَلَّتْ



کی مطبوعہ مفتی کتب ایک نظر میں

دائرہ اشاعت

- خواتین کے مسائل اور نکاح جلد ۲ — جمع و ترتیب مفتی ثناء اللہ محمود فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
- فتاویٰ رشیدیہ مہتاب — حضرت مفتی رشید احمد گلگویی
- کتاب الکفایۃ والنفاۃ — مولانا عمران الحق کلانی
- تہذیب الضروری مسائل القدوری — مولانا محمد عاصم الہی البرقی
- بہشتی زیور ہدایہ مکمل — حضرت مولانا محمد شرف علی تھانوی رح
- فتاویٰ رحیمیہ اردو ۱۰ حصے — مولانا مفتی عبد الرحیم لاچپوری
- فتاویٰ رحیمیہ انگریزی ۳ حصے — ” ” ” ” ” ”
- فتاویٰ عالمگیری اردو ۱۰ جلد مع پیش لفظ مولانا محمد تقی عثمانی — اورنگ زیب عالمگیر
- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۲ حصے ۱۰ جلد — مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب
- فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۲ جلد کاہل — مولانا مفتی محمد شفیع رح
- اسلام کا نظریہ اراضی — ” ” ” ” ” ”
- مسائل معارف القرآن (تدوین معارف القرآن میں کفر و آئی احکام) — ” ” ” ” ” ”
- انسانی اعضا کی پیوندکاری — ” ” ” ” ” ”
- پراویڈنٹ فنڈ — ” ” ” ” ” ”
- نوائین کے لیے شرعی احکام — اہلیہ نظریہ احمد تھانوی رح
- بیمہ زندگی — مولانا مفتی محمد شفیع رح
- رفیقی سفر سفر کے آداب احکام — ” ” ” ” ” ”
- اسلامی قانون نکاح طلاق وراثت — فضیل الرحمن لہلال عثمانی
- علم الفقہ — مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رح
- نماز کے آداب احکام — انشاء اللہ تھانوی رح
- قانون وراثت — مولانا مفتی رشید احمد صاحب
- دارہمی کی شرعی حیثیت — حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
- الصنیع النوری شرح قدوری اعلیٰ — مولانا محمد حنیف گنگوہی
- دین کی باتیں یعنی مسائل بہشتی زیور — مولانا محمد شرف علی تھانوی رح
- ہمارے عائلی مسائل — مولانا محمد تقی عثمانی صاحب
- تاریخ فقہ اسلامی — شیخ محمد خضریٰ
- معدن الحقائق شرح کنز الدقائق — مولانا محمد حنیف گنگوہی
- احکام اسلام عقل کی نظر میں — مولانا محمد شرف علی تھانوی رح
- حیلہ ناجزہ یعنی عورتوں کا حق تنسیخ نکاح — ” ” ” ” ” ”

اردو بازار ۵ ایم ایچ جیل روڈ مستند اسلامی علمی کتب کا مرکز
کراچی پاکستان ۷۱۲۶۳۱۸۱